چہارم

بقلم

ترجمانِ مصلح الامت
حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب جامی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر
دائرۃ الاشاعۃ خانقاہ مصلح الامۃ
۲۵/۲۳ بخشی بازار الہ آباد ۳

قال امام الصوفیہ جنید رحمۃ اللہ علیہ

(عند ذکر الصالحین تتنزل الرحمۃ)

سرخیل جماعت صوفیہ حضرت جنید فرماتے ہیں کہ:

(صالحین کے حالات کے بیان کے وقت رحمت الٰہی نازل ہوتی ہے)

(بناءً علیہ)

حالاتِ مصلح الامۃ

حصہ (یعنی) چہارم

مصلح الامۃ عارف باللہ حضرت مرشدنا مقتدانا مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوری (اعظمی) حنفی چشتی صابری اشرفی نور اللہ مرقدہ کے حالات زندگی

(بحکم)

مخدوم ومحترم جناب مولانا حافظ قاری محمد مبین صاحب مدظلہ العالی

خلیفہ وجانشین حضرت مصلح الامۃ قدس اللہ سرہ العزیز

(بقلم)

عاجز وہیچمدان عبد الرحمٰن جامی عفی عنہ

مقیم خانقاہ و یکے از خدام حضرت والا
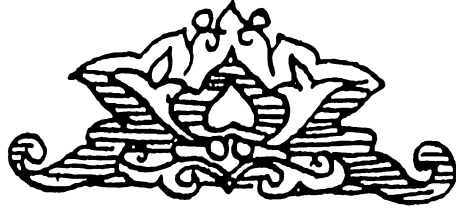
نام کتاب .... حالات مصلح الامتؒ چہارم

مرتب .... حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب جامی علیہ الرحمۃ

ناشر .... دائرۃ الاشاعت خانقاہ مصلح الامتؒ۔ ۲۳/۲۵ بخشی بازار الہ آباد۔

صفحات ۴۷۲

سن طباعت ۱۹۹۷ء

زیر نگرانی .... سعادت علی (گورینی)

قیمت حصہ اوّل .... ۱۵۰ر روپئے

قیمت حصہ دوم .... ۱۵۰ر روپئے

قیمت حصہ سوم .... ۲۶۰ر روپئے

قیمت حصہ چہارم .... ۲۰۰ر روپئے

باسمہٖ تعالیٰ
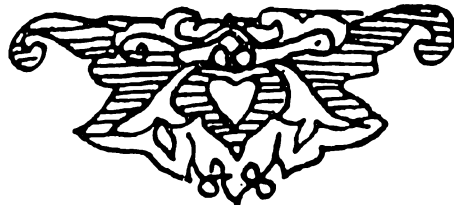
تمہید

الحمدللہ اب ہم "حالات مصلح الامت" کے طویل سلسلہ کا چوتھا اور آخری حصہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں، اس سے پہلے اسکے تین حصّے شائع ہو کر قارئین کے ہاتھوں میں پہونچ چکے ہیں حقیقت یہ ہے کہ اسقدر مفصل اور ہزاروں صفحات پر پھیلے ہوئے حالاتِ زندگی کو کتابی شکل میں لانا، جسکی طباعت اور اشاعت میں بے پناہ مشقت بھی تھی اور کثیر سرمایہ کی ضرورت بھی، جوئے شیر لانے سے کسی طرح کم نہ تھا، مگر کن فیکونی تقدیر کے مالک کیلئے مشکل سے مشکل کام میں سہولت پیدا کر دینا، کٹھن سے کٹھن راہ کو آسان بنا دینا اور بے سان گمان اسباب مہیا کر دینا کچھ بھی دشوار نہیں ہے، چنانچہ ایسے وقت اور ایسے حالات میں جبکہ اس طویل سلسلۂ حالات کی طباعت کو سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا، پردۂ غیب سے خود بخود ایک دستِ غیب برآمد ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے ہزاروں صفحات کی عمدہ طباعت اور اشاعت کا انتظام ہو گیا فللہِ الحمد والمنۃ۔

پہلا حصہ حضرت مصلح الامت رح کے ابتدائی حالات، تعلیم، قیام تھانہ بھون، قیام کانپور، پھر قیامِ وطن یعنی فتحپور تال نرجا کے حالات اور وطن و اطراف میں حضرت کی اصلاحی کوششوں اور انکا نتیجہ پھر بعض اصلاحی جماعتوں سے متعلق حضرت والا کا طرزِ عمل اور مسلک کی تفصیلات پر مشتمل تھا۔ دوسرے حصہ میں حضرت والا کی اصلاحی تعلیمات اور طریقِ اصلاح کی خصوصیات، پھر وطن میں فتنہ کے اسباب اور وہاں سے ہجرتِ گورکھپور، پھر گورکھپور کے ڈیڑھ سالہ قیام کے بعد بیمار ہو کر الٰہ آباد کا سفر اور یہاں کا مستقل قیام پھر الٰہ آباد میں اصلاحی مساعی کا نتیجہ اور بعض خواصِ الٰہ آباد کا تذکرہ تھا۔ پھر تیسرے حصہ میں بقیہ خواص الٰہ آباد کے تذکرہ کے بعد حضرت مصلح الامت رح اور ہم عصر اکابر کے آپس کے تعلقات اور مکاتبت کی تفصیلات تھیں۔ اب یہ چوتھا اور آخری حصہ پیش کیا جا رہا ہے جسمیں درج ذیل مضامین آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔

- اہل فتحپور کی طرف سے حضرت والا کی خدمت میں معذرت اور انکی رجوعات۔
- سفر علیگڈھ کی روداد۔
- اسفار بمبئی کے محرکات اور اسکے فوائد۔

- سفر حج کی تیاری اور اسکی تفصیلات۔
- پھر دوران سفر حضرت والا کا سانحہ، وفات اور رفقاء متعلقین پر گذرے حالات۔
- تعزیت نامے اور مرثئے۔ • فہرست خلفاء مجازین۔
- فہرستِ تصنیفات و تالیفات۔

ضروری وضاحت! دو ہزار صفحات پر پھیلی "حالاتِ مصلح الامتؒ" کی یہ ضخیم جلدیں دراصل ان مضامین کا مجموعہ ہیں جو "حالات مصلح الامت" کے زیر عنوان حضرت کی خانقاہ سے جاری ماہنامہ معرفت حق پھر وصیۃ العرفان میں سلسلہ وار شائع ہوتے رہے ہیں، مرتب حالات حضرۃ الاستاذ مولانا عبدالرحمٰن صاحب جامیؒ[1] نور اللہ مرقدہٗ نے اس سلسلہ کے پورا ہونے کے بعد اسکو چار جلدوں میں مرتب کرنے کا ایک خاکہ بنایا تھا اور اسکا ایک اشاریہ بھی اپنے مسودہ میں تیار کیا تھا لیکن مسلسل سخت امراض کیوجہ سے اسکی نوبت نہ آسکی حتیٰ کہ آپکا وقت موعود آگیا اور "حالات مصلح الامت" کی ترتیب و تہذیب کا کام باقی رہ گیا۔

اب چونکہ یہ ایک مشکل اور دیر طلب کام تھا اس لئے اسی حال میں اسکو پیش کیا جارہا ہے ہوسکتا ہے بعض حضرات کو ترتیب وغیرہ کی کمی کا احساس ہو تو اسکے لئے ہمکو معذور سمجھیں۔

تکمیلاً للفائدہ کچھ اضافے بھی کئے گئے ہیں جو اصل کتاب میں نہ تھے مثلاً حالاتِ وفات مصلح الامت، فہرست خلفاء و مجازین جو محی السنۃ حضرت مولانا ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم کی طرف سے الگ سے ایک رسالہ کی شکل میں شائع ہوئی تھی اور فہرست تالیفات و تصنیفات، اسطرح یہ سلسلہ اب مکمل صورت میں پیشِ خدمتِ ناظرین ہے۔

آخر میں ہم پھر اپنی اس سعادت پر شکر ادا کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے محض اپنے فضل خاص سے اس بارگراں کو نہایت سہولت سے پایۂ تکمیل کو پہونچا کر سبکدوش فرمایا فالحمد للہ اولاً و آخراً فبنعمتہٖ تتم الصالحات وعلی نبیہٖ التحیات والصلوٰت۔

سعادت علی

---

[1] مرتب حالات مصلح الامت کے حالات زندگی "ذکر جامی"، بھی زیر طبع ہے اللہ تعالےٰ طباعت و اشاعت آسان فرمائے۔

فہرست حالات مصلح الامت رح حصہ چہارم

راقم نے عرض کیا تھا کہ الٰہ آباد تشریف لانے کے بعد حضرت والا کا اصلاحی کام بہت زیادہ بڑھ گیا وطن کے لوگوں کے خطوط اصلاحی تو آتے ہی تھے گورکھپور قیام کی وجہ سے وہاں بھی لوگوں نے حضرت کیجانب رجوع کیا اور انکے خطوط بھی برابر آتے تھے، پھر الٰہ آباد میں لوگوں کی اصلاح کے سلسلہ میں حضرت والا کو بڑی محنت کرنی پڑی جیسا کہ گذشتہ صفحات میں اسکا کچھ نمونہ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اور جن لوگوں نے خلوص سے رجوع کیا انکی اصلاح بھی ہوئی اسکے بیان کیلئے راقم نے چند مشہور حضرات کا تذکرہ ہی کر دیا۔ یہی دور چل رہا کہ گاؤں کے اور وطن کے حضرات کے پاس شمس الدین نے سلسلہ جنبانی شروع کی کہ حضرت والا سے میری معافی کی سفارش کر دیں۔ سب نے ابتداءً تو اس سے یہی کہا کہ بھائی تمہاری وجہ سے حضرت نے اپنا گھر بار چھوڑا یہ جرم اتنا بڑا تم نے کیا ہے کہ ہماری تو ہمت نہیں پڑتی کہ ہم اس سلسلہ میں حضرت سے کچھ کہہ سکیں لیکن اس نے ایک ایک شخص کے پاس دوڑ دھوپ شروع کر دی تو بالآخر وطن کے لوگوں کے جو خطوط آتے تو دبی زبان سے اسمیں شمس الدین کا بھی ذکر ہونے لگا۔

حاصل اسکا یہی ہوا کہ حضرت والا نے شمس الدین کو الٰہ آباد آنے کی اجازت دیدی۔ اس نے صدق دل سے معافی مانگی، حضرت اقدس نے دل سے معاف فرما دیا۔ پھر اس نے دوسری خواہش پیش کی کہ حضرت والا نے مجھے معاف فرما دیا ہے یہ حضرت کا کرم ہے لیکن دیار کے لوگ مجھے اب بھی معاف کرنے والے نہیں۔ حضرت کے وطن سے چلے آنے کیوجہ سے سارا دیار ایسا سونا ہو گیا ہے کہ جدھر سے گذرتا ہوں ہر ہندو مسلمان ملامت کرتا ہے کہ "انھیں کیوجہ سے مولانا صاحب یہاں سے چلے گئے" تو حضرت میرے ماتھے پر یہ کلنک کا ٹیکا ایسا لگا ہوا ہے جسکو مٹانا میرے بس میں نہیں حضرت ہی چاہیں تو اسکو دھو سکتے ہیں وہ یوں کہ حضرت چند دنوں کیلئے وطن چلنا منظور فرمالیں تاکہ میں سب کے سامنے سرخرو ہو سکوں کہ اگر میری وجہ سے حضرت مولانا یہاں سے چلے گئے تھے تو میں ہی حضرت کو لے بھی آیا۔

بات چونکہ معقول تھی اسلئے حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ میں نے تو اب الٰہ آباد کو وطن بنالیا ہے دیکھو یہ مکان بھی لے لیا ہے اب میں وطن مستقل تو لوٹوں گا نہیں البتہ میں نے وہاں نہ جانے کی کوئی قسم تو کھائی نہیں اسلئے ابھی نہیں ہاں جب جی چاہے گا آجاؤں گا۔ پھر حضرت والا رحمہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد حسب وعدہ الٰہ آباد سے عارضی طور پر وطن تشریف لیگئے اور تقریباً ۳ ماہ وہاں قیام فرمایا

چونکہ اہل اھواء نے غلط طور پر یہاں یہ بات مشہور کر رکھی تھی کہ حضرت اقدس نے معاذ اللہ مخالفین کے خوف سے اور ان سے ڈر کر وطن ترک کر دیا ہے اسلئے انکی اس بے بنیاد اور غلط افواہ کی عملی تردید فرمانے کیلئے الٰہ آباد سے چند معزز حضرات کو بھی ہمراہ لے گئے تاکہ وہ لوگ خود اپنی آنکھوں سے حضرت والا کی محبوبیت اور عزت و احترام کا اندازہ بالمشاہدہ کر لیں۔

آئندہ سطور میں اسی معافی اور سفر وطن کا تذکرہ بالتفصیل عرض ہے۔

مجرم کا معافی چاہنا

(اہل وطن کی سفارش اور معافی مانگنے کے بعد حضرت کا عارضی طور پر سفر وطن فرمانا)

اصل واقعہ بیان کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان چند حضرات کا تعارف ناظرین کے پیش نظر کر دیا جائے جن کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس سلسلہ میں آئے گا اسکی وجہ سے واقعات کے سمجھنے میں بھی سہولت ہوگی اور یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ حضرت اقدسؒ اپنے گرد و پیش کے عوام و خواص کی اصلاح سے کسی وقت تسامح نہیں فرماتے تھے بلکہ حالت رضا کی ہو یا غضب کی بہرحال اپنے لوگوں کو اخلاق اور اخلاص پر برابر ابھارتے رہتے تھے اولاً شفقت کے ساتھ نصیحت فرماتے اور ضرورت سمجھتے تو عتاب اور مواخذہ سے بھی دریغ نہ فرماتے اور یہی ایک شیخ کامل کا کمال ہے کہ ہر وقت اسکے پیش نظر خلق خدا کی صلاح و اصلاح ہی رہے اس سے اس باب میں غفلت نہیں ہوتی پھر کوئی سنے یا نہ سنے مانے یا نہ مانے۔ ظاہر ہے کہ اتنے عظیم سانحہ کے بعد اپنے نقصان سے صرف نظر کر کے دوسروں کے دینی نفع کو پیش نظر رکھنا گویا اپنی دنیا بھلا کر دوسرے لوگوں کی دینی اصلاح میں اپنے کو گھلانا نوادرِ زمانہ میں سے ہے۔ وذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

(رفیع اللہ چچا کے بدست پیغام بنام اہلِ فتح پور)

"بیوقوف سے بیوقوف آدمی کو بھی حوادث اور واقعات سبق دیدیتے ہیں اور تجربات کے بعد اسکو بھی عقل آ ہی جاتی ہے لیکن آپ لوگوں کے حالات کو دیکھکر بس اس شعر کے پڑھنے کو جی چاہتا ہے کہ ؎

دہر میں کیا کیا ہوئے ہیں انقلابات عظیم آسماں بدلا، زمیں بدلی، نہ بدلی خوئے دوست

کیونکہ دیکھتا ہوں کہ مخالف سے مخالف پر اثر پڑ جاتا ہے اور وہ اپنی حالت بدلنے

کیلئے تیار ہو جاتا ہے، اپنے جرم اور قصور کا اعتراف کرتا ہے اور اسکی معافی مانگتا ہے لیکن جو لوگ کہ پہلے سے ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں (اور جن سے میرا یہی اختلاف رہا ہے کہ وہ محبت اور عقیدت کا دعویٰ کرتے ہیں اور میں کہتا ہوں کہ آپ ہی لوگ نہیں مانتے کیونکہ ماننے والوں کا طریقہ ہی کچھ اور ہوتا ہے اور کسی کے ماننے کے جو لوازمات ہوتے ہیں وہ آپ لوگوں میں نہیں دیکھتا اسلئے آپکا دعویٰ بے دلیل ہے)

ان لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ اسی قدیم جگہ پر ہیں اور سب کچھ ہو جانے کے باوجود اپنے اندر ذرا تبدیلی پیدا کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ ماننے والوں کا سب سے نمایاں وصف جو ہے یعنی اخلاص اسکا کوسوں پتہ نہیں ہے اور نہ اسکی فکر ہے کہ اپنے اندر اخلاص پیدا کریں اور اسکو ثابت کریں ظاہر ہے کہ اخلاص تو آدمی کے دل میں ہوتا ہے تاہم جس کے اندر ہوتا ہے تو اسکے اقوال و افعال میں بھی جھلکتا ہے لیکن صاف صاف کہتا ہوں کہ دوسرے دوسرے لوگ اس میں بہت آگے ہیں اور آپ لوگ بہت پیچھے ہیں۔ آپ لوگ وہاں جو کچھ کرتے ہوں ہمیں اسکی کیا خبر، جنگل میں مور ناچا کس نے دیکھا، ہم تو اپنے ساتھ پیش آنے والے معاملات پر حکم لگانے کے مکلف ہیں چنانچہ آپ لوگوں کے دعوئ اخلاص کے بعد بھی ہم تو یہی کہنے پر مجبور ہیں کہ مجھ سے اخلاص کا نام آپ لوگوں نے سن لیا ہے اور مجھ ہی پر مشق کرتے ہیں بس اسکی یہی حیثیت ہے باقی اخلاص کے ساتھ متصف ہونا تو بجائے خود رہا اسکے کوچہ میں بھی ابھی آپ لوگوں کا گذر نہیں ہوا اب آئندہ کے بارے میں کیا ارادہ ہے"۔ والسلام۔

وصی اللہ عفی عنہ

راقم عرض کرتا ہے کہ حضرت والاؒ نے اس تحریر کے ذریعہ اہل فتحپور کو تو اولاً اور ثانیاً اپنے تمام مسترشدین کو اس بات کی تنبیہ فرمائی ہے کہ اتنی بے حسی

ٹھیک نہیں ہے حالات اور واقعات کے پیش آنے کے بعد تو انسان کو بھلے برے میں تمیز اور دوست دشمن کی پہچان ہو ہی جانی چاہیئے اب ایسے موقع پر بھی کچھ اثر نہ لینا ہماری انتہائی غفلت کا پتہ دیتی ہے ؎

انقلاباتِ جہاں واعظ حق ہیں سن لو! ہر تغیرّ سے صدا آتی ہے فافہم فافہم

پھر یہ کہ مخالف کے لیئے آئندہ کے لئے لائحۂ عمل متعین فرما دیا کہ وہ اعتراف جرم کرے اور معافی طلب کرے اور موافقین سے اخلاص کا مطالبہ فرمایا کہ یہی مواقع مخلص کو غیر مخلص سے ممتاز کرتے ہیں باقی بڑا دعوائے عقیدت ومحبت اور حقیقی اعتقاد وتعلق میں فرق ہوتا ہے اس نوع کے معیار سے انسان خود سمجھتا ہے کہ اس میں کتنی خامی ہے اور کیونکر وہ دور کیجا سکتی ہے۔ چنانچہ واقعات رونما ہوئے۔ نقصانات ہوئے، صدمات پہونچے یہ سب مقدرات ہیں جن سے چارہ نہیں لیکن اسکے بعد بھی مخلوق خدا بے حسی، بد اخلاقی اور عدم اخلاص کا شکار نہ ہو جائے اس کا کتنا اہتمام اور اسکی کس درجہ فکر تحریر سے نمایاں ہے۔

نیز کسی صاحب نے اسی سلسلہ میں حضرتؒ کو کچھ لکھدیا (شاید یہ کہ خانقاہ حاضری ہوئی اسکی ویرانی دیکھکر مجھے رونا آ گیا وغیرہ وغیرہ) اسکا جو جواب حضرت اقدسؒ نے مرحمت فرمایا ملاحظہ ہو۔

فرمایا کہ ــــ" سب سے زیادہ شکایت احباب سے مجھے جس امر کی ہے وہ یہی ہے کہ لوگ فہم سے کام نہیں لیتے نہ تو خود کوئی بات سمجھتے ہیں نہ سمجھانے سے سمجھتے ہیں اور یہ اسوقت اور زیادہ ہو جاتی ہے جب کسی ایسے شخص سے کوئی بات دیکھتا ہوں جس کے متعلق اپنے ذہن میں یہ خیال قائم کر لیتا ہوں کہ یہ باتوں کو کچھ سمجھنے لگا ہے۔

آپ نے جو یہ خط مجھے لکھا اس سے مجھے سخت تکلیف ہوئی آپ نے تو محبت کے جذبات کا مظاہرہ فرمایا میں تو ایسا نہیں ہوں کہ جذبات کی رو میں بہہ جایا کروں اور جس وقت جیسا تقاضا محبت کا اٹھے فوراً وہ کام کر گذرا کروں۔

آپ جانتے ہیں کہ میں نے مکان، خانقاہ، مسجد رہنے اور کام کرنے کے لئے بنوایا تھا بنوا کر چھوڑ آنے کے لئے نہیں بنایا تھا لیکن مخالفین کی شرپسندی کی وجہ سے میں نے وہ جگہ ہی چھوڑ دی اور ابھی حالات کم و بیش اسی طرح کے ہیں اسکو بھی آپ جانتے ہیں پھر بھی مجھے ترغیب دے رہے ہیں کہ احباب کی محبت کی وجہ سے چلا آؤں اور اغیار کے شر کا کچھ خیال نہ کروں یہ کیوں؟ باقی آپ نے رونے کے بارے میں جو لکھا ہے تو آپ سے زیادہ میں رو سکتا ہوں اسلئے کہ میں نے اسکو بنوایا ہے مگر عزت بھی تو انسان کی کوئی چیز ہوتی ہے اسکی خاطر آدمی کیا کیا نہیں کرتا آپ لوگوں سے ہمارا یہی اختلاف ہے آپ لوگ کہتے ہیں کہ آجاؤ یہاں ہی رہو بلا سے بے عزتی ہی رہو اور میں کہتا ہوں کہ جب انسان کی آبرو ہی نہ رہ جائے تو پھر کیا رہا کسی کی بے آبروئی مرادف ہے اسکے قتل کے اس لئے ایسی جگہ کا رخ بھی نہیں کرنا چاہیئے۔

اور آپ بھی جانتے ہیں کہ میں نے یہاں بھی مکان لے لیا ہے۔ مسجد بنوائی اور اب مدرسہ کی بنیاد رکھنے والا ہوں، لوگ دور دور سے اسکی تائید کر رہے ہیں اور خواہش ظاہر کر رہے ہیں کہ ہاں مدرسہ ضرور ہونا چاہیئے لیکن آپ لوگوں کے فائدے کے آگے یہ سب امور قابل التفات ہی نہیں ہیں کیا میں بھی بس احباب کے جذبات کا ایک کھیل بن جاؤں کہ وہاں بلائیں تو بیدل ہی وہاں بھاگا چلا آؤں اور یہاں ضرورت ہو تو یہاں آجاؤں تاکہ نہ وہاں کا رہوں اور نہ یہاں کا۔

ان باتوں کا ذکر آپ لوگوں کے سامنے بارہا آیا ہے مگر سب کچھ سننے اور جانتے کے باوجود جب آپ لوگ وہاں تشریف لیجائیں گے تو پھر یہی لکھدیں گے کہ لوگ یتیم ہو گئے، تم چلے آؤ۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ یہ کیا طریقہ ہے؟ اس سے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ آخر آپ لوگ کب بات کو سمجھیں گے؟

وصی اللہ عفی عنہ،

مذکورہ بالا تحریر میں مسجد ۔ خانقاہ ۔ مکان اور ترک وطن کا جو غم
حضرت والا کو تھا اسکو صاف دیکھا جا سکتا ہے لیکن یہ رنج وغم اہل دنیا کے رنج
وغم کی طرح نہ تھا عقلاً اور دیناً حضرتؒ اسپر راضی و مطمئن تھے اور اعتقاداً یہ سمجھتے
تھے کہ خدا تعالیٰ کی جانب سے جو حالات رونما ہو رہے ہیں وہ ان شاء اللہ اسکا
مصداق ہوں گے کہ عسیٰ ان تکرھوا شیئاً وھو خیر لکم اور الخیر فیما
وقع کی حضرت والا کو دل سے تصدیق حاصل تھی اور یہ سمجھتے تھے کہ ؎ ۔

چرخ کو کب یہ سلیقہ ہے ستمگاری میں
کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

بلا شبہ اللہ والے ہر معاملہ میں راضی برضا رہ کر بڑی جنت سے نجات پا جاتے ہیں
تاہم حضرت اقدس نے آبادی خانقاہ اور مسجد کا انتظام یہ فرمایا کہ وطن
اور اطراف وطن سے آنے جانے والوں کو خانقاہ میں ایک وقت حاضر ہو کر ذکر
و تلاوت کی تاکید فرماتے رہتے ۔ اور مسجد میں امام اور مؤذن مستقل طور سے
مقرر فرما دیا تاکہ ایسا نہ ہو کسی وقت یہاں جماعت ہی نہ ہو ۔ نیز حضرت والا نے اپنے
مسترشد جناب مولوی عبد الروف صاحب کوپا گنج اور مولوی محمد حنیف صاحب بستوی
کو جو کوپا گنج میں مقیم تھے تاکید فرما دی تھی کہ برابر کوپا گنج وغیرہ سے خانقاہ میں آمدو
رفت رکھنے کا ایک نظم قائم کیا جائے اور لوگوں کو اسپر آمادہ کیا جائے نیز اسکی
نگرانی کیجائے لیکن جس انداز پر حضرت اقدس یہاں کام دیکھنا چاہتے تھے افسوس
کہ کوئی اسکا اہل نہ ثابت ہو سکا چنانچہ ہوا یہ کہ مولوی عبد الروف صاحب جو ایک
اچھے عالم و ذی استعداد شخص اور پابند معمولات و اوراد تھے وہ کچھ ہی عرصہ کے
بعد بیمار ہو کر اپنے گھر کوپا گنج چلے گئے اور جب صحت یاب ہوئے تو پورہ معروف
والوں نے انھیں اپنے مدرسہ میں رکھ لیا ۔ رہے مولوی حنیف صاحب تو انکا مستقل قیام
تو کوپا گنج ہی میں تھا تاہم حسب استطاعت فتحپور کبھی آتے جاتے رہے اور
لوگوں کو آمادہ کرتے رہے ۔

اسی زمانہ میں مولوی عبدالروف صاحب نے عرصہ کے بعد حضرت کو ایک خط لکھا۔ خط اور اسکا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

(نقل خط مولوی عبدالرؤف صاحب کوپا گنج)

فتحپور آنے جانے کا سلسلہ حضرت والا کی برکت سے قائم ہوگیا چار جماعت یہاں سے بنائی گئی ہے ہر ہر ہفتہ میں دس پانچ آدمی یہاں سے جاتے ہیں۔ نیز دوسری جگہ سے بھی لوگ آتے ہیں پنجشنبہ کو اچھا اجتماع ہو جاتا ہے۔ انتہیٰ۔ محرم ۸۰ھ

(از رجسٹر مجلد محرمی)

حضرت اقدسؒ کو انکے کام کا یہ انداز کچھ پسند نہ آیا نیز خط بھی انھوں نے ایک عرصہ کے بعد ارسال کیا تھا اسلئے اظہار خفگی کے طور پر اس خط کا جواب مولوی محمد حنیف صاحب کے واسطہ سے مولوی صاحب موصوف کے پاس گیا۔

(جواب حضرت والا بنام مولوی محمد حنیف صاحب بستوی)

مولوی محمد حنیف صاحب سلمہٗ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ــ مولوی عبدالرؤف کا خط آیا تھا اسکا جواب حسب ذیل ہے انکو بلاکر سنا دیجئے۔ اور پھر لکھئے کہ وہ سمجھے یا نہیں۔

آپ کا خط ملا آپکی عنایت کا ممنون ہوا کہ بہت دنوں پر خبر تو لیا۔ چونکہ آپ نے مجھے مخاطب کیا ہے اسلئے عرض ہے کہ میں نے خانقاہ کام کرنے کے لئے بنوائی تھی اور کام کر رہا تھا مگر میں شہر کیوجہ سے دوسری جگہ منتقل ہوگیا تو یہ توقع تھی کہ آپ لوگ کام سنبھال لیں گے اور خانقاہ کو آباد رکھیں گے۔ چنانچہ آپ کو اسی غرض کے لئے خانقاہ میں رکھا بھی گیا مگر آپ مستقل مریض ہوکر گھر بیٹھ رہے پھر لوپورہ معروف چلے گئے وہاں مزے میں تندرست ہیں۔ بہرحال اتنے دنوں تک تو نہ آپ لوگوں نے خانقاہ کا خیال کیا اور نہ اسکی آبادی کی فکر ہوئی، اب مولوی ظہیرالدین صاحب

کی وجہ سے کچھ آمادہ ہوئے ہیں تو یہ میں کیسے سمجھوں کہ یہ کام جو شروع ہوا ہے وہ خلوص اور صدق سے ہوا ہے میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ سب محض کہنے سننے کی وجہ سے ہے اسکا منشاء خلوص نہیں ہے۔

آپ نے جو یہ لکھا ہے کہ آنے جانے کا سلسلہ قائم ہوگیا ہے چار جماعت یہاں سے بنائی گئی ہے اس سے میں یہ سمجھا کہ اتنے دنوں رہنے سہنے کے بعد بھی ذرا بھی سمجھ نہیں پیدا ہوئی اور نہ اس کام سے مناسبت پیدا ہوئی اس لئے کہ کام جو ہوا ہے تو جماعتی طور پر نہیں ہوا ہے بلکہ فرداً فرداً بزرگوں کی خدمت میں لوگ گئے ہیں اور اپنے اندر اخلاص پیدا کیا ہے اور کام کو سیکھا ہے اس طرح ایک ایسی جماعت تیار ہوگئی کہ ایک ایک فرد ایک ایک جماعت کے برابر تھا لیکن افسوس کہ اب نظر مقصور ہوگئی ہے صورت اور کثرت پر۔ اصل کام کی طرف ذرا بھی توجہ نہیں ہوتی حتیٰ کہ جو لوگ اہل علم ہیں اور بزرگوں کی صحبت میں ایک مدت مدید تک رہے بھی ہیں وہ بھی اس سے کورے ہیں تا بہ عوام چہ رسد۔ مجھے رونا تو اسی کا ہے کہ آپ لوگوں نے میرے کام کو ذرا بھی نہ سمجھا اور سیکھا۔ دوسروں کا فائدہ تو اپنی تعلیم پر موقوف ہے۔

میں نے حضرت مولاناؒ سے جو کچھ سیکھا اسی کی ہر جگہ تعلیم کرتا ہوں جہاں بھی رہتا ہوں صدق و خلوص سکھاتا ہوں اور یہی اپنے لوگوں سے چاہتا ہوں مگر اب بھی آپ لوگ کان نہیں دھرتے کس قدر ضیق کی بات ہے

آپ خود بتلائیے کہ آپ کے جو جماعت بنائی ہے اسمیں اور دوسری جماعتیں جو آجکل ہیں اسمیں کیا فرق ہے؟ آجتک جو کام نہیں ہوا تو اسی لئے کہ میں نے جب بھی کچھ بازپرس کی تو سب ملکر ایک جواب بنا کر دیدیتے تھے اسمیں بہت سے غیر مخلص بھی رہتے تھے جو ذرا بھی کام پر آمادہ نہیں ہوتے تھے جب ہر شخص کا معاملہ الگ الگ رہتا ہے تو معاملہ کرنیمیں بھی آسانی ہوتی ہے ہر شخص کو اسکے درجہ پر اتارا جاتا ہے اور ویسا ہی معاملہ کیا جاتا ہے بہرحال یہ جو کچھ لکھا گیا ہے آپکے مخاطب بنانے کی وجہ سے لکھا گیا ہے اگر کچھ بات سمجھ میں آئی ہو تو لکھئے "۔

وصی اللہ عفی عنہ

راقم عرض کرتا ہے کہ حضرت اقدس کے مسلک کے سالکین اور حضرت مصلح الامۃؒ کے محبین اس تحریر کو غور سے پڑھیں اور دیکھیں کہ حضرت نے مولوی صاحب موصوف کو کیا تنبیہ فرمائی اور ان کے طریق کار کو اپنے طریق کار کے خلاف کیوں سمجھا اور جماعتی کام اور انفرادی اصلاح میں کیا فرق انکو سمجھانا چاہا، اور خود حضرت والا نے اپنے لئے اور اپنا طریقہ کس نوعِ کار کو تجویز فرمایا؟ ان تمام امور کے جوابات ناظرین کو حضرتؒ کے اس ایک جواب میں مل سکیں گے۔ اب اسکے بعد حضرتؒ کے طریق کار کو بھی دوسرے طریقوں سے علیٰ وجہ البصیرت الگ سمجھا جا سکتا ہے اور اسی کی ترویج واشاعت، حقِ نیابت کی ادائیگی قرار دیجا سکتی ہے۔ ورنہ تو بظاہر مولوی صاحب موصوف پر ناراضگی کی وجہ اور انکی تجویز کردہ صورت کی قباحت کا سمجھنا اور سمجھانا دشوار ہو جائے گا۔

بات یہ ہے کہ حضرت والاؒ نے کمیٹی کمیٹا بنانے اور رسمی طور پر جماعت اور اجتماع کرنے کو ہمیشہ ناپسند فرمایا چنانچہ دیکھا کہ مولوی صاحب بھی چلے اسی راستہ پر اور میرا طریق جس پر میں ساری عمر عامل رہا اور جس کو میں نے حضرت تھانویؒ سے سیکھا اس پر یہ آنا نہیں چاہتے اور یہ خواص کا حال ہے یہ چیز حضرتؒ کے لئے سبب ضیق اور وجہ ناراضگی بنی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اسی طرح کوئی صاحب فتحپور تشریف لے گئے وہاں کی ویرانی سے متاثر ہوئے اور دعا کی کہ اللہ تعالیٰ پھر حضرت اقدس کو یہاں لے آوے اور اس جگہ کو آباد فرمائے اور اسکی اطلاع یعنی حضرت کے فتحپور واپس تشریف لانے کی تمنا بشکل دعا حضرت والا سے بھی کر دی جس نے یہاں کا سارا نقشہ حضرت کے سامنے کر دیا اس سے متاثر ہو کر حضرت نے مولوی حنیف صاحب بستوی کو گویا گنج ایک تحریر بھیجی اور فرمایا کہ فتحپور اور اطراف میں لوگوں کو جمع کر کے اسکو سنا دیں۔ (یہی حضرتؒ کا طریقہ تھا کہ جس پیغام کو فرمانا چاہتے تھے جگہ جگہ لوگوں کو جمع کر کے کوئی اسکو سنا دیا کرتا تھا اور حضرتؒ کو لوگوں کے تاثر کی اطلاع کر دیتا تھا)

(نقل تحریر حضرت والا بنام مولوی حنیف صاحب بستوی)

مولوی حنیف صاحب سلمہٗ ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ ۔

آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ بعض حضرات فتح پور تشریف لے گئے اور وہاں جاکر متاثر ہوئے ہیں یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہاں کے لوگوں کے کہنے سے یا اپنے جذبہ سے اپنے تاثرات کا ایک خط میرے پاس لکھکر بھیجا اور اس میں دعا بھی کی ہے میرے فتحپور جانے کی ۔ دعا میں کسی کو کیا کلام ہو سکتا ہے مگر حالات جو نمودار ہوئے ہیں ان کے ماتحت اسوقت اپنے بہی خواہوں کی طرف سے ایسا اقدام مجھکو فتنے میں ڈھکیلنے کے مرادف ہے ۔ صرف محبت ہی سے کام لینے کی ضرورت ہے ، عقل و تجربہ سب بیکار چیزیں ہیں ؟ عزت و آبرو کوئی حفاظت کی چیز نہیں ؟ جہاں خطرہ ہو کہ یہ سب محفوظ نہیں وہاں لوگوں کے بلانے یا کہنے سے کیسے چلا جانا قرین قیاس ہو سکتا ہے میں سمجھتا ہوں کہ ایسی جگہ نہ دین محفوظ رہ سکتا ہے نہ عزت و آبرو ۔ ہم جیسے آدمی کے لئے بہت احتیاط کی ضرورت ہے اور احتیاط بھی فتنہ کے اوقات میں تو اور ضروری چیز ہو جاتی ہے ۔ آپ سے گذارش ہے کہ لوگوں کو سمجھائیے کہ عقل درست کر کے کام کریں اور خلوص و دیانت پیدا کرنے کی کوشش کریں ۔ سب سے زیادہ ضروری چیز یہ ہے ۔

اب میں ایک بات انلوگوں سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ مجھکو وطن سے آئے ہوئے چار پانچ سال کا زمانہ ہو گیا کتنے لوگوں نے مجھ سے اصلاحی تعلق پیدا کیا ؟ اگر اس دعوے میں سچے ہیں تو ان کے ذمہ کیا یہ نہیں تھا یہ لوگ کیا یہ نہیں جانتے کہ میں ایک پرانے خیال کا مولوی ہوں اور تھانہ بھون رہ چکا ہوں میرے عقائد و معاملات اور اخلاق سب وہاں کے ہیں کس نے ان باتوں میں میری موافقت کی ؟ پھر بھی ایک بات پر اصرار ہے اور وہ بھی خلاف دلیل اسمیں دیانت کا کتنا حصہ ہے بات یہ ہے کہ میرے اور ان کے نظریہ میں تفاوت ہے میں حقیقت

چاہتا ہوں اور یہ لوگ ظاہرداری۔ ایسے دو شخصوں میں کبھی اتحاد نہیں ہو سکتا۔
آپ ایک مجمع اپنا یہاں کر کے ایک فتحپور میں کرکے اور ایک مئو میں کرکے یہ سب
مضامین پہونچا دیجئے۔ آپ کو ثواب ملیگا انشاء اللہ تعالےٰ۔ والسلام۔
وصی اللہ عفی عنہ

(جواب مولوی حنیف صاحب بخدمت اقدس حضرت مصلح الامۃ)

عریضہ: حضرت والا کا پسندنامہ شرف صدور لایا اسے بہت غور سے پڑھا مجھے
اس سے بہت تأثر ہوا۔ تحقیق: الحمد للہ۔
عریضہ: ہر بار پڑھنے میں ایک نئی روشنی ملی جتنی بھی اسکی اشاعت ہو جائے
کم ہے۔ مضمون ملنے کے ساتھ ہی اجتماع نہ ہو سکا ایک روز ناغہ ہوا اسی روز
مئو چلا گیا وہاں تقریباً ۲۴ گھنٹے ٹھیرنا پڑا مگر سوائے مخصوص حضرات کے اور
لوگوں کا اجتماع نہ ہو سکا شدید بارش کیوجہ سے آمد و رفت مشکل ہوگئی۔ جناب
قاری (ریاست علی) صاحب اور مفتی (نظام الدین) صاحب نے فرمایا کہ
بارش کے باعث کوئی دن مقرر نہیں کیا جا سکتا ہم لوگ خود کوئی دن مقرر
کریں گے میں واپس چلا آیا کئی روز کے انتظار کے بعد حاجی سمیع اللہ خاں صاحب
کے ساتھ گیا اسبار اجتماع ہو گیا لوگ آئے۔ حضرات علماء بھی تھے باتوں کو
بہت توجہ سے سنا اور اثر لیا وہاں کے (یعنی مئو کے) لوگوں کا تأثر سب سے
زیادہ رہا۔ تحقیق: الحمد للہ۔
عریضہ: فوراً ہی لوگوں نے کہا کہ ہم اپنی کوتاہی اور کمی کو دور کریں گے اور
اصلاحی تعلق کو مضبوط کریں گے۔ تحقیق: انشاء اللہ تعالیٰ
عریضہ: ہماری طرف سے حضرت والا سے درخواست کردو کہ ہمارے لئے
دعاء فرمائی جائے۔ تحقیق: دعاء کرتا ہوں۔
عریضہ: یہاں (کوپاگنج) کے لوگوں نے بھی اثر لیا مگر نسبتہً وہاں سے کم۔ اندازہ

ہو رہا ہے کہ انشاء اللہ جمود ٹوٹے گا۔ ہر داس پور بھی فتحپور آتے جاتے گیا
مولوی ثناء اللہ صاحب سے ملاقات ہوئی۔ اہل اعتقاد متمیز ہو جاتے ہیں۔

تحقیق : بیشک۔

عریضہ : فتحپور میں بھی مضمون پھر پہونچانے کا ارادہ ہے۔ جی چاہتا ہے کہ اس مضمون کی ایک نقل جناب حکیم ظہیر الدین صاحب کے پاس بھی بھیجدوں کہ وہاں بھی اشاعت ہو جائے۔ انتہیٰ۔

حضرت اقدسؒ کے مندرجہ بالا مکتوبات سے ناظرین کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ حضرت نے اپنا وطن گو ترک فرما دیا تھا لیکن وطن اور اطراف وطن کے لوگوں کی اصلاح برابر مدنظر رہی اسکی جانب سے حضرت کبھی بھی غافل نہیں ہوئے۔ چنانچہ جب شمس الدین مرحوم کے دل میں بھی اللہ تعالےٰ نے ہدایت کا خیال ڈالا تو اسکو بھی اپنی سابقہ حرکت پر ندامت دامنگیر ہوئی اور خود سے ابتداءً تو حضرت والا سے عرض کرنے کی ہمت نہیں پڑی مگر برادری اور وطن کے لوگوں میں سے جنکے متعلق سمجھا کہ حضرت انکی سفارش ضرور قبول فرمالیں گے ان سے سلسلہ جنبانی شروع کر دی۔ اس سلسلہ میں تین حضرات کے نام مکتوبات ملے اور ان سے حضرت اقدس کی مکاتبت بھی ہوئی اسلئے پہلے ان حضرات کا تھوڑا سا تعارف کرا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ یہ تینوں حضرات عالم تھے اور حضرت اقدسؒ سے قریبی تعلق رکھتے تھے۔ وہ حضرات یہ تھے :—
مولوی عبد القیوم صاحب فتحپوری۔ مولوی عبد الحکیم صاحب جین پوری۔ مولوی حکیم ظہیر الدین صاحب ندوہ سرائے ——— ان میں آخر الذکر جناب حکیم ظہیر الدین صاحب حضرت کے دیوبند میں بعض کتب میں ہم سبق رہ چکے تھے اور ثانی الذکر مولوی عبد الحکیم صاحب سیاست میں حضرت مولانا مدنیؒ کے ہم مشرب تھے لیکن حضرتؒ کے پاس بھی آیا جایا کرتے تھے۔ غالباً دیوبند میں تعلیم کا کچھ زمانہ

مشترک گذرا تھا۔ حضرت کا احترام کرتے تھے۔ برادری کے سدھار کا خیال رہتا تھا حضرت والا بھی انکا احترام کرتے تھے اور ان کے ساتھ باہم معاملہ مساوات ہی کا فرماتے تھے۔ اول الذکر مولوی عبد القیوم صاحب فتحپوری نہ صرف یہ کہ حضرت والا کے ہموطن تھے قریبی پڑوسی بھی تھے حضرت کے مکان سے مولوی صاحب موصوف کا مکان بالکل ملا ہوا تھا۔ فتحپور کا عربی مدرسہ جواب خانقاہ سے متصل اپنی مستقل عمارت میں ہے پہلے مولوی صاحب کی باہری دالان میں تھا اور خود مولوی صاحب طلبہ کو حفظ کراتے تھے اور حضرت کی اپنی خانقاہ بننے سے پہلے دو چار مہمان جو آجاتے تھے وہ بھی اسی دالان میں قیام کرتے تھے گویا وہی اندنوں حضرت کی خانقاہ بھی تھی۔ علاوہ ازیں مولوی صاحب نہایت خلیق اور نرم مزاج واقع ہوئے تھے اسی لئے بستی کے سب ہی لوگ انکو احترام کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ حضرتؒ سے بھی تعلق تھا اور اصلاحی معاملات میں ان پر حضرت کی پوری توجہ تھی۔ معاتبہ اور مواخذہ بھی ہوتا رہتا۔ اور گاؤں کے معاملات درپیش ہوتے تو جن چند حضرات کے حوالہ حضرت والا اسکی درستگی کو فرماتے ان میں سے ایک مولوی صاحب بھی ہوتے۔ چنانچہ آخری ہنگامہ جو حضرت کی ہجرت فرمانے کا سبب بنا اس میں راقم الحروف نے خود دیکھا کہ آخر میں حضرتؒ نے مولوی عبد القیوم صاحب مرحوم ہی کو بھیجا کہ جائیے آپ انکی مسجد کے پاس سے اعلان کر دیجئے کہ اپنے لوگ واپس چلے آئیں اور یوں کہیئے کہ وصی اللہ نے کہا ہے کہ سب لوگ واپس آجاؤ کوئی شخص آگے نہ جائے۔

غالباً انھیں تعلقات اور اسی قرب کے پیش نظر شمس الدین مرحوم نے مولوی صاحب کو اپنی مطلب برآری کے لئے مفید جانکر ان سے سفارش کا خواہاں ہوا چنانچہ جب حضرت وطن سے گورکھپور تشریف لے لئے اور چند دنوں بعد وطن کے خاص خاص لوگوں کو انکی عاجزی معافی اور درخواست پر خدمت والا میں باریابی حاصل ہوگئی تو ایک موقع پر حافظ فرید الدین صاحب۔ بھائی محمد ادریس

صاحب حسنی والے اور بھائی عبدالقیوم صاحب رگھولی والے جب گورکھپور حاضر ہوئے تو اس سے کچھ ہی پہلے مولوی عبدالقیوم صاحب فتحپوری مرحوم کا خط حضرت والا کے نام جاچکا تھا جسمیں کچھ شمس الدین مرحوم کی معافی کا بھی تذکرہ تھا تو حضرت والا نے حسب عادت شریفہ برادری کے ان لوگوں سے فرمایا کہ مولوی صاحب موصوف کا یہ خط آیا ہے اسکا جواب آپ لوگ انکو دیں (حضرت فرمایا کرتے تھے کہ میں بالواسطہ زبانی یا تحریری گفتگو اسلئے بھی کرتا ہوں کہ میرے سوال سے تو وہ شخص مبہوت ہوجاتا ہے اور گھبراجاتا ہے اسلئے میں ذہنًا اسکو آسانی پہونچانے کے خیال سے کسی کو واسطہ بنا دیتا ہوں تاکہ اس سے کھلکر بات چیت کرسکے گا اور اس کی وجہ سے میں اسکے مافی الضمیر پر مطلع ہوجاؤں گا)

(خط منجانب اصحاب ثلثہ بنام جناب مولوی عبدالقیوم صاحب فتحپوری)

مکرمی ومحترمی جناب مولوی عبدالقیوم صاحب دام ظلکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔ گورکھپور حضرت والا کے یہاں آنے کے بعد معلوم ہوا کہ آپ کا ایک خط آیا ہے جس میں شمس الدین کا بھی کچھ ذکر آپ نے کیا ہے کہ وہ معافی مانگنا چاہتا ہے بڑے افسوس کے ساتھ آپکو لکھنا پڑتا ہے کہ آپ بارہا اسکے معافی کے قصہ کو سن چکے ہونگے اور یہ بات بچے بچے کی سمجھ میں آگئی کہ وہ اپنے تکبر کو برقرار رکھکر صلح چاہتا ہے اور ادھر ادھر بڑھ بڑھکر باتیں کرتا ہے اگر واقعی دل سے معافی مانگتا تو کبھی سب فساد ختم ہوگیا ہوتا مگر وہ مکاری سے حضرت والا کو خوش کرنا چاہتا ہے جو ناممکنات سے ہے۔ معافی اسکی یہی ہے کہ جس جس جگہ حضرت والا کے خلاف کہا ہے جاکر اسکا اقرار کرے اور یہ کہے کہ جو کچھ ہم نے حضرت والا کے متعلق کہا ہے سب غلط ہے اگر اسکو کرے تو سمجھئے کہ دل سے چاہتا ہے، ورنہ سمجھئے کہ دھوکا دے رہا ہے جس کا نتیجہ انشاء اللہ بہت جلد پا دے گا۔ افسوس اسکا ہے کہ اسکی مکاری کو ہم لوگوں نے ابتک نہیں پہچانا اور اسکی لفاظیوں اور

دل خوش کن باتوں میں آکر سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ حضرت مولانا اس اطراف کے لوگوں خصوصاً برادری کے رگ و ریشہ سے خوب واقف ہیں کسی کی چال یہاں نہیں چل سکتی۔ اور اگر حضرت والا سے سالہا سال کے تعلق کے بعد ہم نے خود اپنے کو اور دوسروں کو نہ پہچانا تو ہمارے لئے انتہائی افسوس کی بات ہے کیونکہ حضرت والا کی تعلیمات میں سب سے مقدم یہی چیز ہے کہ ہم لوگ عقل اور فہم سے کام لیں اور اپنے دوست اور دشمن کو پہچانیں۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اب وقت بدل گیا ہے آپ کو غور کرنا چاہیئے کہ اب فتحپور نہیں ہے۔

خاکساران: فریدالدین عفی عنہ۔ محمد ادریس عفی عنہ۔ عبدالقیوم رگھولی۔

اسی اثناء میں مولوی عبدالقیوم صاحب مرحوم نے حضرت والا کو یہ عریضہ ارسال کیا جسمیں اپنی غلطیوں کا اعتراف کر کے حضرت والا سے معافی کی درخواست کی چونکہ حضرت کی عادت شریفہ تھی کہ اصلاحی گفتگو بھی بالعموم بذریعہ واسطہ کے فرمایا کرتے تھے اسلئے بھی نیز ان دنوں حضرت کی طبیعت بھی شاید کچھ ناساز ہی تھی اس لئے حضرت نے مولوی صاحب موصوف کا خط حکیم مولوی ظہیرالدین صاحب ندوہ سرائے کے پاس بھیجدیا کہ آپ انکو سمجھائیں، حکیم صاحب مولوی صاحب کے احباب میں سے تھے اور حضرت والا سے بیعت تھے انکا ذکر آگے آتا ہے۔ مولوی عبدالقیوم صاحب نے حضرت کو لکھا تھا کہ:۔

"اب یہ سنکر کہ حضرت والا کی طبیعت الحمد للہ اور بصحت ہے بیحد خوشی ہوئی۔ اور یہ کہ اب جواب خط بھی ملتا ہے لہٰذا حضرت والا کی تحریر (پیغام) کا جواب عرض کرتا ہوں کہ میں سرتاپا عیب سے پُر ہوں جو کچھ کوتاہی اور غلطی ابتک ہوئی ہے دل سے معاف فرمائیں۔ آپ نہ معاف فرمائیں گے تو کون معاف فرمائے گا اور اب سے صدق و خلوص اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں۔ حضرت والا سے ملاقات کے لئے دل بیحد بیچین ہے امید کہ حضرت والا اپنے کرم سے اجازت دیکر مشکور فرمائیں گے۔ اور میرے متعلقین کی فلاح کے لئے دعا فرمائیں۔"

(یہ تحریر مع خط بالا کے حکیم مولوی ظہیر الدین صاحب کو گئی)

عرض ہے کہ مولوی عبد القیوم صاحب کا خط حضرت مولانا کی خدمت میں آیا وہ خط بھی روانہ ہے اسکو دیکھ لیجئے اسکے متعلق حضرت مولانا نے فرمایا ہے کہ حکیم صاحب کو لکھو کہ مولوی صاحب سے اچھی طرح گفت گو خلوص کے بارے میں جتنی کر سکتے ہوں کریں ذرا بھی رعایت نکریں دبیں خوب اچھی طرح سمجھا دیں تاکہ اگر آویں تو سمجھکر اور صدق و خلوص کے ساتھ آویں۔ اگر اس پر مولوی صاحب آنا چاہیں تو انکو روکیں نہیں اجازت دیدیں ؎

در میخانہ وا ہے سب کے لئے
شرط لیکن وفا ہے سب کے لئے

(حکیم مولوی ظہیر الدین صاحب کا جواب مولوی عبد القیوم صاحب کے نام)

مؤدبانہ عرض ہے کہ عمومی انداز میں اپنی خامیوں کا اعتراف چنداں موثر اور کار آمد نہیں ہوتا بسا اوقات انسان کسرِ نفس کے مغالطہ اور فریب میں مبتلا ہو جاتا ہے اس لئے میں نے آپ سے درخواست کی تھی کہ آپ انگلی رکھکر اپنے ہر ہر نقص کو متعین فرمایئے تاکہ نفس کسر نفسی کے حسن فریب میں مبتلا نہ ہونے پائے اور خود اپنے نفس کو حقیقت حال کا بخوبی احساس ہو جائے بہر کیف ابتک کی محرومی کا جو اصل باعث ہے حق تعالیٰ آپ کو اس سے مستقلاً نجات عطا فرمائے اور آپ کو توفیق بخشے کہ آپ پھر عود نہ فرمائیں۔

حق تعالےٰ حضرت مولانا کو مستقلاً صحت عطا فرمائیں۔

والسلام

اسی سلسلہ میں ایک تحریر منشی محمد عباس صاحب اور مولوی عبد القیوم صاحب کے نام گئی چونکہ ہم لوگوں کے لئے بھی اسمیں عبرت اور سبق موجود ہے اسلئے اسکو بعینہٖ نقل کرتا ہوں ۔ تحریر فرمایا کہ :۔

" اسوقت آپ حضرات سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں براہ کرم اسکو توجہ سے سنیئے اور اسکے متعلق کچھ اظہار خیال فرمایئے تاکہ اطمینان کا باعث ہو۔ وہ یہ کہ ـــــ میں کچھ نہ سہی، کسی لائق نہیں، یہ مانتا ہوں لیکن آپ ہی لوگوں کے خاندان کا ایک فرد ہوں (اسلئے کہ منشی محمد عباس صاحب ہمارے حضرت کے دادا افضل علی مرحوم کے حقیقی بھائی اشرف علی مرحوم کے پوتے یعنی عبد الغنی صاحب مرحوم کے لڑکے تھے اسطرح سے پردادا پر جاکر یعنی حسین علی صاحب مرحوم پر دونوں حضرات کا نسب ملجاتا تھا) آپ لوگوں کے ساتھ عمر کا ایک حصہ گذرا ہے آپ لوگ مجھکو خوب جانتے پہچانتے ہیں کہ کس قسم کا آدمی میں ہوں ۔ کیا کام کرتا ہوں ۔ کیا کرنا چاہتا ہوں کس کام کو ناپسند کرتا ہوں کن چیزوں سے بالکل بے تعلق رہتا ہوں ۔ ان سب امور سے آپ لوگ ضرور ہی واقف ہونگے

پھر ایسے آدمی کے ساتھ اپنے لوگ بھی اگر اس قسم کا معاملہ کرنے لگ جائیں جیسا کہ مخالفین کرتے ہیں تو اب وہ شخص کہاں بھاگ کر جائے اور اگر ترک وطن کرنے کے بعد بھی آپ لوگوں کو کچھ عبرت نہیں ہوئی بلکہ میرا ترک وطن ہی الٹا آپ لوگوں کے لئے اپنی اپنی مطلب برآری کا ذریعہ بن گیا تو اب ایسا شخص کیا کرے دنیا چھوڑ کر کہاں چلا جائے ؟

میرا مطلب یہ کہ دوسرے لوگوں نے (میرے ساتھ جو معاملہ کیا اب اپنے لوگ بھی اگر اسی قسم کا معاملہ کرتے لگ جائیں) تو آپ سے پوچھتا ہوں یہ کیسا ہے ؟ اور میرے ساتھ کیوں اس قسم کی باتیں کیجارہی ہیں ؟ آپ لوگوں کو اسکا جواب دینا ہوگا جلد جواب دیجئے انتظار ہے ۔

باقی میں نے تو سمجھ لیا ہے اور اسی بات کو بہت دنوں سے سمجھا تا تھا کہ کسی شخص سے سب سے زیادہ بے نیاز اسکے عزیز واقربا اور پڑوسی ہی ہوتے ہیں۔ چنانچہ اب تو ایک صحابی کا اثر ہی اس مضمون کا ملگیا ہے۔ علامہ شعرانی کی کتاب الیواقیت والجواہر میں ہے کہ حضرت ابوالدرداءؓ فرمایا کرتے تھے کہ کسی عالم سے سب سے زیادہ بے نیاز اسکے گھر اور خاندان کے لوگ اور اسکے پڑوس والے ہوتے ہیں اگر اسکے حسب نسب میں کچھ خامی ہوتی ہے تو اسکو طعنہ دیتے ہیں اور اگر کبھی کبھار اس سے کوئی گناہ صادر ہوگیا تو ساری عمر اس پر اسکو ملامت کرتے رہتے ہیں (یعنی خدا ان کو معاف کردیتا ہے مگر یہ لوگ نہیں معاف کرتے)

اس سے قبل ایک تحریر بھیجی گئی مولوی حنیف صاحب کے ذریعہ آپ لوگوں تک پہونچے گی اسکو بھی اسکا جزو سمجھئے گا۔ والسلام

وصی اللہ عفی عنہ

انھیں دنوں وطن میں مختلف حالات پیش آتے رہے ان لوگوں کے خطوط آتے رہے کبھی ایسا بھی ہوتا کہ حضرت والا ان کے خطوط کے جوابات مولوی عبدالقیوم صاحب مرحوم کے واسطہ سے دیتے۔ ایک مرتبہ مولوی صاحب کے نام یہ تحریر راقم کے قلم سے گئی:-

"حضرت والا مدظلہ العالی نے فرمایا ہے کہ ——— آپ لوگوں کے نفاق کیوجہ مجھے سخت ایذا ہوتی ہے۔ ابتک میں نے برداشت کیا لیکن اب معاملہ برداشت سے باہر ہو چکا ہے اور یہ نفاق اور اسکی وجہ سے ایذارسانی آپ لوگوں کے لازم حال ہو چکی ہے اس نے آپکی برادری کو اس طرح سے پکڑ لیا ہے کہ اب یہ آپ کو چھوڑ نہیں سکتی اور آپ لوگ اسکی گرفت سے نکل نہیں سکتے اسلئے اپنے آپ کو اس ضیق سے بچانے اور اپنے قلب کو راحت پانے کی غرض سے لکھتا ہوں کہ اب آپکے یہاں کے لوگوں میں سے کوئی صاحب یہاں تشریف نہ لاویں سب کو منع کرتا ہوں اور آپ سے

کہتا ہوں کہ سب اہل فتحپور کو اسکی اطلاع کر دیجئے کہ آپ کے یہاں کا کوئی شخص
میرے پاس نہ آوے نہ آپ آئیے اور نہ کسی کو آنے دیجئے۔ والسلام
اسکے جواب میں مولوی عبدالقیوم صاحب کا یہ جواب راقم کے نام آیا:۔
"آپ کا رقعہ بامر حضرت مولانا مدظلہ العالی موصول ہوا حسب الحکم
سب لوگوں کو جمع کر کے سنا دیا ہم سب لوگوں کو نفاق میں مبتلا ہونے کا
اقرار ہے اب آئندہ سے ہی اللہ تعالےٰ ہملوگوں کو اس کے چھوڑنے کی
توفیق عطا فرمائیں۔ فقط۔ والسلام"
عبدالقیوم غفرلہٗ فتحپور تال نرجا
حضرت اقدسؒ کے یہاں سے اس تحریر کا یہ جواب گیا:۔
"آپ کا کارڈ بجواب پیغام حضرت والا ملا۔ حضرت کو دکھلا دیا اب اسکے
متعلق آپ سے یہ عرض ہے کہ آپ کے یہاں کے لوگوں کو نفاق کا اقرار
تو بہت دنوں سے ہے یہ کوئی نئی بات نہیں اور اسکے چھوڑ دینے کا وعدہ
بھی کچھ یہ پہلی بار نہیں ہے لیکن دیکھتا یہی چلا آرہا ہوں کہ نہ آپ لوگ نفاق
ہی کو ترک کرتے ہیں اور نہ مجھ ہی کو چھوڑتے ہیں اسی کے متعلق لکھا گیا
تھا کہ اب ایسا نہ ہوگا۔ نفاق سے آپ لوگوں کو نسبت ہو چکی ہے لہٰذا
اسکو تو آپ چھوڑنے سے رہے اسلئے آسان یہی ہے کہ میرا ہی تعلق
ختم کر دیجئے نہ آئیے نہ خط لکھئے اس کے بارے میں آپ کے یہاں کے
لوگ کیا فرماتے ہیں کوئی نئی بات اور معقول بات کہتے ہوں تو لکھئے یونہی
خوامخواہ کے لئے دفع الوقتی سے کوئی فائدہ نہیں مجھے اس طرح سے کبتک
آپ لوگ تنگ کرتے رہیں گے اسکا جواب دیجئے۔ والسلام"
بقلم یکے از خدام
اسی سلسلہ کی ایک تحریر غالباً مولوی عبدالقیوم صاحب مرحوم یا مولوی عبدالحکیم صاحب کے نام گئی
"آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ مجھے سب سے زیادہ جس چیز سے

تکلیف اور ایذا ہوتی ہے وہ مسلمانوں کی آپس کی خانہ جنگی ہے میں اپنے یہاں آنے جانے والوں کو سب سے زیادہ اسی چیز سے منع کرتا ہوں کہ بھائی فساد سے بچو اور کسی کو ضرر نہ پہونچاؤ اپنا نقصان گوارا کر لو لیکن کسی مسلمان کے اضرار کے درپے ہرگز نہ ہو چنانچہ خود میری تعلیمات تصنیفات اور خود میرا وطن ترک کر دینا اس امر کا شاہد عدل ہے۔

اسکے بعد اب یہ سمجھئے کہ ایک واقعہ اللہ تعالیٰ کے علم میں مقدر تھا ہو گیا اسکی وجہ سے مجھے طبعی طور پر تکلیف بھی ہوئی لیکن اللہ تعالےٰ نے اسکی ایسی مصلحت سمجھا دی جس سے قلب کو تسلی اور سکون ہو گیا اس لئے مجھے تو اب ترک وطن کا مطلق غم نہیں مجھ سے اللہ تعالیٰ کو اگر کوئی کام لینا ہے تو بدرجہ اتم وہ یہاں سے پورا ہو سکتا ہے رہی ایذا رجو اس سلسلہ میں بعض لوگوں سے مجھے پہونچی تو اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ جو تکلیف مجھے پہلے تھی وہ بعد میں نہیں رہ گئی اور جس قدر اب ہے مرور ایام سے وہ بھی آہستہ آہستہ ختم ہو جائیگی۔ اسی طرح سے میرے وطن میں رہنے کی وجہ سے جن لوگوں کو مجھ سے کچھ تکلیف پہونچی ہوگی اب وہاں نہ رہنے کیوجہ سے ختم ہو گئی ہوگی یا تدریجاً ختم ہو جائیگی (حضرت کے یہ کلمات حضرت کی تواضع طبعی سے ناشی ہیں ۔سبحان اللہ)

لہٰذا اب جبکہ میں یہاں چلا آیا اور وطن کو خیرباد کہدیا اور یہاں اتنا بڑا مکان لے لیا تو اب مجھ سے بستی والوں کو اور بستی والوں کو مجھ سے لینا ہی کیا ہے ایذاء اور ضرر و نقصان کا احتمال ہی نہیں رہا۔ تو اب مجھ سے صلح و صفائی کی حاجت ہی کیا رہ جاتی ہے۔ ہاں اگر وہاں میرا رہنا سہنا ہوتا تو خیر ایک بات تھی کہ خیال ہوتا کہ بھائی آئندہ کے لئے معاملہ صاف کر لیا جائے۔

اب جبکہ میں وہاں سے چلا آیا تو اب معافی بعد از وقت ہے اس

معافی سے میرا کیا فائدہ ہے؟ ہاں وہاں کے لوگوں سے معافی چاہو تو انکا
فائدہ اس میں ہے کہ سب پر حق واضح ہو جائے گا۔ یہ بھی ایک فائدہ
ہے، چاہیئے تو یہ تھا کہ عام اعلان اپنی غلطی کا کیا جاتا۔

بایں وجہ بظاہر حال تو مجھ سے اب معاملہ رہا ہی نہیں البتہ اگر کسی کو
آخرت کا خیال ہے اور وہ خلوص کے پیش نظر یہ چاہتا ہے کہ قیامت کے
مواخذہ سے خود کو بچائے تو اسکی تو صورت ہی دوسری ہوتی ہے۔ جب
اسکے اخلاص نے یہ سمجھا دیا کہ یہ کام کرنا ہی ہے پھر اس میں پس وپیش کیا
اور مخلوق کے کہنے سننے کا خیال کیا؟ اخلاص کا تو تقاضا یہی تھا کہ بلا پس
وپیش اور تاخیر کئے جہاں جہاں میرے خلاف کچھ کہا تھا ان ہی لوگوں
کے سامنے اپنے جرم کا اقرار اور میری برأت کا اعتراف کیا جاتا کہ
میں نے انکا نام غلط لکھوایا ہے وہ بالکل بے قصور اور بری ہیں ۔
اور وہ بے ضرر انسان تھے بس اسکے بعد یہاں آنے کا راستہ خودبخود
صاف ہو جاتا۔

اور اگر اخلاص ہی نہ ہو تو اس لیپ پوت سے کچھ نفع نہیں جس
خدا نے آج پکڑا ہے وہ کل پھر پکڑ سکتا ہے ہم کو دھوکا دیا جا سکتا ہے
لیکن خدا کو نہیں دیا جا سکتا۔ مجھکو جتنا ضرر پہونچایا جا سکتا تھا اتنا پہونچایا گیا
آپ لوگوں نے کوئی کسر اپنی طرف سے نہیں چھوڑی اور میری توہین وتذلیل
میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اب جب ہر طرف سے ضرر پہونچانے کی راہیں
بند ہو گئیں اور خود کو ضرر پہونچنے کا کامل یقین ہو گیا تو معافی کا دروازہ
کھٹکھٹانا شروع کر دیا زمانہ کی رفتار دیکھتے ہوئے اسکے متعلق کچھ کہنا عاقبت
اندیشی سے زیادہ امر نہیں ہے۔

باقی معافی کا یہ مطلب سمجھنا کہ میں اس امر کا مطالبہ کروں گا کہ لوگ
رضائی مذہب چھوڑ دیں تو مذہب پر کوئی کسی کو مجبور نہیں کر سکتا لا اکراہ

فی الدین لیکن یہ ضرور ہے کہ اتنا تو کرنا ہی ہوگا کہ گاؤں کے سب لوگ
ہندو مسلمان کے سامنے اسکا اظہار کیا جائے کہ اتبک جو ہوا سو ہوا ہملو
بہت لڑ چکے اب سے ہم لوگ اطمینان دلاتے ہیں کہ ہماری جانب
سے فساد کی کوئی بات نہ ہوگی اور سب لوگ باہم مل جل کر بھائی بھائی
ہوکر رہیں گے مذہب میں ہر ایک کو اختیار ہے جو چاہے رکھے لیکن
ہر اس طریقہ سے احتراز کریں گے جس سے دوسرے کو ضرر پہونچتا ہو اور
جو تفریق بین المسلمین کا سبب بنے۔ آپ لوگ اتنا ہی کرلیں تو اس میں
بڑا ثواب اور مسلمانوں کی عین مصلحت ہے۔ وما علینا الا البلاغ۔

نیز شمس الدین مرحوم کی معافی کے سلسلے میں مولوی عبدالحکیم صاحب جین پوری کا بھی خط حضرت والا کے نام آیا۔ وھو ہذا۔

"مخدومنا المکرم دام اللہ فیوضہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔
مولوی شمس الدین کے ہمراہ میرے رقعہ کا جواب آیا آخری جملہ نے مجبور کیا
کہ موضع کے سدھار کے بارے میں کچھ حصہ لوں اسلئے چند باتیں دریافت
جواب آنے پر مطابق ہدایات کے کام کروں

۱۔ اگر فریق مخالف کے سر برآوردہ حضرات خصوصاً شمس الدین فتحپوری اپنی
حرکات سے تائب ہوں اور آپ سے گذشتہ حرکات کی معافی کے لئے
تیار ہوں تو شمس الدین کو آپ کے پاس حاضر کر سکتا ہوں یا نہیں۔

۲۔ میرے خیال میں شمس الدین ہی سب کا سردار ہے اگر صدق دل سے
حاضر ہو کر آپ سے معافی چاہ لیتا ہے تو برادری میں جو خلفشار کی صورت ہے
ایک حد تک ختم ہو جاتی ہے اور پھر سب کو ایک راستہ پر لانے میں آسانی
ہوگی۔

اسکے متعلق حضرت والا نے پہلے تو مولوی عبدالقیوم صاحب مرحوم کے پاس یہ تحریر ارسال فرمائی کیونکہ وہ پہلے بھی اس کے متعلق کچھ لکھ چکے تھے:۔

" السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ" ۔ پرسوں آپ کا خط ملا جواب لکھنے ہی کو تھا کہ آج مولوی عبدالحکیم صاحب کا خط آگیا پہلے آپکو اس کے مضمون سے مطلع کرتا ہوں لکھا ہے کہ ——— " رقعہ کا جواب آیا آخری جملے نے مجبور کیا کہ موضع کے سدھار کے معاملہ میں کچھ حصہ لوں اسلئے چند باتیں عرض کر رہا ہوں جواب آسنے پر ہدایت کے مطابق کام کروں گا ۔ (۱) اگر فریق مخالف کے سربرآوردہ حضرات خصوصاً شمس الدین فتحپوری اپنی حرکات سے تائب ہوں اور آپسے گذشتہ حرکات کی معافی کے لئے تیار ہوں تو شمس الدین کو آپ کے پاس حاضر کر سکتا ہوں یا نہیں (۲) میرے خیال میں شمس الدین ہی سب کا سردار ہے اگر صدق دل سے حاضر ہو کر آپ سے معافی چاہ لیتا ہے تو برادری میں جو خلفشار کی صورت ہے ایک حد تک ختم ہو جاتی ہے اور پھر سب کو ایک راستہ پر لانے میں آسانی ہوگی ۔ انتہی کلامہ ۔

آپ سے کہتا ہوں کہ کچھ دن ہوئے آپکی تحریر بھی اسی قسم کی آئی تھی کہ شمس الدین آنا چاہتا ہے اسکو لیکر آؤں ؟ تو میں نے جواب اسکا دیا تھا وہ آپ کو یاد ہی ہوگا ۔ اسکے بعد آپ سے پوچھتا ہوں کہ اب آپ مجھے بتائیں کہ میں اس سوال کا مولوی صاحب کو کیا جواب دوں ؟ ان کے اس سوال کے سب پہلو پر آپ بھی غور فرمالیں اور مولوی ظہیرالدین صاحب نیز گاؤں کے اور جو فہیم اور سمجھدار لوگ ہوں ان سے مشورہ کر کے مجھے بتائیے اس سوال کا کیا جواب دینا چاہیئے ۔ آپ کے جواب کا انتظار ہے کیونکہ اسکے بعد ہی مولوی عبدالحکیم صاحب کو جواب دوں گا لہٰذا فوراً جواب دیجئے کہ میں انکو جواب میں کیا لکھوں ۔ والسلام ۔

راقم اسطور احقر جامی عرض کرتا ہے کہ حضرت والا سے جب مولوی صاحب نے سوال فرمایا ہی تو جواب تو حضرت ہی دیں گے لیکن پھر بھی آپکو جو تکلیف دی جا رہی ہے وہ محض اسلئے کہ حضرت والا تو اب وہاں سے پہلے ہی آگئے اور یہاں سکونت اختیار

فرمایا ہے اب وہاں برادری میں صلح ہو یا خلفشار ہو ان ہر دو کا نفع نقصان
آپ ہی حضرات پر مرتب ہوگا اسلئے آپ لوگوں سے دریافت فرمایا کہ
کہ آپ بتائیے کہ میں کیا جواب دوں؟ والسلام

اور مولوی عبدالحکیم صاحب کو یہ جواب مرحمت فرمایا

(جواب حضرت مصلح الامۃؒ بنام مولوی عبدالحکیم صاحب جین پوری)

عنایت فرمائے بندہ

آپ نے لکھا ہے کہ موضع کے سدھار کے معاملہ میں کچھ حصہ لوں
اسکے متعلق یہ کہتا ہوں کہ برادری کی سدھار کا یہ خیال جو آپکو پیدا ہوا ہے
بہت عمدہ ہے اور نہایت ضروری خیال ہے مگر بہت دیر میں ہوا حالانکہ آپنے
حج کے جانے کے وقت مجھ سے کہا تھا کہ وہاں کی واپسی کے بعد کچھ کرونگا
خیر ماضی کو جانے دیجئے۔ مضٰی ما مضٰی۔ برادری کے سدھار کی فکر تو
ضروری ہے جس طرح سدھرے سدھارئیے۔ میں تو ایک فریق کی
حیثیت میں تھا اور قاعدہ ہے کہ آدمی جب مرجاتا ہے یا کہیں چلا جاتا ہے
تو خصومت بھی باقی نہیں رہ جاتی۔ پرانے کینے رفتہ رفتہ مضمحل ہو کر ختم ہوجاتے ہیں۔
میں نے وطن چھوڑ کر یہاں کی سکونت اختیار کرلی میں خود اب وہاں کے
کسی کا فریق نہیں مجھکو اب وہاں کے معاملات سے کوئی تعلق باقی نہیں رہا
آپ حضرات مختار ہیں جو چاہیں کریں۔ ع۔ من نگویم کہ این مکن آن کن۔
باقی آپ کی تحریر کے جواب کے سلسلہ میں اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ ۔۔۔۔
صدق دل سے حاضر ہو کر معافی چاہنا اور سچی توبہ کرنا اس زمانہ میں آسان
کام نہیں ہے اور نہ کوئی کرتا ہے اور جب اسکے کرنے والے بکثرت
موجود تھے اور لوگوں میں دین و دیانت اب سے کہیں زائد تھا اسوقت کے
متعلق فقہاء لکھتے ہیں کہ :۔

(باقی آئندہ)

اگر کسی امام سے کوئی امر مخل بالامامۃ صادر ہو جائے اور وہ توبہ کرے تو اسکا کیا حکم ہے؟ اسکے بارے میں مولانا تھانویؒ فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"اگر قبل عزل توبہ کرے تو کفر کا حکم مرتفع ہو جائیگا، احکام آخرت میں تو فوراً اور احکام دنیویہ میں جبکہ آثار و قرائن سے اخلاص فی التوبہ پر قلب شہادت دے کما صرح بھذا الشرط فی توبۃ قاطع الطریق والمرتد بقولھم حتی یتوب لا بالقول بل بظھور سیماء الصلحاء ویقولھم حتی یظھر علیہ التوبہ - ویقولھم حتی یظھر علیہ آثار التوبۃ ویری انہ مخلص - ویقولھم حتی یری علیہ خشوع التوبۃ وحال المخلص کذا فی الدر المختار ورد المحتار - قلتُ والعلۃ صون المسلمین عن ضرر القاطع والمرتد ان لم یخلصا وھذا الضرر من السلطان اعظم ان لم یخلص فاشتراطہ فیہ اولیٰ

اس میں صرف قولی توبہ کو کافی نہیں قرار دے رہے ہیں بلکہ اسکے اوپر سیماء الصلحاء کا ظہور یا آثار توبہ کا یا خشوع توبہ کا ظہور بھی شرط کرتے ہیں اور وجہ یہ فرماتے ہیں تاکہ مسلمانوں کو ضرر سے بچایا جا سکے کیونکہ اگر وہ توبہ میں مخلص نہ ہوگا تو خادع اور منافق ہوگا اسلئے اس سے ضرر پہونچے گا۔ فقہاء کے اس ارشاد کی روشنی میں آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ:۔

صدق دل سے توبہ کرنے میں یہ بھی داخل ہے یا نہیں کہ میری مخالفت علی الاعلان اور میری برائی اور رسوائی اور غیبت عام طور پر کیگئی اور نزاع تھا ووٹ کا اسکو مذہبی بنایا گیا لہٰذا بقاعدہ "التوبہ بقدر الحوبۃ السر بالسر والعلانیہ بالعلانیہ" عام طور پر اسکا اعلان کرنا بھی اس قاعدہ مذکورہ میں داخل ہے یا نہیں؟

پھر اسکی وجہ سے لوگوں میں جو سوء ظن ہوا ہوگا کہ میں نے فریق مخالف کے ساتھ کچھ کیا ہوگا جیسا کہ آجکل رائج ہے یہ بھی داخل ہے یا نہیں؟ نیز گھر بار چھوڑنے سے اور مجھے جو بار اس مقدمہ میں ہوا اسکا کون ذمہ دار ہوگا؟ اور جھوٹا استغاثہ جو کیا تھا اس کا

اعلان اور اسکی تردید عام طور پر کرنا یہ بھی صدق توبہ میں داخل ہے یا نہیں؟
اس سلسلہ میں ایک بات یہ بھی کہنی چاہتا ہوں کہ ہم لوگ تغلبی ہو گئے ہیں اور تغلبی ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جنکا مقصد اور نظریہ ہی دوسروں پر غلبہ حاصل کرنا ہو جس طرح سے بھی ممکن ہو۔ جاہ سے۔ قوت سے۔ زور سے۔ روپیہ سے۔ کچہری سے۔ حکام سے۔ جھوٹ سے۔ فساد سے یا قتل و قتال سے۔ بس یہی لوگ تغلبی کہلاتے ہیں۔
یعنی جتنی صورتیں غلبہ حاصل کرنے کی ہو سکتی ہیں اسے استعمال کیا جاتا ہے چنانچہ اگر سچ سے کام نہیں چلتا تو جھوٹ میں کوئی تامل نہیں تنہا نہیں کر سکتے تو دوسرے لوگوں کو ساتھی بنایا جاتا ہے اور جب عوام کو ساتھ لینے سے بھی کامیابی نہیں ہوتی تو حاکم کو ساتھ لینے کی کوشش کیجاتی ہے۔ اپنے پاس مال نہیں ہوتا تو چندہ کی راہ اختیار کی جاتی ہے اور ان سب سے طاقت اور غلبہ حاصل کرنا ہوتا ہے اور بس — جب ہمارا آج یہ حال ہے تو اب :—
میں کہتا ہوں کہ میں مغلوب ہوگیا، ہار مان گیا' اور اسکی علامت یہ ہے کہ گھر، وطن، مسجد، خانقاہ سب کچھ چھوڑ دیا۔ دوسروں کا مقصد پوری طرح حاصل ہوگیا لہٰذا اب اسکے حاصل ہونے کے بعد کون سی حاجت مجھ سے معافی کی رہ جاتی ہے؟ میں مغلوب ہوگیا وہ لوگ غالب ہو گئے انکا مقصد اضرار تھا وہ حاصل ہوگیا۔ مجھکو جو نقصان پہونچنا تھا وہ تو پہونچ گیا۔ کتنے لوگوں کو مجھ سے سوءظن ہوا ہوگا اور جنکو پہلے سے کچھ رہا ہوگا انکی خوشی کا سبب ہوا۔ اور میرے جو احباب تھے انکو کیسا کچھ رنج اور قلق ہوا ہوگا۔ پھر اب اسکے بعد نہ تو مجھکو ضرورت ہے انکی توبہ کی اور نہ انھیں کو اسکی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔
رہا یہ کہ آپ نے جو تحریر فرمایا ہے کہ بردران میں جو خلفشار کی صورت ہے ایک حد تک ختم ہو جاتی ہے — تو اسکے متعلق یہ عرض ہے کہ اگر یہ خلفشار عقائد کے اختلاف اور دیوبندی رضائی کی وجہ سے ہے تو وہ کیسے ختم ہو سکتا ہے اسکے ختم ہونے کی تو صرف یہی ایک صورت ہے کہ یا تو سب رضائی ہو جائیں

یا سب دیوبندی ہو جائیں تب ہی یہ ختم ہو سکتا ہے اور یہ کس کے اختیار میں ہے
کیونکہ رضائی ہونے کی آپ اجازت کب دیں گے اور وہ لوگ سب کے سب
دیوبندی ہونا کب پسند کریں گے ؟ لہٰذا میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ یہ اختلاف
جو ہے اسکی بنا مذھب ہے یا کچھ اور ۔ میرے نزدیک تو مذہب اسکی
بنا نہیں ہے ۔

یہ لڑائی ووٹ کی تھی یہ سب کو معلوم ہے کہ پردھان ہونا چاہتا تھا
ہار گیا اسکی عداوت اس طرح نکالی ۔ اور یہ خلفشار کیا ہے ؟ جو واقعہ ہے وہ سبکو
معلوم ہے ۔ پھر تو قصہ بہت آسان ہے ۔ اب اسکو خلفشار کہنا اسکا کیا مطلب ہے،
سمجھ میں نہیں آیا ووٹ تو فتحپور میں تھا ۔ جب وہ ناکام ہوا اسکی وجہ سے پوری
برادری میں خلفشار کیوں ہے اسکی وجہ بھی سمجھ میں نہیں آتی یہ آپکی تحریر کا جواب
دے رہا ہوں

وصی اللہ عفی عنہ

اسکے بعد مولوی عبدالحکیم صاحب کے نام ایک اور بھی تحریر ان کے
مذکورہ بالا خط کے جواب کے سلسلے میں لکھی گئی ۔ وہو ہذا ۔

مولانا سلمہ اللہ تعالیٰ وابقاہ ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
آپ کا جوابی کارڈ کئی روز ہوئے ملا تھا ۔ جواب میں تاخیر اس وجہ سے
ہوئی کہ جواب نامناسب نہو جائے ۔ اس میں آپ نے دو نمبر قائم فرمائے ہیں ۔
دونوں کا جواب ایک ہی نمبر میں دیتا ہوں وہ یہ کہ :۔

برادری کا سدھار ایک ضروری اور مفید اور علماء کا منصبی فریضہ
ہے اسکے ادا کے تو علماء مکلف ہیں اسکو کرنا اپنا فرض منصبی ادا کرنا ہے ۔
اسکو نہ تو میری اجازت پر موقوف رکھنا چاہیئے اور نہ میرے کسی فعل پر دیکھیے
جب آدمی مرجاتا ہے یا کہیں چلا جاتا ہے جس کے آنے کی امید نہ ہو تو پرانے
نزاع اور کینے بھی ختم ہو جاتے ہیں ۔ میں بھی آہستہ آہستہ سب بھول جاؤں گا ۔

اور لوگ بھی مجد سے بے خطر ہو جائیں گے۔ ایسی حالت میں کسی شخص کے
آنے سے میرا کیا نفع ہے۔ کوئی توبہ کرتا ہے کرے یا آپ حضرات کرائیں
یہ امر یہاں آنے پر تو موقوف نہیں۔ توبہ کے متعلق ایک شرعی تحقیق بحوالہ کتب
لکھتا ہوں ملاحظہ فرمائیے۔

کسی امام یا خلیفہ سے اگر کوئی امر مخل بالامامۃ صادر ہو جائے اور وہ اس سے
توبہ کرے تو اسکے متعلق مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ امداد الفتاوی میں لکھتے ہیں کہ
" البتہ اگر قبل عزل توبہ کرے تو کفر کا حکم (اس امام سے) مرتفع ہو جائے گا
احکام آخرت میں تو فوراً اور احکام دنیویہ میں جبکہ قرائن وآثار سے اخلاص فی التوبہ
پر قلب شہادت دے کما صرح بھذا الشرط فی توبہ قاطع الطریق والمرتد
بقولھم حتیٰ یتوب لا بالقول بل بظھور سیماء الصلحاء ویقولھم
حتی یظھر علیہ التوبہ۔ ویقولھم حتی یظھر علیہ آثار التوبہ ویری انہ
المخلص و بقولھم حتی یری علیہ خشوع التوبہ وحال المخلص۔ کذا
فی الدر المختار و رد المختار والعلۃ صون المسلمین عن ضرر القاطع والمرتد ان
لم یخلصا۔ (النور ماہ ذیقعدہ ۱۳۴۷ھ)

دیکھیے اس میں صرف زبانی اور قولی توبہ کو کافی نہیں قرار دے رہے ہیں
بلکہ اسکے اوپر سیماء صلحاء۔ آثار توبہ۔ اور خشوع توبہ وغیرہ کے ظہور کو قبولیت توبہ
کے لئے شرط فرما رہے ہیں اور وجہ اسکی یہ فرماتے ہیں تاکہ مسلمانوں کو اس کے
ضرر سے بچایا جا سکے کیونکہ اگر وہ توبہ میں مخلص نہ ہوگا تو خادع اور منافق ہوگا اسلئے
اس سے ضرر پہونچے گا اور سنیئے بیان القرآن میں ہے کہ وقل اعملوا فسیری
اللہ عملکم ورسولہ والمؤمنون ۔ والمومنون میں اشارہ ہے اس قول کیطرف
جو حد توبہ میں علماء نے بیان فرمایا ہے کہ تائب میں سیماء صالحین ظاہر ہونے لگیں
کیونکہ مومنین کی رویت اسی سے متعلق ہو سکتی ہے۔

اب ان حالات میں غور فرمائیے کہ شریعت کا آئین کیا حکم ہے اور یہی

وہ چیز ہے جسے حضرات علماء عزم اور احتیاط سے تعبیر فرماتے ہیں دین میں اسکی تعلیم فرمائی گئی ہے لہٰذا کم از کم ہم لوگوں کو ان احکام شرعیہ پر عمل کرنا ہی چاہیئے اگر ہم ہی لوگ اس پر عمل نکریں گے تو پھر کون عمل کرے گا۔ پس ہمکو عمل کرنا چاہیئے کوئی کرے یا نکرے۔ انھیں احکام پر عمل نکرنے کیوجہ سے آج ہملوگوں کو یہ روز بد دیکھنا پڑ رہا ہے۔ اور تجربہ کے بعد تو بیوقوف شخص بھی سمجھ جاتا ہے۔ پڑھے لکھے لوگوں کو چاہیئے کہ یہ سب باتیں عوام کو بتائیں نہ یہ کہ خود ہی انکی خواہشات کے پابند ہو جائیں۔

آپ یہ بھی خوب جانتے ہیں کہ توبہ کرے تو گذشتہ فوت شدہ نمازیں اور روزے علیٰ ہذا اور دوسرے حقوق جو اس پر واجب ہیں ادا کرنے ہی سے ساقط ہونگے علیٰ ہذا حقوق العباد بھی سب ادا کرنے ہی سے ادا ہوں گے۔ اور یہ بہ قاعدۂ التوبہ بقدر الحوبۃ، السر بالسر، العلانیہ بالعلانیہ ادا کرنے ہوں گے۔

مکتوبات معصومیہ[۲۳] میں یہ حدیث ہے یا معاذ اذکر اللّٰہ عند کل شجر و حجر و احدث بکل ذنب توبۃ السر بالسر و العلانیہ بالعلانیہ۔

(رواہ البیہقی فی کتاب الزہد)

اور سنیئے! حضرت وحشی رضؓ جو رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ کے قاتل تھے جب مسلمان ہوئے تو حضورؐ نے باوجودیکہ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ آپکی شان تھی ان سے یہ فرمایا ھل تستطع ان تغیب وجھك یعنی کیا تم یہ کر سکتے ہو کہ مجھے اپنی صورت نہ دکھاؤ، یہ سنکر حضرت وحشی چلے ہی گئے رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے سامنے نہیں آئے۔ حالانکہ اسلام کے بارے میں آتا ہے کہ ماقبل کی سب باتوں کو ختم کر دیتا ہے الاسلام یجب ما قبلہ۔

بوستان میں ہے کہ لقمان علیہ السلام کو ایک شخص نے غلطی سے اپنا غلام سمجھکر پکڑ لیا اور بہت دنوں تک ان سے کام لیتا رہا پھر جب اسکو معلوم ہوا کہ یہ میرے غلام نہیں ہیں تو ان سے معافی چاہی۔ حضرت لقمان علیہ السلام نے فرمایا کہ ؎

بسالے زجورت جگر خون کنم — بیک ساعت از دل بدر چوں کنم

یعنی برسہا برس تک تو تیرے ظلم وجور کا شکار رہا اب اسکو ذراسی دیر میں اپنے دل سے کیسے بھلا دوں۔

اور سنیئے! حضرت مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب کو مخالفین نے ان کے وطن صفی پور سے تالی بجاکر نکالدیا تالی بجانے والوں میں انکا لڑکا بھی تھا پھر جب حضرت کو اللہ تعالیٰ نے مشہور کیا اور لوگ آنے جانے لگے تو وہ لڑکا بھی آیا۔ جب وہ آتا تو حضرت اسکو بہت زور سے ڈانٹتے اور نکالدیتے تھے۔

حضرت مولانا تھانوی کے متعلق لوگ جانتے ہیں کہ کوئی شخص حضرت سے بے ادبی کرتا اور معافی مانگتا تو یہی فرماتے تھے کہ میرے یہاں معافی بہت آسان ہے فوراً معاف کردیتا ہوں مگر دل ملنا بہت مشکل ہے اور اس پر یہ شعر پڑھتے تھے ؎

بسالے زجورت جگر خوں کنم — بیک ساعت از دل بدر چوں کنم

وصی اللہ عفی عنہ

راقم عرض کرتا ہے کہ اپنے ان دونوں سابقہ جوابات میں بڑی وضاحت کے ساتھ حضرت والا نے مولوی عبدالحکیم صاحب کو معاملہ کی نوعیت تو بہ کی حقیقت اور صدق واخلاص کی اہمیت سمجھانی چاہی اندازہ ہوتا ہے کہ مولوی صاحب نے بات سمجھ لی چنانچہ سفارش پر نادم ہوئے اور آئندہ اس سلسلہ میں کچھ نہیں فرمایا۔

معافی اور سفارش کے سلسلے میں مولوی عبدالحکیم صاحب اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے مابین مکاتبت ہو ہی رہی تھی کہ اسی درمیان میں مولوی عبدالقیوم صاحب الہ آباد تشریف لائے اور ایک موقع پر حضرت والا کے ملفوظاً مجلس اور علماء کی اصلاح کے سلسلہ میں جو گفتگو حضرت نے فرمائی تھی اسپر اپنے تأثر کا اظہار فرماتے ہوئے مولوی صاحب نے کسی صاحب سے کہا کہ

واقعی حضرت بالکل صحیح فرماتے ہیں کہ آج دنیا میں جتنے فسادات ہیں وہ عوام کی ذات سے نہیں بلکہ یہی پڑھے لکھے لوگ اور مولویوں

کیونکہ جو سے ہے انکی اصلاح ہو جائے تو عوام خود بخود درست ہو جائیں"
ان صاحب نے اس خیال سے کہ مولوی صاحب کا یہ تأثر صحیح تاثر ہے بر سبیل تذکرہ حضرت والا سے عرض کر دیا۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت والا نے دریافت ہی فرمایا ہو کیونکہ حضرت والا کبھی کبھی خود بھی دریافت فرما لیتے تھے کہ آج کی مجلس سے لوگوں نے کیا اثر لیا۔

بہرحال جب حضرت کے علم میں مولوی صاحب کا یہ تاثر آیا تو حضرت اقدس نے ایک اصلاحی موقع پا کر خدام میں سے کسی کے واسطے سے مولوی صاحب موصوف کے پاس لکھوایا

(تحریر بنام مولوی عبد القیوم صاحب بقلم یکے از خدام)

ان دنوں مولوی عبد الحلیم صاحب کے خط کے سلسلے میں جو خطوط آپ لوگوں کو لکھے گئے اور اس کے جو جوابات آپ حضرات نے مرحمت فرمائے اسی سلسلہ کی ایک کڑی یہ بھی ہے کہ حضرت والا نے فرمایا ہے کہ :-

آپ نے یہ جو کہا کہ فساد کا سبب اہل علم ہی حضرات ہوتے ہیں اور یہی لوگ منشاء فساد ہوتے ہیں۔ تو یہ تو صحیح ہے اسی کلیہ کے پیش نظر میں یہ کہتا ہوں کہ شاید گاؤں کا جو فساد تھا اس کا سبب بھی اسی قسم کے لوگ ہوں گے اور ہو سکتا ہے کہ میں ہی اسکا سبب رہا ہوں تو اب جبکہ میں وہاں سے چلا آیا اور وطن کو ترک کر دیا تب تو فساد بھی ختم ہو جانا چاہیئے اسلئے کہ بنار فساد اب وہاں نہیں رہ گیا پھر اسکے بعد کسی کا معافی مانگنا اور کسی کو معافی کے لئے لانا یہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اسکا کیا مطلب ہے؟ آپ نے بھی بہت پہلے اس مسئلہ میں سلسلہ جنبانی فرمائی تھی اب دوسرے مولوی صاحب نے بھی اسکو چھیڑا، حالانکہ میں نے وطن جو چھوڑا اور اتنا بڑا اقدام جو کیا تو کچھ سوچ سمجھ کر کیا ہے اور ہر شخص کو پہچان کر کیا ہے۔ پھر یہ بھی سمجھتا ہوں کہ آپ لوگوں کو بھی واقعات کا پورا علم ہے اور

کون مفسد ہے اور کس درجہ مفسد ہے اسکو بھی آپ بخوبی جانتے ہیں اور معانی کسے کہتے ہیں۔ صدق دل سے معافی کیسی ہوتی ہے اسکے لئے قرائن کس قسم کے ہوتے ہیں، ان سب باتوں سے کیسے کہوں کہ آپ لوگ ناواقف ہیں جبکہ اپنے اپنے معاملات میں دیکھتا ہوں کہ آپ لوگ باریک سی باریک بات کو سمجھتے ہیں اور سمجھکر اسی کے مطابق معاملہ کرتے ہیں۔ لیکن ہمارے ہی معاملہ میں فہم وعقل ختم ہو جاتی ہے اور بالکل بھولے بن جاتے ہیں۔ ایک شخص معافی بھی نہیں مانگتا اور آپ لوگ اسکی سفارش کرنے کیلئے تیار۔ ایک شخص کو ظالم سمجھتے ہوئے پھر اسی کی حمایت کرنا اور ساتھ دینا شرعاً تو کیا جائز ہوتا عقل سے بھی کب جائز ہے؟ جو شخص مفسد ہو جس کا ہر قول وفعل از اول تا آخر فساد ہی فساد ہوا اور جسکی وجہ سے کسی کو سخت سی سخت ایذا پہونچی ہو اور ہر قسم کا نقصان ہوا ہوا اسی سے صلح کیلئے اسی کی سفارش کرنا عقلاً کب روا ہے؟ آپ بھی ان سب باتوں کو جانتے ہیں لیکن سوا اسکے کیا سمجھا جائے کہ دوسرے کو بیوقوف بنانا چاہتے ہیں تو آپسے کہتا ہوں کہ اسکے لئے ہم ہی رہگئے ہیں اور آپسے کہتا ہوں کہ یہ سب باتیں اچھی نہیں ہیں اسی کا نام فساد ہے اگر میری یہ باتیں صحیح ہوں تو اسکے متعلق کچھ اپنا خیال ظاہر فرمایئے اور اس تحریر کو اور دوسرے سمجھدار لوگوں کو بھی سنا دیجئے۔ والسلام

آخر میں ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ اسپر غور فرمایئے کہ یہ سب جو ہو رہا ہے تو یہ کیسا کرشمہ ہے؟ میرے نزدیک یہ سب کرشمہ ہے جہل کا بعض قومیں جہل پر کچھ اس طرح مفطور یہ ہوتی ہیں کہ جہالت انکی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے اور اس سے انکا نکلنا بہت مشکل ہوتا ہے اب اگر کوئی اللہ کا بندہ انکو اس سے نکالنا چاہتا ہے تو اسی کے دشمن بن جاتے ہیں اور اسکی ہدایت کو اپنے لئے مضر سمجھتے ہیں اس سے نکلنا نہیں چاہتے اسلئے کہ اسکی اصلاحات کو خواہ کیسی ہی شفقت اور دلسوزی سے کیوں نہ ہو سختی پر محمول کرتے ہیں اور اسکو اُس کا نقص گمان کرتے ہیں حالانکہ جس چیز کو یہ لوگ نرمی اور اخلاق سے تعبیر کرتے ہیں اسکا ثمرہ قوم میں معمولی شکل میں تو نکل سکتا ہے کہ اسکے بعد بھی اختلاف ختم ہو جاتا ہے لیکن اس قسم کی نرمی سے اصلاح تو قیامت تک نہیں ہو سکتی جیسا کہ عام طور سے مشاہدہ ہے اگر یہ بات سمجھ میں آتی ہو تو اسکو بھی سمجھ لیجئے۔ والسلام

گذشتہ صفحات میں عرض کیا تھا کہ شمس الدین عرف منڈی مرحوم کی معافی کے سلسلے میں جہانتک تحریرات مل سکیں تین حضرات تھے جنھوں نے سفارش کے انداز پر کچھ حضرت والا سے عرض کیا تھا ان میں سے مولوی عبدالقیوم صاحب فتحپوری مرحوم اور مولوی عبدالحکیم صاحب جین پوری مرحوم کی خط وکتابت پیش کر چکا ہوں اب حکیم مولوی ظہیرالدین ندوہ سہرائے سے متعلق جو تفصیلات مل سکیں عرض کرتا ہوں آپ کے تعارف کے سلسلہ میں پہلے بھی کچھ عرض کر چکا ہوں اور قدرے بعد میں عرض کرونگا اسوقت ربط کے خیال سے انکا ایک مکتوب نقل کرتا ہوں جو انھوں نے حضرت اقدسؒ کے نام ارسال فرمایا جبکہ حضرت والاؒ نے مولوی عبدالحلیم صاحب کے نام لکھی مذکورہ بالا تحریر کی ایک نقل ان کے پاس بھی بھیجوائی ۔ وہو ھذا ۔

(نقل عریضہ مولوی حکیم ظہیرالدین صاحب بنام حضرت والاؒ)

" میں ایک ضرورت سے اعظم گڈھ گیا تھا کل تقریباً آٹھ بجے شب میں گھر واپس آیا تو والا نامہ مطالعہ سے گذرا جو مولوی عبدالحکیم صاحب کے خط کے جواب پر مشتمل ہے میں نے اس جواب کو متعدد بار پڑھا الحمدللہ کہ جواب بہت زیادہ جامع ہے اور بہترین جواب ہے مجھکو بھی اس جواب سے بڑی بصیرت حاصل ہوئی اور نفع پہونچا

مجھکو مولوی عبدالقیوم صاحب اور مولوی عبدالحکیم صاحب کے خط سے جو آنجناب کے پاس معافی کے سلسلہ میں بھیجا گیا بالکل ہی بے خبری رہی حالانکہ ہفتہ عشرہ سے زیادہ نہیں گذرا ہوگا کہ گھوسی میں مشتاق احمد صاحب کے دروازے پر مولوی عبدالحکیم صاحب سے مجھ سے اتفاقیہ ملاقات ہوگئی تھی اور کافی اطمینان سے ملاقات ہوئی تھی مگر انھوں نے اس مسئلہ پر مجھ سے کوئی گفتگو نہیں کی ۔

فریق مخالف بالخصوص وہ شخص جسکی معافی کی بابت مولوی عبدالحکیم صاحب نے آپ کے پاس خط لکھا ہے انکا حال تو یہ ہے کہ سب جج کے اس فیصلہ کی خوشی میں جسمیں مخلصین ہار گئے تھے اور اپنے لوگوں کو سزا ملی تھی پانچ چھ روز ہوئے ایک تقریب منائی گئی اور سدّی کے دروازے پر میلاد شریف مقتدار خانصاحب کے دروازے پر قوالی کی محفل منعقد کی گئی اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ فریق مخالف کے لوگ اپنے خیال کے علماء کو بلاکر ایک جلسہ بھی کرنا چاہتے ہیں جبکہ ان کے دلوں کا یہ رنگ ہو تو پھر مذکورہ ان دونوں محترم مولوی صاحبان کے ذہن میں فریق مخالف کو معافی دینے کا سوال ہی کیوں پیدا ہوا، بہرحال اسکو وہ دونوں صاحبان جانیں کہ کن شرعی مصالح کی بناء پر ان دونوں بزرگوں نے حضرت والا کی خدمت میں معافی کے لئے لکھا۔ انکو آنجناب نے جو جواب لکھا ہے اس سے بہتر جواب اور کیا ہو سکتا ہے۔ مجھکو اس جواب سے بڑی مسرت ہوئی۔ انتہی۔

(حکیم) ظہیرالدین (صاحب) ندوہ سرائے

حکیم صاحب موصوف کے اس عریضہ کا حضرت اقدس کے یہاں سے کیا جواب گیا وہ تو مل نہ سکا تاہم اسی زمانہ میں حکیم صاحب موصوف کا ایک اور عریضہ حضرت اقدس کیخدمت میں آیا وہ یہ تھا کہ :-

"یہاں کے موجودہ افسوسناک حالات کے متعلق میں نے سوچا ہے کہ اگر آنحضرت کی مرضی کے خلاف نہو تو بعض مخالفین کو چھوڑ کر میں مختلف مواضعات کے سربرآوردہ لوگوں سے خواہ وہ مخالف ہی کیوں نہ ہو گفتگو کروں اور جوش وخروش سے علٰحدہ ہو کر ذرہ برابر کمی بیشی کے بغیر جو صحیح حالات ہوں انکو آنجناب کیخدمت

میں پیش کردوں ۔ ایک ادنیٰ خادم ہونے کیوجہ سے میں انشاء اللہ اپنا فرض بحسن وخوبی انجام دینے کی کوشش کرونگا۔

(حضرت والا کا جواب مولوی حکیم ظہیرالدین صاحب کے نام)

میں نے اب سمجھ لیا ہے کہ اخلاص باہمی زندگی کے لئے بہت ضروری ہے بغیر اخلاص کے باہمی زندگی تلخ بھی ہے اور ہرایک کیلئے مضر بھی۔ اور یہ سبھی کو کہتا ہوں (برادری اور غیر برادری اسمیں برابر ہیں) جیسا کہ برادری کو میری ضرورت نہیں مجھکو بھی برادری کیضرورت نہیں، احکام شرعیہ سے کوئی مستغنی نہیں ہر عالم سے لوگ سیکھ سکتے ہیں۔

لہذا میری طرف سے یا میرے لئے کسی کو کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں ہرایک اپنے عمل کا ذمہ دار اور قیامت میں جوابدہ ہے"

والسلام۔ وصی اللہ عفی عنہ

پھر احقر جامی نے بحکم حضرت والا حکیم صاحب کو کوئی خط لکھا اس کے جواب میں حکیم صاحب نے راقم کو جو لکھا اس میں یہ بھی تھا کہ ــــ اگر وہ (یعنی شمس الدین مرحوم) ہماری طرف سے عائد کردہ جملہ شروط کے ساتھ معافی مانگتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ الخ ــــ اس خط کے جواب میں حضرت والا کے حکم سے برادرم ذکی اللہ خانصاحب فتحپوری کے قلم سے حکیم صاحب کے نام یہ خط گیا۔

"آپ کا لفافہ مولوی جامی صاحب کے نام آیا تھا اسکا جواب روانہ ہے ــ آپ نے جو تحریر کیا ہے کہ اگر وہ ہماری طرف سے عائد کردہ جملہ شروط کے ساتھ معافی مانگتا ہے تو ٹھیک ہے! ــ تو آپ لوگ وہاں پر جو بہتر سمجھتے ہوں کریں ــ لیکن یہاں حضرت والا کے یہاں آنے کی اجازت اور معافی مانگنے کے متعلق تو یہی ہے کہ جبتک

حضرت والا کا قلب شہادت نہ دے اسوقت تک معتبر نہیں۔
جبکہ منشی محمد عباس صاحب کو حضرت والا نے اسوقت تک ملنے کی
اجازت نہیں دی جب تک کہ آپ نے سفارش نہیں کیا گو وہ حضرت والا
سے تعلق رکھتے ہیں اور بھائی ہیں اور موافقین میں سے ہیں۔ تو پھر
اور لوگ اور مخالفین کا کیا ذکر۔
اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرر نہیں پہونچ سکتا، اگر تو بہ سچی نہیں کرتا
اسی کا ضرر ہے۔ اور بندہ مجبور ہے اسکو ضرر پہونچتا ہے اسلئے
اپنے کو ضرر سے بچانے کی تدبیر اختیار کرسکتا ہے۔
یہ جواب میں نے حضرت والا کو دکھلا لیا ہے۔ فقط۔ والسلام
خادم ذکی اللہ

(حکیم مولوی ظہیر الدین صاحب مرحوم کا جواب برادرم ذکی اللہ صاحب کے نام)

مکرمی۔ السلام علیکم۔ مجھکو فریق مخالفت کے کسی فرد کے بھی معافی
یا عدم معافی سے ذرہ برابر اور سطحی طور پر بھی تعلق نہیں ہے حتیٰ کہ
ہفتہ عشرہ ہوا خود مولوی عبدالحکیم صاحب سے مجھ سے اطمینان سے
ملاقات ہوئی لیکن نہ انھوں نے برادری کی اصلاح اور سدھار
کے مسئلہ پر مجھ سے کوئی گفتگو کی اور نہ کسی کی معافی وغیرہ کے
متعلق کسی قسم کا اظہار خیال فرمایا۔ مجھکو سب پہلے معافی اور توبہ
کا حال جامی صاحب ہی کے خط سے معلوم ہوا یا جسدن میں نے جامی صاحب
کے خط کا جواب روانہ کیا تھا اسی دن صبح کو مولوی عبدالقیوم صاحب
اور حافظ ذکریا صاحب تشریف لائے تھے اور اسی مسئلہ پر انسے
کچھ مشورہ ہوا تھا جو حضرت مولانا کے پاس بھیجدیا گیا ہوگا۔ الغرض
مولوی جامی صاحب کے خط اور مولوی عبدالقیوم صاحب کی گفتگو

کے علاوہ کبھی یہ مسئلہ میرے سامنے نہیں آیا اور نہ کسی قسم کی اس سلسلہ میں کوئی گفتگو ہوئی۔ مجھکو دوسروں کے حالات سے خواہ برادری ہو یا غیر برادری ذرہ برابر بھی دلچسپی نہیں ہے اور نہ میں اسکو اپنے حق میں مفید سمجھتا ہوں۔ فقط۔ والسلام۔

ظہیر الدین ندوہ سرائے

اسمیں شک نہیں کہ حکیم صاحب موصوف ایک فہیم اور مخلص شخص تھے چاہتے ضرور وہ بھی تھے کہ اگر حضرت والا کی شرائط جو کہ شرعاً بھی ضروری تھیں، مخالف ان کو تسلیم کر کے معافی مانگ لے تو بہتر ہو مگر حضرت اقدس کا رخ دیکھکر وہ فوراً خاموش ہو گئے جیسا کہ خط مذکور کے آخری جملوں سے ظاہر ہے چنانچہ ان کے اسی فہم اور اخلاص کو دیکھکر حضرت والا نے انکیں نہ صرف فتحپور بلکہ اسکے اطراف وجوانب جہاں جہاں برادری آباد تھی اور وہاں لوگ حضرتؒ سے متعلق تھے ان سب کا نگراں اور گویا امیر ہی بنا دیا تھا جیسا کہ مکتوب ذیل سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے

(حضرتؒ کا مکتوب گرامی جناب منشی محمد عباس صاحب مرحوم کے نام)

آپکو معلوم ہے اور آپ ہی لوگوں کی خواہش پر حضرت والا نے حکیم مولوی ظہیر الدین صاحب کو آپ لوگوں پر سردار مقرر فرمایا ہے اور آپ لوگوں نے اسکو تسلیم بھی کر لیا ہے تو اب جو کچھ بھی ہو انکے مشورہ اور انکے حکم سے ہونا چاہیئے اب کسی کو یہ مجاز نہیں کہ بغیر انکی اجازت یا بغیر انکے حکم کے حضرت والا سے کوئی درخواست کرے لیکن آپ لوگوں کو جن چیزوں سے منع کیا جاتا ہے اسی کو کرنا کمال سمجھتے ہیں اگر خط لکھنے کو منع کیا جائے تو خط لکھنا شروع کر دیں گے، آنے کے لئے روکا جائے تو آنا شروع کر دیں گے۔ سرکشی سرشت میں داخل ہو گئی ہے اور بغیر سرکشی کے آپ لوگ مان نہیں سکتے ہیں اور ایسے ہی ذلیل ہوتے رہینگے

صوفی شبیر احمد بہادر گنجی بھی قوم کے ایک فرد ہیں اور فتح پور ہی میں رہتے ہیں انھوں نے حضرت والا کی خدمت میں ایک خط لکھا ہے اور اسمیں حضرت والا کے فتحپور تشریف لانے کی درخواست کی ہے لہٰذا آپ لوگ ان سے پوچھئے کہ انھوں نے بغیر حکیم صاحب موصوف کی اجازت کے یہ حرکت کیوں کی ؟ یہ بات ہر شخص کو معلوم ہو جانی چاہیئے کہ اب جو شخص بھی اس قسم کی درخواست حضرت والا کی خدمت میں کریگا تو اسکی خط وکتابت اور آمد ورفت بند ہو جائیگی ۔

کسی قوم میں سردار کا نہونا نہایت برا ہے وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی جسکا سردار نہیں ہوتا اور نہ اس قوم کا کوئی اعتبار ہی ہوتا ہے ملاحظہ فرمایا آپ نے اس خط میں کہ ایک اور صاحب نے حضرت اقدسؒ سے فتحپور (وطن) تشریف آوری کی درخواست کی اور بدون اپنے مقرر کردہ امیر کے علم اجازت کے حضرت کو خط لکھدیا تو اس پر حضرت نے کس طرح بازپرس فرمائی ۔ اور پھر اسی سلسلہ میں حکیم ظہیر الدین صاحب کے نام بھی یہ تحریر ارسال فرمائی :۔

(حضرت کا خط حکیم ظہیر الدین صاحب کے نام بقلم یکے از خدام)

حضرت والا نے فرمایا ہو کہ جو نظم بن گیا ہے اسکو قائم اور باقی رکھنا نہایت ضروری ہے اور وہ اسی شکل میں باقی رہ سکتا ہے کہ جو بات بھی ہو آپ کے مشورہ سے ہو اور جو کام بھی ہو آپ کی اجازت سے ہو۔ حضرت والا نے یہ بھی فرمایا ہے کہ میں نے آپکو جو مقرر کیا ہے سوچ سمجھکر مقرر کیا ہے برادری کے لوگوں نے اگر آپکو مان لیا اور آپ کے کہنے میں رہے تو میں سمجھوں گا کہ اب مجھکو بھی مان لیں گے اور اگر آپ کو نہیں مانا تو میں سمجھونگا کہ مجھکو بھی نہیں مانا اور نہ کبھی مانیں گے ۔

حضرت والا نے یہ بھی فرمایا ہے کہ وطن کے تصور سے مجھکو گھبراہٹ اور اسکے ذکر سے مجھکو وحشت ہوتی ہے خواہ مخواہ لوگ مجھکو وطن جانے کے لئے کہہ کہکر اور لکھ لکھکر پریشان کرتے ہیں اسلئے اب میں آپکی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ آئندہ حضرت والا کی خدمت میں وطن تشریف لیجانے کے بارے میں ہرگز نہ عرض کیا جائے نہ تحریراً نہ تقریراً اب حضرت والا کا وطن تشریف لیجانا "این خیال است ومحال است وجنوں" اور ایک امر مستبعد ہے۔

حضرت والا کا واحد مقصد ہمیشہ سے تبلیغ واصلاح رہا ہے اب بھی یہی مقصد ہے کہ تھوڑی سی بچی کھچی زندگی کام میں لگائی جائے نہ کہ انتقال مقام کے چکر میں گنوائی جائے۔ یوں تو ہوتا وہی ہے جو مشیت الہیٰ میں مقدر ہوتا ہے اگر انتقال مقام ہی بہتر سمجھتے ہیں تو دراصل وطن حقیقی کیطرف جہاں دائمی اور ابدی زندگی بسر کرنی ہے وہاں کی فکر اور سعی ہونی چاہیئے یہی افضل و بہتر ہے۔ دو[ع۵] واقعے جو انتقال کے ہو گئے ہیں کیا میرے لئے یہ عبرت نہیں اور کیا میرے لئے یہ موت کا پیغام نہیں ہیں؟ میں اب اپنی فکر میں لگوں یا این وآں میں پڑکر اپنے کو ضایع کردوں۔ اب کوئی شخص بغیر صریح اجازت کے یہاں آنے کا ارادہ نہ کرے۔ آپ سے اصلاح کا طالب ہو اگر اصلاح اسکو منظور ہے۔ والسلام۔

دیکھا آپ نے حضرت والا کیسی کڑی نگاہ اپنے مسترشدین پر رکھتے تھے کہ ایک اصول مقرر فرمایا اور پھر اسکی خلاف ورزی پر صاحب معاملہ سے بھی مواخذہ فرمایا اور حکیم صاحب کو بھی مطلع فرمایا کہ آپ بھی اسکا لحاظ رکھیں اگر برادری کے

ع۵۔ اس سے اشارہ دو صاحبزادیوں کے انتقال کیجانب ہے۔ اللہ ان کو بخشے۔ آمین

لوگوں نے آپ کو اپنا بڑا مان لیا تو میں سمجھونگا کہ مجھکو مان لیں گے اور نہیں تو نہیں اور اسکے بعد آخر کے جملوں میں کس قدر درد کے ساتھ اپنے رنج و غم کا اظہار اور پھر صبر و ضبط اور رضا بالقضا کا نقشہ کھینچا ہے جنکو بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت اقدس کے اس بیان کو ناظرین کے لئے ذریعہ نصیحت و عبرت بنائیں۔ آمین۔

اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت والا نے برادری کے امتحان کے لئے ایک معاملہ یہ فرمایا کہ اپنے خدام میں سے مولوی حکیم ظہیرالدین صاحب کو اہل وطن پر امیر مقرر فرما دیا تاکہ اس سے اندازہ لگائیں کہ کن کن لوگوں میں فروتنی۔ انکساری اور انقیاد پیدا ہو چکا ہے اور کون اپنی پہلی ہی حالت پر قائم ہے اور سرکشی اور کبر سے خود کو ابھی خالی نہیں کر سکا ہے۔

چنانچہ وطن کے لوگوں نے حضرت والا کی اس تجویز کو دل سے مانا اور ایک وقت تک اسی کے مطابق عملدرآمد ہوتا رہا۔

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جناب حکیم مولوی ظہیرالدین صاحب کے کچھ اور حالات بیان کر دوں تاکہ دوسرے لوگوں کو بھی معلوم ہو جائے کہ ان میں کونسا ایسا جوہر موجود تھا جس نے قوم میں انکو صدارت کے مرتبہ کا مستحق بنا دیا تھا ــ راقم کے نزدیک انکا خلوص انکی انکساری اور حضرتؒ کی عقیدت اور حضرت اقدسؒ کے ساتھ انکا غایۃ تأدب تھا جس نے حضرت والا کی نگاہ میں انکو بڑا بنا دیا تھا اور اس نے من تواضع للہ رفعہ اللہ کی تصدیق کر دی تھی۔

چنانچہ حضرت اقدسؒ نے ایک دن مجلس میں اپنے ایک ساتھی کا واقعہ سنایا تھا بعد میں معلوم ہوا کہ وہ ساتھی یہی حکیم مولوی ظہیرالدین صاحب ہی تھے۔

فرمایا کہ ـــــــ اسی طرح سے ایک دوسرے مولوی صاحب جو ہمارے ساتھی تھے نوکر ہو کر باہر گئے مگر مجھ سے خط و کتابت کرتے رہے ابتدا میں انکا یہ طریقہ رہا کہ کسی استاد کو دیکھا اس سے بیعت ہو گئے۔ دوسرے سے ملاقات ہو گئی اس سے بیعت ہو گئے۔ ایک دفعہ میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے کچھ لوگ بیعت ہو رہے تھے بس میرا ہاتھ پکڑ لیا میں نے کہا بھی کہ یہ آپ کیا کرتے ہیں؟ مگر نہیں مانے۔ پھر ایک دفعہ مجھ سے کہا کہ بات سمجھ میں آگئی کہ جب تک خلوص نہ ہو فائدہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ اسکے بعد انھوں نے اخلاص اختیار کیا اور انکو نفع ہوا۔ ایک دن میں نے ان سے پوچھا کہ آپ فلاں بزرگ سے جو استاد بھی تھے بیعت ہوئے، اور فلاں سے ہوئے تو آپ کو کیا ملا؟ میں نے اپنا نام نہیں لیا اس وجہ سے کہ وہ میرے ساتھی تھے۔ اسپر انھوں نے کہا کہ ہاں یہ صحیح ہے کہ ہم بزرگوں کے پاس گئے اور ان سے بیعت بھی ہوئے مگر دین تم سے ملا۔ ان کے اس جواب سے میں نے سمجھا کہ صحیح کہتے ہیں۔

حضرت مولانا (تھانوی رح) فرمایا کرتے تھے کہ دین کی محبت حضرت مولانا فتح محمد صاحب رح سے میرے قلب میں پیدا ہوئی فرمایا کہ ایسے دیندار شخص تھے کہ بس انکو دیکھکر ہی دین کی محبت قلب میں آجایا کرتی تھی اور فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب رح کے پاس جو میں گیا تو علم حاصل کرنے کے لئے چنانچہ علم اور عالم دین کی معرفت مجھے ان سے ہوئی۔ اور اصل میں علم پہچانا جاتا ہے عالم دین ہی سے۔ (معرفت حق دسمبر ۲۷ء)

پھر جب حضرت والا سے تعلق ہو گیا تو حکیم صاحب مرحوم یوماً فیوماً نکھرتے ہی چلے گئے آخر میں حکیم صاحب موصوف کے دو خطوط اور نقل کرتا ہوں جس سے انکی عقیدت اور خلوص کا اندازہ ہوتا ہے۔ اپنے ایک خط میں حضرت رح کو تحریر فرمایا کہ:۔

" مخدومی! میرے حق میں دعا فرمائیں کہ قادر مطلق خدا اپنی بے نہایت قدرت اور بے نہایت رحمت سے میری بصیرت اور بصارت دونوں ہی کو حضرت والا کی ذات برگزیدہ صفات ہی کیطرف مرکوز فرمادیں اور دوسرے افراد اور گرد و پیش کے حالات کیطرف میرے دل کو نہ لگائیں اور نہ ان سے دل ذرہ برابر متاثر ہو۔ یہ ایک بہت بڑی نعمت ہوگی اگر حضرت والا کی دعا سے مجھکو نصیب ہو جائے اور انشاء اللہ القدیر حضرت والا کی دعا سے مجھکو یہ نعمت ضرور حاصل ہوکر رہے گی جو دیگر نعمائے الہٰیہ کی جڑ اور بنیاد ہے۔"

والسلام مع الاکرام۔ (حکیم) ظہیر الدین۔

دیکھیے! اس خط میں حکیم صاحب کی فنائیت اور مقام وحدت مطلب کے حصول کی تمنا کس طرح ظاہر ہو رہی ہے۔ سبحان اللہ کیا رفیع حال ہے۔

اور دوسرا خط یہ لکھا کہ :۔

" حضرت والا! میری بڑی خوش نصیبی تھی کہ میں رمضان المبارک میں حضرت والا کی خدمت بابرکت میں رہا۔

مخدومی! یہ واقعہ ہے کہ میں بڑا سرکش اور متمرد نفس رکھتا ہوں اور بدرجہ اتم انانیت کا خوگر ہوں ایسے خبیث النفس انسان پر آنجناب کی اسقدر شفقت و مہربانی جسکی کوئی انتہا سمجھ میں نہ آسکی اسبات کا بیّن ثبوت ہے کہ حضرت والا حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت رحمۃ اللعالمینی کے مظہر اتم ہیں اور مجھ جیسے سیہ کار انسانوں کے حق میں ایک عظیم القدر نعمت غیر مترقبہ ہیں۔" ایں سعادت بزور بازو نیست "

حضرت والا! مجھکو یقین کامل ہے کہ جب میں اپنی نوع بنوع غلط کاریوں کے باوجود حضرت والا جیسی عظیم ترین نعمت سے محروم نہوا تو مجھے ساری نعمتیں مل گئیں۔ فالحمد للہ علیٰ فضلہ و احسانہ۔

مخدومی! حضرت والا میرے بارے میں جس قسم کا انسان ہونا پسند فرماتے ہوں اسکے لئے دعار فرمائیں ۔ میں حضرت والا کی دعار اور توجہ کا قطعی محتاج ہوں ۔ حضرت والا میرے حق میں اور میری جملہ اولاد کے حق میں بھی فلاح دارین کی دعار فرمائیں ۔ فقط ۔ والسلام مع الاکرام

(حکیم) ظہیرالدین

(از خانقاہ فتحپور ۔ تال نرجا ۲۳/۶۲ھ)

دیکھئے اس خط کے ایک ایک لفظ میں کیسے خلوص اور انکسار کی بو آتی ہے سچ ہے جو طالب ہوتا ہے وہی ایک دن مطلوب ہوجاتا ہے ونعم ما قال ؎

اے بے خبر بکوش کہ صاحب خبر شوی | تا راہ بیں نباشی دکے راہبر شوی
در مکتب حقائق پیشِ ادیب عشق | ہاں اے پسر بکوش کہ روزے پدر شوی

میں یہ عرض کررہا تھا کہ حضرت والا کے وطن سے ہجرت فرمالینے کے بعد وہ حضرات بھی جو حضرتؒ کے ترک وطن کا ظاہری سبب بنے تھے وہ بھی چین سے نہ رہ سکے یعنی انھوں نے جس گناہ کا ارتکاب کیا تھا اسنے انکے قلب کو اس واقعہ کے بعد سے برابر پریشان ہی رکھا ۔ مزید یہ کہ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ اہل اللہ جہاں رہتے ہیں تو اس بستی کا نور ہوتے ہیں اور جب وہاں سے چلے جاتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہاں سے نور ہی نکل گیا ۔ اس کیفیت کو کم وبیش سب ہی نے محسوس کیا یعنی کیا مسلم اور کیا غیر مسلم سب ہی کی زبانوں پر آنے لگا کہ دیکھو تو مولانا صاحب جب یہاں تھے اسوقت یہاں کیسی رونق تھی اور لوگوں نے انکو ستایا اور وہ یہاں سے چلے گئے تو اب یہ کیسی اجڑی ہوئی بستی لگتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ اہل اسلام کو تو دینی اعتبار سے بھی وہاں کی بے نوری اور بے رونقی محسوس ہوتی تھی اور غیر مسلموں کو یوں بے رونقی کا احساس ہوتا تھا کہ مولانا صاحب کے وقت میں یہاں کیسی چہل پہل رہتی تھی ۔ ہر زمانہ میں

اطراف واکناف اور دور دراز سے بھی لوگ آکر ٹھہرے رہتے تھے انکی آمدورفت کے سلسلے میں کتنے غریب مزدوروں کی گذر بسر کا یہیں سے سامان ہوجاتا تھا امرار کی آمد پر ملاحوں کی بن آتی کشتی کرایہ پر لی جاتی تھی۔ خانقاہ کے پاس سے جو کسی چیز کا بیچنے والا گذر جاتا تو اسکی ساری ٹوکری وہیں ختم ہوجاتی۔ آم والا خربوزہ والا۔ مچھلی والا۔ امرود والا۔ دودھ والا۔ گوشت والا غرضکہ خانقاہ ان خردہ فروشوں کے لئے ایک کامیاب مرکز اور نکاسئی اشیاء کے لئے بازار سا ہوگیا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ سب تنہا حضرت کی ذات کی برکات تھیں جب حضرت ہی وہاں سے چلے گئے تو ساری رونق ہی ختم ہوگئی اسلئے اصلی مجرم میاں شمس الدین کا تو وہ حال تھا کہ نہ صرف فتحپور بلکہ اطراف و قرب وجوار کے دوسرے گانوں میں سے بھی گذرنا انکو دشوار ہوگیا تھا جدھر سے گذرتے لوگ یہی کہتے کہ یہی ہیں جنکی وجہ سے مولانا صاحب فتحپور سے چلے گئے

اب شمس الدین گو مجرم تھے لیکن آخر انسان تھے اس طعنے اور اعتراض کے تیر کو برداشت نہ کرسکے اور عجب کیا کہ مقلب القلوب نے ان کے قلب کو پھیرنے ہی کے لئے یہ سب انتظامات فرما دیئے ہوں۔ بہرحال ان میں صدق پیدا ہوا اور انھوں نے معافی کے لئے سفارش کا سہارا تلاش کیا چنانچہ آپ نے گذشتہ صفحات میں اسکی تفصیل ملاحظہ فرمائی کہ تین حضرات نے نمایاں طور پر سفارش فرمائی اور پھر ان پر حضرت والا کا عتاب بھی ملاحظہ فرمایا۔

لیکن چونکہ شمس الدین مرحوم میں صدق و اخلاص پیدا ہوچکا تھا اسلئے درمیان میں بعض مزید گفت وشنید کے بعد حضرت اقدسؒ نے بالآخر انھیں معافی کے سلسلہ میں الہ آباد آنے کی اجازت دیدی اور کسی مصلحت کیوجہ سے وطن کے چند معززین کے ہمراہ (غالباً اس میں بعض غیر مسلم پردھان وغیرہ بھی تھے) انھیں آنے کو فرمایا۔ اور یہاں مقیمین خانقاہ سے فرمایا کہ شمس الدین آرہے ہیں انکو باہر ہی کمرہ میں روکنا۔ یعنی فوراً میرے سامنے نہ آویں، ایک مضمون

لکھواتا ہوں پہلے اسکو ان سب لوگوں کے سامنے سنا دینا اسکے بعد لوگ جو کہیں مجھ سے آکر کہنا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

راقم عرض کرتا ہے کہ واقعی یہ بھی بڑا سخت مجاہدہ اور نہایت ہی صبر آزما مرحلہ تھا۔ ایسا شخص جسکی ذات سے اتنا بڑا دینی اور دنیوی نقصان ہوگیا ہو کہ حضرت کا اپنا وطن اصلی چھوٹا۔ کس حوصلہ سے بنوائی ہوئی مسجد اور خانقاہ چھوٹی۔ اعزہ اور اقارب چھوٹے۔ ایک عرصہ کی سعی و کوشش کے بعد جو دینی ماحول و مرکز بنایا تھا وہ ختم ہوا۔ تمام تر تبلیغی مساعی پر یکلخت پانی پھر گیا۔ مخالفین کے لئے شماتتہ کا موقع ملا۔ احباب کو کسقدر رنج اور صدمہ ہوا۔ عوام اور باہر کے لوگوں کو کیا کیا خیال پیدا ہوا ہوگا ـــــ ان سب اور ایسے بڑے نقصانات کے بعد اب وہی شخص معافی کے لئے آتا ہے ایسے ہی موقع پر اہل دنیا اور اہل اللہ میں امتیاز ہو جاتا ہے ۔ اہل دنیا کے یہاں معافی کا کیا سوال اس سے بہت ہی کم بات پر ساری عمر کا مقاطعہ ہو جایا کرتا ہے لیکن اہل دین اور اللہ والوں کا معاملہ ہمیشہ دوسرا ہی دیکھا گیا ہے اور وہ یہ کہ جب انھیں اس بات کا یقین ہوگیا ہے کہ اب اس مجرم نے صدق اختیار کر لیا ہے اور دل سے معافی مانگ رہا ہے تو ان حضرات نے اسے فوراً معاف بھی فرما دیا ہے ۔ یہی معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر قریش کے سرداروں کے ساتھ فرمایا (جو ایک زمانہ میں آپ کے جانی دشمن رہ چکے تھے) چنانچہ مشکیں بندھی ہوئی جب لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوئے تو آپ نے ان سے یہ دریافت فرمایا کہ بتاؤ تمھارا میرے متعلق آج کیا گمان ہے کہ میں کیا کروں گا؟ سب نے یک زبان ہوکر کہا کہ آپ اخ کریم ہیں ہمکو آپ سے کرم ہی کی توقع ہے اس پر آپ نے فرمایا انتم الطلقاء جاؤ تم سب آزاد ہو سب کو معاف کرتا ہوں کسی کو کوئی سزا نہیں دیتا اور چند بڑے بڑے سرداروں کا نام لیکر فرمایا کہ جو شخص ان کے گھر میں داخل ہو جائے اسکو بھی امن ہے۔

اسی نوع کا ایک اور واقعہ ایک اور کریم کا رب کریم نے قرآن کریم
میں بیان فرمایا ہے وہ یہ کہ حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام کے ساتھ انکے
بھائیوں نے کیا کیا ستم روا نہ رکھا تھا لیکن اسکے بعد جب سیدنا یوسف
علیہ السلام مصر کے حاکم مقرر ہوگئے اور جب بھائی لوگ غلہ کے لئے مصر گئے
اور باہم تعارف ہوا اور ان سب کے سب نے اپنی گذشتہ خطاؤں پر نادم
ہوکر کہا انا کنا خاطئین بلاشبہ ہم ہی لوگ خطاوار ہیں تو آپ نے فرمایا
لا تثریب علیکم الیوم جاؤ آج کے دن تم پر کوئی مواخذہ اور ملامت نہیں ہے
اللہ تعالیٰ مجھے بھی بخشے اور تمھیں بھی بخشے۔ سبحان اللہ۔

جب یہ کردار رہا ہے نبیوں کا اور رسولوں کا تو جسے اللہ تعالیٰ نے
نائب رسول بنایا ہو اسکے لئے بھی ضروری تھا کہ وہ بھی یہی راہ اختیار کرے
اور ایسے ہی مواقع پر اتباع سنت کو دیکھکر کسی کے واقعی متبع سنت ہونیکا
اندازہ بھی ہوتا ہے ورنہ تو سحری کھانا سنت ہے اور قیلولہ کرنا سنت ہے اور
اس نوع کی سنتوں پر عمل کرنے والے بہت ہیں۔

غرضیکہ حضرت والا نے ایک مضمون لکھوا کر دیا کہ فتحپور سے آنے والے
سب حضرات کو (جنمیں شمس الدین بھی تھے) یہ مضمون سنا دیا جائے۔ پھر یہ دریافت
کرو کہ — یہ فرمائیے کہ آپ لوگ کیسے تشریف لائے ہیں؟ وہ مضمون یہ تھا۔

(یہ تحریر شمس الدین مرحوم کو الہ آباد آنے کے موقع پر سنائی گئی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم —— اس جھگڑے
کی ابتداء دنیاوی امر سے ہوئی مگر بعد میں اسکو مذہبی رنگ دے کر دینی
جھگڑا قرار دیدیا گیا اور مجھے ایک جماعت کا پیشوا اور اصل قرار دیدیا گیا
اسی بناء پر آپکی جماعت نے زبردستی استغاثہ میں میرا نام لکھوا دیا اور اس
بات کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ مجھے کچہری میں حاضر ہونا پڑے۔

یہاں تک کہ آپ لوگ کہتے تھے کہ ہم لوگوں کی سزا ہو جائے اسکی ہمکو پرواہ نہیں مگر انکو کچہری حاضر کرا دینا یہ ہم لوگوں کی فتح ہے مگر اللہ تعالے نے فضل فرمایا اور مجھے حاضر نہونا پڑا اور میرا نام بھی نکل گیا اس طرح میری فتح آپکی کل جماعت کے مقابلہ میں بہت روز ہوئے ہو گئی تھی جس کا شاید آپلوگوں کو احساس ہو۔ اگر یہ دنیوی جھگڑا تھا تب تو اسی روز آپکو شکست ہو گئی تھی جب آپ اسمیں ناکامیاب ہوئے۔ اور اگر دینی تھا تو میرا نام نکل جانے پر آپکو شکست فاش نصیب ہوئی یہ دونوں شکستیں آپکی جماعت کو بہت پہلے مل گئی تھیں اصل نزاع تو یہیں ختم ہو جاتا ہے۔

اب گاؤں میں ایک جماعت آپکی قیادت میں اور دوسری آپ کیخلاف تھی آپ ان لوگوں کو ضرر پہونچانے کے درپے تھے تو آپ نہیں پہونچا سکے اور وہ بے داغ بری ہو گئے۔ رہا یہ کہ آپ لوگوں کو ضرر نہیں پہونچا تو دوسری جماعت کا یہ قصد ہی نہیں تھا یا قصد کے موافق کامیاب نہیں ہوئے۔

بہرحال یہ دور گذر گیا اسمیں آپ کو بھی اپنی نیت اور جماعت والوں کی نیت کا حال معلوم ہے کہ کس طرح اس واقعہ میں جھوٹ اور افترا سے کام لیا گیا اور یہ کسقدر دیانت کے خلاف ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے علیکم بالصدق فان الصدق ینجی و الکذب یھلک۔ (اپنے اوپر صدق کو لازم کرلو اسلئے کہ صدق ذریعہ نجات ہوا کرتا ہے اور کذب ہلاکت کا ہی) رہا معافی کا قصہ تو سنیئے اب معافی کا کیا سوال۔ میں نے وطن ترک کردیا اور یہاں مکان لے لیا تو اب یہ میرا وطن ہو گیا یا میں نے اسکو وطن بنا لیا اس طرح اب میں وطن میں مقیم ہوں آپ لوگوں کو پردیسی سمجھکر رحم نہ کھانا چاہیئے؟ —— آپ کے فائدے کی بات عرض کرتا ہوں کہ سکون کی زندگی نہایت اچھی چیز ہے وہ صرف اخلاق حمیدہ اور اوصاف جمیلہ کے ساتھ ہی رہنے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ میل جول میں نفع ہی نفع ہے آپ بھی

شاید اس سے اختلاف نہ رکھتے ہوں گے۔

معافی کے متعلق ایک اور بات سنیئے۔ اگر زبانی ہوگی تو میں بھی زبان سے لفظ معاف کردیا کہدونگا ظاہر ہے کہ اسکا نفع آخرت میں تو کچھ نہیں ہوگا۔ میرے متعلق جو ادھر ادھر کہا گیا یا کیا گیا اگر آپ توبہ سے اسکا تعلق سمجھتے ہیں اور برأۃ عنداللہ کے لئے اسکو ضروری سمجھتے ہیں تو اسکا اظہار بھی ضروری ہے ورنہ زبانی معافی یا حقیقی معافی کا مجھکو انتظار نہیں نہ اس سے میرا نفع یا ضرر متعلق ہے۔

اب باقی رہا جانے یا لیجانے کا خیال تو اسکے متعلق عرض ہے کہ وہاں سے میں اپنے اختیار سے اپنی مصلحت سے سوچ سمجھکر آیا ہوں بے بس ہوکر مجبور ہوکر نہیں آیا کہ آپ پر میرا وہاں رہنا نہ رہنا موقوف ہے رکھیں تو رہوں اور نکالدیں تو نکل جاؤں لیجلیں تو چلوں نہ لیجلیں تو مجبور رہوں آپ لوگوں کے لیجانے کے یہی معنی ہوسکتے ہیں۔ تو دشمن کے کہنے سے جانا اسکو کون عقلمند قبول کرسکتا ہے اور اسکو کون گوارا کرسکتا ہے رہا اپنی رغبت سے اپنی خوشی سے جانا تو یہ اطمینان پر مبنی تھا۔ جو حالات نمودار ہوئے اس سے یہ اطمینان جاتا رہا نہ عزت و آبرو کیطرف سے اطمینان، نہ ایمان و دین کیطرف سے اطمینان۔ ایسی بے اطمینانی کیحالت میں نہ دین اجازت دیتا ہے نہ عقل۔ اور مجھکو ضرورت ہی کیا ہے وہاں جانے کی۔ بہت رہا جبتک ہوسکا رہا۔ اسوقت میں نشیب و فراز کا بھی تجربہ ہوگیا اب اسکے خلاف کرنا نقل و عقل دونوں کے خلاف ہے اسلئے اسکے خلاف مجھ سے گفتگو نکرنا چاہیئے۔ بہت لوگ ہیں دین کی خدمت کریں میری کیا حاجت ہے۔ والسلام خیر ختام۔

وصی اللہ عفی عنہ

شعبان سنہ ۵۹ء

ظاہر ہے کہ ان سب امور کا کسی کے پاس کیا جواب ہی تھا ۔ سب لوگ سر جھکائے سن رہے تھے اور شمس الدین مرحوم کی آنکھوں سے شاید اشک ندامت بھی جاری تھے ۔ بس منظر ہی اس تحریر کا جواب تھا جسکو حضرت کی خدمت میں جاکر عرض کیا گیا ۔ حضرت اقدس بھی اس واقعہ سے غایت متاثر ہوئے شرافت جب کبھی معرفت کا جامہ زیب تن کئے ہوتی ہے تو معاملہ عجیب نوع کا ہوجاتا ہے ۔ عقل حیران ہو جاتی ہے ۔ یہ منظر دیکھکر کہ مجرم تو آبدیدہ ہے ہی اسے ہونا ہی چاہیئے آخر یہ صاحب معاملہ کیوں اس قدر بے چین ہیں ۔ بات یہ ہے کہ مجرم کا گریہ و بکا ران حضرات میں معرفت کی راہ سے ایک اور تصور پیدا کر دیتا ہے وہ یہ کہ یہ حضرات سمجھتے ہیں کہ التائب من الذنب کما لا ذنب لہ کی رو سے یہ شخص تو اب آخرت کے عتاب سے مامون ہو گیا ہم بھی خدا کے بندے ہیں معلوم نہیں کیا کیا لغزشیں ہم سے بھی ہوئی ہونگی اسی طرح سے خدا کی عدالت میں ہم سب کو بھی حاضر ہونا ہے ۔ بس یہ تصور غالب آکر وہ مجرم تو قابل ستائش ہو جاتا ہے اور خود اپنی فکر پڑ جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے آگے اپنے لئے اور اسکے لئے دونوں کے لئے دعاء فرماتے ہیں جس کے لئے انابت اور توبہ لازم ہے ۔ لوگ انکے انشراح کے منتظر ہوتے ہیں اور وہ مغموم نظر آتے ہیں ۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔

بہر حال جب حضرت والا کو اسکی اطلاع دی گئی تو ذرا سا سکوت کے بعد فرمایا کہ فتحپور سے آنے والے سب لوگوں کو بلا لیجئے لیکن ان سے کہدیجئے کہ اب میرے پاس آکر مجھ سے کچھ نہ کہیں اور نہ یہاں آکر روئیں اسکا مجھ پر اثر ہوگا حسب ارشاد سب لوگ حاضر ہوئے سر جھکا کر حضرت کے روبرو بیٹھ گئے ۔ حضرت والا نے بھی ایک نظر سب پر ڈالی اور خاموش بیٹھے رہے تھوڑی دیر کے بعد خود کسی خادم سے فرمایا کہ اچھا ان سب کو لیجاؤ اور ناشتہ وغیرہ کراؤ ۔ پھر دوسرے وقت بلاؤں گا ۔

یہ بات پہلے سے مشہور تھی کہ فتحپور کے لوگ آرہے ہیں معافی کے بعد وہ شاید اسکی بھی درخواست حضرت سے کریں کہ حضرت کچھ دنوں کے لئے وطن تشریف لیچلئے

چنانچہ اسی وجہ سے حضرت والاؒ نے اپنی تحریر بالا میں اسکا بھی ذکر فرما دیا ہے۔

بالآخر جب اس قافلہ نے واپس جانے کے لئے حضرت سے ملاقات اور مصافحہ کی اجازت چاہی تو چلتے چلتے شمس الدین مرحوم نے ہی ہمت کی اور حضرتؒ سے عرض کیا کہ حضرت والا نے اپنے کرم سے مجھ گنہگار کو معاف فرماکر مجھ حقیر پر جو احسان فرمایا ہے اس سے تو عہدہ برآ ساری عمر نہیں ہو سکتا لیکن حضرت میرے اوپر ایک دھبہ لگ گیا ہے جو کلنگ کا ٹیکہ ہو رہا ہے اور اسکی وجہ سے میں برادری بھر میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہ گیا ہوں جدھر جاتا ہوں ملامت ہوتی ہے اس دھبہ کو بھی اب حضرت والا ہی دھو سکتے ہیں یعنی یہ کہ آج اور ابھی نہیں بلکہ جب حضرت کو انشراح ہو حکم دیں تو ہملوگ حضرت کو آکر وطن لوا لے چلیں تاکہ اسکے بعد پھر کوئی ہمکو مطعون نہ کرسکے اور ہم بھی برادری میں کہہ سکیں کہ اگر میری نالائقی کیوجہ سے حضرت چلے گئے تھے تو میں ہی حضرت کو لے آیا ہوں۔ چاہے حضور کا یہ سفر عارضی کیوں نہ ہو لیکن میرا دھبہ اس سے دھل جائے گا۔ بس یہی میری دلی آرزو اور درخواست ہے۔

حضرت نے انکی باتوں کو بغور سنا اور یہ فرمایا کہ اچھا خیر میں وہاں سے چلا آیا ہوں لیکن نہ جانے کی قسم تو کھائی نہیں ہے ہو سکتا ہے کہ کبھی آجاؤں لیکن اس میں جلدی نکرو۔

اس کے بعد سب لوگوں نے ان آنیوالے مہمانوں سے ملاقات کی اور سب نے مسرت کا اظہار فرمایا اور وہ سب حضرات خوشی خوشی وطن واپس ہوگئے۔

وطن کے اس فتنہ کے سرغنہ تو یہی شمس الدین تھے لیکن ان کے ساتھ اور بھی بعض لوگ شریک تھے ان میں سے ایک صاحب عبدالقیوم بھی جو فتحپور ہی کے رہنے والے تھے اور لطف یہ کہ حضرت کے پاس آتے جاتے بھی تھے لیکن صحبت اس جماعۃ سے بھی تھی اسکی وجہ سے ہٹتے ہٹتے ادھر سے بالکل ہٹ گئے تھے اور مخالفین سے جا ملے تھے ایک صاحب نے انکی بھی سفارش حضرت والا سے کی

بلکہ اطلاع بھیجی کہ میں انکو لیکر آرہا ہوں حضرت والا کے یہاں سے ان لانے والے صاحب (عبدالقدوس) اور عبدالقیوم کے نام جو پیغام گیا وہ ناظرین کیخدمت میں پیش ہے۔

"عزیزم عبدالقدوس سلمہٗ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔
آپ کے یہاں کے عبدالقیوم خانصاحب (رگھولی والے) آئے انھوں نے آپکا سلام پہونچایا اور یہ پیغام بھی کہ "میں جلد ہی عبدالقیوم (فتحپوری) کو لیکر آنیوالا ہوں" یہ تو مجھے پہلے سے معلوم ہے کہ آپکی توجہ اسطرف بہت دنوں سے ہے اور آپ کو اس امر کا خیال ہے۔ یہ بہت نیک اور اچھی بات ہے ـــــ اب رہا عبدالقیوم فتحپوری کے لانے کا قصہ تو اب اسکی حاجت ہی کیا ہے؟ میں نے وطن ترک کر دیا اور یہاں مکان لے لیا۔ میں یہاں خوش ہوں وہ وہاں خوش رہیں وہاں کے لوگوں سے تعلقات رکھیں جیسے رکھنے چاہیں۔
اور اگر معافی دیانۃً ضروری سمجھتے ہیں تو اسکا تدارک انکو کرنا چاہیئے اور آپ اسکا اہتمام کریں اور ان سے تدارک کرائیں وہ تدارک صرف ایک امر ہے کہ وہاں کے لوگوں کو اطراف کے عمائد کو جمع کر کے اپنی غلطی کا اقرار کریں اور آئندہ کے لیئے اس سے باز رہنے کا وعدہ کریں۔ بس یہ کافی ہے یہاں آنا اسکے لیئے ضروری نہیں۔
مجھکو اس پر عمل کرنے کا انتظار نہیں اور نہ میں اسکا حکم دیتا ہوں اور نہ میں اسکا اہل ہوں یہ تو صرف آپ کے پیغام کا جواب ہے
والسلام۔ دعا رگو۔

وصی اللہ عفی عنہٗ

اور ان مجرم عبدالقیوم صاحب (فتحپوری) سے یہ امور دریافت فرمائے
"میں تم سے زیادہ بات کرنا نہیں چاہتا بس صرف ایک بات

کہنا چاہتا ہوں تمکو بتانا پڑے گا تمھارے اندر یہ بگاڑ کہاں سے
سے پیدا ہوا تمھارے اس بگڑنے کا سبب کیا ہوا۔
شمس الدین تو خیر کبھی آتا نہیں تھا وہ جو کچھ کرے اس پر
تعجب نہیں لیکن تم نے تو مجھی سے کچھ دین سیکھا تھا، عقائد میں
بھی میرے اور تمھارے اختلاف نہ تھا تم کو اس سبب کا اقرار
کرنا پڑیگا اور لوگوں سے اسکو کہنا ہوگا۔
نیز تم نے میرے بارے میں جو ناشائستہ کلمات کہے ہیں وہ
سب مجھکو ایک ایک پہونچ گئے ہیں کیا میں تمھارے باپ اور دادا کو
نہیں جانتا سب میرے ہی گانوں کے لوگ تھے۔ آدمی خود کو نہ سمجھے
اور سب کو گرانا شروع کردے۔ کیا میں تمھارے ماننے ہی سے
باعزت ہوا اور تمھارے ذلیل کرنے سے بے عزت ہو جاؤں گا
مقدمہ کی رپورٹ جو اعظم گڈھ میں لکھی گئی ہے وہ تمھاری لکھوائی
ہوئی تھی وہ رپورٹ میرے پاس ہے اسکا ایک ایک حرف تمھارے
ضمیر و عداوت کا پتہ دیتا ہے۔ تم یہ کہتے تھے کہ کام اگرچہ کوئی کرے
مورد الزام انھیں کو بنایا جائے گا اور چین سے نہیں رہنے دیا جائیگا
یہ بتاؤ یہ باتیں کیسی ہیں۔ یہ جائز ہیں؟ اور ناجائز ہیں تو پھر کامیابی
اس میں کیسے سمجھتے ہو؟ دنیا میں بھی کامیاب نہ ہوئے اور مجھکو
ذلیل نہ کرسکے اور عقبیٰ کا معاملہ تو زیادہ نازک ہے وطن سے بیوطن
ہونے میں گو مجھے بہت فائدہ ہوا لیکن بہرحال تم نے تو نظام کو درہم برہم
کرنے کی پوری کوشش کی۔ یہ بتاؤ ایسے شخص کا کیا حکم ہے تم اگر اسے
سمجھ گئے تو تلافی بھی تمھیں کرنی ضروری ہے۔ وما علینا الا البلاغ۔

اسکے بعد یہ تو نہ معلوم ہو سکا کہ عبدالقدوس صاحب رگھولوی عبدالقیوم فتحپوری
کو معافی کے لئے الہ آباد لائے یا نہیں لیکن شمس الدین مرحوم کی معافی کے بعد

پھر اہل فتحپور کبھی کبھی حضرت اقدسؒ سے وطن تشریف آوری کی درخواست کرتے ہی رہے ۔ حضرت اقدس کا مزاج چونکہ فتنے سے بچنے کا تھا مثل آزمودہ را آزمودن کی روسے جلد تشریف لیجانے کے لئے تیار نہیں ہوئے ۔ انھیں ایام میں مولانا عبدالباری صاحب ندوی کا بھی ایک خط آگیا جسمیں انھوں نے یہ لکھ دیا تھا کہ ایام مبارکہ (رمضان المبارک) کا قرب کہف مبارک کی برکتیں یاد دلاتا ہے (اشارہ انکا حضرت اقدس کے یہاں چار ہفتہ قیام کی ان برکتوں سے ہے جن کا مفصل ذکر انھوں نے اپنے مضمون "چار ہفتہ ایک کہف میں" کیا ہے) اسپر حضرت والا نے انھیں تو یہ جواب اپنے کسی خادم کے ذریعہ سے لکھوایا کہ :۔

"گرامی نامہ ملا ۔ حضرت والا نے فرمایا ہے کہ کسی بات کا انتظار ہے آپ کے کارڈ کا جواب تو پھر جائیگا اسوقت خادم سے فرمایا کہ تم مولانا کو فتحپور کے سلسلہ میں کچھ لکھدو ۔ چنانچہ عرض کرتا ہوں ۔ بہت ممکن ہے کہ آپ نے خط میں جس تاثر اور تاسف کا اظہار فرمایا ہے یہ گذارش کسی قدر اسکے لئے سکون بخش ثابت ہوسکے ۔

جناب والا نے بھی فتحپور کی یاد دلائی اور دوسرے احباب بھی کبھی کبھی اسی قسم کا مضمون لکھ دیتے ہیں میرا خیال ہے کہ اسی سے حضرت کے دل پر گذر جاتا ہے جو گذر جاتا ہے گو اسکا اظہار نہیں فرماتے تاہم اندازہ ہو ہی جاتا ہے کیونکہ یہ بالکل ظاہر بات ہے کہ حضرت کا وہاں وطن، پھر خانقاہ اور مسجد کی شاندار عمارت جس کو حضرت نے اسلئے نہیں بنوایا تھا کہ انھیں چھوڑ کر دوسری جگہ تشریف لیجائیں بانیہمہ صورت حال جو پیش آئی تو یقیناً کوئی ایسی ہی تکلیف دہ چیز تھی جس کے مقابلہ میں یہ سب چیزیں ہیچ تھیں اور وہ تھا وہاں کا فتنہ جس کی تفصیل ابھی تک کم ہی لوگ جان سکے ہیں ۔ مخالفین نے جو اسکیم بنائی تھی وہ نے انتہائی موحش اور خطرناک تھی وہ تو اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل فرمایا ورنہ انھوں

جو سوچا تھا وہ بہت ہی تکلیف دہ نقشہ تھا۔ تاہم آخری چیز جو وہ کر سکے
وہ یہ کہ حضرت کا نام مقدمہ میں لکھوا دیا اگر حضرت وہاں سے ہٹ نہ جاتے
تو انکی کوشش تو یہی تھی کہ حضرت کو عدالت میں پیش کرائیں۔

ان حالات میں جبکہ عزت و آبرو کا سوال آگیا تھا اسکے لئے انسان
گیا کیا قربان نہیں کر دیتا آخر کفار کی ایذا رسانی ہی کی وجہ سے
تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ چھوڑا تھا حالانکہ وہاں کعبہ شریف
موجود تھا۔ باقی آپ نے فتحپور کے متعلق جو لکھا ہے کہ کہف مبارک کی
برکتیں یاد دلاتا ہے۔ تو اس سلسلہ میں یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اصل تو حضرت والا
ہیں جہاں حضرت ہیں وہیں کہف ہے ورنہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے رحلت فرما جانے
کے بعد اب لوگوں کی آمد و رفت تھانہ بھون میں ویسی کہاں رہی۔ حالانکہ
خانقاہ، مدرسہ، مسجد وغیرہ سب موجود ہے اسی طرح سے فتحپور کا مقام تو
مقصود ہے نہیں لیکن اس سے علیحدگی جو اختیار کی گئی وہ کسی شدید ہی
ضرورت کی بناء پر کی گئی، یوں اسکا افسوس تو سب کو ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے
افعال میں ہزار حکمتیں ہوتی ہیں۔ حضرت کے وطن چھوڑنے کی وجہ سے
ایک بڑا نفع یہ ہوا کہ اطراف کے لوگوں میں سے مخلص اور غیر مخلص کا امتیاز
ہوگیا بلکہ سبھی لوگوں میں۔ اور بہت سے لوگ دل و جان سے متوجہ ہوگئے
اسی طرح گورکھپور جانے کی وجہ سے وہاں کے ایک خاص طبقہ کو فائدہ
پہونچا اور پھر وہاں سے الہ آباد چلے آنے کی وجہ سے ایک تو صحت ہوگئی
دوسرے یہ کہ وہاں کے لوگوں کا بھی امتحان ہوگیا اور مخلصین کا اخلاص
ظاہر ہوگیا۔ والسلام

یکے از خدام

اور اہل فتحپور کے پاس یہ تحریر ارسال فرمائی۔

(وطن لیجانا چاہتے ہیں تو شرائط کو پورا کیجئے)

آپ لوگ جو مجھے وطن لیجانا چاہتے ہیں اور اسکے متعلق مجھ سے چلنے کی درخواست کرتے ہیں تو سن لیجئے کہ یہ قبل از وقت ہے۔ میں نے وہاں مکان، خانقاہ، مسجد جو اس طرح سے بنوائی تھی وہ اس لئے نہیں کہ میں اسکو چھوڑ کر کہیں اور چلا جاؤں گا۔ آدمی اپنے وطن کو معمولی بات کیوجہ سے نہیں چھوڑ دیتا لیکن آپ لوگوں نے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ میرے لئے ترک وطن ضروری ہوگیا تھا چنانچہ میں وہاں سے ہجرت کر کے چلا آیا۔

اور جہاں تک مجھے معلوم ہے آپ لوگوں نے اپنے حالات میں کوئی ترمیم بھی نہیں کی جس حال میں میں نے چھوڑا تھا اب بھی ویسے ہی ہیں پھر ایسی صورت میں میرا اس جگہ جانا جسکو میں انھیں حالات کیوجہ سے چھوڑ چکا ہوں اہل فہم کے نزدیک کسی طرح روا نہیں ہے اسلئے بجائے اسکے کہ مجھے بلا دیں اور لیجانا چاہیں پہلے خود آپلوگ اپنے حالات میں تبدیلی پیدا کیجئے، اور وہ یہی کہ میں فتنہ و فساد سے گھبراتا ہوں تو میل جول اتفاق و اتحاد پیدا کیجئے میں نفاق سے بڑھتا ہوں تو اخلاص پیدا کیجئے اور اسکا نہ صرف زبان سے بلکہ عملی ثبوت دیجئے اسکے بعد ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے دل میں ڈالدیں اور میں عارضی طور سے سہی وہاں آسکوں ورنہ بندہ آپلوگوں سے علیحدہ رہکر نہایت آرام سے ہے۔ الحمد للہ یہاں کام بھی ہو رہا ہے سکون بھی ہے پھر بھلا میں اپنے سکون و آرام اور کام کو چھوڑ کر آپکی جماعت میں کیوں ملوں اور یہ کونسی عقلمندی کی بات ہوگی اسکو سمجھ لیجئے ـــ اور یہ سمجھئے کہ بس یہی اخلاص و نفاق ہما آپکا اختلاف ہے۔ ورنہ تو نہ ہم میں آپ میں کوئی اعتقادی جھگڑا ہے اور نہ فروعی کیونکہ شروع میں تو سنتے تھے کہ سارا جھگڑا جمعہ کا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اعتقاد کا کوئی قصہ نہیں تھا پھر بریلی سے لوگ پڑھکر آئے انھوں نے فتوی دیا کہ یہاں جمعہ جائز نہیں اور

جمعہ پڑھنا چھوڑ دیا اس سے معلوم ہوا کہ یہ بھی جھگڑا بلا وجہ کا تھا آپکے علماء بھی اسی کے قائل ہیں جو ہم کہتے ہیں پس جھگڑا صرف یہ ہے کہ ہم دین چاہتے ہیں اخلاص کا مطالبہ کرتے ہیں، فساد کو منع کرتے ہیں اور آپلوگ اسپر آنا نہیں چاہتے۔
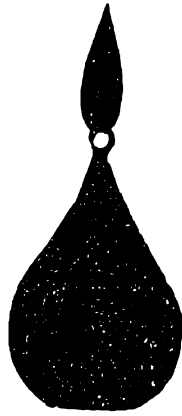
ناظرین کرام نے ملاحظہ فرمایا کہ حالات کے اسقدر موافق اور سازگار ہونے کے باوجود لوگوں کو حضرت اقدس کے فتحپور ترک فرمانے کا کتنا غم باقی ہے جو خط آتا ہے اسمیں مسجد، مکان، خانقاہ کی ویرانی پر اپنے دلی رنج کا اظہار ہوتا ہے چنانچہ عوام تو عوام بعضے خواص کے خطوط بھی اسی انداز کے آتے رہے جیسا کہ حضرت مولانا عبد الباری صاحب ندویؒ کے خط سے بھی ترک وطن کا کتنا صدمہ ظاہر ہو رہا ہے۔ حضرت والا کو لکھا کہ " ماہ مبارک کا قرب کہف مبارک کی یاد دلاتا ہے " اسکی وجہ سے حضرت نے سمجھا کہ یہ لوگ میرے ترک وطن کو شاید میری مغلوبیت خیال کرتے ہیں اور اسکا انکو قلق ہے حالانکہ اللہ تعالےٰ نے تو خود مجھے اسکی ایسی مصلحت سمجھا دی ہے کہ اسکی وجہ سے مجھے اب ان چیزوں کے ترک کا قطعی غم نہیں رہا تاہم حضرت اقدسؒ نے ضرورت سمجھی کہ لوگوں کے ذہن کو بھی اس جانب سے صاف کیا جائے اسلئے وقتاً فوقتاً عام طور سے لوگوں کو جو اس سلسلہ میں تحریر فرماتے رہے اسکے علاوہ ایک مضمون اہل وطن کے پاس بھی بھیجا جس میں مفصل اس امر پر گفتگو فرمائی کہ اہل بدعت نے وطن میں جو فتنہ برپا کیا تھا الحمد للہ کہ شروع سے لیکر آخر تک غلبہ اس میں مجھی کو حاصل ہوا، لیکن بعض اوقات اللہ تعالیٰ اس طرح سے غلبہ عطا فرماتے ہیں کہ بہت لوگوں کو وہ غلبہ محسوس ہی نہیں ہوتا جس طرح سے کہ صلح حدیبیہ کے بعد ہی مگر فتح مکہ سے پہلے اللہ تعالےٰ نے سورۂ فتح نازل فرمائی کہ انا فتحنا لک فتحاً مبیناً۔ اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپکو فتح مبین عطا فرمائی حالانکہ اسوقت صلح حدیبیہ میں بہت دیگر مسلمانوں نے صلح کی تھی لیکن اللہ تعالےٰ نے انجام کی رو سے اسے فتح مبین فرمایا۔ اور چند ہی روز بعد جب مکہ فتح ہوگیا تب لوگوں کی سمجھ میں فتح مبین کا مطلب آیا۔ چنانچہ لوگوں کو اس مغالطے سے نکالنے کے لئے حضرت اقدس نے بھی یہ تحریر اہل وطن کے پاس روانہ فرمائی۔

(الحمد للہ غلبہ مجھے ہی ہوا)

فرمایا کہ ——— غلبہ کی دو قسمیں ہیں، غلبہ بالسنان اور غلبہ بالحجۃ چنانچہ
آیۃ ھو الذی ارسل رسولہ بالحق لیظھرہ علی الدین کلہ میں جس غلبہ کو فرمایا
گیا ہے وہ غلبہ بالحجۃ ہی ہے یعنی اسلام کو دیگر ادیان پر دائمی جو غلبہ حاصل ہے
وہ باعتبار دلیل وحجۃ کے ہے اب اگر کہیں مسلمان محکوم ہی ہوں اور حکومت
غیر مسلموں کی ہو تب بھی کہا جائے گا غلبہ اسلام کو ہے۔ الاسلام یعلوا و لا
یعلیٰ۔

اسی سلسلہ میں فرمایا کہ جب یہ بات سمجھ میں آگئی کہ اصل غلبہ حجۃ اور دلیل
کا غلبہ ہوتا ہے تو اب سمجھ لیجئے کہ فتحپور میں بھی الحمد للہ میں ہی غالب رہا اسلئے کہ دوسری
جماعت کے جو سردار تھے وہ مولوی صاحب ہماری جانب ہوگئے اور انھوں نے
مجھکو مان لیا اور کسی جماعت کے امیر اور سردار کی شکست پوری قوم کی شکست
سمجھی جاتی ہے باقی کسی شخص کے غالب آنے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ مخالفین
میں کا ایک ایک فرد تابع ہو جائے یہ ضروری نہیں ہے کیونکہ اہل حق کے مقابل
جو لوگ آتے ہیں ان میں دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں کچھ تو ایسے ہوتے ہیں جو حق
واضح ہو جانے کے بعد مان جاتے ہیں اور بعضے خبیث النفس ایسے ہوتے ہیں
جو آخر دم تک نہیں مانتے ان کے نہ ماننے کا اعتبار بھی نہیں۔ فتح مکہ میں اسلام
غالب ہوا اور کفار مغلوب ہوئے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
حضرت ابوسفیان تک کو پناہ دیدی اور یہ فرمایا کہ من دخل دار ابوسفیان فھو
آمن لیکن چند بدنصیب مرد اور عورتیں ایسی بھی تھیں جنھوں نے اسپر بھی نہ مانا
بالآخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ یہ لوگ اگر استار کعبہ میں بھی چھپے ہوئے
ملیں تو قتل کردو چنانچہ ایسا ہی کیا گیا یہی حال ہر زمانہ میں ہوتا ہے کہ جو خوش نصیب
ہوتا ہے وہ حق واضح ہونے کے بعد اسکو مان لیتا ہے اور جو لوگ دوسرے ہی قسم

کے ہوتے ہیں وہ مانتے تو کیا ایسے حالات میں انکی سرکشی اور بڑھ جاتی ہے چنانچہ ہمارے یہاں جو فساد وغیرہ ہوا اسکا منشا بھی یہی تھا کہ ان مفسد لوگوں نے دیکھا کہ ہمارے سردار تو ادہر چلے گئے اور جن کے کہنے سے ہم لوگوں نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا وہ ہی ہمکو چھوڑ کر دوسری جانب ہو گئے، وہاں آتے جاتے ہیں۔ انکی خوب خاطر مدارت ہوتی ہے تو وہ تو مزے میں ہو گئے اب ہم کدھر کے بھی نہ ہوئے ان سب باتوں کو دیکھکر جماعت میں ایک کھلبلی مچ گئی مفسدوں کو جب خفت ہوئی تو اسکا نتیجہ فساد کی شکل میں نمودار ہوا۔

ان میں ایک چودھری نے بھی معافی وغیرہ مانگی آنے جانے لگے ایک دن مجلس میں بھی آ بیٹھے اسکی اطلاع جب انکی جماعت کو ہوئی تو ان لوگوں نے ان سے کہا کہ ارے تُہوں چل گییئے (یعنی اجی تم بھی وہاں چلے گئے) قوم سے یہ طعنہ سنکر ان کے جذبۂ عار کو ٹھیس لگی اور وہ آنے سے رک گئے۔ اسی طرح ان مولوی صاحب کو بھی لوگوں نے بہت کچھ روکنا چاہا مگر وہ نہ رکے حتیٰ کہ بریلی سے خانصاحب کے صاحبزادے تشریف لائے تھے لوگوں نے انکے ذریعہ دباؤ ڈالنا چاہا ان سے بھی مولوی صاحب نے صاف کہدیا کہ دیکھئے صاحب ہم کو ان سے اختلاف تھا اور ان کو ہم سے اختلاف تھا لیکن ہم نے اسکا کوئی نفع نہ دیکھا اب وہ کہتے ہیں کہ سب لوگوں کو متفق و متحد ہو کر رہنا چاہیئے ہم نے اس بات کو مان لیا وہ نہایت اچھے اور بزرگ آدمی ہیں انکے پاس ہم ضرور جائیں گے اور کسی کے منع کرنے سے نہ مانیں گے۔ بریلوی صاحب نے جب یہ رنگ دیکھا تو خاموش ہو گئے۔

میں کہتا ہوں یہ کیا ہے؟ یہ فتح نہیں ہے جو شخص سید سے منہ میرا نام لینا گوارا نہ کرتا ہو وہ اب مولانا اور بزرگ کہے یہ فتح نہیں ہے؟ نیز اسی فساد کے بعد اپنے لوگوں کے بارے میں کہا کہ یہ سب شیطان ہیں، خود پریشان ہوئے سارے گاؤں کو پریشانی میں ڈالا۔ مولانا یہاں سے ناراض ہو کر چلے گئے یہ سب انھیں شیطانوں کی بدولت ہے اور وہ یہاں سے چلے جو گئے ہیں تو دیکھئے کیا ہوتا ہے۔

خیال فرمائیے ایک مخالف وہ بھی ایسا جو مخالفین کا سرگروہ اسکے منہ سے ان کلمات کا نکلنا کیا اہل حق کی فتح نہیں ہے؟ میں نے ایک ان مولوی صاحب کو ایک تسبیح اور ایک رومال ہدیۃً پیش کیا اسکو لیکر بہت مسرور ہوئے اور لوگوں سے کہتے تھے کہ وہاں سے ملا ہے۔

باوجودیکہ مخالفین نے اتنا فساد وغیرہ کیا لیکن مولوی صاحب اپنے خیال پر قائم ہیں بدلے نہیں ہیں میں سمجھتا ہوں کہ صرف ایک مولوی صاحب کے آجانے کیوجہ سے اس بستی میں گویا جماعت کا خاتمہ ہی ہوگیا کیونکہ جماعت ہی بے سَری ہوگئی اور سب لوگوں نے سمجھ لیا کہ مولوی صاحب پر حق واضح ہوگیا اسلئے انھوں نے تسلیم کرلیا۔ وقائع سے بہت سبق اور عبرت ہوتی ہے یہ میں اسلئے وضاحت سے بیان کررہا ہوں تاکہ آپ لوگوں کی بھی سمجھ میں آجائے کہ وہاں میں ہی غالب رہا ورنہ آپلوگ بھی مغالطہ ہی میں رہتے۔

اس موقع پر ایک اور تحریر وطن کے لوگوں کے پاس روانہ فرمائی :-

(اب میں وطن اور اطراف کے لوگوں سے ناراض نہیں ہوں)

میں اس واقعہ کی وجہ سے جسطرح کہ بستی کے لوگوں سے اب تک ناراض تھا اسی طرح اطراف واکناف کے لوگوں سے بھی ناخوش تھا کیونکہ مخالفین تو خیر مخالفین ہی تھے اپنے لوگ بھی اگر دل سے موافق ہوتے اور مخلص ہوتے اور نفاق کو چھوڑ دیتے کچھ عقل وسمجھ سے کام لیتے تو ان مفسدوں کو اس کا موقع ہی ملتا اور اطراف کے لوگ اگر حق و باطل اور ظالم ومظلوم کو پہچان کر ان سے دلی موافقت اور عملی ہمدردی کرتے تو اتبک کب کا معاملہ یکسو ہوجاتا لیکن ان لوگوں نے بھی تساہلی سے کام لیا۔

مگر اب جبکہ مجھے یہ معلوم ہوا کہ اطراف کے لوگوں نے جمع ہوکر حالات پر غور کیا اور مجرم کو قائل کیا اور مظلوم کی حمایت کے لئے متفقہ طور سے آمادہ ہیں

تو میں سمجھا کہ یہ لوگ بھی مفسدین سے نالاں ہیں اور ان سے ملے ہوئے نہیں ہیں اسلئے اب میں ان سے ناراض نہیں ہوں مگر جو لوگ فساد کے باعث ہوئے یوں گو ان سے صلح ہی ہے مگر میں دل سے ان سے خوش اسوقت تک نہیں ہوں گا جب تک مجھے اسکا یقین نہ ہو جائے گا کہ یہ لوگ دل سے تائب ہو چکے ہیں اور اپنے عمل سے مجھ پر اسکو ثابت نہ کر دیں۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے اللہ والوں اور مصلحین کی ناراضگی لوگوں سے کسی ذاتی اور نفسانی بنا پر نہیں ہوا کرتی بلکہ یہ حضرات ناراض ہو کر اس شخص پر اسکے کسی فعل کی قباحت و شناعت ظاہر فرمانا چاہتے ہیں چنانچہ جب وہ اس کو سمجھ لیتا ہے تو پھر ان حضرات کی اس سے کوئی ناراضگی نہیں رہ جاتی۔

یہی معاملہ اہل وطن کے ساتھ رہا کہ جب لوگوں نے اپنی غلطی سمجھ لی تو اور طریقہ سے کام پر لگ گئے نفاق سے باز آگئے یہ نہیں کہ ع

باغباں بھی خوش رہے راضی رہے صیاد بھی

اس پالیسی سے باز آگئے تو حضرت والا بھی انکو معاف فرما دیا چنانچہ مذکورہ بالا تحریر اپنے ہی لوگوں سے متعلق ہے۔ اور رہے بعض وہ لوگ جو مخالفین سے بھی ربط وضبط رکھتے تھے، ان لوگوں کے متعلق حاجی عبدالرب صاحب کوپا گنج کے نام یہ تحریر گئی۔

(تحریر والا جو سیٹھ عبدالرب صاحب کوپا گنج کے نام گئی)

آپ فتحپور تشریف لیجائیں اور منشی محمد عباس صاحب کو نیز تمام لوگوں کو یہ مضمون سنا دیں کہ :-

حضرت والا نے فرمایا ہے کہ میں ہجرت کر کے آیا ہوں اب میرا جانا مستقلاً ناممکن ہے البتہ عارضی طور پر دو ایک روز کے لئے جانا اس صورت میں ممکن ہے کہ رضائی مسلک کے لوگ یہ تحریر لکھکر پردھان کو

دیدیں کہ ہم لوگ کبھی بھی حضرت والا سے کوئی فساد کی بات نہ کریں گے اور نہ کسی فساد میں مبتلا کرینگے کیونکہ معاملہ انھیں سے متعلق ہے اور انھیں کی وجہ سے میں نے ترکِ وطن کیا ہے۔

اس تحریر کے بعد غالباً دوسری جماعت کے لوگوں نے (جواب مولوی علیم اللہ خاں صاحب کی امارت اور شمس الدین کی قیادت سے محروم ہو چکی تھی) پر دھان کو مطمئن کیا ہوگا۔ بہرحال چند وہ لوگ جو پہلے حضرت والا سے عدم موافقت رکھتے تھے تائب ہوئے اور سب نے حضرت والا سے تحریری معافی مانگی، حضرت والا نے بھی انھیں کھلے دل سے معاف فرما دیا چنانچہ چار حضرات کی تحریر یہاں پیش کیجاتی ہے۔

(۱)

"میں حضرت والا کو محترم اور بزرگ سمجھتا ہوں اور اکابر دیوبند کو مرکز احترام سمجھتا ہوں اور اُن کے خلاف کہنے والے کو باطل پر سمجھتا ہوں۔ والسلام"

وکیل احمد بقلم خود ساکن فتحپور تال نرجا۔ ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۸۰ھ

(۲)

"میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر یہ اقرار کرتا ہوں کہ میں مولانائے دیوبند کو برا نہیں سمجھتا اور مجھے ان سے اعتقاد ہے۔"

محمد شبیر خاں ولد عبد الکریم خاں بقلم خود

(۳)

"احقر سے پہلے بہت سی غلطیاں ہوئیں ہیں اور حضرت والا کی ذات کے متعلق بھی قصداً ان لوگوں کے اختلاط کیوجہ سے کچھ باتیں نکل گئی ہیں جسکی دل سے معافی چاہتا ہوں۔ میں حضرت والا کا اور اکابر دیوبند کا دل سے معتقد اور مسلمان سمجھتا ہوں اور جو لوگ ان پر اتہام لگاتے ہیں انکو دل سے برا سمجھتا ہوں اور انکو باطل پر سمجھتا ہوں اور عرصہ سے ان لوگوں سے نفرت کرتا ہوں۔ فقط۔ والسلام

احقر عبد القدیر بقلم خود

(۴)

"مجھ سے جو کچھ غلطیاں ہوئی ہوں اسکی معافی چاہتا ہوں اور میں خلوص کے ساتھ آپکی اور آپکے اکابرین کی احترام اور عزت کرتا ہوں اور انکو برا کہنے والوں کو میں برا سمجھتا ہوں

مختار احمد خاں فتحپور تال نرجا

جب موافقین ومخالفین اور مذبذبین اہل اسلام کی طرف سے اطمینان ہوگیا تو حضرت والا نے بھی ارادہ فرمالیا کہ چند دنوں کے لئے وطن تشریف لیجائیں لیکن حضرت کی پُر احتیاط اور دور اندیش طبیعت راضی نہوئی کہ ایسی فضا میں جبکہ ہندوستان میں جگہ جگہ ہندو مسلم فسادات ہورہے ہوں حضرت اقدس رح جائے امن کو ترک فرماکر خوا مخواہ کے لئے کسی فتنہ میں جاپڑیں اسلئے اپنوں سے مطمئن ہونے کے باوجود غیروں کی جانب سے بھی امن وامان برقرار رکھنے کیلئے اہل وطن کے نام تو ایک تحریر یہ ارسال فرمائی۔

" ضروری گذارش یہ ہے کہ حضرت والا ہم لوگوں سے خوش ہیں اور حضرت والا کی خوشی ہم لوگوں کے لئے بہت بڑی چیز ہے تو ہم لوگوں کو بھی حضرت والا کے مصالح کا لحاظ ضروری ہے اور ایسی صورت کیطرف سوچنا بھی جو حضرت والا کے لئے باعث تکلیف یا فتنہ ہو کسی طرح درست نہیں، آجکل کے حالات میں ایسی جگہ جانا جہاں پر حاسدین اور مخالفین کا کوئی اعتبار نہ ہو کہ کب اور کس وقت کون سا فتنہ کھڑا کردیں کیسے ہم لوگ مطمئن ہوجاتے ہیں اور حضرت والا کے بلانے کی جدوجہد شروع کردیتے ہیں بلکہ چاہیئے تو یہ کہ جبتک حالات اس قابل نہ ہوجائیں اور صرف فتحپور ہی میں نہیں بلکہ اطراف وجوانب میں بھی، اس وقت تک ہم لوگ اسی کو غنیمت سمجھیں کہ حضرت والا ہم لوگوں سے خوش ہیں ۔ اور کیا یہ دولت کم ہے

اسی میں فلاح ہے۔

اور وطن ہی کے کسی معزز شخص کے نام یہ تحریر ارسال فرمائی :۔

آپ انشاءاللہ تعالیٰ اصلاح کا کام کر رہے ہیں خوشی کی بات ہے، جزاکم اللہ تعالیٰ ایک بات ضروری ہے چونکہ پہلے خط میں رہ گئی اسلئے اب لکھتا ہوں امید ہے کہ اسپر بھی توجہ فرمائیں گے وہ یہ کہ آپنے اہل اسلام مخالف جماعت سے دستخط کرالیا تو خیر مگر آجکل ہندوستان میں ہر جگہ ہندو مسلم اختلاف اور فساد چل رہا ہے یہ کیسے اطمینان کیا جا سکتا ہو کہ میرے ساتھ یہ چیز نہیں ہوگی اسلئے کہ ایک جگہ جب کوئی فتنہ کی بات ہو جاتی ہے تو ہر جگہ کے لوگ جماعتی اور مذہبی حیثیت سے مشتعل ہو جاتے ہیں اور ناحق فتنہ و فساد کرنے لگ جاتے ہیں ایسی صورت میں آپکو چاہیئے کہ پردھان صاحب کے پاس جائیں کہ مسلمانوں کیطرف سے تو صورت اطمینان ہوگئی ہے اسلئے کہ سب نے دستخط کر دیا ہے مگر اہل ہنود کیطرف سے اطمینان کی کیا صورت ہے آپکو چاہیئے کہ تمام بستی اور اطراف کے اہل ہنود سے کہیں کہ وہ ایسی صورت میں ہرگز ہرگز ایک گھنٹہ کیلئے بھی فتحپور نہیں آویں گے اسلئے کہ وہ فتنہ و فساد ہی سے گھبرا کر الہ آباد چلے گئے ہیں اور مستقل قیام کا وہیں ارادہ کر لیا ہے جبتک پورا اطمینان نہیں ہو جائیگا وہ ادہر کا رخ بھی نہیں کرینگے۔ ورنہ ہم لوگ ایسی صورت میں ہرگز بلانے کی جراٗت نہ کرینگے جب تک کہ خود پہلے ہم لوگوں کو اطمینان نہ ہو جائے لہٰذا اگر تم لوگ واقعتہً عقیدت و محبت کا اظہار صحیح کر رہے ہو تو تم لوگ بھی اطمینان دلاؤ کہو کہ ہم لوگ کسی دوسری جگہ کے اختلاف سے متاثر اور مشتعل نہ ہونگے آپسمیں میل جول سے زندگی گذاریں گے۔ یہ سب باتیں پردھان صاحب اہل ہنود سے کریں اور ہر جگہ کے بڑے لوگ دستخط کریں کہ فساد نہ کریں گے اور نہ کرنے دینگے آپ پردھان صاحب کو اپنی طرف سے یہ مشورہ دیں اور اس پر آمادہ کریں پھر اسکے متعلق لکھیں۔

چنانچہ وطن اور اطراف وطن کے لوگوں کو جب اسکا احساس ہوا
کہ حضرت والا کو اگر مطمئن کر دیا جائے تو شاید حضرت پھر دوبارہ وطن تشریف
لے آویں گو عارضی ہی طور سے سہی تو پھر خود اہل فتحپور۔ اہل ندوہ سرائے
اہل کاریاتھ۔ اہل رگھولی۔ اہل گھوسی اور اہل ہرداس پور کی جانب سے
عمومی دستخطوں کے ساتھ تحریریں آنی شروع ہو گئیں یہاں ان سب تحریروں کا
اجمالاً ذکر ہی کافی تھا لیکن اس خیال سے اسکو مفصل بیان کیا جاتا ہے کہ
کہ کل کو کوئی مخالف تاریخ بدل نہ دے اور یہ نہ ظاہر کر دے کہ حضرت والا کو
معاذ اللہ اہل وطن نے اپنے یہاں سے نکال دیا تھا اور معاذ اللہ حضرت
گویا بالکل بے بسی و مجبوری کے عالم میں ترک وطن پر مجبور ہوئے، ایسا
نہیں تھا۔ وطن اور اطرافِ وطن، اپنے اور پرائے سب کی درخواست
کا علم ہو جانے کے بعد حضرت والا کی حیثیت نمایاں ہو جاتی ہے اور
اندازہ ہو جاتا ہے کہ حضرت کس قدر معزز، محترم اور محبوب تھے اور
کس شان سے دوبارہ وطن تشریف لے گئے۔ اہل معاملہ کے لئے
حضرتؒ کے اس طرز و طریقہ میں عبرت و نصیحت کا کافی سامان موجود ہے اور
امت کی تربیت کا سبق نمایاں ہے۔ نیز ان تفاصیل کے علم سے
اندازہ ہوتا ہے کہ عالم کی اپنی قوم میں کیا شان ہوا کرتی ہے اور ایک
مخلص مصلح کس طرح اپنے اور پرایوں کے نزدیک محبوب ہوا کرتا ہے

(تحریر ۱ منجانب اہل فتح پور تال نرجا)

مخدومی و مطاعی حضرت مولانا صاحب قبلہ مدظلہ العالی۔

السلام علیکم ورحمۃ و برکاتہ۔ باادب گذارش ہے کہ ہم جملہ ساکنانِ
فتحپور کمال ندامت کے ساتھ یہ اعتراف کرتے ہیں کہ حضرت والا اور حضرت
کے جملہ متعلقین کے شدید ترین قلبی و روحانی و نیز جسمانی ایذار سانی کا

اولین و بنیادی سبب ہم ہی ہیں اور ہم ہی نے ترک وطن پر مجبور کیا ایک غیور اور شریف قوم کا یہ وطیرہ ہرگز نہیں ہونا چاہیئے تھا کہ وہ اپنے ہی ایک بزرگ ترین فرد کو اور اس کے اہل و عیال کو ترکِ وطن پر مجبور کرے افسوس بدقسمتی سے حقیقی مجرم ہم ہی ہیں جو اس سرزمین کے ذرہ ذرہ کو و اطراف و جوانب کے جملہ باشندگان کو حضرت والا کی ذات برکات سے محروم ہونے کا ذریعہ بنے۔

یہ ایک عجیب بات ہے کہ ہم میں سے ہر شخص کو اسبات کا یقین تھا کہ حضرت والا ہم سب کے بھی خواہ اور ہمدرد ہیں اور ہم میں سے کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں تھا جو حضرت والا کو اپنا ذاتی دشمن سمجھتا ہو اسلئے حضرت والا مقدمہ میں نام آنے کی اصل علامت دشمنی ہرگز نہیں تھی بلکہ مقدمہ کے مصالح نے ایسا کرنے پر مائل کیا کہ ممکن ہے اس طریقہ پر مصالحت کی کوئی صورت نکل سکے لیکن حضرت والا حقیقت یہ ہے کہ ہم سب مقدمہ بازی کے جنون میں بھی اس شدت سے مبتلا ہو گئے تھے جس کی کوئی حد و انتہا نہیں تھی بلاشبہ ہم نے مقدمہ بازی میں جتنی جدوجہد کی اگر اس کا عشر عشیر بھی مصالحت کے لئے کرتے تو غالباً بھائی بھائی کا یہ جھگڑا آسانی سے طے ہو جاتا۔ ہمارا ایک سنگین جرم یہ بھی ہے کہ ہم لوگ دل سے مصالحت کے درپے ہی نہیں ہوئے بہر حال شروع سے لیکر آخر تک ہم نے جتنی تکلیف دہ اور دل آزار باتیں کیں وہ نتیجہ ہیں ہمارے عدم خلوص اور بے محبتی کا کیونکہ اس دوران میں ہم آپ کے نہیں بلکہ اپنے نفس کے پیرو اور نفسانی جوش و ہیجان اور اشتعال کے تابع رہے۔ اسلئے اب ہمکو اپنی غلطیوں کا صحیح طور پر احساس ہوا ہے اور ہم اپنی غلطیوں کا دل سے اعتراف کرتے ہیں انشاءاللہ القدیر آئندہ ہم سب تا بمقدور اس قسم کی حرکات شنیعہ اور فتنہ و فساد کے

قریب نہیں جائیں گے امید ہے کہ حضرت والا ہم سب کو معاف فرماکر ہمارے حق میں دعائے خیر فرمائیں گے کہ آئندہ ہم سب محبت کے ساتھ بھائی بھائی کی طرح رہیں۔

یہ واقعہ ہے کہ جب تک ہم لوگ آنجناب کی مرضی اور اجازت سے کام کرتے رہے اللہ تعالےٰ ہر معاملہ میں ہم لوگوں کو کامیاب فرماتا رہا لیکن ایک معاملۂ فتنہ و فساد میں ہم لوگ کود پڑے اور اجازت کی کبھی پرواہ نہ کی جسکا بُرا نتیجہ پوری طرح ہم سب لوگوں نے بھگتا کہ ہم میں اطاعت و فرمانبردار کا مادہ برائے نام ہی ہے۔ انشاء اللہ اب ہم ہر کام اور ہر معاملہ میں آنجناب کا اتباع کریں گے اور وہی کام کریں گے جس میں مرضی معلوم کرلیں گے اور ہم آنجناب کی اطاعت اور فرمانبرداری پر ثابت قدم رہیں گے اور آئندہ سے ہر کام میں جناب سے مشورہ لیں گے۔ فقط۔

دستخط: مولوی عبدالصمد۔ عبدالعظیم۔ شمس الدین خان۔ محمد عباس خاں مطیع اللہ۔ عبدالمنان۔ محمد خلیل خان۔ زکی اللہ۔ عبدالوحید۔ معین الدین۔ محمد یحییٰ۔ عبدالباری۔ مولوی علیم اللہ۔ عبدالقیوم خان۔ حق العباد۔ محمد ایوب محمد زکریا۔ رفیع اللہ خاں۔ شمس اللہ۔ نورالہدیٰ۔ محمد فاروق۔ محمد امین عبدالقدوس۔ ثناء اللہ۔ محمد فاضل۔ خلیل۔ زبیر خاں۔ محمد ادریس۔ فریدالدین بسم اللہ۔

تحقیق: تمام برادری کا مرض واحد ہے، ہمیشہ علماء کرام کی اطاعت نہیں کی ہے اس وجہ سے سب اقوام سے پیچھے ہیں، دنیا و دین دونوں میں نیچے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ہدایت فرمائے۔ آمین

وصی اللہ عفی عنہ

(تحریر منجانب اہل ندوہ سرائے)

مؤدبانہ عرض ہے کہ ہم لوگ شروع سے ہی ندامت کے ساتھ یہ محسوس کرتے رہے ہیں کہ حضرت والا کے وطن چھوڑنے کی کُل نہیں تو کچھ نہ کچھ ذمہ داری ہم لوگوں پر بھی عائد ہوتی ہے اور وہ اس طرح کہ ہم نے جرأت کے ساتھ اس فتنہ کا مقابلہ کرنے کا عزم اور تہیہ ہی نہیں کیا ورنہ خدا کے فضل سے ہم سب متحد ہو کر اتنا تو کر ہی سکتے تھے کہ مقدمہ سے حضرت والا کا نام خارج کرا دیتے لیکن ہم نے محض قطع تعلق اور اظہار نفرت ہی پر اکتفا کیا اور اسپر بھی استقلال اور ثابت قدمی کے ساتھ قائم نہ رہ سکے جوں جوں دن گذرتا گیا اس طرز عمل میں بھی خامیاں شروع ہوتی گئیں۔

بہرحال شومیٔ قسمت سے ہم نے اپنے پیروں پر خود ہی کلھاڑی ماری اور نتیجہ میں حضرت والا کی ذات بابرکات اور خصوصی توجہات سے ایک طویل مدت کے لئے محروم ہو گئے۔

صبت علی مصائب لوانہا   صبت علی الایام صرن لیالیا

(مجھ پر اسقدر مصائب پڑے ہیں کہ اگر کہیں وہ روز روشن پر پڑتیں تو وہ شب تاریک ہو جاتے)

ایک طویل وقفہ کے بعد بمصداق آیہ کریمہ اعلموا ان اللہ یحیی الارض بعد موتھا ہمارے مردہ دلوں کی حالت زار پر کچھ اللہ تعالیٰ ہی کو ترس آگیا اور اسکا دریائے رحمت خود ہی جوش میں آگیا ورنہ اس سے قبل بارہا ہمارے ذہن میں آیا کہ کسی نہ کسی طرح مستقلاً نہ سہی عارضی طریق پر سہی حضرت والا کو وطن لایا جائے مگر کوئی کارگر تدبیر ذہن میں نہ آتی تھی لیکن جب رب العزت ذوالجلال والاکرام ارحم الراحمین خدا اپنے فضل و رحمت سے ہماری بدحالی کیطرف متوجہ ہوا تو دیکھتے ہی دیکھتے اس نے اسباب بھی فراہم فرما دیا اور حضرت والا کے قلب مطہر و مزکی کو علی وجہ الکمال ہم جیسے

بد حال لوگوں کی طرف منعطف فرما دیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

دولتم ایں بسکہ بعد مدت دور ودراز برحریم آستانت می نہم روئے نیاز

(میرے لئے یہ دولت کیا کم ہے کہ ایک دور و دراز مدت کے بعد مجھے آپکے حریم ناز پر پیشانی رکھنے کا موقع ملا ہے)

بہرحال ہم ندامت کے ساتھ حق تعالےٰ سے اپنی جملہ کوتاہیوں کی معافی چاہتے ہیں اور حضرت والا اور حضرت والا کے جملہ اہل بیت کو ہماری وجہ سے جو اذیتیں پہونچی ہیں فرداً فرداً ہر ایک سے معافی کے خواستگار ہیں ہماری انتہائی خوش قسمتی ہوگی کہ حضرت والا اور حضرت والا کے جملہ متعلقین دل سے ہمیں معاف فرمادیں ع بر کریماں کارہا دشوار نیست۔

ہم بصمیم قلب اسکا تہیہ کرتے ہیں کہ انشاء اللہ القدیر آئندہ ہم ایسی غلطیوں سے بچنے کی کوشش کرینگے جو ذرہ برابر بھی آنجناب کی ناگواریوں کا باعث ہوں۔ دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہمارے شامل حال رہے۔ فقط والسلام مع الاکرام۔

ظہیر الدین منجانب ساکنان ندوہ سرائے

۲۵ رشوال المکرم ۸۰ھ

دستخط: افتخار احمد۔ رسول شاہ۔ عبد الصمد۔ عبد الستار خاں۔ توحید خاں محمد شاکر۔ افضال احمد۔ حفیظ اللہ۔ فضل رب۔ شبیر احمد۔ محمد شرف الدین۔ اعجاز احمد محمد ادریس۔ جنگی خاں۔ حق العباد خاں۔ عبد الرب۔ نثار احمد۔ محمد سعید خاں۔ محی الدین۔ محمد اسلام خاں۔ عبد السلام۔ شبیر احمد۔ محمد یونس۔ احمد اللہ خاں۔ محمد شمس الحق۔ قمر الزماں ٹیلر ماسٹر۔ محمد نصیر خاں پردھان۔ مقبول احمد خاں سلطان احمد خاں معین الدین۔ ابو محمد۔ محمد سعید۔ قاری محمد یونس۔

تحقیق: میں نے قاری مبین کے ذریعہ کچھ کہا ہے وہی مرض سب برادری کا ہے ہمیشہ علماء کی اطاعت نہیں کی ہے اسوجہ سے سب اقوام سے پیچھے ہیں اور دین و دنیا دونوں میں نیچے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔

(تحریر منجانب اہل کاریسا تھ)

مخدومنا المکرم حضرت مولانا صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' ۔ ہم ساکنان کاریسا تھ مؤدبانہ حضرت والا کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ ہمارے اطراف واکناف بالخصوص ہماری برادری پر جیسی کچھ حضرت والا کی شفقت و توجہ ہے وہ ہر خورد و کلاں پر اظہر من الشمس ہے ۔ اگر کوئی اسکی تکذیب خواہ قولاً کرے یا فعلاً وہ قابل ملامت و سرزنش ہے ۔

آپ ہی کی ذات بابرکات نے ہم جیسے سنگدل قوم کے ہر فرد کے مردہ دلوں میں کم وبیش دینداری کے خیال کی تخم ریزی کی اور ہر شخص حسب استعداد وظرف دین و دنیا کے فلاح و بہبودی کے ثمرات پاتا رہا اور پارہا ہے اور جو شخص نہ محسوس کرے وہ اپنا قصور سمجھے ؎

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست در باغ لالہ روید و در شورہ بوم و خس

(بارش کی لطافت میں کوئی شبہ نہیں مگر باغ میں تو لالہ و گل کھلتا ہے اور بنجر زمین میں گھاس پھوس اگتا ہے)

اسکے پہلے بہت سے علماء آئے اور گئے مگر ہم لوگوں کے پتھر جیسے دل پر دینداری کے احساس کی ایک ادنیٰ خراش بھی نہ پڑ سکی ۔ مگر حضرت والا کے آفتاب ہدایت کی شعاعیں اس طرح ہم سنگ دل لوگوں پر پڑتی رہیں کہ ایمان کا کچھ نہ کچھ تو گوہر دل میں پڑ ہی کر رہا ۔

بہرحال حضرت والا کے ان احسانات عظیمہ کا شکر ہم لوگ نہ زبان سے ادا کر سکتے ہیں نہ تحریر ہی میں لا سکتے ہیں ؎

آفتاب اندر بدخشاں لعل سازد سنگ را غیر خاموشی چہ گوید لعل تشکر آفتاب

(بدخشاں میں آفتاب لعل کو پتھر بنا دیتا ہے ، لعل اسکے جواب میں تشکر یہ اپنے لب خاموش سے ادا کرتا ہے)

ہائے افسوس کہ اس گراں مایہ ذات مقدس کو جو کہ ہر اعتبار سے نافع اور غیر مضر ہے

ہم نے یا ہم میں سے کسی ایک فرد نے محض اپنی بدباطنی اور سرکشی کی وجہ سے ایک فتنہ میں ڈالنے کی کوشش کی جو کہ صریح ظلم و ستم تھا ایسی حالت میں ہملوگوں پر تیز اطراف کے برادری وغیر برادری کے ہر ہر فرد پر حضرت والا کی نصرت واجب تھی ۔ ہم لوگوں نے اسکی جانب توجہ نہیں کی جسکی وجہ سے ہم لوگوں کو ندامت و شرمندگی ہے ۔ اور ابتک اس سلسلہ میں ہم لوگوں نے کچھ بھی نہیں کیا۔

یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ وہ دولتِ عظمیٰ ایک مدت کے بعد اپنے گھر میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا کرم اور اسکا احسان ہے ۔ اب ہم لوگ اپنے تمام جذبات اور تمناؤں کو حضرت اقدس کی مرضی پر قربان کر کے صرف یہ کہتے ہیں کہ اب آئندہ ہم لوگ ایسی غلطیوں سے بچنے کی پوری کوشش کرینگے جو ذرہ برابر بھی آنجناب کی ناگواری کا باعث ہوں حضرت والا ہماری غلطیوں کو معاف فرمائیں اور دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہملوگوں کے شاملِ حال رہے ۔ فقط۔

دستخط: سلطان احمد خاں ۔ حافظ فریدالدین خاں ۔ حافظ انوار الحق خاں ۔ علیم اللہ خاں ہدایت اللہ خاں ۔ محمد صدیق ۔ محمد اسلام خاں ۔ احسان اللہ خان ۔ عبدالمجید خاں ۔ حفیظ الدین ۔ ابوالحسن خاں ۔ ادریس خاں ۔ عبدالحمید خاں ۔ حافظ وکیل احمد خاں ۔ حافظ مسیح الدین انصاری ۔ محمد یحییٰ خاں ۔ دوست محمد خاں ۔ بشیر احمد خاں ۔ عبدالباری خاں ۔ علاء الدین خاں ممتاز احمد خاں ۔ ہادی حسن خاں پردھان ۔ حافظ ثناء اللہ ۔ حافظ قربان علی ۔ شبیر احمد خاں شمس الہدیٰ خاں ۔ بدرالزماں خاں ۔ متین احمد خاں ۔

(تحریر منجانب اہل گھوسی)

مخدومنا المکرم و محترم حضرت مولانا صاحب دامت فیوضہم و برکاتہم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ ۔ ہم ساکنان بیواڑہ گھوسی خدمت اقدس

ہیں مؤدبانہ عرض کرتے ہوئے اعتراف کرتے ہیں کہ اطراف واکناف میں عموماً اور ہماری برادری پر خصوصاً جیسی کچھ حضرت والا کی شفقت و توجہ ہے وہ اہل فہم و ہر خورد و کلاں پر اظہر من الشمس ہے کوئی شخص اسکی تکذیب خواہ فعلاً کرے خواہ قولاً وہ لائق مذمت اور سرزنش ہے۔

آپ ہی کی ذات بابرکات کا فیض ہے جو ہماری جیسی سنگ دل اور ایمان کی حرارت سے کوسوں دور قوم کے ہر فرد کے مردہ دلوں میں کم و بیش دینداری کا احساس انگڑائیاں لے رہا ہے اور ہر شخص حسب استعداد و ظرف دین و دنیا کی بہبودی کے ثمرات پا رہا ہے۔

ہمیں بلا تکلف اعتراف ہے کہ اس سے پہلے بہت سے علمار کرام آئے اور اپنی دھواں دھار تقاریر سے ہمارے جذبات کو ابھارنے کی کوشش کی، جوشیلی اور اسٹیج ہلا دینے والی تقریر سے ہمارے تاریک دلوں کو نور ہدایت سے منور کرنا چاہا مگر چٹان جیسے سپاٹ دلوں اور فولاد جیسے ٹھوس دماغوں پر ایمان کی گرمی یا دینداری کے احساس کا ہلکا سا عکس بھی نہ پڑ سکا۔

مگر ایک مبارک دن ایسا آیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے حال زار پر رحم فرمایا سرزمین فتحپور سے روشنی کی ایک تیز لکیر چھوٹی چشم ظلمت کو خیرہ کرتی ہوئی ہم تک پہونچی اور حضرت والا کے آفتاب ہدایت کی شعاعوں میں ہمیں صراط مستقیم کی ہلکی سی پرچھائیں نظر آنے لگی، ایمان کا نایاب گوہر دلوں میں کروٹیں لینے لگا۔ مولا تعالیٰ کے اس احسان عظیم کے شکریہ کے لئے نہ زبان کافی ہے اور نہ قلم میں زور اور پھر بدقسمتی سے وہ خشناک دور آیا جو اس دور کا سانحہ عظیم تھا اس ذات اقدس کو جو ہر لحاظ سے نافع ہے ہم میں سے ہر ایک فرد نے اپنی بدباطنی سے ایک فتنہ میں ڈالنے کی کوشش کی یہ گویا انسانیت اور اخلاق کے منہ پر ایک بھرپور طمانچہ تھا۔ ظلم تھا۔ صریح بد دیانتی تھی۔

ایسے حالات میں ہم پر اور قرب و جوار کے برادری و غیر برادری کے افراد پر حق و انصاف کے لئے میدان عمل میں نکلنا ضروری تھا مگر ہم لوگوں نے حق و انصاف سے بے توجہی برتی التفات نہیں کیا جو نہ صرف ہمارے لئے بلکہ پورے معاشرے کے لئے باعث شرم و ندامت ہے۔

ہم پورے خلوص کے ساتھ خدمت اقدس میں نذر عقیدت پیش کرتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں اور احساس ندامت لئے ہوئے پورے یقین و عزم کے ساتھ عہد کرتے ہیں کہ اپنے جذبات و احساسات کو حضرت والا کی مرضی و خوشی پر قربان کر دینگے اور آئندہ ایسی غلطیوں سے محتاط رہنے کی پوری کوشش کرینگے جو طبع خاطر پر بار گذریں اور ناگواری کا باعث ہوں۔ پرزور استدعا ہے کہ حضرت والا ہماری معذرت قبول فرمالیں اور دعا فرمائیں کہ کہ اللہ تعالیٰ ہم باشندگان بسواڑہ پر اپنا فضل وکرم نازل فرمائیں۔ ایمان کی کمزوریوں کے ساتھ اقتصادی بدحالی اور ذہنی پریشانیوں سے بھی ہمیں نجات ملے۔

خادمان ہم مسلمانان بسواڑہ گھوسی

عبدالقیوم خاں۔ عبدالحکیم خاں۔ محمد مبین خاں۔ حفیظ خاں۔ اقبال احمد۔ وصی اللہ۔ نثار احمد سعید خاں۔ امتیاز احمد خاں۔ علی اوسط خاں۔ سلطان خاں۔ آفتاب احمد خاں۔ نیاز احمد صغیر احمد۔ رستم خاں۔ محمد عثمان۔ انوار الحق خاں۔ عبدالحفیظ خاں۔ احسان اللہ خان مسیح اللہ خان۔ رضوان اللہ خان۔ رحمت اللہ خان۔ برکت اللہ خاں۔ صفات اللہ خاں ضیاء الدین۔ جلال الدین۔ ظہور خاں۔ عبدالحق خاں۔ زین الدین۔ نظام الدین توحید خان۔ عطاء اللہ۔ نبی احمد۔ اعجاز احمد۔ محمد الیاس۔ قمر الحق۔ محمد نظیر عبدالحمید۔ ظہیر الحق۔ محمد اویس۔ معین الدین۔ اقبال احمد۔ عبدالوحید حبیب خاں۔ علی احمد۔ عبدالغفار۔ مونس خاں وغیرہم۔

(تحریر منجانب اہل ہرداسپور)

قطب زماں، شبلیٔ دوراں حضرت مولانا صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

جناب عالی! یہاں کے افسوناک فتنہ و فساد سے جس کے نتیجہ میں حضرت والا کو وطن چھوڑنا پڑا ہم باشندگان ہرداسپور کو انتہائی صدمہ ہوا اگرچہ ہم قلت تعداد اور بے اثری کی وجہ سے فریقین میں رفع نزاع کے لئے کوئی خدمت انجام دینے سے قاصر تھے پھر بھی ہم نے کوشش کی کہ کسی طرح یہاں کا جھگڑا مٹ جائے تاکہ حضرت والا کو فتحپور لانے میں آسانی ہو لیکن ہم نے اپنی بساط کے مطابق کوشش نہ کی اور اس کوتاہی کا سبب عدم خلوص کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے؟ اس لئے ہم دل سے معافی چاہتے ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ حضرت والا ہم سب کو معاف فرمائیں گے۔ آپ ہمارے اطراف کے چراغ ہیں آپ ہی کی وجہ سے تمام بلاد و امصار میں ہماری عزت ہے۔ بلا آپ کے ہم جسم بے روح ہیں۔ آنجناب کی آمد سے تمام لوگوں کے چہرے سے خوشی کے آثار نمایاں ہیں۔ ننھے بچوں کے چہرے تک فرط انبساط سے کلیوں کی طرح مسکرا رہے ہیں۔ ہر ہر فرد آپ کے دیدار کے لئے بے چین و بیقرار نظر آتا ہے حتیٰ کہ اغیار بھی خوشی سے پھول رہے ہیں۔

آنحضور کے جانے کے بعد نہ آنکھوں نے آپ جیسے ولی اور مقرب بندے کا مشاہدہ کیا نہ کانوں نے آپ جیسا وہ کلام سنا جو دلوں میں پیوست ہو جائے۔ پھر بغیر آپ کے دلوں کو چین کیسے پڑ سکتا تھا۔ بہت سے لوگ آنحضور کی زیارت سے محروم تھے۔ بہت سے اللہ کے بندے بچشم گریاں آنحضرت کو یاد کیا کرتے تھے اور خداوند قدوس کی درگاہ میں آپ کی تشریف آوری کے لئے شکستہ دل دعا کیا کرتے تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے لوگوں کی دعاؤ

کو قبول فرمایا۔ اور ہم لوگوں پر آپ کے ورود مسعود سے اپنی رحمتوں کا نزول فرمایا
ہملوگ دعا گو ہیں کہ یہ سایۂ رحمت ہم لوگوں پر قائم و دائم رہے۔ آمین۔
حضرت دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو ہمیشہ صحیح راستہ پر چلنے کی
توفیق عطا فرمائیں۔
دستخط کنندگان: ثناء اللہ۔ محمد ظہور۔ عاشق حسین۔ شمس الدین
فیاض۔ عبد الغفار۔ علیم الدین۔ محمد فاروق۔ فصیح اللہ۔ ہارون
غلام احمد۔ شوکت علی۔ نثار احمد۔ علاؤ الدین۔

ناظرین کے مطالعے ہیں اہل فتحپور۔ ندوہ سرائے۔ گھوسی۔ ہرداس پور
اور اہل کاریا تھ کی تحریریں گذریں جن سے وطن اور اطراف وطن کے لوگوں
کی ندامت اور طلب کا اندازہ ہوتا ہے۔
نیز اس سے قبل اصل مجرم شمس الدین کا معافی طلب کرنا اور نہایت اخلاص
و لجاجت کے ساتھ حضرت والا سے تشریف بری وطن کی درخواست کرنے کا
حال بھی معلوم ہو چکا ہے۔ ادھر حضرت اقدس کی جانب سے موافقین و مخالفین اور
اور پھر نہ صرف اپنے بلکہ غیر مسلمین کی خواہش کا اندازہ بھی لگایا گیا اور یہ اسلئے کہ
حدیث شریف میں ہے کہ لا یلدغ المومن من جُحْرٍ واحد مرتین یعنی
مومن کو ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جا سکتا چنانچہ حضرت والا نے جب
وطن تشریف لیجانا چاہا تو اس سے قبل معاملہ کو ہر طرف سے دیکھا بھالا اور معلوم
کرنا چاہا کہ لوگوں میں آیا خلوص ہے یا محض رسمی طور پر ہی مجھے بلانا چاہتے ہیں۔
بالآخر ان تمام معاملات سے اندازہ فرمالیا کہ نہ صرف اپنے بلکہ پرائے لوگ یعنی
غیر مسلم اور ملاح وغیرہ سب ہی لوگ دل سے خواہشمند ہیں کہ میں وطن آؤں تو پھر
سفر کا انتظام شروع فرمایا۔
اپنے قریبی لوگوں میں سے چند حضرات کو خانقاہ الہ آباد میں رکھا اور شہر کے

چند معزز حضرات کو سفر میں ساتھ چلنے کے لئے فرمایا چنانچہ ہمراہ جانے والوں میں شاکر حسین خانصاحب۔ وکیل انعام الحق صاحب بھی تھے اور شاہ عبید اللہ صاحب سجادہ نشین دائرہ شاہ محب اللہ صاحب نے بھی فتحپور کا سفر اسی اثنار میں فرمایا۔

راقم عرض کرتا ہے کہ واللہ اعلم مقصود جو کچھ ہو باتی خیال یہی ہوتا ہے کہ حضرت والا نے اہل الہ آباد کو اپنے ہمراہ شاید اسلئے بھی لیا ہو کہ یہاں اہل اہوا نے یہ مشہور کر رکھا تھا کہ حضرت والا گویا نہایت کس مپرسی کی حالت میں وطن ترک کر کے بغرض پناہ لینے الہ آباد تشریف لائے ہیں۔ حضرت کی دوراندیش طبع نے یہ خیال کیا کہ اب اس غلط بات کی زبانی تردید تو اپنا تزکیہ کرنے کے مرادف ہوگا لہٰذا عملی طور پر جواب کی یہ شکل تجویز فرمائی کہ چند معزز حضرات کو جنکا کہ مسلمانو کے ہر طبقہ میں اثر اور رسوخ تھا سفر میں ہمراہ لیا تاکہ وہ خود اپنی آنکھوں سے وہاں کے حالات کا مشاہدہ کریں اور الہ آباد آکر اسکا تذکرہ کریں اس سے خود بخود سابق جھوٹی خبر کی تردید ہو جائے گی اور عوام میں اسکی شہرت دینے والے خود بے وزن ہو جائیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

راقم الحروف اس سفر میں حضرت والا کے ساتھ نہ تھا لیکن جو لوگ ساتھ گئے تھے نیز وطن کے لوگوں سے جو حالات معلوم ہوئے اس نے شہادت دیگر عداوت کے منہ سے نقاب اٹھا دیا یعنی یہ ثابت کر دیا کہ وہ جو مشہور کیا گیا تھا کہ حضرت والا وطن سے بھاگ کر الہ آباد میں پناہ گزیں ہو کر آئے ہیں اسکی بنیاد صرف عداوت تھی جو شہادت کے سامنے بے نقاب ہو گئی۔

لوگوں نے بیان کیا کہ سبحان اللہ حضرت کا یہ سفر کس شان کا تھا اسکا تعلق بس دیکھنے ہی سے تھا۔ گویا گنج سے لیکر فتحپور تک سفر پالکی سے ہوا بہت سے محبین اور متعلقین پالکی کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے اور آس پاس کے غیر مسلم مرد عورت بچے سب اپنے اپنے گھروں سے نکل کر راستہ پر دو رویہ کھڑے تھے

اور اپنے طریقہ کے مطابق ہاتھ جوڑ کر اور سر جھکا کر حضرت کو سلام کر رہے تھے اور حضرت والا کھڑکی کے قریب ہو کر ہاتھ کے اشارے سے اور مسکراہٹ کے ساتھ گویا اسکا جواب دے رہے تھے۔

راستہ میں مئو سے بہت سے حضرات اہل علم ساتھ ہو لیے تھے اور کوپا گنج سے بھی بہت سے لوگ جن میں اہل علم حضرات بھی تھے شریک سفر تھے فتحپور میں وہاں کے لوگ نیز اطراف کے لوگ پہونچ چکے تھے ان سب نے حضرت والا کا استقبال کیا اور فتحپور پہونچکر ایک بار پھر مکان آباد ہو گیا اور خانقاہ بھر گئی۔

فتحپور کے لوگوں نے مہمانوں کی دل و جان سے خاطر کی اور ہر طرح کا آرام پہونچایا۔ شمس الدین مرحوم جو اب اپنے پیر بھائی تھے، حضرت والا کے سپاہی تھے نہایت تندہی کے ساتھ انتظام میں لگے رہے اور خلوص کے ساتھ اپنی خدمات کو پیش کیا۔ چنانچہ اب وہاں کے لیل و نہار جب اس قسم کے ہو گئے تو حضرت والا جو صرف ہفتہ عشرہ کا قصد فرما کر تشریف لے گئے تھے تین ماہ وہاں رہ گئے۔

اسی زمانہ میں مولانا عبد الباری صاحب ندوی کا ایک خط حضرت والا کے نام آیا حضرت نے اسکا یہ جواب مرحمت فرمایا، ٰمیں اہل وطن کے استقبال کا بھی تذکرہ فرمایا

حضرت مصلح الامتؒ کا خط بنام مولانا عبد الباری صاحب ندوی

" واقعی میں اسوقت فتحپور میں ہوں۔ بظاہر لوگ خوش معلوم ہو رہے ہیں۔ ان لوگوں نے میرے سب شرائط منظور کر لئے اسلئے آگیا ہوں۔ آیا تو تھا چند روز کے لئے مگر آنے کے بعد زمین ہموار نظر آئی اور توقع ہوئی کہ شاید اب لوگ سنیں اور

قبول کریں اسلئے کچھ قیام زیادہ ہوگیا، اور الٰہ آباد سے یہاں گرمی کم ہوتی ہے وہاں کی لو اور گرمی کی شدت برداشت سے باہر ہوجاتی ہے اسلئے الٰہ آباد کے بعض حضرات نے خود یہ کہا کہ گرمی کا زمانہ یہیں گذارو لہٰذا ٹھیر گیا کام کررہا ہوں دعاء فرمائیے۔

اور اصل ہجرت تو یہ ہے المہاجر من ھجر ما نھی اللہ اللہ تعالیٰ اسکی توفیق عطا فرمائیں اور میرا منشا یہی ہجرت تھی جسکا ذکر حدیث میں ہے یفر بدینہ من الفتن اپنے کو فتن سے محفوظ رکھنا، یہ فرار اسی لئے تھا اس فرار سے وہاں بھی کچھ صورت دین کی پیدا ہوگئی اور یہاں لوگوں کی سمجھ درست ہوگئی۔ اصل بانی فساد کے مطیع ہوگئے۔ انہی لوگوں نے الٰہ آباد جاکر خلوص سے مع یہاں کے اکابر ہنود اور دیگر اشخاص معززین کے درخواست کی کہ فتحپور چلئے۔ چنانچہ بمقتضائے اخلاق الٰہی انکی درخواست منظور کی اور نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ جس طرح فتح مکہ میں حضورؐ کا داخلہ مکہ میں ہوا تھا میرا داخلہ فتحپور میں ہوا اس طرح پر کہ راستوں پر عورتیں اور مرد دورویہ استقبال میں کھڑے نظر آتے تھے غرض منظر عجیب دیکھنے کے قابل تھا۔ پہلے مسجد میں داخلہ ہوا تحیۃ المسجد ادا کی اور سب ساتھیوں نے بھی ادا کی اسکے بعد گھر میں داخل ہوکر دو رکعت نماز شکرانہ ادا کی فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

اور خوشی خوشی یہاں ہوں اور کام کررہا ہوں، اہل الٰہ آباد بھی یہاں آتے ہیں تو یہاں کی فضا سے متاثر ہوکر جاتے ہیں اہل الٰہ آباد پر بھی یہاں کا اثر خاصا پڑرہا ہے یہ وجہ ہے یہاں

قیام طویل کی آگے اللہ کی مرضی ۔ ڈاکٹر صاحب کا حال معلوم ہوا انکی صحت کے لئے دعا کرتا ہوں ۔ (غالباً اس سے مراد ڈاکٹر عبدالعلی صاحب ہیں)

وصی اللہ عفی عنہٗ

وطن کے زمانۂ قیام میں سب سے پہلی تحریر اہل وطن کو مخاطب کر کے حضرت والا نے یہ تحریر فرمائی :-

" بعد الحمد والصلوٰۃ و بعد سلام سنت اسلام

تمام ساکنانِ موضع فتحپور خصوصاً اور تمام اہل برادری کیخدمت میں عموماً یہ احقر عرض پرداز ہے کہ میں جو یہاں آگیا تو یہ سمجھکر کہ میرے نہ آنے سے آپ حضرات بلکہ تمام برادری پر نسلاً بعد نسلٍ تا قیام قیامت ایک بدنما داغ نفرت و حقارت اور سوء ظنی کا پورے ہندوستان کیطرف سے تمام دیار پر عموماً اور اہل برادری پر خصوصاً باقی رہیگا ورنہ میں تو بہت پہلے معاف کر کے یکسو ہو گیا ہوتا مگر نہ آنے سے جو ظاہری نفاق و تنفر جس کا اوپر ذکر کر چکا ہوں باقی رہتا اور اسوجہ سے آپ لوگ بے وقعت اور سب کی نظر سے گرے رہتے آپ کی یہ مصلحت متقاضی ہوئی دوبارہ آنے کی اور اب آپ حضرات اسکا جواب مرحمت فرمائیں کہ میں آپ حضرات کے بارے میں کیا خیال رکھوں؟ صرف ظاہری آمد و رفت سے آپ کا معتقد رہوں اور آپکو اپنا دلی دوست سمجھوں یا تلخ تجربات کے بعد اپنا نظریہ بدلوں اور آپ لوگوں سے خلوص اور اخلاص کا مطالبہ کروں جو کہ اس دورِ فتن میں از بس ضروری اور ناگزیر ہے ۔ والسلام"

وصی اللہ عفی عنہ

پھر اس کے بعد اصلاحی طور پر دوسری اس تحریر سے اہل وطن کو مخاطب فرمایا

"بعد الحمد والصلوٰۃ ۔ بخدمت تمام برادران دینی عرض ہے کہ میں نے اسکو بارہا کہا کہ اصلاح انفرادی طور پر ہوا کرتی ہے اجتماعی طور پر جو کچھ کہا سنا جاتا ہے اسکو وعظ و تذکیر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اسکے بعد ہر شخص انفرادی طور پر اپنی اصلاح کرتا ہے اور ان مضامین کو عمل میں لاتا ہے ۔ حضرات علماء کی خدمت وعظ اور تذکیر سے تعلق رکھتی ہے اور صوفیاء کرام کی اصلاح سے نامزد کیجاتی ہے ۔ جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ جس سے دین سیکھا جائے اس پر پورا وثوق اور اعتماد ہونا چاہیئے ۔ اس سے بے اعتمادی خاصکر اس سے سوءظنی، مخالفت اور نفرت، اس سے اسکی تعلیم پر وثوق اور اعتماد نہیں باقی رہتا اور جب وثوق و اعتماد ہی نہیں رہیگا تو اسکی بات کو ذہن کیسے اخذ کریگا اور اس پر کیسے عمل کریگا۔ ہم کھلی آنکھوں مشاہدہ کرتے ہیں کہ جن کے پاس لوگ آمد و رفت رکھتے ہیں ان سے باوجود اسکے سوءظن اور انحراف رکھتے ہیں یہی وجہ ہے ہماری محرومی کی عام طور پر ۔ اور جنہیں کچھ عقیدت کا حصہ ہے وہ اس کی برکت سے کامیاب نظر آتے ہیں ۔ یہ بنیادی اصول ہے کام کرنے کا اسکے بغیر سوائے نام و نمود اور صورت ظاہری کے اصل اور حقیقت سے کچھ سروکار نہیں ۔ وما علینا الا البلاغ

وصی اللہ عفی عنہ

پھر زمانۂ قیام فتحپور ہی میں حضرت اقدس کیجانب سے ایک اور تحریری پیام اہل فتحپور و اطراف کے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے سنایا گیا۔ وہو ہذا

" حضرات جو لوگ میرے پاس آمد و رفت رکھتے ہیں خاصکر اہل برادری کیخدمت میں عرض ہے کہ اب میں کام اصول سے کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ جو لوگ محض دنیا کے لئے آتے ہیں ان سے بھی مجھکو انکار نہیں مگر ایک جماعت ایسی بھی ہونی ضروری ہے جو دین سیکھنے والی ہو۔ ایسے لوگوں کا وقت الگ مقرر ہوگا اسمیں دوسرے لوگ داخل نہیں ہو سکتے اور ان دونوں قسموں کی تمیز میں میرا اعتبار ہے کہ میں کام کرنے والا ہوں آنے والوں کی رائے کا اعتبار نہیں کوئی شخص دوسری دین والی جماعت میں شرکت کا قصد بغیر میری تصریحی اجازت کے ہرگز نہ کرے، خواہ وہ برادری کا ہو یا غیر برادری کا۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرات اہل علم اپنی اصلاح خود کریں میں انکی اصلاح کی اہلیت نہیں رکھتا الا ماشاء اللہ تعالیٰ اس میں بھی میری رائے کا اعتبار ہے۔ والسلام۔

فتحپور میں کچھ ایام تو لوگ اپنی شرائط پر قائم رہے لیکن بعد چندے انکا اصل مرض پھر عود کر آیا اور باہم کسی نزاع کا پھر شکار ہو گئے۔ حضرت والا فتحپور میں موجود لیکن اہل نفس کو ذرا غیرت اور احساس نہ ہوا کہ اسکا حضرت پر کیا اثر پڑے گا کسی معمولی سی بات پر باہم لڑ پڑے چنانچہ حضرت والا کو اسکی وجہ سے سخت رنج ہوا اور انتہائی قلق ہوا اور قوم کی بدحالی پر افسوس بھی ہوا کہ یہ لوگ اس درجہ اخلاقی گراوٹ میں مبتلا ہو چکے ہیں کہ ان کے سامنے کسی عالم یا مقتدا یا شیخ کا بھی کوئی اثر یا خوف و لحاظ نہیں رہ گیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ورنہ تو فطرت ہے کہ آدمی اپنے بڑے کو دیکھکر اس قسم کی حرکات سے رک جایا کرتا ہے

لیکن یہاں دونوں جانب سے آوازیں بلند اور شور جاری تھا نہ کسی ناصح کا خیال رہ گیا تھا نہ کسی مرشد کا پاس ادب۔

یہ واقعہ اطراف میں بھی مشہور ہوا کہ حضرت والا کی موجودگی میں بھی فتحپور کے لوگ باہم لڑ گئے، چنانچہ ندوہ سرائے جو فتحپور سے قریب ہی بستی تھی وہاں کے لوگوں کو بالخصوص حکیم مولوی ظہیرالدین صاحب کو اسکا احساس ہوا کہ یہ تو بہت ہی برا نقشہ لوگوں نے پیش کیا۔ فہیم آدمی تھے سمجھے کہ عجب نہیں حضرت والا پر اسکا اثر پڑے کہ حضرت یہاں سے بیزار ناراض ہوکر تشریف لیجاویں اسلئے انھوں نے فوراً حضرت کیخدمت میں اپنی جانب سے معذرت کا خط لکھا اور گویا برادری کی طرف سے حضرت والاؒ سے معافی کے خواستگار ہوئے۔ خط اور اسکا جواب ملاحظہ فرمائیے:۔

"مخدومی و مطاعی (روحی فداہ) سیدنا و شیخنا حضرت مولانا صاحب قبلہ ادام اللہ ظلکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

آنجناب کی و نیز جملہ متعلقین کی خیر و عافیت کا دل سے متمنی ہوں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے سب کو سکون و اطمینان اور صحت و عافیت کی نعمت سے سرفراز فرماتے رہیں۔ مخدومی یہاں کے باہمی نزاعات سے آنجناب کو رنج و افسوس اور دلی صدمہ پہونچا ہوگا جس سے مجھکو انتہائی صدمہ ہے لیکن میرے بس میں نہیں ہے کہ میں یہاں کے لوگوں کو متأثر کرسکوں، مشکل یہ ہے کہ یہاں کا ہر فرد رہتا ہے اور سارے معاملات میں اپنے کو بے قصور اور بے عیب سمجھتا ہے اور سارا قصور دوسروں کا سمجھتا ہے پھر صلح و صفائی کے لئے اپنے دل کی بھڑاس نکالنا ضروری سمجھتا ہے کہ بغیر اسکے مصالحت کیسے ممکن ہے ظاہری لیپا پوتی سے کیا فائدہ اسلئے تقریباً ہر فریق یہ چاہتا ہے کہ کھل کر گفتگو

کیجائے اور قصور کا اعتراف کیا جائے ۔ یہاں کے حالات کا یہ خلاصہ ہے ۔ پٹھانوں کی گفتگو میں مزید فساد ہے کہ تُو تُو مَیں مَیں کا خطرہ ہے ۔ لوگوں کا ارادہ ہے کہ حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوں اور وہیں آپس میں صلح وصفائی ہو۔

بہرحال خدا جانتا ہے کہ میں ظاہرًا و باطنًا کسی حیثیت سے بھی یہاں کے فسادات میں شریک نہیں ہوں اسلئے جہانتک میری عقل کام کرتی ہے میں اپنے متعلق یہی سمجھتا ہوں کہ میں یہاں کے حالات کا بالکل ذمہ دار نہیں ہوں اور اگر مخفی طور پر جسکو کہ میں نہیں سمجھ رہا ہوں مجھ پر کوئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے تو میں بارگاہ رب العزت میں دل سے معافی چاہتا ہوں کہ وہ اپنے فضل وکرم سے میری نادانستہ غلطیوں سے درگذر فرمائیں

مخدومی! میں بعض مجبوریوں سے ابتک حاضر خدمت نہ ہوسکا انشاء اللہ کل حاضر خدمت ہوں گا ۔ یہاں کے قیام سے میری حالت بد سے بد تر ہوتی جارہی ہے میرے حق میں دعار فرمائیں والسلام ۔

حکیم ظہیر الدین (ندوہ سرائے)

(حضرت والا کا جواب حکیم ظہیر الدین صاحب کے نام)

عنایت فرمائے بندہ ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حالات معلوم ہوئے، حالات تو ایسے ہی ہیں جن سے رنج ہے اور ہونا چاہیئے کیونکہ یہ فساد ہے اور اسی فساد سے مجھکو انتہائی چڑھ ہے مجھ سے اگر آپ پوچھنا چاہتے ہیں یا کوئی پوچھنا چاہتا ہے تو اسکا واحد جواب یہ ہے کہ یہ فساد انتہائی مذموم عند اللہ ہے

اور نفاق کا سب سے بڑا شعبہ ہے اسی لئے اب میں دنیوی تعلق کے لئے بھی اخلاص کو شرط قرار دیتا ہوں لہٰذا میرے پاس آمد و رفت بغیر اسکے محض بے فائدہ اور لغو چیز ہے اور آپ جانتے ہیں کہ دنیا اور دین میں اخلاص کی کس قدر اہمیت ہے۔ آپ کی کسی مصلحت کے خلاف نہ ہو تو یہ مضمون لوگوں کو پہونچا دیجئے۔ والسلام

اسی زمانۂ قیام میں کسی شخص نے حضرت والا کی جانب کسی ایسے امر کی نسبت کر دی جس سے حضرت کا بالکل تعلق نہ تھا اسکی وجہ سے بھی حضرتؒ کو مزید تکلیف پہونچی اور اہل فتحپور کے لئے یہ مضمون لکھوا کر سنایا۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ لوگ مجھکو لائے ہیں اس کا تو شاید آپ لوگوں کو انکار نہ ہوگا، لانے کے بعد پھر مجھکو ذلیل کرنا یہ شرافت انسانی سے نہایت بعید ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں کسی امر کا فیصلہ نہیں کیا کرتا بہت دنوں سے یہ معمول بنا لیا ہے۔ اب یہ بتائیے کہ میری طرف کسی امر کی نسبت بلا میری شرکت کے کیا روا ہے؟

میں ان امور میں انتہائی احتیاط سے کام لیا کرتا ہوں۔ اب بتائیے کہ میں کیا کروں، اب میرے احتیاط سے خارج معلوم ہوتا ہے اب آپ لوگوں کی دیانت و شرافت پر فیصلہ ہے

اگر معقول جواب آپ نے دیا تو خیر ورنہ پھر اور کوئی راہ اختیار کروں گا۔

والسلام

وصی اللہ عفی عنہٗ

انھیں ایام میں حضرت والا کی جانب سے سالکین و طالبین کے لئے یہ اصول مقرر کئے گئے اور سب کو سنائے گئے :۔

(اصول برائے سالکین و طالبین حضرات)

میری طرف رجوع ہونے کے لئے حسب ذیل شرائط ہیں :۔

(۱) قصد تدین بدین الاسلام۔

(۲) خلوص فیما بینہ و بینہ اللہ۔

(۳) اعتقاد و اعتماد رہبر تمام امور اصلاحیہ میں۔

(۴) رسوم آبا و اجداد کا ترک یا لکلیہ اور اتباع سنت سنیہ۔

اور عام لوگوں کو یہ تحریری مضمون سنایا گیا۔

جمیع برادران اہل اسلام و بہی خواہان اہل اسلام و بہی خواہان احقر کی خدمت میں با دب یہ عرض ہے کہ آپ کو معلوم ہے کہ ہماری بداخلاقی کیوجہ سے ہمارے آپس کے تعلقات نہایت خراب ہو گئے ہیں اور ہم جیسے لوگوں کے بھی بس سے باہر ہیں۔ ہم عوام بلکہ خواص سے بھی ہار مان چکے ہیں اپنی جان بچاتے پھرتے ہیں۔ اب ہم جب سے یہاں آئے ہیں اہل الہ آباد کی طرف سے کچھ جنبش کے آثار نمودار ہو رہے ہیں۔ میں صاف کہدینا چاہتا ہوں کہ ہم لوگوں کے اثرات باقی نہیں رہے اور لوگوں نے اسکا تجربہ بھی کر لیا پھر بھی ہمیں کو پکڑے رہیں کہانتک قرین قیاس ہے۔ اب ہمارے جیسے لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ جہاں کہیں رہیں سمجھ بوجھ کر دیکھ بھال کر اپنی وضع کا لحاظ کر کے رہیں۔ جہاں کچھ لوگ دین کیطرف متوجہ ہوں، اپنی اصلاح کیطرف متوجہ ہوں، باتیں سنیں آپس کی خانہ جنگی دور کریں وہ اسکے اہل ہیں کہ ایسا آدمی انکی خدمت میں رہے۔ اور دور فتن میں ایسے لوگوں میں رہنا ہی متعین ہے ورنہ اپنے کو خطرے میں ڈالدینے کے مرادف ہے میں اب سمجھ بوجھکر کام کرنا چاہتا ہوں اسلئے سب ایسے حضرات کے ارشادات کا جواب ہے جو مجھکو اپنی طرف جذب کرنا چاہتے ہیں۔ والسلام

نیز وطن کے لوگوں کو ایک صاحب کے توسط سے یہ مضمون تحریر فرمایا:۔

۔۔۔۔ صاحب سلمہٗ ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔ مسلمانوں کو سب سے زیادہ آپس کی خانہ جنگی اور آپس کے فسادات سے بچنا اور پرہیز کرنا ضروری ہے آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ میں اسی وجہ سے یہاں سے چلا گیا تھا اب اگر پھر فساد کرنے لگا جس سے خود نفرت کا اظہار کرتا ہوں، یہ بات نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کو فساد سے بچاتا ہوں یہی انکو ناگوار ہوتا ہے کیونکہ انکی طبیعت اور مذاق کے خلاف پڑتا ہے تو ہمیں کو مطعون کرتے ہیں اگر ہمکو نہیں تو ہماری طرف جو منسوب ہیں انھیں کو سہی ۔

یہ واقعہ جو رونما ہوا اور مجھی کو اسکا سبب قرار دیتے ہیں تب بھی سب کو بطیب خاطر اسکا مان لینا ضروری تھا کہ اخلاص کا یہی مقتضا تھا نہ کہ اپنے اپنے کی طرفداری ۔ اب آپ سے کہتا ہوں کہ ہر خاندان میں جو مختلف ٹولیاں بن گئی ہیں اور اس سے طرح طرح کے فساد پیدا ہو رہے ہیں کون نہیں جانتا ۔ اگر اس تحریر کا آپ پے اثر ہو تو سبکو یعنی اپنے سب خاندان کو سنا دیجئے، اور سب سے اقرار و توبہ کرائیے کہ میرے مقابلہ میں یہ رویہ غلط بلکہ میری مخالفت تھی اور آئندہ کے لئے وعدہ ہونا چاہیئے کہ ایسی صورت رونما نہ ہو بلکہ دین اور دینداری کا ہر آدمی میں اہتمام ہونا چاہیئے کہ دین ہی اسکا واحد علاج ہے۔

اسکو پڑھکر فوراً عمل فرمائیے تاکہ ماننے کا ثبوت ہو ۔ والسلام

ان حالات کی بنا پر مجلس میں بھی اخلاق ہی پر زیادہ تر گفتگو رہتی ایک دن ظہر کے بعد والی مجلس میں نہایت ہی سوز کے ساتھ مسلمانوں کی بدحالی پر تاسف اور انکو اس سے نکالنے کے سلسلے میں ایک تقریر فرمائی جس سے لوگ متاثر بھی ہوئے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید بعض حضرات نے اپنے اس تاثر کا اظہار حضرت والا سے بھی کیا ہوگا چنانچہ اسکو مفید سمجھکر حضرت والا نے اس تقریر کو قلمبند ہی فرما دیا کہ اسکا نفع عام ہو ۔ وھو ہذا ۔

یں نے کل بعد نمازِ ظہر جو بیان کیا ہے اسکو قلمبند کردینا چاہتا ہوں
وہ یہ ہے کہ جو شخص دعوت الی اللہ کا کام کرتا ہے وہ اگر بصیرت سے
خالی ہے تو حسب تصریح مشائخ مکرم میں پڑا ہوا ہے اسکا فساد اسکی
اصلاح سے زیادہ ہوگا۔ جو شخص خود مطمئن نہیں ہے وہ دوسروں کو
کیا مطمئن کرسکتا ہے اور جس شخص کو خود یقین نہیں ہے وہ دوسروں
میں یقین کیسے پیدا کرسکتا ہے اسلئے اس منصب کے لوازم
میں سے بصیرت اور یقین ہے اپنے طریق کار پر۔ اب جو لوگ
ایسے شخص کے پاس آمدورفت رکھنے والے ہیں جتنا اسکا یقین ہوگا
کہ ہمارا متبوع محقق ہے بصیرت اور یقین پر ہے اتنا ہی اسکا
اتباع کرینگے اور اس طرح انکو بھی رفتہ رفتہ بصیرت حاصل ہوجائیگی
ورنہ اتباع کی دولت سے کبھی فائز المرام نہ ہونگے۔ ہم کھلی آنکھوں
اسکا مشاہدہ کر رہے ہیں کہ کثرت سے لوگ اسکا شکار ہیں کہ جب
ایسا آدمی کوئی اصلاحی چیز یا کسی غلطی پر انکو تنبیہ کرتا ہے تو نفس
وشیطان انکو سمجھاتا ہے کہ انھوں نے تمھارے معاملہ میں غلطی کی
ہے اور تمھارے دشمن کے کہنے پر عمل کیا ہے۔ اور ہر فریق
اپنے معاملہ میں اسی پر عمل پیرا ہے۔ اب بتائیے اگر ایسا ہے
تو ایسے شخص کو یکلخت جواب دیدو۔ ع۔

او خویشتن گم است کرا رہبری کند

اور اگر چھوڑنے کی ہمت نہیں ہے تو سیدھی اور صاف بات
یہ ہے کہ قلب کا ضعف یقین دور کرو اور پختگی سے بلا تردد اور
بلا شک عقیدہ راسخ کرو کہ یہ شخص ہمارا خیر خواہ ہے اگرچہ ہمارے
نفس کے خلاف کہہ رہا ہے ہمیں اسکا اتباع کرنا چاہیئے اور
ہمارے لئے اسکا اتباع کرنا ہی متعین ہے اور اسی میں ہماری

فلاح ہے۔ اسکے بعد دیکھو راستہ کھلتا ہے یا نہیں۔

حضرت والا جب الہ آباد سے وطن تشریف لے گئے اسی وقت سے اہل الہ آباد کو کھٹک ہوگئی تھی کہ دیکھو اب حضرت وطن سے واپس بھی آتے ہیں یا نہیں یہی خیال ہو رہا تھا کہ حضرت کا وہاں مکان موجود ہے، خانقاہ اور مسجد موجود ہے لوگ بھی اب توبہ کر کے سب موافق ہو گئے ہیں تو ظاہر ہے کہ ایسی فضا کو حضرت والا بلا وجہ کیوں ترک فرما دینگے اس خیال سے یہاں کے لوگ ہمیشہ مغموم رہا کرتے تھے اور جیسا کہ عام قاعدہ ہے کہ ؏ دکھ میں اللہ یاد آتا ہے۔ اس غم نے بہت سے لوگوں کے حالات درست کر دیئے تھے اور سب لوگ صدق دل سے تائب ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دست بہ دعا تھے کہ یا اللہ حضرت والا پھر الہ آباد تشریف لے آویں چنانچہ اسی دوران لوگ اپنے اپنے حالات لکھ لکھکر بھیجتے تھے اور کبھی کبھی اجتماعی طور پر زیادہ لوگوں کے دستخط کے ساتھ بھی خط لکھا جس میں اپنے کو بدلنے کا وعدہ کیا اور حضرت والا سے تشریف آوری کی درخواست کی۔ ایک خط ملاحظہ ہو

(خط منجانب اہل الہ آباد بخدمت حضرت مصلح الامت رح)

بعد آداب عرض ہے کہ ہم ساکنان بخشی بازار کو حضرت مولانا کی باتیں پہونچیں کہ حضرت مولانا نے ہملوگوں کو دین کے کام کرنے کی طرف متوجہ فرمایا ہے اور دینی ماحول پیدا کرنے کی دعوت اور آپس کے فتنہ و فساد اور رفاہانہ جنگیوں سے دور رہنے کا امر فرمایا ہے۔

ہم سب لوگ متفقہ طور پر اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ ہم لوگ دین کی طرف متوجہ ہونگے اور آپس کے فتنہ و فساد سے دور رہیں گے اور اگر کوئی صورت فتنہ و فساد کی پیدا ہوگی تو دین کا خیال رکھتے ہوئے فساد کو دور کریں گے۔

ہم تمام مسلمان آپس میں میل جول سے رہیں گے۔ ایسے زمانہ میں جبکہ

ہم مسلمانوں پر طرح طرح کی فتن نازل ہو رہی ہیں ہم سب لوگوں کا فرض ہے کہ اپنے ان مسلمان بھائیوں کا ساتھ دیں کم سے کم ایک بھائی دوسرے بھائی کو ضرر پہونچانے کی کوشش نہ کرے

اپنے بھائیوں کے حقوق سمجھیں اور آپس کے فتنہ و فساد سے دور رہیں لیکن افسوس کہ آجکل ہم لوگ کم احساسی میں مبتلا ہو گئے ہیں یہاں تک کہ اپنے بھائیوں ہی کو نقصان پہونچانے کی کوشش میں رہتے ہیں۔

یہ حضرت مولانا کا بڑا احسان ہے کہ ہم لوگوں کو اس طرف متوجہ فرما رہے ہیں اور یہی کیا حضرت مولانا کے تو ہم محلہ والوں پر بڑے بڑے احسان ہیں حضرت مولانا نے جو مسجد و مدرسہ کی تعمیر کرائی ہے وہ صرف ہمارے ہی لئے نہیں بلکہ ہمارے بچوں کے لئے اور آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے بھی بہت کارآمد ہے۔ ہمارے بچے مدرسہ میں تعلیم پا رہے ہیں اور انشاء اللہ یہی جوان ہوکر ایک دینی ماحول پیدا کر دینگے، واقعی ہمارے بچوں کے لئے کوئی دینی تعلیمی سلسلہ نہیں تھا حضرت نے اس محلہ میں مدرسہ کی بنیاد رکھکر ہم لوگوں پر بڑا احسان فرمایا ہے وہ منظر دیکھنے کے قابل ہوتا ہے جب ہمارے بچوں کو نماز کلمے وغیرہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اور بچوں کو جماعت میں ایک نظم کے ساتھ نماز پڑھائی جاتی ہے اور ان کو اپنے اخلاق اور معاشرت درست پر زور دیا جاتا ہے اور ایک خاص وقت قرآن شریف اردو حساب وغیرہ کے علاوہ ان بچوں کی تربیت پر صرف کیا جاتا ہے۔

یہ دیکھا جاتا ہے کہ بچے خود بغیر والدین کے زور دیئے ہوئے پانچوں وقت مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اب ہم سب اللہ پاک سے اس بات کی دعا کرتے ہیں کہ اللہ پاک ہمیں دین کی طرف متوجہ فرمائیں اور آپس کے تعلقات درست فرمائیں اور اپنی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

حضرت مولانا سے بھی ہم لوگوں کی درخواست ہے کہ اللہ پاک سے ہم مسلمانوں کی اصلاح کے لئے دعاء فرمادیں اور ہم لوگوں کو فراموش نہ فرمادیں۔ ہم لوگوں کی نالائقی سے درگذر فرمادیں اور اپنی تشریف آوری کو ہماری اصلاح کا ذریعہ بنادیں گے۔

دستخط: محمد قمر۔ محمد رشید۔ کمال الدین۔ عبدالقیوم شمس الرحمن۔ مشتاق احمد۔ ولی محمد۔ عبدالسلام۔ محمد اشفاق عبدالرزاق۔ نواب احمد۔ منصور علی۔ عبدالرزاق۔ انعام الحق وکیل رحمت اللہ۔ عبدالرشید۔ عبدالمجید۔ سعید احمد۔ حافظ مشتاق خاں محمد ہاشم۔ عبدالرحمن۔ محمد شفیع خاں۔ ننھے خاں۔ بنے میاں۔ طاہر حسین۔ شیر محمد۔ محمد اسحاق۔ عبدالرحیم۔ محمود احمد۔ عبدالحمید ٹھیکیدار۔ محمد یوسف۔ اقبال احمد۔ محمد رفیق۔ منیرالدین۔ عبدالمتین اسرار احمد۔ احمد خاں۔ محمد رفیع۔ محمد اخلاق۔ شیر علی۔ عبدالستار محمد عابد۔ سید شریف حسن۔ ہدایت اللہ۔ محمد واسع۔ بلاقی محمد حبیب۔ عبدالواحد۔ عبدالسلام۔ عبدالشکور۔ عبدالجبار مختار احمد۔ محمد نسیم۔ عزیز احمد۔ اقبال احمد۔ حافظ ارشد علی محمد ادریس۔ رجب علی۔ محمد یوسف۔ محمد اشفاق۔ محمد صدیق حبیب احمد۔ محمد اسحاق۔ لال محمد۔ پیر محمد۔ عبدالغفور۔ خیراللہ حکیم عبدالسلام۔ حافظ عبدالغفور۔ صلاح الدین۔

جواب

مجھکو تو اصلاح کا کام کرنا ہے اگر آپ حضرات لیں تو باوجود اپنی نااہلی کے اس سے گریز کیسے ہو سکتا ہے اب یہ جمود باقی نہیں رہنا چاہیے اور اسکے ازالہ کی تدبیریں عمل میں لائی جائیں اور اسکا طریق ہمارے کسی

آدمی سے دریافت کیا جائے ۔ والسلام

(زمانۂ قیام الہ آباد کا ایک اہم ملفوظ)

میں نے کل بیان کیا تھا کہ بہت سے حضرات اہل علم اسی عصر میں تھے جنہوں نے اس عصر کے کامل کی اتباع نہیں کی یہ سمجھتے ہونگے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتے ہیں یہ تو ظاہر ہے کہ مشائخ کا اتباع نہیں کیا اب رہا یہ کہ حضور اقدسؐ کا اتباع کیا یا نہیں تو میرا خیال ہے کہ بغیر مشائخ کے واسطہ کے حضور کا اتباع نہیں ہوسکتا یا ہوگا تو ناتمام ہوگا اسی طرح سے چلا آرہا ہے کہ خلف نے سلف کے واسطہ سے اتباع کیا اور جنہوں نے اسکا انکار کیا ہے وہ کبھی اس سے نہیں چھوٹے۔ سب سے مشکل چیز اتباع ہے یہ بدون اپنے متبوع کے علوم ومعارف کے استحضار اور بدون فنا رنفس اور بدون فنا رتام ممکن نہیں۔ اب زمانہ اس اتباع سے خالی ہوتا جارہا ہے کسی کا اتباع کرنے سے نفس کو اباء اور استنکاف ہے اور یہ مشاہد ہے ۔

(طریق کار)

اہل سلوک کے لئے حضرت والا نے کام کی ترتیب بیان فرمائی :-

فرمایا کہ ـــــــــ سب احکام خداوندی ایمان کی فروع ہیں اور ایمان انکا اصل ہے اور احکام کی تحصیل سے پہلے ایمان کی تجدید ضروری ہے کہ سب کا مدار اسی پر ہے تو جو شخص اسطرف آنا چاہے اسکے لئے ضروری ہے کہ اپنی پہلی غفلتوں سے صدق دل سے توبہ کرے اور اسکے بعد زبان ودل سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا بکثرت تکرار کرے ۔
اسی طرح اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ کا بھی

تکرار کرے بلکہ ان دونوں کا ورد مقرر کرلے کہ اسی طرح اپنے ایمان کو جگایا جاسکتا ہے (قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ ارشاد الطالبین میں تحریر فرماتے ہیں کہ "رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جددوا ایمانکم یعنی اپنے ایمان کو تازہ کرو لوگوں نے پوچھا کہ اپنے ایمان کو کس طرح تازہ کریں فرمایا بار بار کلمۂ طیبہ لاآلہ الا اللہ پڑھنے سے (تحفۃ السالکین ص۵۲)

اسکے بعد درجہ ہے احکام کے سیکھنے کا۔ علماء نے کتابیں لکھی ہیں مثلاً بہشتی زیور، مبتدی کے لئے وہ کافی ووافی ہے آدمی اگر کسی سمجھدار سے پڑھے تو اس سے بہت کچھ دین کی معلومات ہوسکتی ہیں۔ اب معلمین کا فرض ہے کہ بہت محنت سے ایسے لوگوں کی تعلیم و تربیت کریں کہ انکو دین سے مناسبت پیدا ہوجائے اور اپنے رب کو اور اسکے احکام کو پہچان لیں والسلام (یکم محرم الحرام ۱۳۸۶ھ)

(ایک زریں اصول)

راحت وحلاوت کا مقصود بالذات ہونا سبکو مسلم ہے اور یہ بھی مسلم ہے کہ اسباب معیشت و تعیش اور مال کا حصول اسکا سبب ہے اسمیں بھی کسیکا اختلاف نہیں ایک اور چیز رہ جاتی ہے اسمیں تمام اہل دنیا مختلف ہوں کہ اسکو بھی اسمیں دخل ہے یا نہیں، اہل دین سب متفق ہیں کہ اسکو بھی دخل ہے اور دخل تام ہے۔ وہ کیا چیز ہے؟ اب میں اس چیز کو بتلاتا ہوں کہ وہ کیا ہے۔ اخلاق حسنہ کے ساتھ اتصاف یہی ایک چیز ہے جو راحت وحلاوت کا سبب ہے اہل دین کے نزدیک۔ اگر اہل دنیا اسکو نہ سمجھتے ہوں تو وہ بتلائیں کہ وہ کون چیز ہے؟ جس کے اختیار کرنیسے یہ چیز حاصل ہوسکتی ہے اور یہ تلخی اور بدمزگی دور ہوسکتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ لوگ کبھی اسکو نہیں بتلا اور نہ کبھی حقیقی راحت وحلاوت انکو نصیب ہوسکتی ہے اور نہ کسیکو اسکا حصول دکھلا سکتے ہیں کہ انکی سمجھ سے باہر ہے اسی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ دین تو گیا ہی تھا دنیا بھی رخصت ہوگئی اسکی تصدیق کرلینے کے بعد پھر اور کچھ کہہ سکتا ہوں۔ والسلام۔ وصی اللہ عفی عنہ،

(وطن سے شاکر خانصاحب کے نام مدرسہ کے تحفظ کے متعلق ایک خط)

خانصاحب سلمہٗ ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپکو میرے جوابات ملے ہونگے امید ہے کہ اس سے ضرور آپکو بصیرت ہوئی ہوگی ۔ میں نے جو دین کی بنیاد الہ آباد میں رکھدی ہے اس کا باقی رکھنا اور ترقی دینا اہل الہ آباد کا فرض ہے خاص کر وہ لوگ جو مجھ سے خصوصی تعلق رکھتے ہیں انکا اہم فریضہ ہے کہ میری تعلیمات جاری رکھیں اور میری اصلاحی چیزوں کی خصوصیت یہی ہیں ۔

اور لوگوں کو اتفاق و اتحاد پر قائم رہنے کی برابر ہدایت کرتے رہیں

(وطن سے الہ آباد کی واپسی)

جیسا کہ عرض کرچکا ہوں کہ اہل الہ آباد اپنے یہاں حضرت اقدس کے وطن تشریف لیجانے کے بعد بڑی کمی محسوس کرنے لگے تھے اور مجلس کا لطف اللہ تعالیٰ کی محبت کی باتیں اور قرآن و حدیث کے انوار کی بارش کا سلسلہ ایک ایک کر کے سب یاد آرہا تھا اسلئے سب کو اپنی اصلاح کی بھی فکر ہوئی اور حضرت سے گویا سب نے وعدہ کیا کہ اب ہم دین کا کام کرتے رہینگے اپنی اصلاح کی جانب متوجہ ہونگے ۔ الہ آباد میں جو دینی یادگار مدرسہ وصیۃ العلوم آپ نے ہمارے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے قائم فرما دیا ہے اسکی دل و جان سے حفاظت کریں گے ۔ یہاں الہ آباد میں تو یہ سب ہو رہا تھا ادھر وطن میں پھر لوگوں نے اپنے وعدہ کے خلاف فتنہ و فساد، خلاف و نزاع باہم لڑائی جھگڑا شروع کردیا اسکی وجہ سے حضرت کا وطن میں جو ابتک دل لگ رہا تھا وہ تکدر سے بدل گیا اور حضرت والا نے اب یہاں سے پھر واپسی

الہ آباد کا قصد فرمالیا اور چند دنوں کے بعد الہ آباد واپس تشریف لے آئے
الہ آباد تشریف لانے کے بعد اہل فتحپور کے نام یہ تحریر ارسال فرمائی

(مضمون بنام اہل فتحپور)

آپ لوگوں کو یاد ہوگا کہ میں کس طرح سے یہاں سے گیا تھا اور محض ۸ یوم کی نیت سے گیا تھا اور رہتے رہتے تین ماہ رہ گیا مگر وہاں سے کسطرح آیا اگرچہ بعد میں راضی ہوگیا۔

میں یہ نہیں کہتا کہ نزاعات کیوں ہوئے کہ میں جانتا ہی ہوں کہ آجکل نزاعات عام طور پر انہی امور کے بارے میں ہوتے ہی رہتے ہیں زیادہ تکلیف اسلئے ہوئی کہ میں اوپر ٹہل رہا تھا اور یہ لوگ جھگڑ رہے تھے اور لوگ نیچے تماشہ دیکھ رہے تھے اگر ان لوگوں کو ذرہ برابر بھی میری تکلیف و آرام کا خیال ہوتا تو یہ لوگ کہتے کہ یہاں سے چلو ہم سب مل کر اسکو طے کرلیں گے مگر کسی کو اسکا خیال نہیں ہوا اس سے معلوم ہوا کہ ابھی ان لوگوں کو میرے رنج و راحت اور ترک وطن کا احساس نہیں ہے اگر خدانخواستہ بات بڑھ جاتی تو ہوسکتا تھا کہ ان میں سے کوئی مجھے یا میرے آدمی کو گواہی وغیرہ میں لکھا دیتا اسلئے میں چلا آیا کیونکہ دودھ کا جلا مٹھا پھونک پھونک کر پیتا ہے۔ چونکہ آپلوگوں کی کوئی وقعت تو ہے نہیں مجھے اپنا آلہ کار بنانے کے لئے اور اگو بنے کے لئے فتحپور رکھنا چاہتے ہیں تو سمجھ لیجئے کہ میں ہرگز ہرگز اسکے لئے تیار نہیں ہوں۔ (نگرانی کرنا) اگر آپ لوگوں کو مجھ سے تعلق رکھنا منظور ہے تو نفس پرستی و نفسانیت کو ترک کرنا ہوگا بغیر اسکے میں راضی نہیں ہوسکتا آپ لوگ چاہیں کہ خوشامد کرکے جیسا کہ اب تک ہوتا آیا مجھے خوش رکھیں تو یہ نہیں ہوسکتا۔ جب میں رہوں تو ذرا بھی میرا پاس نکریں اور جب وہاں سے چلدوں تو خوشامد کریں۔ میں اسکو کچھ نہیں سمجھتا یہ تو ملاح لوگ بھی کرلیتے ہیں۔ اخلاق درست کیجئے اور میری تعلیمات پر عمل کیجئے۔ وصی اللہ عفی عنہ

اور مئو جناب قاری ریاست علی صاحب کے نام یہ خط گیا : ۔

جناب قاری صاحب سلمہٗ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اصلاح نفس عوام وخواص سب کے لئے فرض ہے اگر لوگوں کو میرے چلے آنے کا غم ہے اگر یہ غم لوگوں کو اپنے اصلاح نفس کے خیال سے ہے اور لوگ اسکے لئے تیار ہیں تو میں خدمت کے لئے حاضر ہوں اور آسکتا ہوں اور یوں ہی لوگ مجھکو تبرک بنا کر رکھنا چاہتے ہیں تو میں کسی طرح اسکے لئے راضی نہیں ہوں اور اس پر راضی رہنا جائز بھی نہیں سمجھتا ۔ والسلام۔ اسکا جواب باصفوا مرحمت فرمایئے۔

وصی اللہ عفی عنہ

الہ آباد بلانے والوں میں چونکہ وکیل انعام الحق صاحب کی ایک نمایاں شخصیت تھی اسلئے یہاں آنے کے بعد وکیل صاحب کو خطاب فرما کر گویا تمام ہی اہل الہ آباد کو انکے توسط سے یہ پیغام سنایا گیا : ۔

جناب وکیل صاحب ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

سنیئے! اب کام کرنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے ۔ چنانچہ آپ لوگوں کو بھی اسکا کچھ خیال ہوا ہے اسی کے ماتحت دینی مکاتب قائم کرنے اور اسکے لئے چندہ وغیرہ کا بھی انتظام کر رہے ہیں اسی طرح میرے دل میں بھی جذبہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر حقیقی دین وایمان اور اخلاص پیدا ہو اور انکا جمود اور غفلت ختم ہو اور اسکی جگہ پر صحیح جذبہ اور حس وحرکت پیدا ہو ۔ یہ لوگ احکام شرعیہ کے پورے طور پر پابند ہو جائیں اور دین ودنیا کی عافیت انکو حاصل ہو اللہ تعالیٰ کے سچے بندے ہو جائیں ۔

میں اس بددینی اور ضلالت کے دور میں پیر بنکر بیٹھنا گوارا نہیں کر سکتا اس بناء پر جو لوگ یہاں آمد ورفت رکھتے ہیں ان سے یہ چاہتا ہوں کہ یہ سب باتیں انکے اندر پیدا ہو جائیں اور اسکی تعلیم کرتا ہوں اور اسکا ان سے مطالبہ کرتا ہوں

عداوت وغیرہ پر جو گفتگو کرتا ہوں اسکو اس زمانہ میں دین کی اہم خدمت سمجھتا ہوں
اور مجھے یقین ہے کہ اس نے آج مسلمانوں کو کھوکھلا کردیا ہے اسکے علاوہ ایک
بہت بڑا ضرر یہ ہوتا ہے کہ ان آمدورفت رکھنے والوں کی بد اخلاقی اور اختلاف کو
لوگ ہماری طرف منسوب کرتے ہیں اور ہم سے سوءظنی کرتے ہیں حالانکہ لوگوں کو
ایسا نہیں کرنا چاہیئے اسلئے کہ میں اپنے فعل کا مکلف ہوں سب کے فعل
کا مکلف نہیں ہوں جیسے کہ کوئی مسلمان برا عمل کرے تو نعوذ باللہ اسکے
اسکے فعل کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف نہیں کیجاسکتی تو خود سمجھئے کہ
جب یہ نسبت برائیوں سے نہیں روک رہی ہے تو میرے پاس آنے سے
کیا ہوتا ہے۔

بات یہ ہے کہ لوگ صدق وخلوص سے نہیں آتے اسوجہ سے
تعلیم وتربیت کا اثر بھی نہیں قبول کرتے تو مشائخ کیا کریں جو لوگ بدظنی
اور اعتراض کرتے ہیں انکو اتنی سمجھ نہیں ہے اور نہ اتنی دیانت ہے
کہ بے خلوص کے آنے جانے والوں کی برائی کریں اور انکو ملامت کریں
بلکہ مشائخ سے بدظن ہو جاتے ہیں کسقدر خلاف عقل بات ہے یہ لوگ نہایت
سقیم ہیں اللہ تعالیٰ ہدایت فرما دیں۔

بہرحال میں یہ کہہ رہا تھا کہ کام کی سخت ضرورت ہے میرے نزدیک
سب سے اہم کام مسلمانوں کے اندر اتحاد واتفاق پیدا کرنا ہے اور اصلی روحِ
ایمان اخلاص کا پیدا کرنا ہے اسلئے میں کسی کو نہیں چھوڑتا جب لوگ
میرے پاس آتے ہیں تو میں کیوں چھوڑوں صحیح بات بتلا دیتا ہوں۔

اس مضمون کو جو میں لکھ رہا ہوں اگر ایک دو آدمی کو بھی سمجھا لوں
تو اپنی بہت بڑی کامیابی سمجھتا ہوں۔ والسلام۔

وصی اللہ عفی عنہٗ

انھیں دنوں حضرت والا نے طالبین کو ایک اصول سمجھانے

کی بھی کوشش فرمائی چنانچہ یہ مضمون تحریر فرمایا :-

(ایک زریں اصول)

عمل سے پہلے ایمان ہے۔ ایمان کا رتبہ عمل سے کہیں بڑھا ہوا ہے فاسق اور بدعمل بھی مومن ہوتا ہے اور ایمان اسکا عنداللہ معتبر ہوتا ہے جب تک کہ اسکے ایمان میں کوئی چیز خلاف عمل نہ مل جائے مثلاً عمل کا انکار کرے اور اسکی ضرورت تسلیم نکرے حالانکہ نصوص میں عمل کی ضرورت وارد ہے اور مثلاً ایمان میں شک ہو یا عقائد میں سے یا دین کی باتوں میں سے کسی بات کا انکار کرے۔ فاسق اور بدعمل بھی ایمان کی وجہ سے ناجی ہوں گے۔ جب نجات کا مدار ایمان پر ٹھیرا تو اسکی حفاظت بھی ازبس ضروری ٹھیری اور عمل سے کہیں زیادہ ضروری ہوئی عمل سے غفلت اتنی خطرناک نہیں جتنی ایمان سے خطرناک ہے ایمان ایک قلبی چیز ہے یہ ہر وقت مومن کے ساتھ رہتا ہے اور کسی وقت جدا نہیں ہوتا، سونے میں پیشاب خانہ میں جانے کے وقت، اپنے اہل وعیال کے پاس جانے کے وقت، کھانے پینے کے وقت موجود رہتا ہے اور اپنا کام کرتا رہتا ہے۔ اب بتلائیے کہ عمل ظاہری سے بڑھکر ہوا یا نہیں؟ اور یہ بھی بتلائیے کہ مومن کس وقت اپنے ایمان کی وجہ سے عمل باطنی سے خالی رہ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں رہ سکتا پس ایمان کیطرف توجہ عمل کیطرف توجہ سے کہیں اہم ٹھیری۔

یہ بھی غور فرمائیے کہ ایمان کامل اور صحیح کے بعد کیا عمل ظاہری کا اس سے انفکاک (جدائی[۱۲]) ممکن ہے؟ ہرگز نہیں ہاں ایمان جس طرح کمال کے ساتھ متصف ہوتا ہے نقصان کے ساتھ بھی اسکا اتصاف ہوتا ہے۔ اعمال سے ایمان کا کمال ہوتا ہے اور معاصی سے نقصان اور یہ اعمال جن سے ایمان کا کمال اور نقصان ہوتا ہے ظاہری اعمال بھی ہیں اور باطنی اعمال بھی اسطرح

ان اعمال کا معلوم کرنا ضروری ہو جاتا ہے اسیطرح وہ امور جن سے ایمان عند اللہ معتبر ہی نہیں ہوتا اور سمجھتا ہے کہ ہم مومن ہیں انکا علم بھی ضروری ٹھیرا اسی طرح اسطرف توجہ بھی ایمان کی خاطر ضروری ٹھیری ۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ہدایت فرمائے آمین ۔

اور وطن سے الہ آباد تشریف لانے کا سبب چونکہ اہل الہ آباد کی درخواست، آمادگی کار دین اختیار کرنا اور اصلاح کرنے کا وعدہ ہوا تھا اور اب سے قبل یہاں کے لوگوں میں باہم کچھ اختلافات اور تلخیاں بھی رہ چکی تھیں اسلئے ان سے ان لفظوں میں کام کی ابتدار فرمائی : ۔

(اہل الہ آباد کو ہدایت)

سنیئے! میں کام اب طریقے سے کرنا چاہتا ہوں اور سب سے اہم چیز اسوقت اصلاح کو سمجھتا ہوں میں خود بھی چاہتا ہوں کہ میری ذات سے کسی کو کسی بھی قسم کا ضرر نہ پہونچے اور خود اپنے کو بھی لوگوں کے ضرر سے بچانا چاہتا ہوں ایسے ہی اپنے متعلقین سے بھی یہ چاہتا ہوں کہ وہ ایک دوسرے کے لئے موجب آزار نہ بنیں ۔

اسی کے ماتحت میں نے مکان لیا ہے تاکہ یکسوئی سے دین وشریعت کے کام کا اتباع کروں اور جو لوگ خلوص سے آویں انکو اسکی تعلیم کروں چونکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ بہت سے لوگ میرے گھر میں داخل ہو جاتے ہیں اور اخلاص کی اصلاح نہیں کرنا چاہتے بالکل آزاد رہنا چاہتے ہیں اور مجھے اپنی باتوں میں ڈالکر تشویشات میں ڈالدیتے ہیں چنانچہ بہت بہت دیر تک اسکا قلب پر اثر رہتا ہے ۔

میں آپ حضرات سے کہتا ہوں کہ ایسے لوگ صحیح طریقہ سے کام پر آنا نہیں چاہتے محض ریار و نفاق سے قرآن وحدیث کی باتوں کو سنتے ہیں عمل

نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں کی یہاں آنے کی ضرورت نہیں ہے اسلئے کہ میں
سمجھتا ہوں کہ اسی بداخلاقی کی وجہ سے ساری دنیا میں فساد ہے دین تو
غارت ہوا ہی تھا دنیا بھی کرکری اور تلخ ہوگئی۔

تو سنئے! دنیا فاسد ہوجائے ہوجاتے ہیں اپنی اس جگہ کو کسی قیمت
پران باتوں کی آماجگاہ بنا ناگوارا نہیں کرسکتا۔ آپ لوگ خوب سمجھ لیں۔ والسلام

وصی اللہ عفی عنہ

چونکہ حضرت والا وطن تشریف لے گئے تھے چند ایام کے لئے لیکن وہاں
کے لوگوں کے دینی جذبات نے حضرت اقدس کو طویل قیام پر مجبور کردیا
چنانچہ تقریباً ۳ ماہ وطن میں رہ گئے اس درمیان میں علاوہ وطن کے لوگوں کے
اطراف وجوانب کے لوگوں کو بھی فیضیاب ہونے کا موقع ملا چنانچہ مئو اور کوپاگنج
اطراف کے بڑے قصبات ہیں وہاں سے بھی لوگ آتے جاتے رہے
قدیم خدام کے علاوہ نئے نئے حضرات بھی متوجہ ہوئے معلوم ایسا ہوتا ہے
کہ لوگوں نے حضرت والا سے اس موقع پر مئو تشریف بری کی درخواست بھی کی
حضرت مصلح الامت کو مئو کے لوگوں کی جانب سے کسی خاص حالات کا
انتظار رہا ہوگا اسلئے ابتک مئو میں قیام کی نیت سے تشریف لیجانا نہوتا
یوں برسبیل مرور ہی اکثر آنا جانا رہا۔ اب حضرت کو اندازہ ہوا ہوگا کہ
اب یہاں کی حالت پہلے سے بہتر ہے اور متعلقین اور متوسلین کی تعداد
بھی پہلے سے زیادہ ہوگئی ہے پھر عوام کے علاوہ علماء اور خواص کا ایک
خاصا طبقہ حضرت والا کی جانب رجوع ہے، بہت سے وہ حضرات جو مسلکاً
حضرت والا سے اختلاف بھی رکھتے ہیں ان کے قلوب میں بھی حضرت کی عظمت
اور محبت حضرت کے متوسلین کے توسط سے پیدا ہوچکی ہے اسلئے حضرت والا
نے انھیں ایام میں اہل مئو سے یہ وعدہ فرمالیا کہ میں ہر ماہ دو تین دن کیلئے
آپ کے یہاں بھی آپکی طلب پر آسکتا ہوں اور آپ لوگوں کی درخواست

یوں منظور کر سکتا ہوں کہ مئو میں میرے ٹھیرنے کا الگ انتظام کیا جائے اور لوگوں کے ملنے ملانے کا کوئی نظم مقرر کر دیا جائے مجلس عام کے لئے بھی کوئی مناسب جگہ جہاں سب لوگ جمع ہو سکیں تجویز کر لی جائے اور میرے سفر کے لئے موٹر کا انتظام مناسب ہے کوئی صاحب آجائیں اور مجھے لیجلیں اور پھر الہ آباد مجھے پہونچا دیں۔

وہاں کے لوگوں نے جن میں حاجی سیٹھ عبدالرب صاحب کوپا گنج یوں بھی شریک رہے کہ انکی دکان اور مکان مئو میں تھے اور حضرت والا کے قدیمی خادم تھے حضرت والا کی جملہ شرائط کو پورا کرنے کا وعدہ کیا اور حضرت والا نے مئو جانا شروع فرما دیا۔

ایک بات یہ بھی ذہن نشین رہے کہ مئو کا حال اور وہاں کی جو فضا اب بنگئی تھی اس سے قبل ایسی نہ تھی حضرت والا کا وطن فتحپور تال نرجا قریب ہی تھا لیکن مئو سے صرف چند حضرات ہی وہاں حاضر ہوتے تھے، حضرتؒ کا بھی ابتدائی دور تھا ایک مولوی صاحب جو حضرت اقدس مولانا تھانویؒ کے غالباً مجاز بھی تھے حضرتؒ ان کے یہاں کبھی کبھی جاتے تھے اور مئو میں کسی سے کوئی خاص تعلق نہ تھا ادھر حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانوی بھی حیات تھے اور علماء کے مابین سیاسی اختلاف شباب پر تھا مئو سے کسی نے حضرت تھانویؒ کیخدمت میں کوئی گمنام خط بے ادبی کا لکھکر بھیجا تھا اس لئے حضرت والا کو اسکی بھی بہت زیادہ تکلیف تھی چنانچہ وہاں کے لوگ کبھی مئو لے چلنے کو کہتے بھی تو حضرت فرماتے کہ بھائی جس جگہ سے میرے شیخ کی بے ادبی کی گئی ہو وہاں میں کیسے جاؤں۔ مطلب یہ تھا کہ نفسانیت کا زمانہ ہے جب حضرت مولانا کیخلاف زبان کھولی جا سکتی ہے تو میں بھلا کیا چیز ہوں اس لئے اپنے آپ کو کسی فتنہ میں ڈالنا پسند نہیں کرتا ۔ یہ حال تو بہت پہلے کا تھا،

(اسفارِ مئو)

پھر بعد میں حضرت اقدس کی جانب لوگوں کا رجوعہ ہونے لگا یہاں تک وہاں کے اکابر علماء بھی حضرت سے ملے اور باہم پیام وسلام کا سلسلہ جاری رہنے لگا۔ اور مدرسۃ دارالعلوم کے ناظم مولانا محمد صاحب مرحوم اور وہاں کے اکثر مدرسین اور طلبہ کا تو حضرت والا سے تعلق ہی ہوگیا۔ اور مدرسہ مفتاح العلوم کے بھی بعض اساتذہ مثلاً ابوالمآثر محدث وقت حضرت مولانا حبیب الرحمان صاحب مدظلہٗ و حضرت مولانا عبداللطیف صاحب مفتاحی اعظمی مرحوم اور حضرت مولانا محمد ایوب صاحب شیخ الحدیث بھی حضرت والا سے محبت اور عظمت کے ساتھ پیش آتے تھے اور بہت سے حضرات نے تو اپنا اصلاحی تعلق بھی قائم کرلیا۔ حضرت والا کے قلب میں بھی ان سب حضرات کا احترام تھا جیساکہ آئندہ صفحات میں ذکر کئے ہوئے واقعات سے ظاہر ہے۔

اسی دور کا وہ واقعہ بھی ہے کہ حضرت والا نے (مئو کے کسی ہوٹل میں بیٹھ کر آپسی گفتگو میں کسی شخص کے حضرت کا تذکرہ بے ادبی کے ساتھ کرنے پر) موافذہ فرمایا تھا اور خواص اہل مئو کے نام ایک پیغام بھیجا' اور سب علماء اور سیٹھ صاحبان نے حضرت والا کی جانب سے اس شخص سے باز پرس کی بالآخر اس نے معافی مانگی۔ غرض سب نے اس معاملہ میں حضرت کی نصرت فرمائی۔

اس نوع کے واقعات بھی شاید اسی لئے پیش آئے ہوں کہ ان سے وہاں کے لوگوں کے انقیاد اور احترام کا اندازہ ہوگیا' بہرحال اب مئو کی فضا بالکل بدل چکی تھی اس لئے اب اس موقع پر جبکہ چند مخلصین نے پھر دعوت دی تو ارتفاع موانع کی بنا پر حضرت اقدس نے انکی درخواست منظور فرمالی اور مئو کا سفر شروع ہوگیا۔

ابتداءً کبھی حضرت والا وہاں کے حالات بیان فرماتے ہوئے یہ بھی فرماتے تھے کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ مئو کے حضرات بھی مجھے مانیں گے مطلب یہ تھا کہ میری جانب سے یا حضرت مولاناؒ کی جانب سے جو وہاں کے لوگوں کو ابھی بُعد ہے وہ انشاء اللہ

زائل ہوگا اور کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دیار کے خواص کو میری جانب متوجہ فرمادے جہاں کے عوام نے حضرت مولانا تھانوی کی بے ادبی کی تھی۔ فرماتے تھے کہ حضرت مولانا مسلمانوں کے نہایت ہی خیر خواہ تھے دل سے چاہتے تھے کہ دین و دنیا میں ترقی کریں مگر لوگوں نے محض اپنی نفسانیت کی وجہ سے انکو ایذار پہونچائی اللہ تعالیٰ کی بڑی قدرت ہے وہ یہ بھی کر سکتے ہیں کہ اب انھیں لوگوں سے حضرت تھانوی کے کسی خادم کی عزت بھی کرادیں۔ اور فرماتے تھے کہ ان شاء اللہ اگر کبھی مئو جانا ہوا تو حضرتؒ کی تعلیمات اور ان کے نام کو بلند کرونگا اور جو عزت مجھے حضرت ہی کی جانب سے ملی ہے اس کو حضرت کے نام کی سربلندی میں صرف کرونگا۔

یہ سب تو وہ حالات و واقعات تھے جو اپنے سامنے گذرے یا حضرت اقدسؒ نے بنفس نفیس ارشاد فرمائے اب آگے زمانۂ قیام مئو کے ملفوظات اور مجالس کی جو گفتگو پیش خدمت ہے اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ یہ راقم اسفار مئو میں حضرت والا کے ہمراہ نہ تھا بلکہ بعض ان احباب سے فرمائش کی جو ان مجالس میں شریک تھے کہ حضرت کی کچھ باتیں ہوں تو مجھے مطلع فرمائیں چنانچہ دو حضرات نے کچھ باتیں لکھکر ارسال فرمائیں اور باصرار منع فرمایا کہ میرا نام نہ لیا جائے بلکہ تم خود دیکھ لو اگر مناسب سمجھو تو اشاعت کردو ورنہ چاک کردو۔ بہر حال میں نے مطالعہ کیا اور اس نتیجہ پر پہونچا کہ انشاء اللہ تعالیٰ باتیں سب صحیح ہیں اور حضرت اقدس کے مزاج اور انداز کے مطابق معلوم ہوئیں اسلئے ناظرین کیخدمت میں بھی انھیں پیش کرنے کی جسارت کرتا ہوں۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ میری عرض کی ہوئی سابقہ تمہید کے ساتھ یہ باتیں اور باتوں کے مناشی خوب سمجھ میں آجائیں گے۔

یہ ملفوظات کیف ما اتفق ہیں نہ ان میں ملفوظات کی ترتیب ہے نہ دن و تاریخ کی بہر حال یہ ساری باتیں مختلف مواقع پر زمانۂ قیام مئو میں مختلف اسفار میں بیان فرمائیں ہدیہ ناظرین ہے۔

(خلاصۂ وعظ)

حضرت اقدس مخدومنا و مطاعنا مولانا فتح پوری دامت برکاتہم وعمت فیوضہم سہ شنبہ ۸ بجے ۲۰ رجمادی الاولیٰ ۱۳۸۱ھ جا بسا علی الکرسی، جامع مسجد شاہی ۔ مئو ۔ ضلع اعظم گڈھ

خطبۂ مسنونہ کے بعد آیت وذکر فان الذکریٰ تنفع المؤمنین تلاوت فرماکر اپنی بیاض خاص سے حضرت شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ کی تشریحات کتاب الیواقیت والجواہر کی عبارت سے اس آیت مذکورہ کی شرح اور توضیح کے لئے پڑھکر سنائی ۔

حضرت شیخ اکبرؒ کے ارشاد کا ماحصل یہ ہے کہ یہ آیت بتلا رہی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ کو تذکیر کا امر فرمایا جارہا ہے کہ آپ تذکیر کیجئے کیونکہ ذکریٰ مومنین کو نفع دیتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ جو مومن ہوگا اسکو وعظ ونصیحت سے نفع حاصل ہوگا (اسی ضمن میں آپ نے فرمایا کہ ذکر صیغہ امر کا ہے جو کہ وجوب پر دلالت کرتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ تذکیر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب تھی آپ اسکے مامور تھے اور حضورؐ کے بعد یہ منصب آپ کے خلفاء اور ورثا کا ہے) یعنی موعظہ پر مومن کے لئے اثر نفع کا ترتب ہونا یقینی ہے کیونکہ یہ کلام خداوندی ہے ہمکو اسکی تصدیق کرتے ہوئے اسپر یقین کرنا ضروری ہے ۔ خداوند تعالیٰ اپنے قول میں صادق ومصدوق ہیں اور تحقق کی علامت یہ ہے کہ اسکے مقتضیٰ پر عمل کریگا اور عمل کا وجود ہو جائیگا ۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ تذکیر سے بہتوں کو نفع نہیں ہوتا یعنی تذکیر کے بعد ان میں عمل کا داعیہ نہیں پیدا ہوتا ! پس کلام ربانی تو بالکل سچا ہے اسمیں توکسی ریب وشک کی گنجائش نہیں لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ اسکے ایمان میں نقص ہے یا ایمان ہی نہیں (جو عمل نہیں کرتا) ۔

چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذکریٰ فرماتے تھے تو صحابۂ کرام دل سے اسکی تصدیق کرتے تھے اور اس پر عمل پیرا ہو جاتے تھے اور جو منافق تھے وہ زبان سے توآمنا وصدقنا کہہ دیتے لیکن انکا دل یقین نہیں کرتا تھا اسلئے ان سے عمل کا صدور

نہیں ہوتا تھا پس عمل کا عدم صدور صاف بتلاتا ہے کہ وہ یا تو ناقص الایمان ہے یا اسکا ایمان اس سے مستور ہے یا ایمان سے یکدم عاری ہے۔

اہل اللہ کے کلام میں کوئی حرف رکھنے کی گنجائش نہیں ہوتی وہ حضرات تو منجانب اللہ کلام فرماتے ہیں اور بسا اوقات الفاظ بھی الہام شدہ ہوتے ہیں پس انکے کلام کو عرفا رہی ٹھیک طور سے سمجھ سکتے ہیں۔ غرضیکہ حضرت شیخ اکبر قدس سرہ کے اس کلام میں کوئی کلام نہیں کرسکتا ہاں صرف ایک موقع ہو سکتا ہے وہ یہ کہ کوئی کہے کہ نفع کے تحقق کے لئے عمل کا وجود کوئی ضروری نہیں، ہوسکتا ہے کہ ذکری اسے صرف ایمان کو نفع پہونچے اور عمل کا صدور نہ ہو پس باوجود عمل کے نہ پائے جانے کے بھی ذکری کے نفع کا تحقق ہوگیا۔ اسکے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ آپکے قول کے مطابق جب ایمان کو نفع ہوا اور یہ امر اجلی بدیہات سے ہے کہ ایمان اصل کے مرتبہ پر ہے اور اعمال فرع کے درجہ پر پس جب اصل کا وجود ہو جائے گا تو محال ہے کہ وہاں فرع نہ پائی جائے (جیسا کہ طلوع شمس کے بعد وجود نہار کا عدم ہونا محض باطل و محال ہے کما حقق فی موضعہ) پس یہ قول کہ نفع ایمانی کے بعد عمل کا وجود نہونا سراسر باطل اور بداہت کا انکار ہے اور یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ جب عمل کا تحقق نہیں ہورہا ہے تو اسکے ایمان کو بھی نفع نہیں ہوا اور یہ اسکے ناقص الایمان ہونیکی علامت واضحہ اور بینہ ساطعہ ہے۔ ایسی صورت میں ایمان کا دعویٰ کرنا بالکل جھوٹ ہوگا کیونکہ عمل کا وجود نہونا اسکے اس دعویٰ کا مکذب ہے اور ذکری کے بعد عمل کے وجود نہ ہونے کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ اسکو مخبر صادق ؐ کے کے قول وامر میں احتمال ہے، تردد و تذبذب ہے۔ دھکڑ پکڑ رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی فرمائی ہوئی باتوں پر بعض کو توکسل کی بنا پر اور بعض کو دنیوی غرض کیوجہ سے قصور رہتا ہے۔

اور ایک ذرا دقیق اور بہت ہی عمدہ بات ارشاد فرمائی کہ :—
کبھی تو سوال نفس ایمان کے متعلق ہوتا ہے مثلاً ایمان باللہ اور بالآخرت اور

جنت، دوزخ پر اذعان و یقین کرنا ایسی حالت میں نفع کا اثر بلا واسطہ ایمان پر پڑیگا اور اگر سوال اعمال سے ہے جیسے نماز روزہ حج زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تو اس صورت میں بھی اولاً تو اثر بلا واسطہ ایمان پر ہوگا اور اس کے واسطہ سے اعمال پہ ہوگا کیونکہ جب ایمان میں حرکت ہوگی تب اسکی برکت سے پھر اثر و نفع کا ترتب ہوگا اور عمل کی طرف قدم اٹھے گا ۔ حضرت ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ ایمان کی دو قسم ہے ایک تو ضروری دوسرے ایمان نظری ایمان ضروری وہ ہے جو بدیہی اور بلا کسی دلیل و برہان کے حاصل ہو یعنی اسکا حصول براہان پر موقوف نہ ہو اسکا حصول وجدانی بدیہی اور ضروری ہو از قبیل علم ضروری جیسے بصر میں رویت اور آذان میں سمع اور ید میں لمس اور بطش کی اور لسان میں نطق کی اور حرارت و برودت گرما اور سرما میں بلا کسی حجت کے معلوم اور محسوس ہوتی ہے اسی طرح مومن اپنے اندر ایمان ایسا پاتا ہے جیسے علوم ضروریہ پائے جاتے ہیں جسکی شان یہ ہوتی ہے کہ اگر انکو اپنے اندر سے خارج کرنا اور نکالنا بھی چاہے تو وہ اسپر قادر نہیں ہے اور ایمان نظری وہ ہے جو معلل بالعلۃ ہو یعنی اسکا حصول دلائل و براہین سے ہے پس ایسا ایمان شکوک و شبہات کی آماجگاہ رہتا ہے ۔ جہاں کوئی دلیل اسکے خلاف مل گئی وہ اسکے لئے قادح ہو جائیگی و جب دلیل میں قدح ثابت ہو جائیگا ۔ بلکہ حقیقت میں یہ ایمان ہی نہیں بلکہ یہ تو دلیل ایمان ہے جو اس سے الگ ہے اس سے معتزلہ کا رد ہو گیا جو کہ ایمان بالدلائل ہی کو نافع کہتے ہیں ۔ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی الفوز الکبیر میں فرمارہے ہیں کہ معقولیوں کا ایمان منافقوں جیسا ہے انکے ایمان میں جزم و یقین نہیں ہوتا اسلئے غیر معتبر ہوتا ہے ۔

" در انصاف ہیچ فرق نیست درمیان آنانکہ کلام آنحضرتؐ
بے واسطہ شنیدہ نفاق ورزیدند و درمیان آنانکہ الحال پیدا شدہ اند
و بطریق یقین حکم شارع معلوم کردہ اند، بعد ازاں بر ایثار خلاف آں
اقدام می نمایند و علی ہذا القیاس جماعۃ معقولیاں کہ شکوک و شبہات بسیار

بخاطر دارند و معاد را نسیًا منسیًا ساختہ اند نمونہ آں گروہ اند۔ ص۱۱

(ترجمہ : انصاف کی رُو سے کوئی فرق نہیں انکے درمیان جو کہ کلام آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو براہِ راست سنکر بھی نفاق کرتے تھے اور انکے درمیان جو فی زمانہ پیدا ہوئے ہیں کہ شارع علیہ السلام کا کا حکم بطریق یقین معلوم کرنے کے بعد بھی اپنے اختیار (و تاویل) سے اسکے خلاف اقدام کرتے ہیں ۔ اور اسی طرح معقولیوں میں سے بھی لوگ ہیں کہ بہت سے شکوک شبہات دل میں رکھتے ہیں اور آخرت کو نسیًا منسیًا کئے ہوئے ہیں، وہ بھی اسی گروہ کی مثل ہیں۔)

حضرت شیخ اکبرؒ فتنبہ یا اخی! اطلاق فرماکر ارشاد فرماتے ہیں" اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس طرح حاضر ہونا کہ اعمال تو ثقلین جن و انس کا ہو اور ایمان ناقص ہو اس سے تو کہیں بہتر یہ ہے کہ عمل تو قلیل ہوں مگر ایمان کامل لیکر حاضر ہو" اسپر حضرتؒ نے فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب کیخدمت میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب حضرت مولانا قاسم صاحب حضرت مولانا یعقوب صاحب حضرت مولانا تھانوی (قدس اللہ اسرارھم) جیسے علمائے متبحرین کس لئے گئے اور زانوئے تلمذ کیوں تہ کیا اور اد و وظائف اور ظاہری اعمال سیکھنے کے لئے گئے تھے؟ نہیں بلکہ اسلئے گئے تھے کہ انکی فیض صحبت سے ایمان میں کمال پیدا ہوگا اور اس میں جلاء و ضیاء پیدا ہوگی۔ یہ چیز کتابوں سے نہیں حاصل ہوتی یہ تو صرف صحبت کاملین ہی سے نصیب ہوسکتی ہے۔ اگر ایمان میں کمال نہیں پیدا ہوا بلکہ ناقص ہے تو اسوقت یہ ظاہری اعمال نافع اور مکمل تو کیا ہونگے بلکہ اور حاجب بن جائیں گے۔ اہل اللہ کے پاس یہی چیز حاصل کرنے کے لئے ملازمت کیجاتی ہے اور عرصہ تک قیام کیا جاتا ہے۔ مکاتیب رشیدیہ میں حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ کبھی پیر کو بھی مرید سے نفع پہونچتا ہے مگر یہ نفع نوافل وغیرہ میں ہو سکتا ہے کہ مرید نوافل واذکار پیر کی بہ نسبت کچھ زیادہ کرلے مگر ایمان و فرائض میں تو مرید شیخ ہی کا محتاج ہے

اور شیخ ہی سے اسکے ایمان میں کمال روشنی اور فرائض میں نفع ہو سکتا ہے ایمان و فرائض میں ہرگز مرید سے پیر کو نفع نہیں پہونچ سکتا۔

اسی سلسلہ میں فرمایا کہ — ایک بات میں کہتا ہوں جس کو کسی سے نہ سنا ہوگا اور نہ سنو گے، ایک مرتبہ ہمارے حضرت تھانوی قدس سرہٗ ہم سب خدام کے سامنے مثنوی کا یہ شعر پڑھنے لگے ؎

ہر کسے از ظن خود شد یار من — وز درون من نجست اسرار من

(ہر شخص اپنے وہم و گمان میرا دوست بنا ہے لیکن میرے باطن میں (چھپے) رازوں سے بیخبر ہے)

پہلا مصرعہ جب پڑھا تو ہم لوگ بہت خوش ہوئے کہ حضرت ہم لوگوں کو یارِ من اور اپنا دوست سمجھ رہے ہیں لیکن جب دوسرا مصرعہ پڑھا تب تنبہ ہوا کہ جس طریق پر حضرت لیجانا چاہتے ہیں اور جو چیز حضرت سے حاصل کرنا اور سیکھنا چاہیئے اسکی طرف کوئی متوجہ نہیں ہورہا ہے جو حاضری کا اصل مقصد ہے اس سے کوسوں دور ہیں۔

اسی سلسلہ میں فرمایا — ایک مرتبہ حضرت تھانوی نے فرمایا کہ یہ امراء و اغنیاء جو کچھ ہدایا و تحائف اور روپیہ پیسہ دیتے ہیں اس سے ایک گونہ خوشی تو ہوتی ہے کہ حوائج پورے ہونے کے اسباب ہیں مگر جو شخص کہ ہم سے دین سیکھ رہا ہے علوم و معارف اخذ کر رہا ہے اور ایمان میں کمال پیدا کر رہا ہے اتنی خوشی تھوڑا ہی اس ہدیہ وغیرہ سے ہوتی ہے کیونکہ یہ تو ہمارے دین و آخرت کا حامی ہے

پھر فرمایا کہ لوگ میرے بدن پر گرنا چاہتے ہیں اور اصل کام کی چیز نہیں سیکھتے اس سے کیا حاصل آجکل جلسہ وغیرہ کی کامیابی تکثیر سواد اور تکثیر جماعت کو سمجھ لیا گیا ہے جہاں بہت سے آدمی جمع ہو جائیں تو کہتے ہیں کہ جلسہ بہت کامیاب رہا حالانکہ باتوں کو سمجھکر کام میں لگ جانا اصل کامیابی ہے نہ کہ

ص۔ بعض دیگر مواقع میں فرمایا کہ ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں تحریر فرماتے ہیں کہ

بھیڑ بھکڑ مجھے تو یہ پسند ہے کہ اگر کام کے اور سمجھدار دس پندرہ آدمی بھی ملجائیں اور اپنے قیام گاہ ہی پر ان سے کچھ دین کی باتیں کرلوں اور وہ سمجھکر اسپر عمل پیرا ہوجائیں تو میں سمجھوں گا کہ کام ہوگیا بھلا کہیں صرف عمدہ عمدہ الفاظ سے کام چل سکتا ہے اور اس سے مقصود حاصل ہو سکتا ہے ؟ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

کامیابی تو کام سے ہوگی نہ کہ حسن کلام سے ہوگی
فکر اور اہتمام سے ہوگی ذکر کے التزام سے ہوگی

لفظ کامیابی مرکب ہے کام اور یابی سے اسمیں کام مقدم ہے اور یابی مؤخر جو مشیر ہے کہ اسکو کہ پہلے کام کروگے تب کہیں پاؤگے اور مقصد حاصل ہوگا۔ بس کام میں لگ جاؤ۔

آخر میں حضرتؒ نے حدیث شریف کی ایک دعا پڑھی جو سارے وعظ کا لب لباب اور خلاصہ ہے وہ دعا یہ ہے اللھم انی اسئلک ایمانا یباشر قلبی اے اللہ میں آپ سے سوال کرتا ہوں ایسا ایمان جو میرے قلب میں مباشرت کرے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ مباشرت کسے کہتے ہیں یعنی ایسا ایمان جو قلب میں حرکت دیتا رہے اور ایمان کی روشنی اور کمال کی برکت سے اعمال حسنہ کی توفیق اور اسکی طرف رغبت پیدا ہوتی رہے ۔؎

صہ فہم کھلتا ہے تین چیزوں سے اول صدق نیت، دوم تعظیم، سوم طعمۂ حلال، نیز فرمایا کہ کتاب کی فہم اور استعداد اور شے ہے اور اس طریق کا فہم امر آخر ہے ہو سکتا ہے کہ کسی کی کتابی استعداد تو اچھی ہو مگر اس طریق کا فہم نہ ہو ۔

؎ ۔ بعد میں مناجات مقبول کی تیسری منزل میں یہ دعا رکھولکر دکھائی اور ارشاد فرمایا کہ اللھم انی اسئلک ایمانا یباشر قلبی میں مباشر یعنی فاعل تو ایمان ہے اور محل مباشرت قلب ہے اور یہ بھی فرمایا کہ موجودہ ترجمہ میں یہ لکھا ہے کہ ایسا ایمان مانگتا ہوں جو قلب میں پیوست ہوجائے یہ ترجمہ بھی صحیح ہے لیکن میں اس سے بھی عمدہ ترجمہ کرونگا جو کہ مباشرت کے مفہوم کو خوب واضح کردے ۔ ۱۲

تشریح از مرتب

حضرت مصلح الامتؒ نے شاہی مسجد مئو کے وعظ میں جو ۲۰ ر جمادی الاول ۱۳۸۱ھ کو مجمع عام میں ہوا تھا کتاب الیواقیت والجواہر سے آیت تلاوت کردہ وَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ کی شرح کے سلسلہ میں حضرت شیخ اکبرؒ کی عبارت نقل فرمائی تھی ناقل وعظ نے اس بیان کا خلاصہ نقل کر دیا ہے پوری عبارت نقل نہیں کی تھی راقم نے مناسب سمجھا کہ اصل کتاب سے پوری عبارت اور اسکا مطلب خیز ترجمہ بیان کر دے تاکہ ناظرین کے لئے مزید افادہ کا باعث بنے اسلئے الیواقیت سے علامہ شعرانی کی وہ عبارت پیش کرتا ہوں وھو ہذا۔

وسمعتہ یقول ایضاً فی قولہ تعالیٰ وذکر فان الذکری تنفع المومنین اذا رایت یا اخی من یدعی کمال الایمان ویذکرہ الناس فلا تنفعہ الذکری فاعلم انہ فی ذلک الحال ناقص الایمان بمرۃ فان شہادۃ اللہ حق وھو الصادق وقد اعلمنا ان المؤمنین ینتفع بالذکری وقد راینا ھذا لم ینتفع فلا بد ان تقول ان ایمانہ تنوطأ عنہ تصدیقا للہ۔

فرماتے ہیں کہ میں نے سیدی علی خواصؒ سے آیہ کریمہ وذکر فان الذکریٰ تنفع المومنین کی شرح کے سلسلے میں سنا کہ فرماتے تھے کہ اے بھائی! جو شخص کمال ایمان کا دعویٰ کرے اور لوگ اسکو وعظ وتذکیر بھی کرتے ہوں مگر تذکیر سے اسکو نفع نہوتا ہو تو سمجھ لو کہ وہ اس صورت میں بالکل ناقص الایمان ہے اسلئے کہ اللہ تعالےٰ کی شہادت حق ہے اور وہ صادق ومصدوق ہے اور اسنے ہمکو بتلایا ہے کہ ایمان والوں کو تذکیر نافع ہوتی ہے اور اسکو ہم دیکھ رہے ہیں کہ پند وتذکیر سے ذرا نفع نہیں ہوا تو یقیناً یہ بات ہے کہ اسکا ایمان اس سے پوشیدہ ہے اور ہم ایسا کہنے پر اللہ تعالےٰ کی تصدیق کرنے کیوجہ سے مجبور ہیں۔

ولا معنی للنفع الا وجود العمل منہ وبالجملہ فلا تری احداً یتوقف بما امر بہ الا وفی نفسہ احتمال۔ ومن قام لہ فی شیء اخیرہ الصادق بہ احتمال

پھر یہ سمجھو کہ نفع ایمانی کے کوئی معنی نہیں سوائے اسکے کہ اس سے اسکے مطابق عمل پایا جارہا ہے حاصل یہ کہ تم کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کے احکام میں عمل کرنے میں توقف کرتا نہ پاؤ گے مگر اسوجہ سے کہ اسکے نفس میں اسکے بارے میں کچھ شک شبہ اور دھکڑ پکڑ ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ جو صادق

فليس هو بكامل الايمان
مع انك لو سالته لقال
لا شك في صدق ما اخبرنا
الله به ورسوله ...

- - - - - - -

فتنبه يا اخي لنفسك فانك
لان تاتي الله تعالى وانت
كامل الايمان من غير كثير
عمل خير لك من ان
تاتيه باعمال الثقلين وفي
ايمانك ثلمة ونقص۔
فعلم كما قاله الشيخ
في الباب التاسع والخمسين ومائة
ان الايمان علم ضروري يجده
المومن في قلبه لا يقدر على
دفعه وكل من آمن من دليل
فلا وثوق بايمانه كما ذكرنا
في مقدمة هذا الكتاب۔ و
ذلك لان صاحب الدليل
معرض للشبهة القادحة
في ايمانه اذ هو ايمان
نظري لا ضروري والنظري
صاحبه اسير الدليل وكل

ہیں انکے حکم میں جو اس نوع کا تردد کرے اس کا
ایمان کامل نہیں ہے حالانکہ اگر تم خود اس سے دریافت کرو
تو وہ بڑے دعوے کیساتھ کہیگا کہ اللہ و رسول کی خبر
دی ہوئی باتوں میں مجھے ذرا شبہ نہیں ہے تو پھر عمل
کیوں نہیں ہوتا ہے۔

بس اس سے اے میرے بھائی! تم اپنے
لئے تو یہ سبق لے ہی لو کہ تم اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہو
اس حال میں کہ تم کامل الایمان ہو (عمل چاہے بہت
نہوں) یہ اس سے کہیں اچھا حال ہے کہ تم ثقلین
(تمام جن و انس) کا عمل لئے ہوئے جاؤ مگر تمھارے
ایمان میں کچھ نقص اور کھوٹ ہو

پس جیسا کہ شیخ اکبر نے ۵۹ ویں باب میں فرمایا ہے
یہ بات معلوم ہوئی کہ ایمان ایک علم ضروری شے ہے
(نظری اور استدلالی نہیں ہے) جس کو کہ ہر مومن
اپنے قلب میں ایسا راسخ پاتا ہے کہ اسکے دفع پہ
وہ قادر نہیں ہے اور جو شخص ایمان میں دلیل کا
محتاج ہوتا ہے تو اسکے ایمان کا کچھ بھروسہ نہیں
جیسا کہ ہم نے اس کتاب کے مقدمہ میں اسکو بیان
کیا ہے اور یہ اس لئے کہ دلیل والا کسی نہ کسی شبہ
میں پڑا ہوتا ہے جو اسکے ایمان کے لئے نقص کی
بات ہوتی ہے اسلئے کہ یہ ایمان تو نظری ہو جاتا
ہے ضروری نہیں رہ جاتا اور نظری چیز کا حال یہ ہے
کہ اسکا صاحب دلیل کا اسیر ہو جاتا ہے اور پھر جو

ترجح عنده في وقت نزل
ما كان عليه قبل ذلك
ولهذا لا يشترط في وجود الرسالة
اقامة الدليل للمرسل اليه
ولذلك لم يجد مع وجود الدليل
وقوع الايمان من كل احد
بل من بعضهم ۔ فقط
فلو كان لنفس الدليل
نعم ونراه ايضاً يجد من
لم يرد ليلاً فدل على ان
الايمان انما هو نور يقذفه الله في قلب
من يشاء من عباده لا بدليل ۔
ولذلك قلنا لا يشترط فيه
وجود دليل ۔ وقد ذكر نحو ذلك
الشيخ محي الدين في الباب
التاسع والخمسين ومائة ۔ قال
فقد نبهتك على سر غامض لا يعرفه
كل احد فاحتفظ ۔ والله تعالیٰ
اعلم ۔ (اليواقيت ص۱۳۹ ج ۲)

بات اسکے نزدیک کسی وقت راجح ہوئی تو وہ اپنے
پہلے خیال سے باز آجائیگا ۔ یہی وجہ تو ہے کہ وجود رسالت
میں اقامت دلیل شرط نہیں ہے مرسل الیہ کیلئے۔
چنانچہ دلیل کے بعد ہر ایک شخص ایمان لے ہی آوے
ایسا نہیں ہوتا بلکہ صرف کوئی ہی کوئی ایمان لے آتا
ہے تو اگر ایمان بالرسالۃ نفس دلیل کے ساتھ مربوط ہوتا
تو اسکا نفع عام ہونا چاہیئے یعنی سب ہی لوگ
ایمان لے آتے حالانکہ ایسا نہیں ہوتا ۔
بلکہ ہم تو دیکھتے ہیں کہ ایمان اس شخص میں پایا جاتا ہے
جس نے دلیل بالکل نہیں دیکھی ہوتی اس سے معلوم
ہوا کہ ایمان ایک نور کا نام ہے جسکو اللہ تعالیٰ
جسکے قلب میں چاہتا ہے بلا دلیل کے عطا فرما دیتا ہے
اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ ایمان کے لئے دلیل
کا ہونا شرط نہیں ہے ۔ شیخ اکبرؒ نے بھی
۱۵۹ ویں باب میں اسی کے مثل بیان
فرمایا ہے ۔ اور یہ فرمایا ہے کہ ـــــ
اے میرے بھائی! دیکھو میں نے تمکو ایک
غامض سر کیجانب متوجہ کردیا ہے جسکو ہر شخص نہیں جانتا
لہٰذا اسکو خوب اچھی طرح یاد رکھنا ۔

شاہی جامع مسجد کا یہ وعظ ہمارے ایک محترم بزرگ کے قلم کا لکھا ہوا ہے جو اس
وعظ میں خود بھی موجود تھے اب اسکے بعد ایک دوسرے مولوی صاحب محترم کی
تحریر پیش خدمت ہے جنھوں نے مواعظ کی باتیں ملفوظ کے انداز پر تحریر فرمائی ہیں اور
نمبروار حضرت کے ۱۲ ملفوظات مفیدہ سے ہمیں مستفید فرمایا ہے فجزاہ اللہ خیر الجزاء

(واقعات وحالات مئو ناتھ بھنجن اعظم گڈھ)

(۱) فرمایا کہ ——— مئو کے حضرات علمار کرام سے پوچھئے کہ میرے علم کے بارے میں وہ کیا فرماتے ہیں اور اس امر پر ہم خدام نیچے اترے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ مئو میں علی العموم بازار کے قریب ہی ایک مکان میں فروکش ہوا کرتے تھے۔ بازار سے گذر ہی رہے تھے کہ اتفاق سے مئو کے ایک معمر اور بڑے عالم جناب مولانا ضمیر احمد صاحب قدسی (رحمۃ اللہ علیہ) سے ملاقات ہوگئی اور آپ سے عرض کیا گیا کہ حضرت مئو کے علمائے کرام سے یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ میرے علم کے بارے میں کیا خیال رکھتے ہیں؟ اور اسی کام کے لئے انھوں نے ہمکو بھیجا ہو پس چونکہ آپ بھی یہیں کے علمار میں سے ہیں لہٰذا آپ اپنا خیال ظاہر فرمائیں

تنبیہ: مولانا موصوف مشہور عالم حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی رحمۃ اللہ کے ہم سبق تھے، اور حضرت علامہ جناب مولانا محمود حسن صاحب شیخ الھند دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں سے تھے، فن ادب اور منطق میں خصوصی مہارت رکھتے تھے اور ساری زندگی تقریبا درس وتدریس میں گذاری ابتدائی دور میں علمائے ظاہر کی طرح حالات تھے لیکن بعد میں اور خاصکر حضرت اقدس مولانا فتحپوری قدس العزیز کے بار بار ورود مئو سے اور حضرت کی مجالس اور صحبت مبارکہ سے کچھ اور رنگ چڑھ گیا تھا اور حضرت کے بیحد معتقد بلکہ خوشہ چین ہوگئے تھے اور نہایت ہی عزت واحترام اور عجز واخلاص اور فروتنی کے ساتھ حضرت کیخدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

آپ اس سوال کرنے پر سہم گئے اور فرمانے لگے حاشا وکلا میں اس کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا میری کیا ہمت اور مجال کہ حضرت کے بارے میں کوئی رائے دوں یا کلام کروں میری عقل وفہم اور ادراک سے یہ امر بالاتر ہے مگر ہم خدام نے اصرار کیا کہ الامر فوق الادب جب حضرت خود ہی ارشاد اور امر فرما رہے ہیں تو

ایسی صورت میں سکوت کرنے سے حضرت کو انتظار باقی رہے گا اور اس سے قلب و دماغ کو تشویش ہوگی اسلئے کچھ نہ کچھ فرما ہی دیجئے" تاکہ ہملوگ اسکا جواب جاکر پیش کرسکیں۔ تب آپ نے فرمایا کہ "علماء ظاہر کا علم خبری علم ہے اور اہل اللہ کا علم نظری علم ہے نظر کے معنی یہاں پر رویت اور دیدن کے ہیں کہ ——

ع "قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید" کے معنی یہی ہیں"۔ بس ہم خدام یہی جواب سنکر اور لیکر وہیں سے لوٹ آئے اور آگے نہیں بڑھے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے مولانا موصوف کے حوالہ سے یہ جواب من وعن نقل کر دیا گیا سنکر بیحد مسرور بلکہ محظوظ ہوئے اور فرمایا اب پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے

(۲) فرمایا کہ —— عام طور پر علماء کے نزدیک یہ معروف و مشہور ہے کہ مشہور عالم حضرت ملا علی قاری مکی رحمۃ اللہ علیہ شارح مشکوٰۃ و صاحب مرقاۃ بہت بڑے محدث اور فقیہ تھے اور یہ بھی واضح رہے کہ وہ اسکے ساتھ ساتھ بہت بڑے عارف باللہ اور صاحب معرفت و ولایت تھے، وہ فرماتے ہیں کہ دین کی سمجھ کھلتی ہے تین چیزوں سے اور ضمناً یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ ایک سمجھ ہے کتاب کی اور ایک سمجھ ہے دین کی۔ پس دونوں میں لزوم نہیں لہٰذا ہو سکتا ہے کہ کسی کو کتاب کی فہم تو خوب ہو مگر دین کی فہم سے خالی اور عاری ہو۔

پس دین کی فہم کھلنے کے لئے تین شرطیں ہیں پہلی شرط حسن نیتؔ ہے کہ جو کام بھی کرے اور جو ریاضت اور مشقت برداشت کرے اسکی غرض و غایت صرف رضاء خداوندی ہو اسکے علاوہ اور کسی قسم کا خیال بھی نہ آنے پائے۔ اور دوسری شرط طعمہ۲ حلال ہے یعنی شکم میں جو کھانا پانی جائے وہ حلال اور طیب ہو اور تیسری شرط تعظیم۳ و حرمت ہے۔ اس پر مخاطب نے حضرت سے عرض کیا کہ تعظیم اور حرمت دونوں ہم معنی ہیں پس یہ تو اضافۃ الشئی الیٰ نفسہ ہوگئی اسکا مطلب سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔ تب حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اسکا مطلب ہے کہ مثلاً کوئی کتاب بازار میں دوچار روپیہ قیمت پر ملتی ہے اور کسی شخص کو کسی بادشاہ صاحب جلال

نے دعوت دی اور نہایت عزت و احترام سے اپنے شاہی قصر میں لے گیا
اور قسم قسم کی نعمتیں کھلائیں اور آخر میں وہی کتاب جو بازاروں میں چار روپیہ میں
ملتی ہے اس نے نہایت عزت و احترام سے اسکو ہدیۃً پیش کیا تو اب کتاب کی
قیمت اور وقعت کتنی بڑھ جائیگی کہ اسکی نسبت ایک صاحب جلال و جبروت
بادشاہ کیطرف ہوگئی جیسے بقاء عبد السلطان میں عبد کی نسبت سلطان کیطرف
ہونے سے کسقدر عبد کی رفعت زیادہ ہوگئی پس اسکا مطلب یہ ہوا کہ شیخ اور
اپنے مصلح کیطرف سے جو چیز بھی اسکو ملجائے اسکو دنیا و ما فیہا سے بڑھکر اور
بہتر سمجھے اور اسکو حرزِ جاں بنالے ۔

(۳) حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ورودِ مئو کے موقع پر آس پاس کے شہروں
اور مضافات مئو کے بھی اکثر حضرات استفادہ کے لئے چلے آیا کرتے تھے گورکھپور
سے بھی چند حضرات کا معمول تھا کہ بہت توجہ اور پابندی کے ساتھ مئو میں حضرت
کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے انھیں حضرات میں سے ایک صاحب شکار وغیرہ
کا بہت شوق رکھتے تھے اتفاق سے حضرت کی مئو میں تشریف آوری کے وقت
وہ شکار میں چلے گئے اور مئو میں حاضر ہونے والے احباب سے اپنا سلام اور نہ آنیکا
عذر کہلایا ۔ جب انھوں نے حضرت کیخدمت میں انکا سلام پہونچایا اور یہ بھی کہا کہ وہ
شیر کے شکار کے لئے اسوقت چلے گئے ہیں اسوجہ سے حاضر خدمت نہیں ہوسکے اپر
حضرت نے معًا فرمایا کہ ان سے کہدیجئے کہ پہلے اپنے نفس کا شکار کریں اسکے بعد
کوئی اور شکار کریں اسمیں تنبیہ فرمائی گئی کہ جب تک اہل اللہ کے پاس اخلاص اور
استقلال سے حاضر نہیں ہونگے کام بننا مشکل بلکہ دشوار اور محال ہے اور حضرت
یہی چاہتے تھے کہ میرے پاس آنے والے حضرات محبت و معرفت کے نور سے معمور
اور اس سے بھرے ہوئے رہیں ۔ چنانچہ کبھی کبھی فرمادیا کرتے تھے کہ آپ لوگ
اس طرح رہیئے کہ دیکھنے والے خود سمجھ جائیں کہ یہ اور قسم کے لوگ ہیں ۔ جیسا کہ
فارسی کی مثل مشہور ہے کہ مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید ــــ والفضل

ما شهدت به الاعداء۔

(۴) ایک مولوی صاحب جو کہ مئو کے ایک مدرسہ میں مدرس تھے اور حضرت سے شرف بیعت بھی حاصل کئے ہوئے تھے انھوں نے ایک خط حضرت کے پاس اس مضمون کا بھیجا کہ کانپور کے ایک ماہانہ رسالہ کے مدیر اور کارکن اپنے رسالہ میں شایع کرنے کے لئے مجھ سے مضمون مانگا کرتے ہیں اور میرے خیال میں اب تک کوئی مضمون نہیں آیا اب حضرت کی مجالس میں شرکت کے بعد قلب میں یہ داعیہ پیدا ہوا ہے کہ حضرت کی فرمائی ہوئی باتوں کو اور ارشادات کو "اللہ والوں کی باتیں" کا عنوان دیکر مضمون انکو بھیجدوں اگر حضرت والا اجازت عنایت فرمائیں۔

اس خط کو پڑھکر حضرت کو ایک انقباض اور تکدر پیدا ہوگیا اور اپنے ایک آدمی کو بلاکر فرمایا کہ فلاں صاحب نے اس مضمون کا خط میرے پاس بھیجا ہے ان سے جاکر کہئے کہ میں مئو میں اسی لئے آتا ہوں کہ مضمون نگاری سکھاؤں؟ اور آپ کسکی اولاد ہیں؟ یہ مولوی صاحب مئو کے ایک زبردست عالم کے صاحبزادے تھے جو کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ رشید اور حضرت چاند شاہ صاحبؒ ٹانڈہ ضلع فیض آباد کے خلیفۂ خاص تھے۔

حضرتؒ کے آدمی آپ کے پاس مدرسہ کی درسگاہ ہی میں جاکر ملے اور انسے ان کے خط کا اور حضرت کے انقباض اور تکدر کا حال بیان کیا تو وہ اکدم سہم گئے اور خائف ہوکر بہت ہی پچھتانے لگے اور حیرت زدہ اور گویا کہ مبہوت سے ہوگئے ان سے پھر دوبارہ حضرت کے ذوق کے مطابق خط لکھنے کو کہا گیا تو کہنے لگے کہ میرے ہاتھوں اور انگلیوں میں ایسا معلوم ہورہا ہے کہ طاقت ہی نہیں اور نہ کسی قسم کا مضمون لکھنے پر قادر ہوں، بڑی مشکل سے بہت اصرار اور بار بار کے کہنے پر پھر دوبارہ اس مضمون کا خط لکھا کہ "اب تک بندہ جس چیز کو علم سمجھے ہوئے تھا وہ حضرت کے فیض سے معلوم ہوا کہ سراسر جہل ہے اور جس کو نور سمجھے ہوئے تھا

اب معلوم ہوا کہ وہ ظلمت ہے اور جسکو آب حیات جانتا تھا اب معلوم ہوا کہ زہر ہلاہل ہے اب انشاء اللہ بندہ ایسی چیزوں سے پرہیز کرے گا اور اسکی قلبی تمنا ہے کہ حضرت والا سے میرا تعلق ویسا ہی ہو جائے جیسا کہ حضرت والد صاحب مرحوم ومغفور کو اپنے شیخ ومرشد حضرت اقدس چاند شاہ صاحبؒ سے تھا" یہ خط ان سے لکھوا کر حضرت والا کی خدمت میں پیش کیا گیا پڑھتے ہی انشراح تام ہوگیا اور نہایت ہی محظوظ اور مسرور ہو کر فرمایا کہ ہاں اب ٹھیک لکھا ہے -

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نفس کو کسی چور دروازے سے بھی قلب کے اندر گھسنے نہیں دینا چاہتے تھے اور ہر وہ چیز جو ظاہر میں جسقدر بھی دیدہ زیب اور مرصع اور مزین ہوا اور اسمیں کسی طرح اور کسی گوشہ سے بھی نفس کا کید کام کر رہا ہو تو فوراً ہی اسکی گوشمالی فرما کر اسکی تمام چالوں کو نسیاً منسیاً اور ملیا میٹ فرما دیا کرتے تھے - چنانچہ حضرت کا مخصوص جملہ تھا کہ مجھکو جلسہ جلوس میں نہ لیجاؤ میں پٹیا پہاڑ کھدونگا - اللہ تعالیٰ حضرت کے درجے کو بال بال اونچا کریں - امطر اللہ علیہ شآبیب رحمتہ -

(۵) ایک مولوی صاحب حضرت سے تعلق رکھتے ہیں انھوں نے ایک عربی رسالہ سے جو اسی صوبہ کے صدر مقام سے شایع ہوتا ہے کچھ باتیں از قبیل اذکار وادعیہ اس رسالہ سے نقل کر کے حضرت کیخدمت میں پیش کر دیا اور اتفاق سے وہ یہ لکھنا بھول گئے کہ ان کو بندہ پڑھے تو کیسا ہے؟ حضرت نے اس تحریر کو دیکھنے کے بعد اپنے ایک آدمی سے جو عالم ہیں، ان کے پاس کہلوایا کہ کیا انھوں نے ان دعاؤں کو میرے پڑھنے کے لئے لکھا ہے؟ اس بات کو سنکر لکھنے والے مولوی صاحب نہایت پریشان اور ششدر اور نادم ہوئے اور اپنا عذر پیش کیا اور اپنی غلطی کا اقرار کیا کہ حاشا وکلا یہ مقصود نہیں تھا جیسا کہ حضرت نے فرمایا ہے - ہاں اپنے پڑھنے کے لئے پوچھنا مقصود تھا جو سہواً لکھنے سے رہ گیا - بات رفع دفع ہوگئی ——

حضرتؒ نے اپنی مجلس میں جو علی العموم مئو کی شاہی مسجد کٹڑہ میں ہوا کرتی تھی اسی مذکورہ امر یا غلطی پر پوری مجلس فرمائی اور صراحۃً اور اشارۃً فرماتے رہے کہ بعض لوگوں کو اپنے تقویٰ کا غرہ ہو جاتا ہے یہانتک کہ اپنے شیخ تک کے بھی خیال اور ادب سے غافل ہو جاتے ہیں۔ اور حسب عادت کتابوں سے انکے نظائر پیش کئے کہ اس قسم کی چیزیں اس طریق میں نہایت مضر بلکہ مہلک ہیں۔

مجلس ختم ہونے کے فوراً ہی بعد اس خط لکھنے والے مولوی صاحب سے فرمایا کہ یہ سب باتیں میں نے آپ ہی کے اوپر کہی ہیں۔ سبحان اللہ۔ کیا تھی شفقت اپنے ماننے والوں پر اور تعلق رکھنے والوں پر کہ ایک غبار اور دھبہ بھی اپنے لوگوں پر دیکھنا نہیں چاہتے تھے بلکہ پوری صفائی اور ظاہر و باطن کے فضائل اور محاسن سے انکو پُر رکھنا چاہتے تھے۔

(۶) حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ذکر کے ساتھ ساتھ علم کی اور خاصکر تفقہ فی الدین کی بہت زیادہ حرص رہا کرتی تھی بغیر علم کے ذکر کرنے والوں کو وظیفچی کے خطاب سے نوازتے تھے۔ مئو کے مشہور مدرسہ دارالعلوم کے عالم جو اس مدرسہ کے صدر مدرس تھے اور حضرت کے متوسلین میں سے تھے ایک روز حضرت کے جائے قیام پر شب کے وقت جبکہ حضرت کے تنہائی کا وقت تھا تو اسوقت انھوں نے حضرتؒ سے عرض کیا کہ بندہ ایک مشورہ کی غرض سے حاضر ہوا ہے وہ یہ کہ مدرسہ میں اکثر و بیشتر چپقلش اور اختلافات رہا کرتے ہیں جو فتنہ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور قلب کا سکون جاتا رہتا ہے اسلئے بندہ چاہتا ہے کہ مدرسہ کی ملازمت ترک کر دے اور اللہ تعالےٰ رزق کا کوئی سامان مہیا کر دینگے۔ اس کہنے پر حضرتؒ چونک گئے اور گویا کہ سنبھل کر ان سے فرمانے لگے کہ میں کبھی بھی درس و تدریس اور مدرسہ کی ملازمت کو ترک کرنے کی رائے نہیں دونگا کون سا مدرسہ اختلاف اور فتنہ سے خالی ہے اگر سب حضرات یہی کہکر کہ اختلاف ہو گیا ہے درس و تدریس اور تعلیم و تعلم چھوڑ دیں تو یہ کتابیں کون پڑھائے گا اور سارا دین ہی مختل ہو جائے گا۔ مجھکو آپ حضرات، جو کچھ دین کا کام

کر رہا ہوں دیکھ رہے ہیں میں نے بھی تو انھیں مدرسوں میں پڑھا ہے اور وہیں سے علم سیکھ کر دین کی خدمت کر رہا ہوں۔ ہاں اتنا کہونگا کہ آپ خود اختلاف میں نہ پڑیں ان فتنوں اور چپقلش سے اپنی طاقت بھر الگ رہیں اور اپنے ضروری کام میں مشغول رہیں۔ اسمیں حضرتؒ نے تمام علماء مدرسین کو گویا ایک راہ بتلادی کہ اس فتنہ کے دور میں بھی بغیر تعلیم و تعلم کے دین کا کوئی کام نہیں ہو سکتا اور اگر ہوگا بھی تو کالعدم بلکہ مضر اور مہلک۔

(۷) حضرت مولانا ضمیر احمد صاحب قدسی مرحوم و مغفور جنکا حال ع۱ میں بیان ہوچکا ہے انکا مکان مئو کی جامع مسجد شاہی کٹرہ سے بالکل ہی متصل اور ملا ہوا ہے حضرت کی مجلس جامع مسجد مذکور میں زیادہ تر صبح کے وقت ہوا کرتی تھی ایک روز مجلس کے ختم ہونے کے بعد حاضرین گذر رہے تھے مولانا مرحوم کا دروازہ سڑک کے بالکل سامنے ہی تھا گذرنے والے حضرات میں سے ایک مولوی صاحب کو مولانا مرحوم نے بلایا اور ان سے فرمانے لگے کہ میں نے منطق پچاس برس تک پڑھائی ہے اور اسمیں زندگی کھپائی ہے مگر اب اہل اللہ اور عرفاء کی مجلس میں بیٹھنے اور ان حضرات کی نصیحتوں کو سننے کے بعد یہ حقیقت کھل گئی کہ یہ سب منطق وغیرہ سراسر جہل اور نادانی ہے صحیح علم اور معرفت صرف اللہ والوں کے پاس ہے جو زبان سے تجاوز کرکے قلب میں اور بال بال اور رونگیں رونگیں میں پیوست ہو جاتی ہیں چنانچہ مولانا موصوف کا یہ حال تھا کہ جب جامع مسجد کٹرہ میں حضرت کی مجلس میں شرکت کے لئے حاضر ہوتے تھے تو نہایت ہی معمولی اور مسکین کی شکل میں آتے تھے اور کبھی کبھی تو روتے ہوئے نہایت عاجزی اور ابتہال کے ساتھ حضرت سے عرض کرتے تھے کہ دعاء فرمائیں کہ یہ دنیا سے خالی نہ جائے تو حضرت نہایت ہی شفقت سے انکے جسم پر ہاتھ رکھکر دعائیں دیتے تھے۔

مئو کے لوگ چونکہ بہت زیادہ حضرت سے ملنے کے لئے ٹوٹتے تھے چنانچہ حضرت خود فرماتے تھے کہ مئو کے لوگ جب تک تیرہ مرتبہ مصافحہ نہیں کر لیتے ہیں تب تک

چین نہیں ہوتا اسلئے خدام نے یہ انتظام کیا تھا کہ بعد مجلس کے جب حضرت اپنی قیام گاہ پر تشریف لا چکتے تو سب کو ملنے کی اجازت تھی اور اسوقت سبھی حضرات آکر ملتے مصافحہ کرتے اور چلے جاتے بیٹھنے کا موقع نہیں تھا ایک نشست قیام گاہ پر بعد مغرب ہوا کرتی تھی جسمیں مئو کے علماء و فضلاء علی العموم تشریف لاتے اور حضرتؒ کے انفاس قدسیہ سے بالخصوص مستفید اور مستنیر ہوتے تھے مگر مولانا ضمیر احمد صاحب ہمیشہ صبح والی ملاقات کے وقت عام لوگوں کے ساتھ نہایت ہی معمولی ہئیت میں ایک معمولی کرتا اور تہمد باندھے ہوئے حضرتؒ کیخدمت میں حاضر ہوتے تھے اور عام لوگوں کی طرح صرف مصافحہ کرکے چلے جاتے کوئی نمایاں حالت مطلقاً نہیں ہونے دیتے تھے۔ مولانا موصوف کا حضرت کی زندگی ہی میں انتقال ہوگیا۔ اسکے کچھ عرصہ کے بعد حضرتؒ کے ایک آدمی صبح کی نماز کے بعد جبکہ وہ ایک مسجد میں بیٹھے ہوئے اپنے کاموں میں مشغول تھے تو کیا دیکھتے ہیں کہ مولانا ضمیر احمد صاحب کی صورت مثالیہ انکے سامنے کھڑی ہے اور ہئیت یہ ہے کہ کمر سے لیکر سر تک جسم ہے نہایت عمدہ صافہ باندھے ہوئے ہیں اور نہایت خوبصورت چہرہ ہے پان بھی کھائے ہوئے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ اے فلانے مجھکو جو تم اس حال میں دیکھ رہے ہو یہ تمہارے حضرت مولانا فتحپوری دامت برکاتہم کی دعاؤں کی برکت ہے۔ تین مرتبہ یہی بات فرمائی اور پھر جسم غائب ہوگیا تو انھوں نے یہ سب باتیں لکھکر حضرت کو پیش کیں تو حضرتؒ نے اسکے جواب میں تحریر فرمایا کہ اسمیں میرے ماننے والوں کے لئے تبشیر ہے اور نہ ماننے والوں کے لئے تنذیر ہے اور یہ بھی فرمایا کہ اسوقت یہاں جو مولوی صاحبان ہیں ان سب لوگوں کو یہ تحریر دکھا دیجئے

(۸) مئو کے بعض حضرات نے کہا کہ حضرت کی باتیں بہت ہی عمدہ اور گہری اور اونچی ہوتی ہیں مگر بہت سی باتیں ہمکو سمجھ میں نہیں آتیں۔ یہ بات حضرتؒ تک بھی پہونچ گئی حضرت بعد نماز عصر ٹہلنے کے لئے جایا کرتے تھے اور اپنے ساتھ جسکو چاہتے تھے لوالیجاتے تھے اس روز اتفاق سے مئو کے اکثر علماء ساتھ تھے کچھ دور رکشا وغیرہ پر بیٹھکر جاتے اور پھر اتر کر ٹہلنے لگتے تھے بس اسی پیدل چلنے کیحالت میں حضرتؒ رفقاء سے فرمانے لگے

کہ لوگ کہتے ہیں کہ میری باتیں انکی سمجھ میں نہیں آتیں کیا میں جاپانی یا دیگر زبان میں کلام کرتا ہوں اردو ہی میں تو بولتا ہوں مگر بات یہ ہے، اس کہنے کے بعد ایک فارسی کا شعر پڑھا سہ

قومے ز وجودِ خویش فانی رفتہ ز حروف در معانی

یعنی یہ اللہ والوں کی جماعت ایسی ہے جس نے اپنے ظاہری وجود کو فنا اور ختم کر دیا ہے اللہ کے لئے مٹا دیا ہے اور یہ حضرات حروف یعنی ظاہر سے گذر کر معانی یعنی حقیقت میں پہونچ گئے ہیں، یعنی لفظ سے گذر کر اسکے مطالب میں پہونچے ہوئے ہیں اور وہی مطلب کی اور مغز کی حقیقی باتیں فرماتے ہیں اور جو لوگ اصحاب ظواہر ہیں وہ ابھی لفظ ہی میں پڑے ہوئے ہیں اسی لئے انکے پلے کچھ باتیں نہیں پڑتیں اور پھر اسی امر کو ایک مجلس میں جامع مسجد کٹرہ کے اندر فرمایا' وہ بھی فارسی کا ایک شعر ہے سہ

تو نہ دیدی گہے سلیمان را چہ شناسی زبان مرغاں را

یعنی تم نے کبھی نہیں دیکھا سلیمان (یعنی مرد کامل و عارف) کو تو تم چڑیوں کی زبان کیسے جان سکتے ہو۔

(۹) ایک روز مغرب بعد کی مجلس میں فرمایا کہ جو تقرب مع اللہ نماز فرائض وواجبات میں حاصل ہوتا ہے وہ تقرب سنن ونوافل میں حاصل نہیں ہو سکتا مگر شیطان اور نفس کا اغوار اور اضلال یہ ہے کہ لوگوں کے قلوب میں سنن ونوافل کا درجہ اور وقعت زیادہ پیدا کر دیا ہے اور فرائض وواجبات کے درجہ کو اور وقعت کو گھٹا دیا ہے ۔ چنانچہ اگر کوئی نماز فرائض خوب دل لگا کر اور ہر چیز کا اہتمام کر کے اخلاص اور استقامت سے ادا کرے تو لوگوں کی نظر میں اسکی وقعت اور عزت اتنی نہیں ہوتی جسقدر کہ اگر معلوم ہو جائے کہ یہ تہجد گذار ہے اور برابر تہجد پڑھا کرتا ہے ۔ پس یہ بھی شیطان کا بڑا اغوار ہے کیونکہ ہر شخص کو اسی کے رنگ میں بہکانے کی کوشش کرتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں بھی ہے کہ شیطان نے حق سبحانہٗ تعالیٰ سے کہا کہ قسم ہے آپ کے عزت وجلال کی کہ میں ابن آدم کے بہکانے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھونگا جب تک کہ وہ زندہ رہیں گے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ عالم کو علم کے

رنگ میں اور جاہل کو جہالت کے رنگ میں اور عابد کو عبادت کے رنگ میں انکے ذہنوں اور دماغوں کو خراب کرنے کی کوشش کریگا کیونکہ ایک عالم اور عابد کوئی گندہ اور گرا ہوا کام تو کر نہیں سکتا شیطان اس سے مجبور ہے تو سوچتا ہے کہ ان سے کم ازکم یہی کام کرادو تاکہ یہ اپنے درجہ سے ہٹ جائیں اور گرجائیں اور مقصود تک پہونچنے نہ پائیں یا کم ازکم رکاوٹ ہی ہو جائے ۔

اور پھر مئو کے مشہور و معروف عالم و محدث حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب سے فرمایا کہ آپ اس مضمون کو مسجد میں بھی بیان فرمادیں چنانچہ نماز عشار کے وقت مولانا موصوف نے جبکہ مصلیان مسجد جمع ہو گئے تو اٹھے اور فرمایا کہ میں کوئی وعظ کہنے کے لئے نہیں کھڑا ہوا ہوں بلکہ حضرت مولانا فتحپوری دامت برکاتہم کے فرمانے سے ایک مضمون سے آپ حضرات کو آگاہ کرنا چاہتا ہوں' اور بہت ہی اچھے انداز سے جو مولانا کا خاص طرز ہے بیان فرمادیا اور سب حاضرین بھی خوب سمجھ گئے ۔

(۱۰) ایک روز ظہر بعد کی مجلس میں جامع مسجد کے اندر اس حدیث پر ان اخوف ما اخاف علی امتی کل منافق علیم اللسان پر بہت مبسوط کلام فرمایا اور اس قسم کی احادیث کے ذخیرہ کو مئو کے مشہور عالم کے صاحبزادہ سے نقل کراکر مجمع میں جامع مسجد کے اندر خوب ہی خوب تشبیہ و توضیح فرمائی اور اسکے مضار و مہالک کو بیان فرمایا ۔ اثنار بیان میں یہ بھی فرمایا کہ حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اثنار درس میں فرمایا کہ اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع وسجود کرکے نہ دکھا گئے ہوتے تو اس رکوع وسجود کی ہیئت میں بھی سخت اختلافات ہو جاتا پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عملی اور فعلی نمونہ سے اختلافات کا سد باب ہوگیا ۔ اور یہ فرماکر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب زید مجدہم سے جو قریب ہی تشریف فرما تھے کہا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی یہ بات آپکو بھی یاد ہوگی ! تو انھوں نے بھی توثیق فرمائی کہ مجھکو بھی یاد ہے ۔

(۱۱) گورکھپور کے وہ صاحب جنکا ذکر ع۳ میں آچکا ہے جو تنکار کیوجہ سے ایکمرتبہ

مئو میں حاضر خدمت ہونے سے قاصر رہے پھر دوبارہ مئو میں حضرت کی تشریف آوری پر یہ صاحب حسب معمول حاضر ہوئے اور ان سے بتلایا گیا کہ اس سے پہلے حضرت کی خدمت مبارک میں آپ کا ذکر آیا تھا اور حضرت والا نے یہ ارشاد فرمایا تھا تو یہ بہت ہی خوشی میں بھر گئے اور پڑھوائے ع ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس مجلس میں ہے۔ کہنے لگے کہ میں اس خوشی پر کس طرح شکریہ ادا کروں تو ان سے کہا گیا کہ آپ اس خوشی میں مئو کے ان حضرات علماء کرام کی جو حضرت کی خدمت میں آیا جایا کرتے ہیں اور حضرت سے تعلق رکھتے ہیں ان سب حضرات کی دعوت کر دیجئے اور خوب اچھی اچھی چیزیں پکوا کر اور لا کر کھلائیے چنانچہ اس پر انھوں نے عمل کیا اور انھیں سب حضرات علماء کی دعوت کی گئی اکثر حضرات جو اس وقت قصبہ میں موجود تھے خوشی خوشی تشریف لائے۔ بعد فراغ طعام حضرت علامہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم سے عرض کیا گیا کہ مولانا رومؒ کے ان اشعار کی توضیح و تشریح فرما دیں کہ یہ موقع بہت ہی اچھا ہے اکثر حضرات اہل علم رونق افروز ہیں اور بقول امیر مینائی مرحوم ؎

امیر جمع ہیں احباب حال دل کہہ دے
کہ التفات دل دوستاں رہے نہ رہے

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار یہ ہیں ؎

علم رسمی سر بسر قیل است و قال
نے از و کیفیتے حاصل نہ حال

(ظاہری اور رسمی علم تو سراسر قیل وقال کا نام ہے جس سے نہ تو کوئی کیفیت حاصل ہوتی ہے نہ حال حاصل ہوتا ہے)

علم چوں بود آنکہ رہ بنمایدت
زنگ گمراہی ز دل بزدایدت

(علم وہ ہوتا ہے جو تم کو راہ (حق) دکھا دے اور تمھارے دل سے گمرہی کا زنگ مٹا دے)

ایں ہوئی را از سرت بیروں کند
خوف و خشیت در دلت افزوں کند

(اور ہوئی اور پندار کو تمھارے دماغ سے نکال دے تمھارے دل میں خوف و خشیت کو زیادہ کر دے)

تو ندانی جز یجوز و لا یجوز
خود ندانی تو کہ حوری یا عجوز

(لیکن تمھارا حال یہ ہو کہ تم سوا جائز و ناجائز کے کچھ اور جانتے ہی نہیں تمکو یہ بھی نہیں معلوم کہ تم حور ہو یا بڑھیا (یعنی اچھے ہو یا برے)

علم نبود غیر علم عاشقی
ما بقی تلبیس ابلیس شقی

(علم تو بس وہی ہے جس میں عشق و محبت الٰہی کا بیان ہو اور اسکے ماسوا سب تلبیس ابلیس ہی ہے)

علم چون بر دل زنی یارے شود　　علم چوں بر تن زنی مارے شود

(علم کو اگر دل پر مارو یعنی اس سے قلب کو متاثر کرو تو بہترین دوست ہو اور تن پر مارو یعنی تن آرائی سیکھو تو تمھارے حق میں سانپ ہے)

جان جملہ علمہا این ست و این　　کہ بدانی من کیم در یوم دین

(تمام علوم کا حاصل صرف یہ ہے کہ تم یہ جان لو کہ میں کیا ہوں گا قیامت کے دن جنتی یا دوزخی؟ یعنی فکر آخرت سب علوم کی جان ہے)

حضرت مولانا موصوف الصدر نے تعلیم و تعلم کے انداز میں نہیں بلکہ مشفقانہ اور ناصحانہ پیرائے میں بہت ہی جچے تلے الفاظ میں جامع اور مختصر طور پر سمجھایا کہ سب کے دلوں میں وہ باتیں اتر گئیں اسکے بعد حضرت والا کو اس دعوت کی کیفیت اور شرکاء دعوت کے اسمار گرامی اور پوری کیفیت من وعن لکھکر پیش کی گئی تو بہت ہی محظوظ ہوئے اور اپنے مخصوص انداز میں فرمایا کہ اب ایسی دعوتیں کہاں ہوتی ہیں۔

(۱۲) ایک روز صبح کی مجلس کے وقت سے کچھ پہلے ہی تشریف آوری ہوگئی اور شاہی جامع مسجد کٹرہ ہی کے حدود میں مئو کے مشہور مدرسہ مفتاح العلوم کی عمدہ عمارتیں پھیلی ہوئی ہیں اسکی ایک درسگاہ میں حضرتؒ رونق افروز ہوگئے چونکہ مجلس شروع ہونے کا وقت ابھی نہیں ہوا تھا اسلئے یہیں کچھ مخصوص باتیں شروع فرمادیں بلکہ جو خاص لوگ جانے بوجھے ہوئے موجود تھے انکو بھی بلالیا گیا اور فرمایا کہ اہل اللہ کی سوانح عمری لکھنے کے لئے بہت قلب و جگر اور بصیرت و معرفت کی حاجت ہے۔ حضرت مولانا تھانویؒ کی سوانح عمری تو لکھدی گئی مگر اصل سوانحعمری لکھنے اور سمجھنے کے لئے بہت ہی نور و بصیرت کی ضرورت ہے۔ جب حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرض میں بہت شدت ہوگئی اور طبیعت بہت زیادہ ناساز ہوگئی تو حضرت کے متوسلین اور خادمین تھانہ بھون میں خانقاہ کے اندر جمع ہوگئے حضرت اسہال کی وجہ سے گھر کے اندر زنان خانہ ہی میں رہنے لگے ہم خدام نے یہ مشورہ کیا کہ ہم لوگوں کو بھی اسوقت کچھ خدمت کی سعادت حاصل کرنی چاہیئے، لیکن حضرت سے کہے کون۔ باہر تشریف بھی نہیں رکھتے تھے، زنان خانہ میں شدت مرض میں مبتلا تھے اسلئے بڑے غور و خوض کے بعد حضرت

مولانا عبد الغنی صاحب پھولپوری کو ہم سب خدام نے اپنا وکیل بنایا کہ کسی طرح جاکر ہم سب لوگوں کیطرف سے یہ گذارش حضرت کی خدمت میں پیش کریں اگرچہ ہم لوگوں کو ظن غالب یہی تھا کہ ہم لوگوں کو اس خدمت کی اجازت نہیں ملیگی کیونکہ حضرت کی نزاکت طبع سے سب لوگ واقف تھے اور مرض میں اور بھی اس میں زیادتی ہو جاتی ہے اسلئے ہم لوگ اس خدمت سے نا امید ہی تھے بہر حال جناب مولانا عبد الغنی صاحب پھولپوری جرأت کر کے زنان خانے میں حضرت کے پاس تشریف لے گئے اور عرض کیا کہ بندہ اپنی طرف سے اور تمام حضرات خدام موجودہ خانقاہ کی طرف سے وکیل بنکر گذارش کرتا ہے اور سب لوگوں کی قلبی تمناؤں کا اظہار کرتا ہے کہ ہملوگوں کو بھی خدمت کا موقع عنایت فرمایا جاوے حضرت نے نفی میں جواب فرمایا اور مولانا پھولپوری نے وہاں سے باہر آکر ہملوگوں سے یہ جواب نفی والا نقل فرد یا ہم لوگ تو پہلے ہی سے سمجھے ہوئے تھے کہ اجازت ملنی مشکل ہے۔ اتنے ہی میں ایک آدمی تشریف لائے اور فرمایا کہ مولانا عبد الغنی صاحب کو حضرت نے بلایا ہے۔ چنانچہ آپ حاضر ہوئے ان سے حضرت نے فرمایا کہ یہ جو لوگ میرے یہاں رہتے ہیں اور اللہ اللہ کرتے ہیں اور اللہ کے ذکر میں لگے رہتے ہیں ان لوگوں سے میں پاخانہ میں پانی رکھواؤنگا اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ میں ان سے خدمت لینے پر قادر نہیں۔ حضرت مولانا پھولپوری نے حضرت کا جب یہ جواب ہم لوگوں سے نقل فرمایا تو سب لوگ حیرت زدہ اور ششدر رہ گئے کہ ہم لوگ تو یہ سمجھے ہوئے تھے کہ ہم لوگوں کو نا اہلیت کیوجہ سے خدمت کا موقع نہیں مل رہا ہے اور وہاں بات بالکل اسکے الٹی تھی کہ اہلیت کی بنا پر خدمت نہیں لیجا رہی ہے اور یہ فرمایا جا رہا ہے کہ میں اس پر قادر نہیں۔ سبحان اللہ کیا اونچا مقام ہے اور کیا قدر دانی و ہمت افزائی ہے۔ اور تواضع ہے ایسی مقدس ذات کے بارے میں لوگ مشہور کیئے ہوئے ہیں کہ وہ بہت سخت ہیں بہت کڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت کی روح کو رفیع سے رفیع درجہ سے نواز

اس موقع پر دل کہہ رہا ہے کہ چونکہ حضرت حکیم الامتہؒ فارقی النسب تھے اسلئے اللہ تعالےٰ نے آپ کے اندر اپنے مورث اعلیٰ حضرت سیدنا عمر فاروقؓ کا پرتو اور نمونہ رکھا تھا اور حضرت سیدنا عمر فاروقؓ کا بہتر نمونہ علامہ دمیریؒ نے "حیواۃ الحیوان الکبریٰ" میں تحریر فرمایا ہے

وھا بہٗ الناس ھیبۃ عظیمۃ حتیٰ ترک الجلوس بالافنیۃ فلما بلغہٗ ھیبۃ الناس لہ جمعھم ثم قال علی المنبر حیث کان ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ یضیع قدمیہ فحمد اللہ تعالیٰ واثنیٰ علیہ بما ھو اھلہ و وصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم قال بلغنی ان الناس قد ھابوا شرتی وخافوا غلظتی وقالوا قد کان عمر یشتد علینا و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین اظھرنا ثم اشتد علینا وابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ والینا دونہ فکیف الان وقد صارت الامور الیہ ۔ ولعمری من قال ذلک فقد صدق کنت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکنت عندہ خادمہ حتی قبضہ اللہ عزوجل وھو عنی راض والحمد للہ و انا اسعد الناس بذالک ۔ ثم ولی

(حضرت عمرؓ سے) لوگ بہت ڈرتے تھے یہاںتک کہ مکان کے باہر دروازہ پر لوگوں نے اٹھنا بیٹھنا چھوڑ دیا تھا جب آپکو اسکی اطلاع ہوئی کہ لوگ آپ سے اسقدر خوف زدہ رہتے ہیں تو سب کو جمع کیا اور ممبر کی اس سیڑھی پر بیٹھکر جس پر حضرت صدیقؓ دونوں پیر رکھتے تھے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا اسکے بعد فرمایا کہ مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ لوگ میری سختی سے بہت ڈرتے ہیں اور میرے غصہ سے بہت خوف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عمر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے ہی میں ہم پر بہت سخت تھے پھر ابوبکرؓ کی خلافت میں بھی ہم پر سخت ہی رہے تو اب جبکہ خود خلیفہ ہوگئے ہیں تو کیا کچھ سختی نہ کرینگے تو سنو بقسم کہتا ہوں کہ جس نے یہ بات کہی ہے بالکل سچ کہا ہے ۔ لیکن بھائی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تو آپؐ کا خادم اور غلام تھا (آپؐ میری جس تیزی کو ناپسند فرماتے منع فرما سکتے تھے) یہاںتک کہ آپ اللہ کو پیارے ہوگئے اور خدا کا شکر ہے کہ مجھ سے خوش دنیا سے تشریف لے گئے اور میں اس سلسلہ میں خود کو سب سے سعید تر پا رہا ہوں اسکے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ

وولی ابوبکر رضی اللہ عنہ فکنت خادمہ
وعونہ اخلط شرتی بلینہ فاکون
سیفا مسلولا حتیٰ یغمدنی او
یدعنی فمازلت معہ کذلک
حتی قبضہ اللہ تعالیٰ وھو عنی
راض والحمد للہ وانا اسعد الناس
بذالک ثم انی ولیت امورکم
اعلموا وَاَنَّ تلک الشدۃ قد
تضاعفت ولکنا انما تکون علی
اھل الظلم والتعدی علی
المسلمین واما اھل السلامۃ
والدین والقصد فانا الین
لھم من بعضھم لبعض ولست
ادع احدا و یتعدی علیہ
انی اضع خدہ علی الارض
واضع قدمی علی خدہ الاخر
من یذعن بالحق۔

والی مقرر ہوئے تو میں انکا بھی خادم اور مددگار رہا
اپنی سختی کو میں نے انکی نرمی کے ساتھ ملا دیا تھا (کہ
کام دونوں ہی سے چلتا ہے) پس میں انکی شمشیر برہنہ
تھا چاہتے تو میان میں رکھ لیتے اور چاہتے تو
کھلی رہنے دیتے بہر حال میں تا حیات انکے ساتھ
ایسا ہی رہا یہانتک کہ وہ بھی خدا کو پیارے ہوگئے
اور اللہ کا شکر ہے وہ بھی مجھ سے خوش خوش گئے
اور میں اس بارے میں خود کو سعید تر پاتا ہوں پھر اسکے بعد
میں تمہارا حاکم ہوا تو اب سن لو کہ وہ پہلی شدت مجھ سے ختم
اور کمزور ہوگئی ہے مگر یہ کہ وہ ان لوگوں پر جو مسلمانوں پر ظلم و
تعدی کرینگے اب بھی رہیگی باقی اہل سلامۃ اور دیندار اور
میانہ رو آدمیوں کے حق میں (انشاء اللہ) میں اس سے نرم برتاؤ
کرونگا جتنا کہ تم میں بعض بعض پر کرتا ہے اور میں کسی کو کسی پر
ظلم و زیادتی بھی نہ کرنے دونگا بلکہ اگر کوئی شخص ایسا کریگا
تو میں اسکا ایک گال تو زمین پر رکھوں گا اور دوسرے
پر اپنا پیر رکھکر اسکو پیس دونگا اور جو شخص کہ حق کا
انکار کرے گا۔

اور پھر اسکے چند سطروں بعد تحریر فرماتے ہیں :۔

وروی ان طلحۃ رضی خرج فی
لیل مظلمۃ فرای عمر رضی اللہ
تعالی عنہ قد دخل بیتا
ثم خرج فلما اصبح طلحۃ ذھب
الی ذلک البیت فاذا عجوز عمیاء

روایت میں آتا ہے کہ حضرت طلحہ ایک اندھیری
رات میں اپنے مکان سے باہر نکلے حضرت عمر رضی اللہ
عنہ کو دیکھا کہ ایک گھر میں داخل ہوئے اور ذرا دیر کے بعد
باہر آگئے۔ صبح کو حضرت طلحہ رض اس مکان پر گئے دیکھا
تو اسکے اندر ایک بہت بوڑھی عورت ہے جو اندھی

مقعدة فقال لها طلحة مابال هذا الرجل یاتیتك فقالت انه یتعاهدنی منذ کذا وکذا بما یصلحنی و یخرج عن الاذیٰ تعنی القذر	بھی ہے اور اپاہج بھی (یعنی نہ اٹھ سکتی ہے اور نہ بیٹھ سکتی ہے) اس سے حضرت طلحہؓ نے پوچھا کہ یہ شخص (یعنی حضرت عمرؓ) تیرے پاس کیوں آتے ہیں؟ اس نے کہا کہ ارے بیچارے وہی تو میری دیکھ بھال اتنے اتنے زمانے سے کر رہے ہیں اور وہی مجھ سے گندگی بھی دور کر دیتے ہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ اس سے اسکی مراد یہ تھی کہ میرا پاخانہ وغیرہ بھی صاف کر دیا کرتے ہیں۔
(حیواۃ الحیوان الکبریٰ ص۵)	

(حاصل اس مضمون کا یہ ہوا کہ ہو سکتا ہے کہ لوگ کسی شخص کو سخت مزاج اور غصہ ور وغیرہ سمجھتے ہوں اور واقعہ اسکے بالکل خلاف ہو یعنی فی الحقیقت وہ بہت ہی نرم دل اور شفیق ہو جیسا کہ حضرت عمرؓ کے دونوں واقعات سے ظاہر ہے۔

اسی طرح سے حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانوی قدس سرہٗ بھی چونکہ فاروقی تھے اللہ تعالیٰ نے اس وصف کا ایک حصہ حضرت کو بھی عطا فرما رکھا تھا کہ بہت لوگ حضرت کو سخت سمجھتے رہے اور وہ انتہائی رحم دل، شفیق اور اہل علم کا احترام اور انکی عظمت کا لحاظ کرنے والے تھے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔ از جامی ۱۲)

زمانہ قیام مئو کے ان ملفوظات کے ملاحظہ فرمانے کے بعد ناظرین کو اندازہ ہوا ہوگا کہ حضرت مصلح الامتؒ نے مئو میں اہل علم کے مجمع میں کیسی گفتگو فرمائی بعض حاضرین مجلس سے سنا کہتے تھے کہ مئو کے تقریباً سب ہی علماء حضرت کی مجلس اور ملفوظات سے بہت ہی محظوظ ہوئے اور حضرت والا کا وعظ سنکر بعض حضرات نے تو یہ فرمایا کہ۔ اجی مولانا ایسا عمدہ بول لیتے ہیں ہم تو اتنا نہیں سمجھتے تھے واقعی حضرت کے وعظ اور مجلس میں بڑا ہی لطف آیا۔ الغرض حضرت والا کی تذکیر کا اہل مئو پر بہت اثر ہو رہا تھا اور مزید اثر ہوتا کیونکہ ؏ زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا۔ لیکن بعض حالات کچھ ایسے پیش آئے کہ ؏

وہ چپ ہو گئے داستاں کہتے کہتے

(اسفار مئو ملتوی ہو جانے کے اسباب)

ناظرین نے گذشتہ صفحات میں قیام مئو کا نقشہ ملاحظہ فرمایا، لوگوں کی توجہ سے حضرت والا بھی خوش تھے اور عوام و خواص سب ہی حضرات مجالس حضرت والا اور ملفوظات نہایت ذوق و شوق کے ساتھ سن رہے اور اصلاح حال و بال کی جانب مائل تھے، مئو کا مصافحہ تو مشہور ہی ہے ما شاء اللہ مسلمانوں کا خاصا مجمع ہوتا تھا چنانچہ ایک گھنٹہ مجلس اور وعظ فرمانے کے بعد تقریباً آدھ گھنٹہ لوگوں سے مصافحہ کرنے کے لئے درکار ہوتا حضرت والا تھک جاتے تھے اسلئے اعلان ہوا کہ لوگ حضرت اقدس سے وعظ کے بعد مصافحہ نکریں اسکے لئے ملنے کا دوسرا وقت قیام گاہ پر مقرر ہوا چنانچہ لوگ مصافحہ کرنے اور ملنے کے لئے وہیں جانے لگے اس طرح مخلصین ھی آتے اور عام بھیڑ جو رسماً مصافحہ کرتی تھی وہ کم ہو گئی۔

اسی طرح حضرت والا نے ایک اور اصلاح اہل مئو کی یہ فرمائی کہ دیکھا کہ اکثر لوگ جمعہ کی فرض نماز پڑھکر مسجد سے چلے جاتے ہیں بعض اہل علم اور خواص کا مقصد تو یہ ہوتا تھا کہ اپنے اپنے گھر جاکر ادا فرماتے لیکن حضرت والا کو جب اسکا علم ہوا تو بڑی شد و مد کے ساتھ اس پر تنبیہ فرمائی اور ادائے سنت کے اہتمام پر لوگوں کو آمادہ کیا۔

مقامی علماء اور عوام میں بُعد محسوس فرماتے ہوئے اس پر بھی لوگوں کو ابھارا کہ آپ لوگ دین اور اصلاح کے لئے دوسروں کے کب تک محتاج رہیئے گا آپ کے یہاں بڑے بڑے اہل علم موجود ہیں آپ لوگ کچھ وقت نکالکر ان حضرات کی خدمت میں حاضر ہوا کیجئے اور ان سے دین سیکھئے باہر کا آدمی کب تک آپ کے یہاں آئیگا اور کے دن قیام کرے گا۔ غرض اس نوع کی اور باتیں وقتاً فوقتاً فرماتے رہے۔

حضرات علماء کرام پر بھی حضرت والا نے اپنے عمل سے ثابت فرمادیا کہ کہ عوام اور علما کے درمیان ربط کا ہونا نہایت ضروری ہے اور مقامی علماء ہی عوام کی اصلاح کر سکتے ہیں۔ حضرت اقدس نے علماء سے بھی فرمایا کہ آپ لوگ ہی اپنے قیمتی اوقات میں سے کچھ وقت نکالکر لوگوں کی دینی خدمت کریں۔ غرض یہ سب حالات نہایت امید افزا تھے اور یہ خیال ہوتا تھا کہ شاید اب مئو کی دینی حالت بہتر سے بہتر ہو جائے گی لیکن جس طرح سے علماء اور مشائخ دین کی ترقی کے لئے کوشاں رہتے ہیں اسی طرح سے اللہ تعالےٰ نے ایک دوسرا سلسلہ اس کے خلاف بھی پیدا فرمایا ہے جو ان حضرات کے مشن کے خلاف دوسرا کام کرتا رہتا ہے اور یہ دونوں سلسلے دنیا میں شروع سے قائم ہیں چنانچہ یہاں بھی یہی ہوا کہ جب دینی سلسلہ کچھ حرکت میں آیا اور لوگوں میں دیانت کی کچھ تحریک پیدا ہونے لگی تو شیطان نے ایک شوشہ چھوڑ ہی دیا یعنی اسی اثنا میں الکشن کا دور آگیا اور جیسا کہ ظاہر ہے یہ نزاع و شقاق کی بنیاد ہی ہے اختلاف و مخالفت حتیٰ کہ سبّ و شتم تک ان ایام میں روا رکھا جاتا ہے، خوب خوب ہنگامہ آرائی ہوئی۔ حضرت اقدس کو بھی بعض حضرات نے اس فتنہ میں شریک کرنا چاہا لیکن حضرت والا کو چونکہ دوسرا ہی کام کرنا تھا جس کا تعلق عام مسلمانوں سے تھا اس لئے حضرت والا اس سے بمراحل دور رہے اور جس نے کسی درجہ میں حضرت کو ملوث کرنا چاہا اس سے سخت مواخذہ فرمایا لیکن انسان کی طاقت ہی کیا جو خدا کو منظور ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے، باہم خوب اختلاف ہوا اور ایک مولوی صاحب بھی ممبری کیلئے اٹھے تھے جب وہ ناکام ہو گئے تو ان کے مخالفین نے (جو مسلمان ہی تھے) ان کے خلاف جلوس میں نہایت توہین آمیز نعرے لگائے جو اخلاق و شرافت کے علاوہ مذہب کے بھی خلاف تھا۔ حضرت والا کو جب اسکی اطلاع ہوئی تو بہت رنج ہوا۔ آئندہ تحریرات میں حضرت والا کا یہی تاثر دیکھا جا سکتا ہے

حضرت والا کا یہ طریقہ تھا کہ جس بستی کے کچھ لوگ بھی کسی خُلق بد کا شکار ہوتے

تو حضرت اس پر اپنی خفگی اور ناراضگی ظاہر فرمانے کے لئے اپنے ہی لوگوں پر مواخذہ فرماتے جسکی ایک صورت یہ بھی ہوتی تھی کہ اس بستی کے لوگوں کی آمد ورفت خط وکتابت چند ایام کے لئے بند فرما دیتے تھے اسکی وجہ سے اگر اثر پڑتا ہوتا تو حضرت کے متوسلین کے واسطے سے ان مجرمین پر بھی پڑتا جو اصل مجرم ہوتے اور وہ اصلاح پر مجبور ہوتے اور اس معاملہ کا ایک اثر یہ بھی ہوتا کہ . . . . . عام لوگوں میں شہرت ہو جاتی کہ فلاں فلاں کی حرکت کی وجہ سے سب لوگوں کو حضرت نے آنے جانے سے منع کر دیا ہے انکی وجہ سے جو لوگ فتنہ سے دور رہتے ان سب کی ملامت اہل فتنہ پر پڑتی جسکا سہارا اس جمہوری دور میں آسان نہوتا بہر حال اس نوع کے مواخذات سے کچھ نہ کچھ نفع ہی ہو جاتا۔ یہاں بھی یہی ہوا کہ پہلے تو حضرت والا نے اپنی ایک تحریر کے ذریعہ ایک جماعت کی مذمت فرمائی کہ میں اسکو فرقہ باطلہ میں سے سمجھتا ہوں میرے لوگوں کو اوّلاً تو سیاست ہی سے بالخصوص اس جماعت سے دور رہنا چاہیئے چنانچہ اہل مئو کے نام یہ پیغام عام تحریر کیا گیا۔

(تحریر بنام اہل مئو)

میں نے بارہا آپ حضرات سے کہا ہے کہ میں ظاہری تعلق اور رسمی آمد ورفت کو نہ صرف فضول بلکہ اپنے طریقہ کار کے خلاف سمجھتا ہوں لیکن اب کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بہت سے غیر مخلص یہاں گھس ہی آتے ہیں اسی کو میں کہتا ہوں کہ نہ خود کام کرتے ہیں اور نہ کرنے دیتے ہیں۔ ایک فرقہ کو میں فرقہ باطلہ میں سے سمجھتا ہوں اور صاف صاف اسکا اظہار بھی کر دیتا ہوں لیکن یہاں بھی آتے رہیں اور اس سے بھی تعلق رکھیں اور انکی وجہ سے لوگ مجھے بھی اس سے متعلق سمجھیں اور طرح طرح کی بدگمانیوں میں مبتلا ہوں اسطرح میرے کام میں

رکاوٹ کا ذریعہ بنیں یہ کیسا ہے۔ اب ایسا نہ ہوگا جو شخص اپنے کو مستقل سمجھتا ہو اور یہاں سے مستغنی ہو اس میں کیا حرج ہو کہ وہ یہاں نہ آوے اسی میں طرفین کو راحت ہے۔

وصی اللہ عفی عنہٗ

انھیں ایام میں اخلاص کا مطالبہ فرماتے ہوئے کسی اور جگہ ایک صاحب کو خط گیا جسکا مضمون تمام ہی لوگوں کے لئے یکساں ثابت تھا۔ تحریر فرمایا کہ:۔

" آپ جانتے ہیں کہ طریق کا مدار اخلاص پر ہے اور میں نے بھی سب باتوں کو ایک طرف کرکے اب اسی کا مطالبہ ہی کرنا شروع کر دیا ہے چنانچہ امسال رمضان شریف سے میں نے طریقہ بدل دیا ہے اور اپنے بچوں، مہمانوں، مقامی اور غیر مقامی امیر و غریب سب ہی لوگوں سے اسکا مطالبہ کر رہا ہوں آپ تو خود بھی کافی سمجھدار آدمی ہیں جانتے ہیں کہ اخلاص کے بغیر دین تو دین اس زمانہ میں دنیا کی گاڑی کا چلنا بھی ناممکن ہے۔ آپس کی خانہ جنگی کا خاتمہ اگر کسی چیز سے ہو سکتا ہے تو وہ اخلاص ہی سے ہو سکتا ہے اور اس زمانہ میں دو شخص باہم یکدل ہو کر اگر اس دنیا کو جنت بنا سکتے ہیں تو وہ بھی اخلاص ہی کا ثمرہ ہے۔ اور میں نے اس بات کو خوب اچھی طرح آپ لوگوں کو سمجھا دیا ہے پھر طریق اور بالخصوص پیر و مرید کا تعلق جو کہ تعلق میں ضرب المثل ہے اس میں اخلاص کی کسقدر ضرورت ہے ظاہر ہے اسلئے آپ کو پہلے بھی لکھا تھا اور اب پھر لکھتا ہوں کہ کوئی شخص کہیں آنا جانا چاہے یا خط و کتابت کرنا چاہے تو اسکے لئے سب سے پہلے اخلاص کی ضرورت ہے اگر اخلاص پا دے تو پھر آنے جانے میں خط و کتابت کرنے میں بھی نفع ہے ورنہ یہ سب باتیں بیکار ہیں۔

آپ سے کہتا ہوں کہ اب تو اخلاص کا نام اہل دنیا اور اہل سلطنت کی زبانوں پر بھی آنے لگا ہے پھر میں اپنے ہی یہاں سے اسکو معاف کردوں؟ اس بات کو آپ کو سمجھنا ہوگا بدون اخلاص کے تعلق محض رسمی ہے اور اسکا ہونا نہ ہونا دونوں برابر ہے۔ والسلام

وصی اللہ عفی عنہ

(ایک اصلاحی پیغام برائے اہل مئو)

اس وقت عام طور پر مسلمانوں میں جو انتشار پایا جاتا ہے اسکی وجہ سے مسلمانوں کی جو کچھ بھی ذلت ہو تھوڑی ہے بالخصوص مئو اور کوپا گنج کی حالت پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے، معلوم نہیں ان لوگوں کو کب عقل آئیگی، اخبار والے تک نے لکھا کہ مئو اور کوپا گنج کانگریس کے مستحکم قلعے تھے وہاں مولانا عبد اللطیف اتنے ووٹوں سے ہار گئے جبکہ اسکے قبل اتنے ووٹوں سے کامیاب ہوئے تھے اور یہ بھی لکھا کہ مولانا کیخلاف مسلمانوں کی طرف سے ناقابل فراموش نعرے لگائے گئے بعض لوگوں سے نعروں کی تفصیل یہ بھی معلوم ہوئی کہ مئو کا کا بچو ہار گیا، ڈاڑھی والا ہار گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اب ایک ایماندار آدمی مسلمانوں کی زبان سے اس قسم کے الفاظ سنکر کس قدر تکلیف محسوس کریگا مولانا عبد اللطیف صاحب کانگریس سے تعلق رکھتے ہیں یا کسی اور سیاسی جماعت سے مجھے اس سے کچھ بحث نہیں لیکن وہ ایک مسلمان ہیں، عالم ہیں انکے متعلق اس قسم کے الفاظ مسلمانوں کی زبان سے سنکر سخت اذیت ہوئی، میرے مئو جانے کے بعد مسلمانوں کے یہ اخلاق و جذبات، مئو والوں نے مجھ سے یہی سیکھا ہے؟ اگر میرے جانے کا یہی نتیجہ اور اثر ہے تو بجائے ہدایت کے گویا اور ضلالت و گمراہی اختیار کی گئی۔

اب بتلائیے کہ جو قوم مسلمانوں کی اور شعائر اسلامی کی حرمت کو بھی باقی نہ رکھنا چاہتی ہو میرا نباہ ان سے کس طرح ہو سکتا ہے؟

مفاد قومی کے لئے آپ لوگ کوئی کام اس طرح کا کرتے ہیں اس کا آپ کو اختیار ہے لیکن یہ بھی تو مفاد قومی کے خلاف ہے کہ قوم کے کسی بڑے معزز شریف کی توہین وتذلیل علی الاعلان کی جائے اور پھر شرعی کسی چیز کی توہین کیجائے جو فسق تو یقیناً ہے۔ اگر یہی سب کرنا ہے تو ہم سے آپکا کیا تعلق باقی رہا۔ ہم تو پرانے خیال کے آدمی ہیں۔ میں صاف کہتا ہوں کہ میں پوری قوم سے سخت بیزار ہوں اور مجھکو سخت تکدر وانقباض ہے۔

اور میں سمجھ چکا ہوں کہ موجودہ سیاست کا ان امور پر اشتمال مسلمانوں کے لئے من حیثیت القوم انتہائی مہلک اور تباہ کن ہے اس کے متعلق علامہ ابن عبدالعزیز خولی جو ایک مصری عالم ہیں اپنی کتاب "الادب النبوی" میں کیا فرما رہے ہیں، سنیئے:۔

علامات نفاق کا باب قائم کرکے اسکے تحت یہ حدیث لائے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ چار خصلتیں ہیں کہ جس شخص میں وہ سب پائی جائیں وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان میں سے کوئی ایک خصلت پائی جائے تو اس میں نفاق کی ایک خصلت موجود ہے یہانتک کہ اسکو ترک کردے (وہ خصال یہ ہیں) جب[۱] امانت رکھی جائے خیانت کرے۔ جب[۲] بات کرے جھوٹ بولے۔ جب[۳] عہد کرے غدر کرے اور جب[۴] اپنا حق کسی سے طلب کرے تو اس میں فجور پر اتر آئے۔ اور فجور فی المخاصمہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

فجور فی المخاصمہ یعنی حق کے طلب کرنے میں حد پر قائم نہ رہنا یہ خود گناہ عظیم ہے اور بہت سے مفاسد عظیمہ اور معاصی کی جانب لے جانے والا ہے۔ چنانچہ جو شخص فاجر فی الخصومۃ ہوتا ہے وہ اپنے

ساتھی کے حق کا انکار کرتا ہے اسکے مال اور آبرو کو حلال جانتا ہے اور اسکی ضرر رسانی کے طریقوں میں سے کوئی طریقہ باقی نہیں اٹھا رکھتا اس میں اسکا خواہ کتنا ہی مالی نقصان کیوں نہ ہو جائے اور اسکی وجہ سے اسکے اور واجبات میں چاہے خلل کیوں نہ پڑ جائے۔ آگے جو کہتے ہیں اس کو سنیئے اسی کو سنانا چاہتا ہوں۔ فرماتے ہیں:-

"اور تم خوب جانتے ہو ان حالات و معاملات کو جو باہم دو مقدمہ بازوں میں اور ایک شہر کے دو گروہوں اور دو سیاسی جماعتوں میں آپس میں رونما ہوتے ہیں"

"پس فجور فی الخصومۃ ایک بہت بڑی بیماری ہے جو قدیم تعلقات اور رشتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے۔ جرائم کو شائع اور عام کر دیتی ہے اور اخلاق کو پارہ پارہ کر کے بالکل ستیاناس ہی کر دیتی ہے اسلئے اگر اسکو نفاق کی علامات کی اہم علامت کہا جائے تو بجا ہے"

اور آخر میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ان اخلاقی ستونوں میں کا ایک ستون ہے جن پر امم کی عزت و سعادت مرکوز ہوتی ہے یعنی گری ہی اور جڑی ہوئی ہوتی ہے۔

وصی اللہ عفی عنہ

اسی زمانہ میں کسی کے پاس مئو یہ تحریر لکھی گئی

میرا خیال ہے کہ تمام مسلمان خصوصاً مئو کے لوگ جب تک موجودہ روش سے مکمل طور پر توبہ نہیں کرلیں گے اس وقت تک آپس کے افتراق و اختلاف، بغض و عناد اور دوسری بد اخلاقیوں نیز ایک دوسرے پر گندگی اچھالنے سے باز نہیں رہ سکتے اور یوماً فیوماً انکی تباہی اور ذلت بڑھتی ہی جائے گی اور بری طرح ہوا خیزی ہوگی۔

اتنی بات انکی عقل میں نہیں آتی کہ اگر آپس میں سب متفق و متحد اور ایک رائے ہوکر کسی جماعت کا ساتھ دیں تو خود بھی انکا وزن زیادہ ہو اور دوسروں کی نظروں میں بھی انکی وقعت ہو اور ہر جماعت انکا تعاون حاصل کرنے کے لئے انکی خوشامد کرے مگر یہ عقل انکو کاہے کو آنے لگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کو چھوڑ کر اغیار کی پیروی میں فلاح تلاش کر رہے ہیں۔ موجودہ سیاست کو دین و مذہب بنالیا ہے جو من حیث القوم انکے لئے سراسر مہلک ہے آخر اسکی سزا انکو کچھ ملے گی یا نہیں؟

وصی اللہ عفی عنہ

انھیں ایام میں وہاں کے حالات سے متاثر ہوکر مزید تکدر کا اظہار اور ترک سفر کا عزم فرمالیا

(مزید تکدر اور سفر مئو کا خاتمہ)

اس زمانہ میں سب سے زیادہ ضروری چیز جو مسلمانوں میں دیکھنا چاہتا ہوں وہ اخلاق ہے چنانچہ اسی کی تعلیم اپنے لوگوں کو برابر کرتا رہتا ہوں اور یہ سمجھتا ہوں کہ جس قوم میں اخلاق نہیں وہ مانند نہونے کے ہے۔ اخلاق کا فقدان موت کے مرادف ہے۔

اب اسکے بعد سنیئے کہ مئو کے لوگوں نے اس موقع پر جس بد اخلاقی کا مظاہرہ کیا ہے وہ میرے لئے انتہائی سوہان روح ہے میں اس قسم کی باتوں کو عوام کے لئے پسند نہیں کرتا تو پھر کسی عالم کے ساتھ عوام کے ایسے معاملہ کو کیسے گوارا کر سکتا ہوں اسلئے صاف کہتا ہوں کہ میں مئو کے لوگوں سے سخت ناراض ہوں عالم کیسا ہی گیا گذرا کیوں نہو اسکی اہانت بالخصوص اسکی ایک شرعی اور اسلامی چیز یعنی

ڈاڑھی کی اہانت مسلمانوں کی زبان سے سنکر سخت تکلیف ہوئی اور اسکو میں کھلا ہوا فساد سمجھتا ہوں۔

مزید رنج و قلق اس سے ہوا کہ یہ سب کچھ وہاں کیا گیا جس جگہ میں نے عام سفر ختم کرنے کے باوجود جانا شروع کیا تھا اور جہاں کے لوگوں نے اصلاح کے ارادہ کا اظہار کر کے مجھے اپنی جانب متوجہ کیا تھا اس جگہ کے لوگوں نے میرے اس اخلاق کا جواب اپنی اس بداخلاقی سے دیا جو میرے طریق اور میری اصلاح کے بالکل ضد اور خلاف تھا میرے وہاں آنے جانے اور میری تقریروں اور وعظوں کے سننے کے باوجود لوگوں کے اس روش اور طرز عمل نے ثابت کر دیا کہ میری باتوں کا اصلا اثر نہیں لیا گیا اور اصلاحات پر قطعی دھیان نہیں دیا گیا۔ لہٰذا جب آپکا راستہ میرے راستہ سے مختلف ہے تو مجھے وہاں آنے جانے کی ضرورت؟ مجھ میں اور آپ میں تو علاقہ یہی دینی تعلق کا تھا اور جب آپ کو اس پر آنا نہیں تو پھر مجھ سے آپ کا تعلق ہی کیا؟ آپ لوگ آزاد ہیں جو چاہیں کریں مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجئے۔ میرا بھی خدا حافظ ہے والسلام۔ وصی اللہ عفی عنہ (اواخر شوال ۶۲ھ)

اللہ والوں کی ناراضگی اللہ تعالےٰ کے لئے ہوتی ہے لوگوں کو راہ ہدایت پر لانے کے لئے یہ حضرات کبھی کچھ سخت معاملہ بھی فرما دیا کرتے ہیں اسکی مثال و تبل کے آپریشن کی سی ہے نہ کہ معاذ اللہ ان حضرات کی بد اخلاقی یا سخت مزاجی لیکن صورتاً چونکہ دونوں چیزیں یکساں ہوتی ہیں اسلئے اکثر لوگوں کو غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ وہ بزرگوں کی اصلاح کو سختی اور انکے مواخذہ اور عتاب کو غصہ اور تند مزاجی سمجھ لیتے ہیں حالانکہ حقیقت بالکل اسکے خلاف ہوتی ہے۔

یہیں سے اب حضرت والاؒ نے وعظ میں جو عنوان اختیار فرمایا تھا اس کی

حقیقت بھی سمجھ میں آگئی کہ وَ ذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ کہ اصل سبب عدم نفع تذکیر کا عدم ایمان یا ضعف ایمان ہوا کرتا ہے اسی کی جانب توجہ کرنی چاہیئے کہ ایمان انسان کا مستحکم ہو جائے چاہے عمل قلیل ہی کیوں نہ ہو۔ اور ایمان قوی ہوتا ہے اہل ایمان کی صحبت سے اسلئے بزرگوں کی صحبت کی سخت ضرورت ہے جس کی آجکل کمی ہے۔

اسی ایمان کی کمی کیوجہ سے آج کی بدعملی ہے۔ بدخلقی ہے۔ سب وشتم ہے فتنہ وفساد ہے جسکو حدیث شریف میں شعبہ نفاق فرمایا گیا ہے۔ آج بدقسمتی سے ہم اسی کا شکار ہیں، یہی مطلب ہے اس حدیث شریف کا جو مسند احمد میں آئی ہے کہ القلوب اربعۃ تین قلوب قلب مومن، قلب کافر، قلب منافق کے بیان کرنے کے بعد چوتھا قلب یہ فرمایا ہے کہ "قلبٌ فیہ ایمان و نفاق" یعنی وہ ایک ایسا قلب ہے جس میں ایمان بھی ہے اور نفاق بھی۔ اور حضرتؒ فرماتے تھے کہ آجکل مسلمانوں کا قلوب بالعموم ایسا ہی ہے ایک وقت دیکھئے تو وعظ و تذکیر بھی ہے ذکر و نماز و تسبیح بھی ہے مگر دوسرے وقت دیکھئے تو باہم فتنہ و فساد بھی ہے۔ بہرحال انسان جب اہتمام کرتا ہے تو برائی سے نکل بھی جاتا ہے۔ اسی جانب توجہ دلانے کے لئے یہ حضرات عتاب وغیرہ فرماتے ہیں، یہاں بھی ایسا ہی ہوا لیکن اہل مئو نے اظہار ندامت کیا اور حضرت کے متوسلین نے اپنی صفائی پیش کی تو حضرت والا ان سے راضی اور خوش ہو گئے اور عام لوگوں کے علم کیلئے ایک مضمون بھی لکھدیا تاکہ اب کوئی شخص اسکے خلاف نہ کرے۔ وہ مضمون یہ تھا۔

(المخاطبۃ بعد المعاتبہ)

میں آپ حضرات سے اسوقت ایک بات کہنا چاہتا ہوں ذرا توجہ سے سنیئے وہ یہ کہ آپ نے یہ تو دیکھا کہ فلاں جگہ کے لوگوں سے بہت خفا ہوں مگر اسکی وجہ بھی آپ نے سمجھے کہ آخر اتنی خفگی کی کیا بات ہوئی؟

بات یہ ہے کہ میں مسلمانوں کو دیکھ رہا ہوں کہ ان میں دینی خرابی اور بداخلاقی نہایت تیزی کے ساتھ راہ پاتی جارہی ہے لوگ دین سے بالکل آزاد ہوتے جارہے ہیں اور قلوب سے علماء و مشائخ کا (کہ یہی حضرات دین کے پیشوا تھے) احترام ختم ہوتا جارہا ہے۔ قوم کی یہ بدحالی ہر معمولی سا بھی دینی احساس رکھنے والے کے لئے انتہائی تکلیف دہ ہے چنانچہ میرے لئے بھی سوہان روح ہے اسلئے آپ حضرات کی دینی خیرخواہی اور محض نصح کا تقاضا ہوا کہ میں کم از کم اپنے لوگوں کو جہاں تک مجھ سے ہو سکے گمراہی سے بچاؤں۔ اسلئے کہ آپ کے یہاں بھی بددینوں کی ایک جماعت پیدا ہوچکی ہے جو نہ خدا کو مانتی ہے اور نہ رسول کو، نہ دین کو نہ قرآن کو اور آپ حضرات کا ان سے یا انکا آپ سے تعلق انتہائی خطرناک اور مہلک ہے کیونکہ آپ تو بحمداللہ مسلمان ہیں آپ کے قلب میں ایمان ہے جسکی وجہ سے خدا اور رسول کی عظمت اور انکا پورا احترام آپ کے قلوب میں موجود ہے لیکن آپ کے بعد آنے والی نسل (اگر انکو سنبھالنے کا آپ نے کوئی انتظام نہ کیا) تو وہ آپ جیسی نہ ہوگی بلکہ بددینوں سے اختلاط انکو بھی العیاذ باللہ بددین بنادیگا اور اسکی وجہ سے قبر میں آپکی روح کو حد درجہ اذیت ہوگی یہ نقشہ نظروں کے سامنے ہے اسلئے مجھے گوارا نہیں ہوا کہ جس جگہ کے لوگ مجھے مانتے ہوں اور جہاں میرا آنا جانا رہا ہو وہاں کے لوگ میرے سامنے ہی بگڑنا شروع ہو جائیں اسلئے میں نے سختی کے ساتھ مواخذہ شروع کیا اور غرض اس سے صرف آپکی خیرخواہی تھی۔

آپ لوگوں کو چونکہ مجھ سے تعلق ہے اور آدمی صرف اسی سے کہتا ہے جس سے تعلق ہوتا ہے ورنہ تو جو لوگ مجھ سے بے تعلق ہیں میرا ان سے خطاب ہی نہیں ہے اسلئے آپ سے کہتا ہوں کہ مجھے جب آپ لوگ کچھ سمجھتے ہیں اور یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اسی دنیا میں رہنے کی وجہ سے آخر میں بھی دنیا کی چیزوں کو کچھ نہ کچھ سمجھتا ہی ہوں گا تو جب آپکو کوئی مشکل پیش آئی تھی تو مجھ ہی سے حل کرا لیتے، یہاں چلے آتے اور مجھ سے پوچھ لیتے کہ ہم ان حالات میں کیا کریں؟ پھر جو کچھ کہتا اس پر آنکھ بند کر کے عمل کر لیتے۔ یہی کہدیتا

کہ خاموشی اختیار کرو تو خاموش ہو جاتے اور سب سے الگ تھلگ رہتے گو میں
ان جدید چیزوں میں کسی شخص کو کسی خاص جانب کا پابند نہیں کرتا بلکہ یہی کہتا ہوں کہ
جو تمہارا جی چاہے کرو مگر مسلمانوں میں فتنہ و فساد اور آپس میں رخنہ ڈالنے والی
چیزوں سے بیشک منع کرتا ہوں اور اسکو پسند نہیں کرتا اور یہی چاہتا ہوں کہ آپ لوگ
جو کام کریں ان سب امور کی رعایت رکھتے ہوئے کریں اگر خود ایسا طریقہ کار
جو معتدل ہو تجویز نہ کرسکیں تو اسکو مجھ ہی سے دریافت کرلیا کریں تاکہ قوم میں اختلاف
پیدا نہ ہو کیونکہ اس سے بچنا اور دوسروں کو بچانا اس زمانہ میں نہایت ضروری
ہے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اس امر کی بھی ضرورت ہے کہ سب مسلمان
پورے عزم اور دھن کے ساتھ دین کے کام میں لگ جائیں اور وہ تدابیر اختیار
کریں جن سے آئندہ انکی نسل بد دینی سے محفوظ رہے۔ یہی ایک کام اس وقت
کرنے کا ہے۔ ضرورت تو اسکی تھی کہ ہر مسلمان دین کی درستی اور اخلاق کی اصلاح
میں لگ جاتا لیکن اہل ایمان اب بھی اسی طرح خواب غفلت میں پڑے سو رہے
ہیں کس قدر افسوس کی بات ہے۔

بس یہی بات آپ کو اسوقت سمجھانا چاہتا ہوں اللہ تعالیٰ فہم سلیم عطا فرمائیں
اور دین متین پر چلنے کی توفیق بخشیں۔ واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔
والسلام نخیر ختام۔

وصی اللہ عفی عنہ

ملاحظہ فرمایا آپ نے حضرت اقدس کی یہ تحریر (المخاطبۃ بعد المعاتبۃ) کہ بعض اہل مئو
کی کوئی حرکت ناگوار ہوئی اس پر سب لوگوں سے عتاب فرمایا اور لوگوں کو آنے جانے
اور خط وکتابت سے منع فرما دیا اور خود بھی سفر مئو ملتوی فرما دیا لیکن اہل اللہ کے مواخذات
اصلاح کیلئے ہوتے ہیں اسلئے جب یہ سمجھ لیا کہ اب بالعموم لوگوں کی سمجھ میں اس حرکت کی
شناعت آگئی تو پھر کیسی مصلحانہ اور مشفقانہ تحریر ارسال فرما کر مخلصین کے قلوب پر گویا برف
سی رکھدی تاکہ وہ سمجھ لیں کہ ناراضگی ان لوگوں کی ذات سے نہ تھی بلکہ انکی ایک خاص

بات سے تھی۔

انھیں ایام میں جبکہ مئو کی آمد ورفت جاری تھی چونکہ وہاں کے حضرات اہل علم بھی خاصی تعداد میں حضرت اقدس کیجانب رجوع ہوئے تھے جن میں سرفہرست حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی مدظلہ بھی تھے، چنانچہ جب خود متاثر ہوئے تو دوسروں کی بھی اس چشمہ شیریں کیجانب رہنمائی فرمائی۔

اس سلسلہ میں حضرت مولانا اعظمی مدظلہ کا ایک خط پیش خدمت ہے جسے مولانا نے مالیگاؤں سے ایک صاحب کی سفارش کے طور پر حضرت مصلح الامۃ کو تحریر فرمایا وہو ہذا

نقل خط حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی مدظلہ حضرت والاؒ کے نام

محترم ومکرم حضرت مولانا دامت فیوضکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حکیم مولوی محمد سلیمان صاحب دیوبند کے فاضل ہیں، برسوں دارالعلوم دیوبند کے مبلغ رہ چکے ہیں، اب مالیگاؤں میں مطب کرتے ہیں۔ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحؒ سے بیعت ہیں انکی وفات کے بعد جناب والا سے اصلاحی تعلق رکھنا چاہتے ہیں، انہیں اصلاح کی طلب بہت معلوم ہوتی ہے۔ اب وہ جناب کیطرف رجوع ہو رہے ہیں خلاف اصول وخلاف مصالح نہو تو اسکی درخواست منظور فرمائی جاوے۔

حبیب الرحمٰن الاعظمی (۱۴ ربیع الثانی ۱۳۸۰ھ۔ مالیگاؤں)

(حضرت مصلح الامۃ مولانا فتحپوری رحؒ کا جواب باصواب)

محترم مولانا صاحب دامت برکاتہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہی تو کام ہے، یہ کیا خلاف اصول ومصالح ہوتا۔ پھر یہ تحریر آپ کی موافق اصول ومصالح کے ہے لہٰذا دل سے خدمت کیلئے حاضر ہوں، آپ بھی دعا فرمائیے۔

وصی اللہ عفی عنہ

وطن کے سفر کے بعد چند بار مئو کا سفر فرمایا جس کے متعلق حالات اور ملفوظات کو ناظرین نے گذشتہ صفحات میں ملاحظہ فرمایا نیز مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ وہاں بھی بعض ایسے واقعات پیش آئے جو حضرت والا کے لئے تکدر کا باعث ہوئے اور بالآخر وہی سبب بنے ترک اسفار مئو کے۔ وہاں کی ناراضگی کے بعد اگرچہ حضرت والا اہل مئو سے خوش ہوگئے لیکن پھر وہاں تشریف نہیں لے گئے ـــ پھر اسکے چند ہی ماہ بعد سے اسفار بمبئی۔ علیگڑھ۔ لکھنو جون پور شروع ہو گئے۔ اور چند دنوں کیلئے کوپا گنج تشریف لے گئے۔ اب آئندہ سطور میں انھیں اسفار کا اور ہر جگہ کے قیام اور اصلاحی امور کا تذکرہ کرنا ہے۔

ان مقامات میں سب سے اول اور سب سے آخر بمبئی ہی کا سفر ہوا اسلئے پہلے بمبئی کے بعض اسفار کا ذکر کر کے درمیان میں اور مقامات کے زمانہ قیام کے حالات بیان ہوں گے اور آخر میں بمبئی کا آخری سفر اور پھر وہاں سے سفر حج اور سفر آخرت کے متعلق جو یادداشتیں محفوظ ہیں انھیں پیش کرونگا، اللہ تعالے ان تمام امور کا ذکر آسان فرما دے واقعات جو بیان کئے جائیں گے وہ حوالہ سے یا پختہ یاد اور یقین ہی سے ہونگے البتہ تاریخ میں تقدم و تاخر ممکن ہے مثلاً یہ کہ بمبئی حضرت اقدس کئی بار تشریف لے گئے اب کون سا واقعہ کس سفر میں پیش آیا ہو سکتا ہے اسکے بیان میں خلط ہو جائے باقی واقعات کے یقینی ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے اور مقصد ان کے ذکر سے حضرت کی سیرت اور ناظرین کے لئے ان سے سبق لینا ہے جو تاریخ پر موقوف بھی نہیں ہے اور یہ دقت آج اس لئے پیش آئی کہ کل ہم میں سے کسی کو خیال بھی نہ ہوا تھا کہ ایک دن ہمیں ان واقعات کو جمع کرنا ہے ورنہ تیسوں دن اور چوبیسوں گھنٹہ ساتھ رہنے والے کیلئے کیا مشکل تھا کہ ڈائری ساتھ رکھتا اور تاریخ وار سب واقعات اس میں

درج کرتا جاتا لیکن ذہن تو یوں تھا کہ حضرت اقدس کی رفاقت تا زیست رہے گی اس بات کا وہم وگمان بھی نہ تھا کہ حضرت والا ہماری کشتی کو منجدھار میں چھوڑ کر تشریف لیجائیں گے اور بعد میں یہ خدمت اس نا اہل کے سپرد کیجائے گی، بہرحال ماشاء اللہ کان ومالم یشاء لم یکن - اب تو انھیں بے ربط اور بے مزہ عبارت پر قناعت کرنی ہی ہوگی جو کہ اسکا مصداق ہے کہ ؎

بے نمک ہے مری تحریر مگر تلخ نہیں　　　خالی از درد نہیں گرچہ ہے لشٹم پشٹم

(از مرثیہ شیخ الہند تبغیر یسیر)

ہوسکتا ہے کہ آئندہ کوئی اللہ کا بندہ ان میں تسلسل قائم فرمائے اور انکو ناظرین کے لئے بامزہ بنادے - وماذلک علی اللہ بعزیز۔

(تھانہ بھون سے تشریف آوری کے بعد بمبئی کا پہلا سفر)

حضرت اقدس مصلح الامۃؒ قیام تھانہ بھون فرماکر شرف اجازت سے مشرف ہوکر جب وطن تشریف لائے تو اسکے کچھ ہی دنوں کے بعد اپنے بھائی صاحب کے ہمراہ بمبئی کا سفر فرمایا بھائی صاحب قبلہ یعنی جناب حافظ عبدالعلیم صاحب بمبئی میں ریلوے میں ملازم تھے عمارات کا نقشہ وغیرہ بنایا کرتے تھے اور وطن کے لوگوں میں سب سے پہلے بمبئی جانیوالے حافظ صاحب موصوف ہی تھے وہاں کے حالات دیکھنے سمجھنے کے بعد وطن اور اطراف وطن سے بہت سے لوگوں کو بمبئی لیگئے اور کاروبار میں لگا دیا خود اپنے صاحبزادے عبدالعظیم صاحب کے نام سے "پائیدھونی" میں ایک یونانی دواخانہ "عظیم دواخانہ" کے نام سے قائم فرمایا جو بحمداللہ آج تک موجود ہے۔

حضرت اقدسؒ کی تنہائی دیکھکر مشورہ دیا ہوگا کہ چلئے بمبئی کچھ دن کے لئے ہو آیئے حضرت والا نے منظور فرمالیا اور بمبئی تشریف لے گئے

خود کبھی کبھی ہم لوگوں سے مجالس میں وہاں کے واقعات بیان فرماتے
چونکہ حضرت کے مزاج میں دینداری رچی بسی تھی اسلئے بمبئی کی کوئی تفریح
دل کو نہ لگتی بلکہ طبیعت جویاں تھی کہ کسی اللہ والے کی صحبت ملتی تو خوب
ہوتا۔ چنانچہ ع میسد ہدیزداں مراد متقیں۔ بالآخر ایک بزرگ سے ملاقات ہو ہی
گئی، یہ بزرگ تھے خواجہ احمد سرہندیؒ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ
کے ہمنام۔ نام بھی حضرت کا احمد تھا اور وطن بھی سرہند تھا، خواجہ صاحب
کی عرفیت سے مشہور تھے ایک گوشہ نشین بزرگ تھے، صحیح العقیدہ تھے
اور حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانویؒ کے معتقد تھے اپنی مجلس میں حضرت
تھانوی کی باتیں لوگوں سے بیان فرماتے تھے ہمارے حضرت کو ان سے
بہت جلد مناسبت ہوگئی فرماتے تھے کہ جب موقع ملتا تھا خواجہ صاحب
کے یہاں چلا جاتا تھا۔

بمبئی میں جو حالات حضرت والا کے بار بار جانے سے پیدا ہو گئے
تھے پہلے ویسا حال وہاں کا نہیں تھا پیروں کا قبضہ تھا لوگ قبر پرستی اور
پیر پرستی میں مبتلا تھے بدعات کا شیوع تھا اسلئے دنیا دار علماء کے لئے
یہ ایک سرسبز شاداب چراگاہ تھی۔ میلاد کے جلسے، محرم کی مجالس، عرس
وغیرہ بڑے کامیاب تھے علماء دیوبند کا گذر تقریباً ناممکن سا تھا اور دیوبند
کی جانب منسوب ہونے والے کی خاطر اینٹ اور پتھر سے کیجاتی تھی۔ اسی
فضا میں خواجہ احمد سرہندی بزرگ یہاں موجود تھے اور تنہا تھے اسلئے
شروع شروع میں لوگوں نے انھیں بھی دبا لینا چاہا لیکن چونکہ صاحب باطن
اور بزرگ شخص تھے اسلئے لوگ ان سے جیت نہ سکے بلکہ انکی بعض کرامات
کو دیکھکر مرعوب ہو گئے اور اس کے بعد سے انکو کچھ کہنا سننا چھوڑ دیا۔
یہ سمجھتے تھے کہ بزرگ آدمی ہیں بددعا کر دینگے تو ہم تباہ ہو جائیں گے اسلئے
انکی باتوں پر عمل تو نہیں کیا مگر انکو ستانا بند کر دیا۔ چنانچہ وہ گوشہ نشین ہو کر

اپنے گھر رہنے لگے جو کوئی اللہ کا طالب آتا اس سے دین کی باتیں کر لیتے ورنہ اپنے یہاں تنہا بیٹھے رہتے تھے اسی اثنار میں حضرت والا کا بمبئی پہلی بار جانا ہوا خواجہ صاحبؒ کے حالات اور انکی کچھ باتیں بیان فرماتے تھے۔

فرمایا کہ —— خواجہ صاحب سرہندی کو ابتداءً بمبئی والوں نے بہت ہی تنگ کیا حالانکہ وہ کسی سے کچھ کہتے سنتے نہیں تھے مگر لوگوں کے ساتھ انکی رسوم میں شرکت نہ فرماتے اسی لئے لوگ ان سے ناراض تھے وہ اپنا واقعہ خود بیان کرتے تھے کہ ایک سیٹھ سے میں نے ایک بار کچھ کہا (یعنی کوئی امر بالمعروف یا نہی عن المنکر کیا ہوگا) اس پر وہ بہت خفا ہوا اور کہا میں تمکو سمجھتا کیا ہوں تم جیسے کتنے مولویوں کو میں نے ہاتھ پیر بندھوا کر سمندر میں پھنکوا دیا ہے خواجہ فرماتے تھے کہ اس کے اس کبر و نخوت پر مجھے بھی غصہ آگیا اور میں نے اس سے کہا کہ مجھ جیسے مولویوں کو، مجھ جیسے مولویوں کو۔ اس نے کہا ہاں ہاں تجھ جیسے مولوی کو۔ میں نے کہا سن اگر میں سچا ہوا تو تین باتیں کہتا ہوں تیرا مکان سڑک میں آجائیگا۔ اور تیرا ایک عضو سڑ جائے گا۔ اور تیرا لڑکا تیرے سامنے مر جائے گا۔ اگر میں سچا ہوا تو یہ تینوں باتیں تیرے سامنے آوینگی اور اگر جھوٹا ہوا تب تو کوئی بات ہی نہیں۔ خدا تعالیٰ کا کچھ کرنا ایسا ہوا کہ ایک ایک کرکے تینوں باتیں پوری ہوگئیں اور یہ واقعہ تمام بمبئی میں مشہور ہوگیا اسکے بعد سے لوگوں نے مجھے ستانا چھوڑ دیا۔

نیز فرمایا کہ —— خواجہ نے فرمایا کہ میرے مکان کے قریب مسجد تھی پاس ہی ایک اور سیٹھ رہتا تھا جس کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ یہ روپیہ سود پر دیتا ہے اور اسی کی کمائی کھاتا ہے۔ ظالم نماز بھی پڑھتا تھا اور تلاوت قرآن بھی کرتا تھا ایک دن میں ادھر سے گذرا دروازۂ مسجد میں سے دیکھا کہ اکیلے قرآن شریف پڑھ رہا ہے مجھے اسکا وہ عمل یاد آگیا میں نے سوچا کہ اسکی اصلاح کرنی چاہیے، مسجد کے اندر گیا اور قرآن شریف اسکے سامنے

سے اٹھا کر وہ مقام نکالا جہاں سود کھانے کی مذمت ہے اَلَّذِیْنَ یَأْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ الآیہ اور اسکے سامنے مع ترجمہ کے رکھدیا اور کہا ہاں اب خوب ہل ہل کر اسکو پڑھ تاکہ قیامت میں تجھ پر حجت بنے ۔

فرمایا کہ ___ ایک دن خواجہ صاحب کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا سامنے گھڑی لٹکی ہوئی تھی اس نے گھنٹے بجائے اسکو سنکر خواجہ صاحب نے فرمایا بجائے جا ۔ بجائے جا ۔ اسکو عجیب انداز سے فرمایا کہ دیکھو اسکے حوالہ بھی ایک خدمت ہے وہ اس میں کیسی چست ہے کہ ذرا فرق نہیں ہونے دیتی اور ہمارے سپرد بھی ایک کام کیا گیا ہے مگر ہم ہیں کہ اسمیں کیسے سست ہیں گویا گھڑی سے عبرت حاصل فرماتے تھے اور دوسروں کو متوجہ فرماتے تھے ۔

فرمایا کہ ___ ایک دن خواجہ صاحب کے یہاں بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں ایک شخص آیا اور اس نے وسوسہ کی شکایت کی اور اسکا علاج دریافت کیا خواجہ صاحبؒ نے دروازہ کیجانب اشارہ کرکے فرمایا کہ دیکھو جب مجھے یہ منظور ہوتا ہے کہ کوئی دوسرا میرے پاس نہ آئے اور میں تنہائی میں رہوں تو اس دروازہ کو اندر سے بند کر لیتا ہوں لوگ آتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ یہ ملنے کا وقت نہیں ہے واپس چلے جاتے ہیں ۔ اور جب یہ چاہتا ہوں کہ لوگ آئیں اور ملاقات کریں تو دروازہ کھولے رکھتا ہوں ۔ اسی طرح قلب کا حال ہے ۔ جب اسکا پھاٹک کھلا رہے گا تو جس کا جی چاہے گا اندر گھس آئیگا اور جب اسکو بند کر دیا جائے گا تو پھر مجال ہے کہ کوئی غیر اسمیں آسکے ۔ پس اب تم سے کہتا ہوں کہ تم جو وسوسہ کی شکایت کرتے ہو کہ آتے ہیں اور پریشان کرتے ہیں تو تم نے اپنے دل کا دروازہ بند ہی کب کیا ہے جو وساوس کے آنے کی شکایت کرتے ہو ۔ تمھارے قلب کا دروازہ

ہر خاص و عام کے لئے جب کھلا رہے گا تو سب ہی لوگ اس میں آجائینگے
شیاطین بھی اسمیں آجائیں گے۔ پہلے قلب کا دروازہ ذکر کا پہرہ دار
مقرر کر کے بند کرو پھر اسکے بعد بھی وسوسہ آئے تو شکایت کرنا ابھی تو تم نے
خود اسکے آنے کا انتظام کر رکھا ہے پھر اسکی شکایت کیا۔

بہت ہی حکیمانہ بات فرمائی انکی اسی قسم کی باتیں ہوتی تھیں جو مجھے
بہت پسند آتی تھیں۔ چنانچہ اس مسئلہ کو ہمارے حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ
نے بھی اسی طرح بیان فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ؎

آسکے غیر مرے خانۂ دل میں کیسے   کہ خیال رخ دلدار ہے درباں اپنا

انھیں تعلیمات سے معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ صاحب محقق شخص تھے۔ سبحان اللہ
اہل بمبئی نے انکی قدر نہیں پہچانی صرف چند ہی حضرات تھے جو ان کے پاس
آتے جاتے تھے۔ میں جب بعد میں بمبئی آنے جانے لگا اور وہاں مولوی
عبدالرزاق صاحب بدلاپوری سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے کہا جی ہاں
وہ بہت بزرگ آدمی تھے میں بھی انکے پاس آنا جاتا تھا اور واقعی مولوی
عبدالرزاق پر انکی صحبت کا کافی اثر تھا نہایت پختہ اور راسخ العقیدہ شخص
تھے میرے پاس برابر آتے تھے بلکہ میرے ساتھ رہتے ہی تھے۔

فرمایا کہ ـــــ جن دنوں میرا قیام بمبئی میں تھا (مراد اس سے یہی
پہلے سفر کا قیام ہے) تو ایک صاحب جو حضرت تھانویؒ سے بیعت تھے
میرے پاس پابندی سے آیا کرتے تھے ایک دن نہیں آئے دوسرے دن
جب آئے تو میں نے دریافت کیا کہ خیریت تو ہے کل آپ تشریف نہیں لائے
کہنے کہ ہاں بات یہ ہے کہ مجھے خیال یہ آیا کہ ہمارے حضرت (حضرت تھانویؒ)
تو سمندر ہیں اور آپکی مثال تو نہر کی سی ہے میں انکا مطلب سمجھ تو گیا لیکن
انھیں سے دریافت کیا کہ اسکا مطلب؟ کہنے لگے کہ سمندر کو چھوڑ کر نہر کے
پاس جانا سمندر کی ناقدری ہے۔ میں اسوقت تو خاموش رہا اور ان سے

کچھ نہ کہا لیکن دوسرے وقت انھیں پہلے تو دلیل نقلی سے قائل کیا وہ اس طرح کہ انھوں نے مجھے اپنا ایک خط دکھایا تھا جس میں حضرت تھانوی رح سے میری بابت پوچھا تھا کہ وہ یہاں آیا ہوا ہے میں اسکے پاس جایا کروں ؟ حضرت نے جواب تحریر فرمایا تھا کہ ہاں ہاں ضرور ضرور۔ میں نے انھیں یہ مکاتبت یاد دلائی تو کہنے لگے ارے ہاں یاد آیا میں تو بات بھول جاتا ہوں اسکے بعد میں نے سوچا کہ انھیں اب دلیل عقلی سے قائل کرنا چاہیئے۔ میں نے کہا کہ سنیئے آپ نے مجھے نہر کہکر اور ہمارے شیخ کو سمندر کہکر باہم جو مقابلہ کیا ہے یہ تقابل صحیح نہیں ہے کیونکہ شیخ اور مرید کا مقابلہ ہی کیا مرید تو شیخ ہی میں فنا ہوتا ہے ہاں کسی شیخ کا فضل دوسرے مشائخ سے مقابلہ کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے، مگر چونکہ آپکی نیت اس کہنے سے میری تحقیر تھی اس لئے نفس نے اسکی ایک مثال آپ کے سامنے مزین کر دی، ورنہ ہم میں اور ان میں کوئی نسبت نہ ہونا جس طرح مجھے مسلم ہے آپکو بھی مسلم ہے پھر اسکے باوجود ایک مسلمہ امر کو آپ میرے منہ پر بیان کر رہے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپکا مقصود سوا اسکے کہ میرے منہ پر میری تنقیص کریں اور کچھ نہیں ہے، جب ایسا ہے تو سنیئے گو مجھکو کچھ کہنا نہ چاہیئے لیکن آپ سے کہتا ہوں کہ یہ مثال صحیح نہیں ہے اسکو یوں سمجھیئے کہ ایک شخص پیاسا ہے اسکو پانی کی فی الفور حاجت ہے اور سمندر اس سے ہزار کوس کے فاصلہ پر ہے لیکن ایک گلاس پانی سامنے ہی موجود ہے جو مقدار میں تو ہے کم کہ سمندر میں اور اس میں کوئی نسبت ہی نہیں لیکن اسکی پیاس بجھانے کے لئے کافی و وافی ہے۔ اب آپ سے پوچھتا ہوں بتائیے آپکی عقل کا کیا فیصلہ ہے اس شخص کو اس گلاس سے فائدہ اٹھانا چاہیئے یا اسے حقیر سمجھکر چھوڑ کے سمندر کی طرف چل دینا چاہیئے چاہے وہاں تک پہونچنے سے پہلے ہی مر جائے ـــ تب انکی آنکھ کھلی ـ میں نے کہا کہ مجھے بھی تو اسی سمندر کی سکھائی ہوئی باتیں یاد ہیں۔

(وصیۃ الاخلاص حصہ اول ص ۲۱)

اس موقع پر خواجہ احمد سرہندیؒ کی ایک بات اور یاد آئی چونکہ انکی باتوں کا بیان ہو رہا ہے اسلئے اسکو بھی یہاں بیان کر دینا بے موقع نہو گا اگرچہ اسکا تعلق حضرت کے اس سفر کیساتھ نہیں ہے بلکہ جب حضرت کی آمد و رفت برابر اور مسلسل بمبئی ہونے لگی اور مولانا بدلا پوری جنکا تذکرہ ابھی گذر چکا ہے وہ بھی حضرت کی مجلس میں آنے جانے لگے تو ایک موقع پر انھیں نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت میں بھی خواجہ احمد صاحب کی مجلس میں حاضری دیتا تھا مجھ سے بڑی محبت فرماتے تھے بعد میں جب علماء دیوبند کی آمد و رفت زیادہ ہوئی تو ایکمرتبہ حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ بھی تشریف لائے خواجہ صاحبؒ انکو جانتے تھے کہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے پوتے ہیں، فرمایا کہ مولوی طیب سے کہدو کہ جب بمبئی میں اہل حق کی خاطر ڈلے پتھر سے کیجاتی تھی اسوقت کہاں تھے اور اب جب مرغ و بریانی ملتی ہے تو تم بھی آئے ہو۔ خواجہ صاحبؒ کا مقصد اس سے قاری صاحب پر کچھ اعتراض کرنا نہیں تھا نہ اپنی بڑائی ظاہر کرنی تھی بلکہ ان سے یہ کہنا چاہتے تھے کہ یہاں بمبئی میں مخالفین کی مخالفت ہم نے سہی اور الحمدللہ اب فضا صاف اور میدان ہموار ہو گیا ہے بید ھڑک جہاں جی چاہے تقریر کرو اب لوگ سنیں گے اللہ نے مخالفت کا دور ختم کر دیا اور واقعی بمبئی کے حالات کچھ اسی قسم کے تھے اسقدر بدعات اور پیر پرستی کا شیوع تھا کہ اہل حق کا اس فضا میں سانس لینا دشوار تھا لیکن راستہ کے روڑے وہاں کے خواجہ صاحب جیسے لوگوں نے ہٹائے اور پھر علماء دیوبند اور دیگر حضرات نے زمین ہموار کی ـــــ اب ضرورت اسی بات کی رہگئی تھی کہ اس ہموار زمین میں تخم ریزی کر دی جائے۔ علماء و مشائخ بھی تمام کے تمام ایک درجہ کے نہیں ہوتے عادۃ اللہ یونہی جاری ہے کہ کوئی کام کوئی اور کرتا ہے اور کوئی کسی اور کے حوالہ ہوتا ہے۔

الحمدللہ کہ اللہ تعالےٰ نے اس تخم ریزی کا کام ہمارے حضرت مصلح الامۃ رحمۃ اللہ علیہ سے لیا چنانچہ آئندہ سطور میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔

(اسفار سلسلۂ بمبئی کا پہلا سفر)

حضرت اقدس نے الہ آباد تشریف آوری کے بعد بمبئی کے پانچ یا چھ سفر فرمائے ان میں سے پہلا سفر تو وہاں کے لوگوں کی درخواست پر فرمایا جسمیں قیام غالباً کلیر روڈ ہی پر رہا اور تقریباً دس تقریریں ہوئیں جن میں سے پانچ تقریریں وصیۃ التلاوۃ کے نام سے رسالہ معرفت حق اپریل ومئی ۱۹۶۸ء میں شایع ہوچکی ہیں اور دوسرا عزیزم مولوی ارشاد احمد سلمہٗ کے آپریشن کے سلسلہ میں پیش آیا۔ پھر تیسرا سفر فالج کے حملہ کے بعد لکھنؤ کے معالجہ سے صحت یاب ہوکر بسلسلۂ تبدیل آب وہوا فرمایا گیا اور اس سفر میں کلیر روڈ پر امین بھائی اور عزیز بھائی وغیرہ کے زیر انتظام حضرت والا کا قیام الگ اور بہنوں کا قیام الگ مکان میں ہوا۔ اور چوتھا سفر بھی الہ آباد کی گرمی کی شدت سے بچنے کے لئے اور بمبئی کی معتدل آب و ہوا کے حصول کی غرض سے ہوا اور اسدفعہ آگرہ روڈ۔ کرلا۔ سلیمان بلڈنگ میں پہلی بار قیام رہا۔ پانچواں سفر بھی بغرض تبدیل آب وہوا ہی ہُوا لیکن اسدفعہ حضرت والا کی صاحبزادیوں کے ہمراہ احقر کے اہل وعیال بھی بمبئی گئے۔ حضرت والا کا قیام سمیع بلڈنگ میں کچھ دنوں رہا اور صاحبزادیاں اور میرے بچے بھائی صابر صاحب کے مکان میں اور اسی محلہ کے ایک دوسرے مکان میں رہے۔ پھر چند دنوں کے بعد سلیمان سیٹھ ہی سے لوگوں نے کہکر سلیمان بلڈنگ ہی کے چند فلیٹ حاصل کر لئے ... اور حضرت اقدسؒ کے ہمراہ ہم سب اسی بلڈنگ میں منتقل ہو گئے۔ اسی سفر میں واپسی سے ایک روز قبل اخبار میں حضرت والا کے نام آجانے کا ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آگیا جسکی وجہ سے حضرت اقدس کو سخت تکدر ہوا اور اہل بمبئی سے ناراض ہوکر الہ آباد تشریف لائے لیکن چونکہ اس حرکت کا افسوس خود اہل بمبئی کو بہت زیادہ ہوا اور ان کے غایت احساس کا اثر بوقت روانگی اسٹیشن پر انکے ہجوم اور آہ و بکا سے خود حضرت والا پر پڑا اسلئے فوراً ہی چھٹا سفر فرمایا گیا جو الہ آباد سے آخری بار کا سفر تھا۔ اس دفعہ راقم

بال بچوں کو الہ آباد ہی چھوڑ کر تنہا رفیق سفر رہا ۔ پھر اسکے بعد حج کا ارادہ فرمالیا اور اسکے انتظامات ہونے لگے لوگوں کو جب اسکا علم ہوا کہ حضرت والا حج کو مع اہل و اور چند خدام کو ہمراہ لیکر تشریف لیجارہے ہیں تو بمبئی میں بھی لوگوں کا ہجوم بڑھنے لگا۔ ان سب امور کی تفصیل ناظرین آئندہ سطور میں ملاحظہ فرمائیں گے ۔

راقم نے بہت قبل کئے ہوئے ایک سفر کو پہلا سفر قرار دیا ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے ۔ اسوقت حضرت والا کی شہرت زیادہ نہیں ہوئی تھی لیکن اپنی مجالس میں حضرت نے اسکا ذکر تو کیا ہے مگر پہلا سفر اور دوسرا سفر کا نام اپنے اسفار مسلسلہ ہی کو دیا ہے پس ہم نے بھی پہلا اور دوسرا سفر عنوان میں اسی کو قرار دیا ہے جو اہل بمبئی کی دعوت پر آپ نے فرمایا تاکہ بیان میں غلط نہ واقع ہو ۔ چنانچہ بمبئی میں پہلے سفر کے پہلے وعظ میں خود حضرت نے ارشاد فرمایا کہ

"میں یہ کہہ رہا تھا کہ اسوقت جو یہاں آنا ہوا ہے تو اسلئے نہیں کہ آپ کے بلانے کی وجہ سے آگیا ہوں ۔ اتنی کمزوری نہیں ہے یوں بظاہر دیکھنے میں آپ کمزور پاتے ہونگے مگر یہ کہ اتنا کمزور نہیں ہوں بلکہ یہ سوچا کہ اگر کچھ کام ہی کرنا ہے تو کسی دوسری جگہ دو چار روز چل کر دیکھ لوں ۔ یوں مسلمانوں کی حالت سے طبیعت بہت مرجھائی ہوئی رہتی ہے اور کہیں جانے کو جی نہیں چاہتا ۔ لہٰذا آپ یہ مت سمجھئے گا کہ یہاں کسی اور کام کیلئے آئے ہیں ۔ بس یہی سمجھ لیجئے کہ بمبئی دیکھنے کے واسطے آئے ہیں یعنی جس طرح آپ ہم لوگوں کو دیکھنا چاہتے ہیں ہم بھی آپکو دیکھنا چاہتے ہیں لہٰذا اب آپ ہمکو دیکھئے اور ہم آپ کو دیکھیں کہ آپ نے ہم سے کتنا تاثر لیا ہے اور کیسا کچھ کام کرنا چاہتے ہیں ۔ بہت دن سے بمبئی کا شور سنتے تھے ، یوں بہت زمانہ ہوا اس سے پہلے بھی یہاں آچکے ہیں ۔ مگر یہ انقلابات ہوتے ہی رہتے ہیں ؎

دہر میں کیا ہوئے ہیں انقلابات عظیم   آسماں بدلا ، زمیں بدلی ، نہ بدلی خوئے دوست

اسواسطے ہم نے سوچا کہ چلکر دیکھیں کہ لوگ کیا کر رہے ہیں (۱۶ اپریل ۱۹۶۱ء معرفت حق)

ملاحظہ فرمایا آپ نے حضرت والا نے استفار مُسلسلہ کے پہلے سفر کی غرض خود ہی بیان فرمائی اور اسی ذیل میں اسکا بھی ذکر فرمایا کہ میں بہت پہلے بمبئی آچکا ہوں یہ وہی سفر ہے جسکو راقم نے تھانہ بھون سے وطن تشریف لانے کے بعد بمبئی کے سفر کا عنوان دیا ہے۔ اسی طرح سے ایک اور مجلس میں سفر بمبئی کی وجہ ذرا مفصل بیان فرمائی۔ فرمایا کہ :-

جب میں پہلی بار بمبئی آیا تو بیمار نہیں تھا تندرست تھا، وہ کاتب صاحب بیٹھے ہیں انھیں کیوجہ سے آیا۔ انھوں نے کہا کہ ہم لوگوں نے کام کیا ہے، آپکی کتابیں وہاں لوگوں کو پہونچائی ہیں اور وہاں حضرت کے متوسلین اور معتقدین کی ایک خاص جماعت ہوگئی ہے اور لوگ مشتاق ہیں حضرت جو کچھ فرمائینگے اسکو انشاء اللہ دل سے سنیں گے اور عمل کریں گے۔

میں نے جب ان لوگوں کی طلب دیکھی تب بھی یہ نہیں کیا کہ بھاگا چلا آتا بلکہ یہ مولوی ریاست علی صاحب کوٹ بیٹھے ہوئے ہیں یہ الہ آباد میں تھے میں نے انھیں سے پوچھا کہ لوگ مجھے بمبئی لیجانا چاہتے ہیں وہاں تو علماء کی آمدورفت ہے ہی وعظ و تبلیغ ہورہی ہے میری وہاں کیا ضرورت ہے؟ انھوں نے کہا نہیں ضرورت ہے، اسلئے کہ اور علماء کی اور بات ہے اور آپکی اور بات ہے۔ اُن حضرات نے جو وعظ کہا اسکی حیثیت بس ایسی ہے جیسے زمین ہموار کردی گئی ہے باقی یہ کہ تخم ریزی (یعنی ان باتوں کو دل میں ڈال دینا یہ آپ ہی کا کام ہے ان لوگوں کے بس کی بات نہیں۔

میں نے کہا کہ یہ بات کہ میں تخم ریزی کر بھی سکتا ہوں یا نہیں اور اس کا اہل ہوں یا نہیں یہ تو دوسری بات ہے مگر آپ نے ایک کام کی بات کہی تو سہی اور ایک فرق تو بیان کیا اور ظاہری تعلیم و تعلّم اور تقریر و وعظ کے علاوہ باطنی فعل کی ضرورت تو محسوس کی۔

غرض ان تمام مراحل کے بعد آیا اور پھر یہاں آنے کے بعد

میں نے جو بات کہی وہ آپ کو یاد ہی ہوگی میں نے یہ کہا کہ میرے جیسے آدمی کے متعلق آپ لوگوں کو یہ خیال ہوگا کہ یہ یہاں کیوں آیا ہے ؟ تو اس کے متعلق یہ کہتا ہوں کہ یہاں ہر قسم کے لوگ آتے ہیں ایک میں بھی آگیا تو کیا جرم کیا ؟ آگیا کسی وجہ سے ۔

پھر میں نے کہا کہ میں یہاں آیا ہوں آپ لوگوں کو دیکھنے کے لئے ۔ اور دیکھنے سے مراد آپ کی شکل و صورت نہیں ہے اسلئے کہ صورت و شکل کے اعتبار سے تو الہ آباد میں بھی لوگ کچھ کم نہ نکلے بلکہ یہاں جو آیا ہوں تو آپکا دین دیکھنے آیا ہوں کہ دیکھوں آپ میں کتنی دینداری ہے ۔ میں آپ کے یہاں مال کے لئے نہیں آیا ہوں لہٰذا سنبھل کر آئیے گا اور یہ سمجھکر آئیے گا کہ دین اور دینداری کا امتحان دینے جا رہا ہوں اور سب آنے والوں کو ایک ہی لکڑی سے نہ ہانکئے گا ۔

یہ تفصیل تھی میرے پہلے بار آنے کی ، پھر کچھ بیمار ہوگیا اور طبیبوں کے مشورہ سے سردی اور گرمی میں یہاں کا قیام تجویز ہوا ۔

(معرفت حق فروری ۱۹۶۸ء ص ۱۲ ، ۱۳)

اسی طرح سے ایک اور مجلس میں فرمایا :-

عام طور سے میرا طریقہ کہیں آنے جانے کا نہیں ہے لیکن یہاں بمبئی جو آیا یا علی گڑھ کا سفر جو پیش آیا تو خاص حالات کی بنا پر پھر بھی میں جب کہیں آتا جاتا ہوں تو احباب سے اسکے متعلق اچھی طرح مشورہ کرلیتا ہوں چنانچہ جب بصیرت کے ساتھ سفر کی ضرورت سمجھ لیتا ہوں تب ہی کہیں کا ارادہ کرتا ہوں

پہلی بار جو بمبئی آنا ہوا تو یہ مولوی صاحب جو بیٹھے ہوئے ہیں (مراد مولوی ریاست علی صاحب کوٹ فتحپوری) میں نے ان سے بھی مشورہ لیا کہ وہاں تو علماء آتے ہی جاتے ہیں میری وہاں کیا ضرورت ہے اس پر انھوں نے نہایت عمدہ بات کہی کہ جانے کی ضرورت ہے اسلئے کہ اور حضرات

کے ذریعہ وہاں زمین ہموار ہو چکی ہے اب اس میں تخم پاشی کی ضرورت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک زمین کا ہموار کرنا ہے اور ایک اس میں تخم پاشی کرنا ہے یہ دو کام ہیں بعض زمین ہموار کرتے رہے تخم پاشی نہیں کرسکے اس فرق سے میں خوش ہوا مگر اس تخم پاشی کا میں اہل ہوں یا نہیں یہ الگ بات ہے باقی بات ان مولوی صاحب نے نہایت عمدہ کہی۔

(معرفت حق ص ۳۷ جنوری ۶۷ء)

اس سفر میں حضرت مصلح الامۃ نے بمبئی میں دس روز قیام فرمایا۔ الہ آباد سے ۸ اکتوبر ۶۳ء کو روانگی ہوئی اور ۲۰ اکتوبر ۶۳ء کو الہ آباد واپسی ہوئی اور کلیر روڈ پر قیام فرمایا تھا۔ اور دس ۱۰ مواعظ جو وہاں کے لوگوں نے ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ محفوظ کر لئے تھے اسکی نقل حاصل کر لی گئی جن میں سے پانچ مواعظ جو حضرت والا کی نظر ثانی سے گذر چکے تھے وہ رسالہ معرفت حق اپریل ہی ۶۹ء میں طبع ہو چکے ہیں اور بقیہ پانچ کا مسودہ بعض احباب سے کسی سفر میں ضائع ہو گیا ان پانچ مطبوعہ میں سے پہلے وعظ میں حضرت والا نے اہل بمبئی کے حالات کے مناسب مضامین ارشاد فرمائے اسکا اقتباس پیش خدمت ہے۔

(پہلی مجلس کا خلاصہ)

خطبۂ ماثورہ کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی کہ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ ۚ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ ۝ ــ اور اسکے بعد فرمایا ــ یعنی یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے انکو بہت ہی کم قیمت میں بیچ ڈالا یعنی گنتی کے چند درہم کے عوض اور وجہ اسکی یہ تھی کہ وہ لوگ انکے قدرداں تو تھے ہی نہیں کہ انکو متاع نفیس کیطرح مال کثیر کی تحصیل کا آلہ بناتے۔ اس آیت کے متعلق تو میں بعد میں بیان کروں گا ابھی یہ سنیئے کہ :۔

جو حضرات یہاں تشریف لایا کرتے ہیں میں ان میں سے نہیں ہوں

میری زندگی کے حالات شاید آپ لوگوں کو معلوم نہیں اسکے متعلق اتنا اور
عرض کرتا ہوں کہ زمانہ کے فتن اور حوادث سے جیساکہ آپ گھبراتے ہیں میں بھی
گھبراتا ہوں اسلئے گھر سے باہر نکلنا بھی پسند نہیں کرتا لیکن مسجد جانا چونکہ ضروری
ہے اسلئے وہاں تک چلا جاتا ہوں پھر بھی ظاہری و باطنی فتنوں کی وجہ سے
ڈرتا ہی رہتا ہوں اور خاص کر ان فتنوں سے جو ہم لوگوں کے ساتھ ہوتے ہیں
طبیعت میں ہر وقت ایک خوف و ہراس سا رہتا ہے اور انھیں فتنوں کے
خوف سے کہیں جانے کی ہمت نہیں پڑتی اور نہ کہیں آتا جاتا ہوں مگر اسکی
وجہ آپ خود سمجھئے کہ آخر یہاں کیوں آگیا ہوں یعنی جو آدمی کہیں جانا نہ چاہتا ہو
بلکہ گھر کے باہر نکلنے سے بھی گھبراتا ہو وہ یہاں اتنی دور و دراز کا سفر کر کے
کیسے آگیا ظاہر ہے کہ اسمیں اللہ تعالےٰ کا کچھ بھید ہوگا بس یوں سمجھئے کہ ؎

رشتہ، در گردنم افگندہ دوست ‌‌ ‌ می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

دوست یعنی اللہ تعالےٰ نے ایک قلادہ میری گردن میں ڈال رکھا ہے
جہاں چاہتے ہیں لیجاتے ہیں

لیکن آپ کے یہاں آنے کیوجہ سے اور اس وجہ سے کہ ہم اکیلے ہیں
کیا آپ ہماری بات کو رُلا دیں گے؟ ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا اسلئے کہ اگرچہ آپ
بہت ہیں لیکن اللہ تعالےٰ فرما رہے ہیں ءَ اَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ
الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ یعنی کیا بہت سے ارباب بہتر ہیں یا صرف اللہ واحد القہار۔

میں نے یہ مضمون اسوجہ سے شروع کیا ہے کہ زمانہ کے فساد کیوجہ
سے طبیعت میں ایک ہول و ہراس سا گیا ہے مگر اسکو ہم اچھا بھی سمجھتے ہیں
اسلئے کہ اسکی وجہ سے ہم اس سے ہر وقت چوکنا اور ہوشیار رہیں گے تو
اک دم سے کھلکر کوئی اقدام نہ کرینگے بلکہ ڈرتے رہیں گے اور اللہ تعالےٰ
سے ہر وقت یہ دعا کرتے رہیں گے کہ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْفِتَنِ
مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ یعنی یا اللہ ہم ظاہری و باطنی فتنوں سے آپکی پناہ

چاہتے ہیں۔ اسلئے کہ جب ڈر سمایا ہوا ہے تو اس سے نکلنے کی بجز اسکے اور کوئی صورت نہیں ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ ہی کی پناہ مانگے یہ سنت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ لہٰذا جو شخص دین کے کام کے لئے تیار ہو اور کچھ کام کرنا چاہتا ہو اسکو وہ سب باتیں پیش نظر رکھنی ہونگی جو انبیا علیہم السلام نے اصلاح امت کے سلسلہ میں اختیار فرمائیں جب تک بالکل اسی طریقہ کو نہ اپنائے گا کچھ کام نہ کر سکے گا لہٰذا جس طرح فتن سے احتراز کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی ہے اسی طرح سے انکے متبعین کو بھی کرنا ہوگا اور ہمارے ساتھ ان فتنوں کا ہونا بھی ضروری ہے اس لئے کہ ہمارے متعلق جو فتنے ہیں اسکے بارے میں اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتے ہیں وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ یعنی اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت شیطان پیدا کئے تھے کچھ آدمی اور اور کچھ جن۔

قرآن شریف میں شیاطین الانس اور شیاطین الجن دونوں گروہوں کو بیان فرمائے ہیں کہ۔ انہیں سے شیاطین الجن شیاطین الانس کو اغوا کرتا ہے اور طرح طرح کی باتیں انکے قلوب میں ڈالتا رہتا ہے يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا۔ چنانچہ مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ شیاطین الانس وہ لوگ ہیں جو شیاطین الجن کے اغوا اور وسوسے کو بیداری میں قبول کرتے ہیں۔

سنیئے جس طرح ہم لوگ پڑھاتے لکھاتے ہیں اسی طرح شیطان نے بہتوں کو پڑھایا ہے اور اسکے بہت سے شاگرد ہو گئے ہیں۔ اس نے اپنے شاگردوں کو لوگوں کے اغوا کے لئے چھوڑ دیا ہے اور خود سامنے نہیں آتا چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے علما جو اپنے وقت کے امام تھے انکی تصانیف آپنے بھی دیکھی ہونگی اور ان کے احوال کا مطالعہ فرمایا ہوگا جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ

انکی زندگی اسوۂ حسنہ تھی اور انکے قلب میں (ہاتھوں سے اشارہ کر کے فرمایا کہ) اتنے اتنے انوار تھے مگر بجائے اسکے کہ انکے زمانہ کے لوگ ایسے حضرات کے وجود کو غنیمت شمار کرتے اور انکی طرف رجوع ہوتے اور ان سے نور ایمان وعرفان حاصل کرتے مخالفت ہی پر کمر بستہ رہے اور انکی وفات کے بعد دیکھا کہ ان کو بری طرح سے کریہہ الفاظ میں یاد کرتے ہیں حالانکہ خود ان لوگوں کو ہم دیکھتے ہیں کہ دین کا کچھ زیادہ احساس نہیں ہے چنانچہ میں ان لوگوں سے کہتا ہوں کہ اسی دنیا میں ہم بھی رہتے ہیں پھر ہماری رائے کیوں معتبر نہیں ہے آخر ہم بھی تو عقل ورائے رکھتے ہیں آنکھ رکھتے ہیں تجربہ رکھتے ہیں تو پھر ہمارے تجربات ومشاہدات کا اعتبار کیوں نہیں ہے؟ ہم تو آپ کو دیکھتے ہیں کہ آپ میں کچھ بھی دین نہیں ہے اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ جو لوگ کامل بلکہ اکمل دین رکھتے ہیں اور حقیقی متبع سنت ہیں انکے متعلق آپ بدگمانی رکھتے ہیں اور انکے متعلق آپ ناشائستہ کلمات استعمال کرتے ہیں العیاذ باللہ۔ کیا یہی دین ہے کہ اپنے اکابر کو برا کہا جائے اور اب اسکو کیا کہا جائے۔ بس اسی آیت کو بار بار پڑھتا ہوں وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا ۚ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ ۖ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ۝ یعنی جس طرح آپ کے دشمن ہیں اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت سے شیاطین الانس اور شیاطین الجن میں سے بنائے جن میں سے بعضے دوسرے بعضوں کو چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے ہیں تاکہ انکو دھوکہ میں ڈالدے اور اگر اللہ تعالےٰ چاہتا تو یہ ایسے کام نہ کرسکتے سوان لوگوں کو اور جو کچھ یہ افترا پردازی کر رہے ہیں اسکو آپ رہنے دیجئے یعنی اسکی فکر وغم میں نہ پڑیئے ہم خود متعین وقت پر مناسب سزا دیں گے۔

اور اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کے دشمن اسواسطے بنائے کہ عداوت سے بہت کام ہوتا ہے کیونکہ یہ دنیا دار الابتلاء ہے۔

چنانچہ ابتلا ہی کے لئے اللہ تعالے نے شیطان اور نفس کو پیدا فرمایا مگر یہ ابتلا اسوقت تک تام نہیں ہوتا جب تک کہ اچھی طرح دشمنی نہ کیجائے اس لئے شیاطین الانس کو بھی پیدا فرمایا اور وہ یہی کفار فجار اور فساق ہیں جو دین کو ناپسند کرتے ہیں اور دراصل یہ شیطان ہی کے اولیا اور شیطان ہی کے مقرب ہیں اسکی باتوں کو سنتے اور کان لگاتے ہیں اور ہر نبی کے لئے اسکا ہونا ضروری ہو اس لئے کہ نبی ہدایت کے لئے مبعوث ہوتا ہے تو جب اسکے بالمقابل کوئی ضلالت کا پھیلانے والا نہ ہو یہ ابتلا کیونکر کامل ہو سکتا ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ جو لوگ انبیا علیہم السلام کے طریقہ پر ہیں اور اس کام کو کر رہے ہیں انکے دشمن بھی شیاطین الانس اور شیاطین الجن ہوں اُس واسطے ہم ان لوگوں سے کہتے ہیں کہ تم جو ہم سے عداوت کرتے ہو تو یہ انبیا علیہم السلام کی سنت ہے اور اسمیں ہمارا فائدہ ہے لہذا اب تم بھی کوشش کرو اور ہم بھی کوشش کریں گے ۔ اور جس طرح شیاطین الانس اپنی کوشش کر کے تھک گئے مگر انبیار برابر آتے رہے اسلام کا چرچا ہوتا رہا لوگ اسکو قبول کرتے رہے اسی طرح ہوتا رہے گا چنانچہ اب بھی اسلام باقی ہے تو اس عداوت سے کچھ بھی نقصان نہیں بلکہ نفع ہی ہوا اسلئے کہ عداوت کیوجہ سے حضرات انبیا اور ان کے نائبین پورے طور سے ان دشمنوں کے مقابلہ کے لئے تیار ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کیطرف ظاہر و باطن میں رجوع ہو جاتے ہیں اور اپنی دعوت و تبلیغ میں خوب اچھی طرح مستعد ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالے سے دعائیں مانگتے ہیں کہ ان لوگوں کی عداوت اور ضرر سے بچائے ۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بڑی قدرت ہے ۔ پس جس طرح ادہر شیاطین ہیں تو ادہر فرشتے ہیں ہر طرح کی نصرت اور تائید ان کے ساتھ ہوتی ہے اور یہ دشمن کچھ بھی نقصان نہیں پہونچا سکتے اور جب حضرات اللہ تعالےٰ پر کامل توکل رکھتے ہیں تو ان کو خاطر میں کب لاتے ہیں کہ یہ کس کھیت کے بتھوے ہیں ۔

آپ کی سمجھ میں نہیں آرہا ہوگا کہ یہ میں کیوں کہہ رہا ہوں بات یہ ہے کہ خود بھگتا ہوں اسلئے کہہ رہا ہوں۔ جہاں بھی رہتا ہوں کسی سے کچھ تعرض نہیں کرتا اور پھر سنتا ہوں کہ کوئی یہاں کچھ کہہ رہا ہے کوئی وہاں کچھ کہہ رہا ہے اسی وجہ سے کہیں جاتا نہیں ہوں مگر معلوم نہیں کیسے یہاں آگیا ہوں۔

عام طور پر لوگوں کے حالات سے جہاں تک تجربہ ہوا ہے یہی کہ نہ تو انکے پاس قرآن ہے نہ حدیث نہ کچھ عقل ہے نہ فہم، نہ سمجھ ہے نہ دین، نہ سنت جانتے ہیں نہ فرض مگر علمار کرام کی نسبت بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ دوسرے سلسلہ کے لوگ ہیں یعنی شیاطین الانس جو شاگرد ہیں شیاطین الجن کے۔

یہ کہہ رہا ہوں کہ جب قرآن شریف میں شیاطین الانس کا بھی ذکر ہے تو اسکا وجود ماننا ہوگا۔ شیطان الجن کی تفسیر تو آپ جانتے ہوں گے کَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ (وہ جنوں میں سے تھا پس اپنے رب کے حکم سے عدول کیا) اسی طرح شیطان الانس کو بھی معلوم کرنا ہوگا کہ کسے کہتے ہیں اسکے متعلق میں عرض کر چکا ہوں کہ شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:۔

شیطان الانس وہ لوگ ہیں جو شیطان الجن کے اغوار کو بیداری اور خواب میں قبول کرتے ہیں ۔جس طرح سے شیطان الانس انبیار علیہم السلام کے دشمن تھے اور انکی طرح طرح سے شکایت کرنے اور ضرر پہونچانے میں رات دن انکی سعی صرف ہوتی تھی اسی طرح اب انکے نائبین کے ساتھ انکا برتاؤ ہوتا ہے کیونکہ دونوں سلسلے اسوقت سے ابتک برابر چلے آرہے ہیں اگر ان لوگوں کو یہ معلوم ہوجائے کہ ہم لوگ جو کر رہے ہیں یہ شیاطین الانس جو شیاطین الجن کے شاگرد ہیں انکا کام ہے اور یہ حقیقت انکی سمجھ میں آجاوے کہ ہم لوگوں کا شمار اس سلسلہ میں ہے تو اپنی حرکات سے باز آجائیں مگر ان لوگوں کے حال سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم لوگ ایک بہت بڑا کام کر رہے ہیں کہ جتنے بڑے بڑے

درجہ کے لوگ ہیں سب کو سمجھ لیتے ہیں کہ بڑے سے بڑا ولی بھی کچھ نہیں ہے۔
تو میں ان سے کہتا ہوں کہ آپ اپنے کو بھی سمجھتے ہیں کہ آپ کون ہیں؟ اگر آپ نے
بڑے بڑے لوگوں پر اعتراض کر دیا اور سب کو فیل کر دیا تو اس سے کیا ہوا؟ اور
اگر آپ نے اکابر اولیار اور علمار کا عیب نکال دیا تو کیا آپ کامل ہو گئے۔ ہاں اگر
آپ اپنا عیب نکالیں گے تو البتہ کامل ہو سکتے ہیں۔ دوسرے کا عیب نکالنے
سے کوئی کامل نہیں ہو سکتا بلکہ آدمی اپنی اصلاح کرنے سے کامل ہوتا ہے
دوسروں کی عیب جوئی سے نہیں۔ البتہ دوسروں کی اصلاح وہ شخص کر سکتا ہے
جو خود صالح ہو چکا ہو کمال تک پہونچ چکا ہو۔ ایسا شخص جب دوسروں کی اصلاح
کرے گا اور ان کے متعلق کچھ کہے گا تو اس سے ان لوگوں کا نفع ہوگا اور اسکی
وجہ سے اس شخص کے درجات میں بھی ترقی ہوتی رہے گی۔ اور عند اللہ
قرب وقبول حاصل کریگا مگر آپ کو تو اس مرتبہ پر ہم دیکھتے نہیں بلکہ ہم تو بجائے
اسکے اب کے لوگوں کا یہ حال دیکھ رہے ہیں کہ فساد میں خود بھی مبتلا ہیں اور
دوسروں کو بھی مبتلا کر دیتے ہیں خود یہ لوگ فتنہ کرتے ہیں اور دوسروں کی طرف
منسوب کر دیتے ہیں۔ مسلمانوں کا کوئی گھر بھی فتنہ سے خالی نہیں بلکہ کوئی آدمی
فتنہ سے خالی نہیں ان لوگوں کو دیکھ دیکھ کر طبیعت گھبراتی ہے۔ اگر ان لوگوں سے
یہ کہدوں کہ تم اپنے گھر رہو ہم اپنے گھر تو اس پر بھی راضی نہیں ہوتے اور کہتا ہوں
کہ آتے ہو تو اپنی اصلاح کرو تو یہ بھی نہیں کرتے۔

جن فتنوں میں لوگ مبتلا ہیں انھیں میں سے ایک فتنہ یہ بھی ہے کہ علمار
دین کو یا اکابر ملت کو جنھوں نے دین کی بہت سی خدمات کیں اور دین کی گاڑی
چلائی انکی غیبت شکایت کیجاتی ہے حالانکہ آپ کے ذمہ ہے کہ انکا ہاتھ بٹائیے
انکی نصرت کیجئے نہ یہ کہ بجائے اسکے انکی غیبت شکایت کیجئے۔ دین کو نقصان جو پہونچا ہے
وہ اسی وجہ سے کہ کوئی آدمی اگر کام کو اٹھاتا ہے اور کچھ دین کی خدمت کرنا چاہتا ہے تو
یہی لوگ اسکے ساتھ وہ کام کرتے ہیں جو شیطان کا ہے یعنی لوگوں کو بہکاتے ہیں۔

چنانچہ اسی کو سمجھانے کے لئے میں نے یہ آیت پڑھی تھی ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (یعنی کیا بہت سے متفرق ارباب بہتر ہیں یا اللہ واحد قہار) ۔ اور یہ شعر بھی پڑھ چکا ہوں ؎

رشتۂ درگردنم افگندہ دوست — می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

اس سے ممکن ہے آپ کو کچھ تنبہ ہوا ہو یا مجھکو تنبہ ہوا ہو جس طرح شیخ مدینؒ کی خدمت میں جاکر ایک عالم کو تنبہ ہوا تھا جنھوں نے اپنی ساری عمر علم حدیث کی خدمت میں صرف کی تھی انھوں نے شیخ ابن فارضؒ کے بعض ابیات تائیہ کی شرح کی تھی اور اسکو شیخ مدین کی خدمت میں پیش کیا تو انھوں نے اسکے سرورق پر یہ شعر لکھکر واپس فرما دیا

سارت مشرقة و سرت مغربا — شتان بين مشرق ومغرب

(یعنی میری محبوبہ تو مشرق کیطرف چلی گئی اور میں مغرب کی جانب کو چلا (تو اب دونوں میں ملاقات کیونکر ہو اسلئے کہ) مشرق اور مغرب دو مخالف رخ چلنے والوں میں تو بہت بُعد ہے)

شیخ مدین نے اسمیں یہ بتلایا ہے کہ آپ تو دوسرے کام میں ہیں یعنی علم میں ہیں اور اسی کی کچھ خدمت کی ہے تو اسمیں آپ کو مہارت ہوگئی ہوگی مگر اس راستہ میں تو آپ نے ابھی قدم رکھا نہیں تو اس میں آپ کی بات کیسے معتبر ہوسکتی ہے کیونکہ یہ راستہ ہی دوسرا ہے اور اہل اللہ اسکو قطع کر رہے ہیں لہٰذا اگر ہم لوگ بزرگوں کے کلام کی شرح کرتے تو ہم کو حق ہے اور ہماری بات معتبر ہوتی اور جبکہ آپ ابھی غفلت ہی میں ہیں تو کیا ہم ہی سے آپ اپنی غفلت کی تصدیق کرانا چاہتے ہیں

اس سے وہ سمجھے کہ شیخ مدین ہماری حالت کو پسند نہیں فرما رہے ہیں اور متنبہ ہوئے کہ اہل طریق کے حالات کچھ اور ہیں اور اسکی طرف متوجہ ہوئے یعنی شیخ مدین کی خدمت میں آئے اور انھیں کے پاس رہے پھر بہت کچھ اصلاح ہوئی اور شیخ کیخدمت میں رہ پڑے اور وہیں وفات پائی، رحمہ اللہ ۔

در اصل یہ انکی خدمت حدیث کی برکت تھی چونکہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے ارشاداتِ عالیہ کی شرح اور توضیح میں ساری عمر گذاری تھی اسلئے اللہ تعالیٰ کی غیرت کو یہ گوارا نہ ہوا کہ یہ میرے حبیب کے کلام کا شارح یونہی خالی رہ جائے اسلئے اللہ تعالےٰ نے ایسے اسباب فرمادئیے کہ انکا کام بن گیا۔ سچ ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ۔

یہ اسلئے بیان کر رہا ہوں کہ علماء کرام نے اہل طریق کا اذعان کیا ہے دیکھئے یہ اتنے بڑے عالم تھے جو شہرۂ آفاق اور دین کے علمبردار تھے ہزاروں ہزار انکے شاگرد تھے یہ بخاری کے شارح ہیں مگر جب شیخ مدین نے انکو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں لاکر ڈالا اور اہل طریق کے حالات میں آئے تب جاکر انکی تکمیل ہوئی اور انکی وجہ سے بہت مخلوق کی اصلاح ہوئی اسلئے کہ لوگوں نے دیکھا اور انکو معلوم ہوا کہ اتنے بڑے بڑے لوگ جو دین کے علمبردار سمجھے جاتے ہیں انکو بھی بزرگوں کیطرف رجوع ہونے کی ضرورت ہوئی اسی لئے کہتا ہوں کہ اگر ایک عالم کی اصلاح ہو جائے تو ہزارہا آدمی درست ہو جائیں کیونکہ عالم کی اصلاح سے عالَم کی اصلاح ہے ۔

اسی طرح سے ایک اور عالم تھے انکے رجوع کرنے کا واقعہ بھی عجیب غریب اور نہایت عبرتناک اور سبق آموز ہے ۔ طبقات کبریٰ میں موجود ہے وہ یہ کہ شیخ عبادہ ساداتِ مالکیہ میں سے ایک ممتاز عالم تھے اور اپنے ہمعصر شیخ مدین پر اعتراض کیا کرتے تھے یوں کہتے تھے کہ یہ طریق جس پر یہ لوگ اپنے کو کہتے ہیں (یعنی تصوف) کیا بلا ہے ہم تو صرف شریعت کو جانتے ہیں اسکے علاوہ سب ڈھکوسلا ہے انکو شیخ مدین کا انکار تو تھا ہی اس میں مزید اضافہ اس سے ہوگیا کہ شیخ عبادہ کے درس کو چھوڑ چھوڑ کر لوگ شیخ مدین کی مجلس میں آنے لگے ایک مرتبہ شیخ مدین نے انکی دعوت کہلا بھیجی اور پھر شیخ مدین نے اپنے اصحاب سے تاکید کردی کہ جب شیخ عبادہ آویں تو خبردار کوئی شخص اپنی جگہ سے جنبش نکرے اور نہ انکی تعظیم کے لئے کوئی شخص کھڑا ہو اور نہ مجلس میں انکے

لئے جگہ ہی کشادہ کیجائے چنانچہ شیخ عبادہ آئے تو آکر خانقاہ کے صحن میں کھڑے ہوگئے اور سب لوگ منتظر کہ شیخ مدین بھی گردن جھکائے بیٹھے رہے یہ منظر دیکھکر انکو بہت رنج ہوا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ غصہ کیوجہ سے پاش پاش ہوجائیں گے اور قریب تھا کہ کچھ کہدیں کیونکہ عالم جب خفا ہوتا ہے تو کم ازکم فسق کا ورنہ کفر کا فتویٰ صادر کردیتا ہے۔ جب اس حالت پر کچھ دیر گذر گئی تو سید مدین نے سر اٹھاکر حاضرین سے فرمایا کہ بھائی شیخ عبادہ کے لئے راستہ کشادہ کردو اور ان سے فرمایا تفضل یا شیخ یعنی تشریف لائیے جب وہ پاس آکر بیٹھ گئے تو ان سے فرمایا کہ ابھی ایک سوال ذہن میں آگیا (اجازت ہو تو عرض کروں) شیخ عبادہ نے جواب دیا کہ ہاں سوال کیجئے، کہا کہ آیا آپ کے نزدیک مشرکین کی تعظیم کے لئے قیام جائز ہے باوجودیکہ انکی جانب سے کسی قسم کے شر کا خوف نہ ہو۔ انھوں نے جوابدیا کہ نہیں۔ سید مدین نے فرمایا کہ اچھا تو آپکو خدا کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ جب آپ یہاں تشریف لائے تھے اور کوئی کھڑا نہ ہوا تو آپ کو یہ فعل کچھ ناگوار خاطر ہوا تھا یا نہیں؟ شیخ عبادہ نے کہا ہاں بے شک ناگوار ہوا تھا۔ اسکے بعد پھر سید مدین نے ان سے دوسرا سوال کیا کہ اچھا بتلائیے کہ اگر آپ سے کوئی شخص یہ کہے کہ میں آپ سے اسوقت تک راضی نہ ہونگا جب تک آپ میری ایسی تعظیم نکریں جیسی کہ اپنے رب کی تعظیم کرتے ہیں تو آپ اس شخص سے کیا فرمائینگے انھوں نے جواب دیا کہ میں اس سے یہ کہوں گا کہ اے شخص تو کافر ہوگیا پھر کچھ دیر تک سلسلۂ کلام جاری رہا (میرا یہ خیال ہے کہ شیخ مدین نے ان مقدمات کو تسلیم کرانے کے بعد انکا انطباق فرمایا ہوگا کہ یہی حال آپ کا بھی ہے کہ ہم سے بھی آپ اپنی تعظیم ایسی ہی چاہتے ہیں جیسی خدا اپنے بندوں سے چاہتا ہے اسکے متعلق بھی تو حکم لگائیے کہ یہ کیسا ہے؟) غرض شیخ عبادہ کی سمجھ میں بات آگئی تاآنکہ انھوں نے کھڑے ہوکر اسی بھرے مجمع میں اعلان کیا کہ آپ سب لوگ گواہ رہیئے میں آج سیدی مدین کے ہاتھ پر مسلمان ہوتا ہوں اور دین اسلام

میں صحیح طور پر داخلہ کا آج میرا پہلا دن ہے۔ پھر تا زیست انکی خدمت میں رہے حتیٰ کہ وہیں انتقال ہوا اور مقابر فقراء میں مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالےٰ۔

اس واقعہ سے جس طرح شیخ مدین کی کرامت اور اصلاح و تربیت کے معاملہ میں انکے کمال اور تصرف کا پتہ چلتا ہے اسی طرح شیخ عبادہ کے بھی کمالِ خلوص کا اندازہ ہوتا ہے کہ جب انکو اپنے حال کی معرفت ہوگئی اور بات سمجھ میں آگئی تو فوراً تائب ہوگئے کہاں تو طریق اور اہل طریق کے منکر اور شیخ مدین پر معترض تھے اور کہاں سب کے سامنے یہ کہہ رہے ہیں کہ میں آج حلقہ بگوش اسلام ہوتا ہوں۔ سبحان اللہ کس قدر بے نفسی اور تواضع کی بات ہے۔ آخر تھے تو عالم ہی کتاب وسنت کے علم نے ان کے قلب پر اثر کیا تھا ان میں اخلاص تھا اسی کی برکت سے اللہ تعالےٰ نے انکی ہدایت فرمائی (اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ) یعنی اللہ تعالےٰ نیکو کاروں کے اجر کو ضائع نہیں فرماتے)

یہ واقعات آپکو اسلئے سنا رہا ہوں کہ جب اتنے بڑے بڑے علماء و فضلا کو بھی اہل طریق کا اذعان کرنے اور انکی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہوئی تو آپ جو کچھ نہیں ہیں نہ ظاہری علم ہے نہ باطنی علم وعمل پھر بھی اہل طریق کو کچھ نہ سمجھیں تو کیا اصلاح ہوگی۔

سنیئے جب تک بزرگانِ دین کو جو اصلی بزرگ ہیں انکو نہیں پکڑیں گے اور اصلاح میں قدم نہیں رکھیں گے کچھ کشود کار نہ ہوگا لہٰذا آپ لوگوں کو چاہیئے کہ اپنی اصلاح کریں اور اسکے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ اکابر دین کو پہچانیں اور انکی طرف توجہ کریں اسلئے کہ دین و دنیا دونوں کا حصول انکی اتباع میں منحصر ہے کیونکہ یہ حضرات اللہ تعالےٰ کی طرف سے منصور ہوتے ہیں تو جو شخص انکا ساتھ پکڑے گا تو وہ بھی منصور من اللہ ہوگا اللہ تعالیٰ کی نصرت اس کے ساتھ ہوگی۔ اس مضمون کو بہت بیان کرنا چاہتا ہوں گویا یہ سمجھ لیجئے کہ شاید اسی کے کہنے کے لئے آگیا ہوں مگر یہ کہ اس آنے کو مہمل اور عبث نہ ہونے دیجئے گا کہ

مجھکو تو آپ نے اپنی جگہ سے سرکا دیا اور خود اپنی جگہ سے نہ سرکیں یہ اچھا نہیں ہے آپ کو بھی جگہ سے کھسکنا ہوگا لہٰذا آپ اپنا مرکز چھوڑئیے اور جس کو کہتا ہوں اس چیز کیطرف آئیے یعنی اپنی زندگی کا نصب العین آخرت کو بنائیے۔

آپ نے مجھکو کہنے کی اجازت دے ہی دی ہے اس مضمون کو پھر بیان کروں گا اسوقت جو آیت میں نے شروع میں پڑھی تھی اسکے متعلق مختصر کچھ عرض کرتا ہوں تفصیلی بیان انشاء اللہ پھر کرونگا۔ اس آیت میں یوسف علیہ السلام کا ذکر ہے وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ ٥ یعنی یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے انکو بہت کم قیمت میں یعنی گنتی کے چند درہم کے عوض بیچ ڈالا اسوجہ سے کہ وہ لوگ ان کے کچھ قدرداں تو تھے ہی نہیں۔

سورۂ یوسف میں اگر حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں اسکے علاوہ اور کچھ نہ ہوتا تو بھی انکا سب دکھ مٹ جاتا کہ اس طرح اللہ تعالےٰ انکی تسلی فرمارہے ہیں کہاں تو یوسف علیہ السلام اولوالعزم پیغمبر، نیز کس قدر خوبصورت تھے پھر یہ کہ بھائی تھے لیکن ان سب کے باوجود بھائیوں نے انکی ایسی بیقدری کی کہ چند دراہم میں انکو بیچ دیا اور ان کے بارے میں زاہد تھے اور یہ چاہتے تھے کہ یہ دنیا سے نکل جائیں۔

اسکے متعلق پھر کہونگا کہ یہ آیت میں نے اسوقت کیوں پڑھی ہے یہی سمجھ لیجئے کہ آپ کے لئے پڑھی ہے کہ آپ دراہم معدودہ یعنی دنیا میں پڑکر خدا کو بھولے ہوئے ہیں اور دین حاصل نہیں کر رہے ہیں بلکہ اکثر لوگوں کو تو دنیا بھی حاصل نہیں لیکن اسکے باوجود فکر دنیا میں پڑکر آخرت کو بھولے ہوئے ہیں اور زیادہ تعجب تو ان لوگوں سے ہے جنکا تعلق کسی اہل اللہ سے ہے اور یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم نے کسی کا وقت پایا ہے پھر بھی اس طرف التفات

نہیں کرتے بالکل اسکا مصداق ہیں ؎

کعبے بھی گئے پر نہ گیا عشق بتوں کا ۔۔۔ زمزم بھی پیا پر نہ بجھی آگ جگر کی

اہل اللہ سے تعلق بھی رکھتے ہیں اور پھر بھی محروم ہیں اگر ایک آدمی سیکھ لے اور اور دین حاصل کرنے لگے تو اسکو دیکھکر دوسرا اور پھر تیسرا سیکھنے لگے اسی طرح دنیا میں یہ خیر خیرات بڑھ جائے اور دین کی اشاعت عام ہونے لگے لیکن جب ایک آدمی آیا اس نے کچھ نہیں کیا دوسرا آیا وہ بھی کام پر نہیں لگا اسی طرح بہت سے لوگ جمع ہو گئے تو عوام الناس دیکھتے ہیں کہ فلانی جگہ جانے والے لوگوں میں سے ایک آدمی کو بھی کچھ حاصل نہیں ہوا تو سمجھتے ہیں کہ وہاں جانے سے کیا فائدہ دنیا میں اہل اللہ جو بدنام ہوتے ہیں تو انھیں مریدوں کی وجہ سے کہ یہ لوگ آنے جانے کے باوجود سچے نہیں ہوتے اگر یہ دین سیکھیں اور صدق و خلوص اختیار کریں اپنی اصلاح پر لگ جائیں تو بہت سے لوگوں کو نفع ہو۔

اب آپ سے کہتا ہوں کہ جو چیزیں میں بیان کیا کرتا ہوں ان سب کو چند روز میں آپ سے بیان کر دونگا اور کوشش کرونگا کہ آپکو سمجھادوں یوں تو یہ بات اللہ ہی کے اختیار میں ہے کہ آپ لوگوں کے کان میں صحیح طور پر بات پہونچے اور آپ لوگ صحیح طور پر اسکو سمجھیں ہمارے اختیار میں محض یہ ہے کہ ہم خلوص اختیار کریں اور حق بات کہنے کا عزم کریں اور سچی بات آپسے کہیں لہٰذا ہم جو کہنا چاہتے ہیں ـــــ اسکو اچھی طرح سمجھئے کہ کیا مقصد ہے اور کیا کہنا چاہتے ہیں۔ ہملوگوں کو تبرک نہ بنائیے اسلئے کہ تبرک بنانے کا وقت نہیں ہے اب یہی ہو گیا ہے کہ جو مشائخ اچھے اچھے اور بڑے درجے کے ہوتے ہیں انکو عوام الناس تبرک بنا لیتے ہیں اور انکا ہاتھ چومتے ہیں تعظیم و تکریم کرتے ہیں اور بس۔ خیر بزرگوں کی تعظیم و تکریم تو اچھی چیز ہے میں یہ نہیں کہتا کہ اسکو چھوڑ دیجئے لیکن محض اتنے سے کام

نہیں چلے گا بلکہ انکی تعلیمات کو اپنانا چاہیئے اور انکے اعمال کو اخلاق کو لینا چاہیئے انکی باتوں کو سمجھنا چاہیئے کہ کیا کہتے ہیں ورنہ اگر ایک دن گیا دوسرا دن گیا تیسرا دن گذرا تو اسی طرح کل وقت گذر جائے گا یہ اسلئے کہہ رہا ہوں کہ بڑے بڑے فاضل اور کامل لوگ جو بہت سے انوار و برکات کے حامل تھے اسی دور میں رہے ہیں مگر یہ کہ لوگوں کو ان سے جتنا فائدہ اٹھانا چاہیئے تھا نہیں اٹھایا اگر لوگوں کو یہ معلوم ہوتا کہ ایسے بلند درجے کے ہیں تو ٹوٹ پڑتے۔

اسواسطے کہتا ہوں کہ وقت کی قدر کرنی چاہیئے اور فکر سے کام کرنا چاہیئے جو باتیں کام کی ہوتی ہیں وہ جلدی سمجھ میں نہیں آتیں دیر لگتی ہے سن لینا تو پھر بھی آسان ہے مگر اسکو سمجھنا اور جیسا کہ حق ہے سمجھنے کا ویسا سمجھنا دشوار ہوتا ہے اسلئے اگر آدمی نہ سمجھے تو دوسرے کسی سمجھدار سے پوچھنا چاہیئے کہ کیا کہہ رہے تھے اور کس بات پر زیادہ زور دیتے تھے یہ بہت ضروری ہے اسلئے کہ ہم لوگوں کی سمجھ کم ہوگئی ہے ورنہ ہمارے وعظ اور جلسے بہت ہوتے ہیں اگر اس طرح سمجھنے کے ارادے سے اور عمل کرنے کے لئے اتنے اتنے آدمی وعظ میں شریک ہوں تو ہملوگ معلوم نہیں کیا کرلیں اور کتنا کام ہو جائے مگر بات یہ ہے کہ وعظوں اور جلسوں میں عوام الناس تبرکاً ہی شریک ہوتے ہیں یعنی یہ سمجھتے ہیں کہ برکت کی چیز ہے، عمل کرنے کے لئے اور اصل چیز کو حاصل کرنے کے لئے شریک نہیں ہوتے ورنہ یہ وقت ایسا نہیں رہتا جس کی ہم آپ شکایت کرتے ہیں بلکہ بہت کچھ کام ہو جاتا۔ انشاء اللہ کل پھر کہوں گا، وقت کا اعلان کر دیجئے

ملاحظہ فرمایا آپ نے حضرت والا نے کس طرح اذہان کو صاف فرماکر کسی کے وعظ سے منتفع ہونے کی صلاحیت اور استعداد پیدا فرمائی کہ شروع

کہ شروع میں فرما دیا کہ جس طرح سے یہاں بالعموم اور لوگ آتے ہیں میں
ان میں سے نہیں ہوں، باقی علماء اور مشائخ کے مواعظ کے بعد بھی جو لوگ دین
کی راہ پر نہیں لگتے تو اسکی ایک خاص وجہ ہے یا تو علماء سے لوگوں کو اعتقاد
نہیں ہوتا اور ان پر اعتماد نہیں ہوتا یا یہ بھی ہوتا ہے کہ لوگ شیطان کے
بہکاوے میں پڑے ہوتے ہیں اسلئے کہ جن حضرات کے قلوب میں خدا نے
نور عطا فرمایا تھا لوگ اسی کے اغوا کی وجہ سے انکو ناصح اور خیر خواہ نہیں سمجھتے
اور یہ اسلئے ہوا کہ اللہ تعالےٰ نے ہی خود فرمایا ہے کہ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ
نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنسِ وَالْجِنِّ میں سے کچھ دشمن بنا رکھے ہیں جو انکی
جانب سے لوگوں کو بہکاتے ہیں اور جب نبی کے لئے یہ دشمن ہوتے ہیں
تو انکی نیابت میں علماء اور مشائخ محققین کے ساتھ بھی یہی معاملہ رہتا ہے
لوگ اسکو سمجھتے نہیں اور راہزن اور راہنما میں تمیز نہیں کرتے اسلئے گمراہی میں
پڑے رہتے ہیں آپ کو اس بات کو اور دنیا کے ان دونوں سلسلوں کو پہچاننا ہوگا

اب اسکے بعد کہتا ہوں کہ شاید اب آپکو تنبہ اور احساس صحیح پیدا ہوا ہو
جیسا کہ ایک عالم (صاحب فتح الباری) کو پیدا ہوا تھا اسکا واقعہ آپ نے سنا
اسی طرح سے ایک دوسرے عالم (شیخ عُبادہ مالکی) کا واقعہ بھی آپ نے
سنا کہ انکا پہلا طریقہ اور تھا لیکن تنبہ کے بعد دونوں حضرات مشائخ کے
پاس گئے اور کیا سے کیا ہو گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب اتنے بڑے بڑے
علماء اصلاح باطن میں مشائخ کے محتاج ہیں تو پھر بھلا آپ لوگ جو کچھ نہیں
آپ کو نہ تو ظاہری علم ہے نہ باطنی علم و عمل آپ کو کسقدر مشائخ کی احتیاج ہوگی
دیکھا آپ نے حضرت والا اہل بمبئی سے ڈرے نہیں نہ انکے مال و جاہ کو
خاطر میں لائے بلکہ صاف صاف فرما دیا کہ آپ لوگ کچھ نہیں ہیں ایسی بات وہی
کہہ سکتا ہے جو بے غرض اور بے لوث ہو، اہل غرض کی زبان ہی نہیں کھل سکتی
اس حق و صدق کا انپر اثر ہوا اور وہ سمجھے کہ یہ اور طرح کے عالم ہیں سنبھل کر انکی مجلس میں آنا چاہیئے

اسکے بعد حضرتؒ نے فرمایا کہ میں نے جو آیت شروع میں پڑھی ہے
وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ آپ خیال کرتے ہوں گے کہ یہ آیت
کیوں پڑھی تو اسکو بھی سمجھ لیجئے کہ آپ ہی کے لئے پڑھی ہے کہ جس طرح اور
لوگوں نے اپنے لائق بھائی کی ناقدری کی اور مال نفیس کو ثمن حقیر سے بدل لیا
اسی طرح سے آپ نے بھی دنیا میں پڑ کر دین کو ضائع کر دیا ہے حالانکہ دین کا
سرمایہ قیمتی تھا مگر وہ آپ کے نزدیک بے قدر تھا اور دنیا کی آپکی نگاہوں
میں زیادہ وقعت تھی حالانکہ دین کے مقابلے میں دنیا کی حقیقت ہی کیا ہے
پس آپ کی مثال بھی اخوان یوسف کی سی گویا ہوئی لیکن کل بروز قیامت جب
دین کی حقیقت مشاہد ہوگی اور دنیا حقیر ثابت ہوگی اسوقت اپنی اس تبدیلی
پر آپکو افسوس ہوگا۔ لہٰذا اس سے پہلے ہی اسکا احساس ہونا چاہیئے تاکہ ایسے
وقت میں ندامت سے محفوظ رہیئے جس وقت ندامت نفع نہ دے۔
اسلئے کہتا ہوں کہ وقت کی قدر کرنی چاہیئے اور فکر سے کام کرنا چاہیئے
سبحان اللہ! حضرت والا نے اہل بمبئی کو کیا قیمتی نصائح فرمائیں
اللہ ہم سب کو بھی اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

(دوسری مجلس کا خلاصہ)

آج آیۃ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا الآیۃ اور حضرات انبیاء
علیہم السلام کی بعثت کی غرض ہدایت خلق فرمایا لیکن ان کے لئے شیاطین
الجن والانس کی عداوت بھی پیدا فرمائی کیونکہ دشمنی اور عداوت سے مقابلہ
قوی ہوتا ہے اور ہر فرقہ کو اپنے کام کرنے میں ایک قوت اور شدت حاصل
ہوجاتی ہے چنانچہ اسی عداوت کی وجہ سے اگر شیاطین اغوا میں شدت
اختیار کرتے ہیں اور حق کی آواز کو دبانا چاہتے ہیں تو اہل حق یعنی انبیاء و صلحاء
کے اندر بھی اسکے مقابلہ کیلئے زور اور طاقت پیدا ہوجاتی ہے جسکے سبب

ان کے لئے مقابلہ آسان ہو جاتا ہے اور جس قدر دین کو دبایا جاتا ہے وہ اور ابھرتا ہے ؎

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے اتنا ہی یہ ابھریگا جتنا کہ دبا دو گے

حضرات صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ہدایت آپ سے محبت اور صحبت کی وجہ سے حاصل کیا اور بعد میں لوگوں کو مشائخ سے اس درجہ محبت نہو سکی تاہم اللہ تعالیٰ نے انکے لئے دین کے حصول کا کئی ذریعہ مقرر فرما دیا۔

برکاتِ عبادت ۔ تاثیر شیخ ۔ جذب مطلق ۔ اول کے دونوں سے ایک خاص مقام تک ترقی ہوتی ہے لیکن تیسرے ذریعے سے آدمی کو وصال کامل حاصل ہو جاتا ہے مگر جذب سے پہلے مجاہدہ لازم ہے وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا اس پر ایک بزرگ کا واقعہ سنایا جنکو بادشاہ نے اپنے محل کے اوپر کھینچ لیا تھا کہ یہ جذب بھی سلوک کے بعد ہی ہوا کیونکہ اپنے گھر سے محل تک تو قدموں ہی سے چلکر آئے تھے۔

اسی طرح سے شاہ ابوالمعالی صاحبؒ اور انکے مرید شاہ بھیکؒ کا واقعہ سنایا کہ ان میں بھی جذب سے پہلے سلوک ہوا تھا

آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی جانب جذب کرنیکا ایک ذریعہ قرآن بھی عطا فرمایا جو لوگوں کی ہدایت کے لئے نازل ہوا ہے اس کے بعد اسکی جانب ترغیب فرمائی کہ ہمکو اس خدائی راستہ کو اختیار کرنا چاہیئے حالانکہ ہم لوگ آج اس سے بہت دور ہیں یہی ہماری ناکامیابی کی وجہ ہے ؎ کعبہ بھی گئے پر نہ گیا عشق بتوں کا زمزم بھی پیا پر نہ بجھی آگ جگر کی

مطلب یہ کہ جس طرح کعبہ شریف جانے کے باوجود بتوں کا عشق باقی رہجائے اور اور غیر اللہ سے قلب خالی نہ ہو جائے اسی طرح قرآن پاک پانے کے باوجود اگر کوئی شخص اسکو قرب کا ذریعہ نہ بنائے نیز اسکے واسطے سے اخلاق اور اعتقاد کی پاکی نہ حاصل کرے اور خیالات کی ناپاکی اور نفس کے رذائل

سے پاکی نہ حاصل کرے تو وہ بھی اسی کا مصداق ہے۔

لہٰذا اگر آپ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایات خاصہ اپنی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں تو کلام اللہ کے ساتھ اپنا اعتقاد درست کر کے اور اس کو قرب وصول کا ذریعہ یقین کر کے اسکی تلاوت کیجئے تو انشاء اللہ چند ہی دنوں میں آپ اسکی برکات خود اپنے قلب میں محسوس کرینگے اور اپنی حالت بدلی ہوئی پائیں گے۔

(تیسری مجلس کا خلاصہ)

خطبۂ ماثورہ کے بعد حضرت والاؒ نے وہی سابقہ آیت تلاوت فرمائی وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا اور ابتداءً مسئلہ ہدایت وضلالت پر گفتگو فرمائی پھر اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ تلاوت فرمائی اور تلاوت پر مفصل کلام فرمایا۔ فرمایا کہ یہ تلاوت کوئی معمولی چیز نہیں ہے یہ خدا کا کلام ہے اس میں جذب ہے اور مقناطیس سے بھی زیادہ کشش ہے۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ تین دولتیں آپ کے پاس ہیں۔ ایک مدینہ شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ دوسرے مکہ شریف میں خانۂ کعبہ۔ تیسرے کلام اللہ جو ہر ایک کے پاس موجود ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی ایسی تجلی ہے جسے عرفاء محسوس کرتے ہیں۔ اس پر۔ ع

در ابلق کسے کم دیدہ موجود۔ اور ؎

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

(میں اپنے کلام میں اس طرح سے مخفی ہوں جیسے پھول کے اندر پھول کی خوشبو جو شخص میرے دیدار کا خواہشمند ہو میرے کلام میں مجھے دیکھے)

یعنی زیب النساء اور شاہ ایران کا واقعہ مفصل بیان فرما کر اس شعر کو کلام پاک پر منطبق فرمایا اور فرمایا کہ قرآن پاک میں ہر رنگ کی تجلی ہے اور یہ جملہ تجلیات کا جامع ہے اور اس تجلی کو حاصل کرنا اللہ تعالےٰ کو مقصود ہے۔

(چوتھے وعظ کا خلاصہ)

اس دن بھی خطبہ ماثورہ کے بعد آیت وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا ہی تلاوت فرمائی اور تکرار مضمون کی وجہ سے ہوسکتا ہے کہ کسی کو کچھ خلجان پیش آئے اسکو رفع کرتے ہوئے بیان فرمایا کہ یہ مضمون کئی دن سے بیان کر رہا ہوں بلکہ الہ آباد سے ہی اسکو شروع کر چکا ہوں اور جس مضمون کو ضروری سمجھتا ہوں اسکو بار بار بیان کرتا ہوں اور لوگوں سے کہدیتا ہوں کہ مجھکو ایک چیز پسند ہوتی ہے اس لئے اسکو بار بار بیان کرتا ہوں خواہ آپ کو پسند آئے یا نہ آئے۔ آپ لوگوں کے لئے تو بیان کرتا نہیں اور نہ آپ کو آپ کے گھر بلانے جاتا ہوں آپ خود تشریف لاتے ہیں اس لئے کہتا ہوں اب اگر آپ کا جی چاہے تو سنیے اور نہ چاہے تو جو چاہے کیجئے۔ مولانا روم فرماتے ہیں ؎

گرچہ در ناصح بود صد داعیہ پند را اذن باید واعیہ

اگرچہ واعظ میں سو داعیہ موجود ہوں لیکن اسکی نصیحت کارگر ہونے کیلئے محفوظ رکھنے والا کان بھی ہونا چاہیے۔

اللہ تعالےٰ صحابہ کی تعریف میں فرماتے ہیں کہ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ آگے فرماتے ہیں قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا اور یہ مدح سرائی اسلئے ہو رہی ہے کہ ان سے کہا گیا تھا وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ الآیہ یعنی جو باتیں از قسم عقائد فاسدہ تمہارے نفسوں میں ہیں انکو اگر تم زبان و جوارح سے ظاہر کرو گے یا دل ہی میں پوشیدہ رکھو گے دونوں حالتوں میں حق تعالیٰ تم سے مثل دیگر معاصی کے انکا حساب لیں گے پھر جس کے لئے بخشنا منظور ہوگا بخش دینگے اور جس کو سزا دینا منظور ہوگا سزا دینگے اور اللہ تعالےٰ ہر شے پر

پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرات صحابہؓ پر اسقدر مشکل ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرنے لگے کہ یارسول اللہ ابتک تو ہم صرف ایسے افعال کے مکلف تھے جو ہماری طاقت اور اختیار میں تھے اب یہ آیت آئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض وہ اعمال جو بے اختیار صادر ہوتے ہیں اور دل میں آتے ہیں ان پر بھی مواخذہ ہوگا یہ تو ہماری طاقت سے خارج ہے تو کیا ان پر بھی مواخذہ ہوگا ؟ اسکے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اہل کتاب کی طرح سمعنا و عصینا کہیں، یعنی انھوں نے کہا تھا کہ "ہم نے سنا اور نہیں مانا" صحابہ نے کہا سمعنا و اطعنا یعنی "ہم نے سنا اور اسکو مانا اور قبول کیا" انکا یہی سمعنا و اطعنا کہنا اللہ تعالیٰ کو پسند ہوا اور انکی مدح فرمائی۔

اسکے بعد لوگوں کا واعظ سے فصاحت و بلاغت کا مطالبہ کرنا اور خود دل کے کان سے محروم ہونا اس پر گفتگو فرماتے ہوئے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ منبر پر خاموش بیٹھے رہنے کا بیان فرمایا اور فرمایا کہ جب ارادت اور عقیدت ہوتی ہے تبھی انسان کو فیض پہونچتا ہے نری فصاحت و بلاغت سے کیا ہوتا ہے۔ اسکے بعد جنت و دوزخ پر گفتگو فرمائی اور تلاوت کے فوائد پر روشنی ڈالی۔

(پانچویں واعظ کا خلاصہ)

خطبہ ماثورہ کے بعد آیت وَاِذِ اسْتَسْقٰی مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ الآخرہ تلاوت فرمائی حدیث شریف سے علما رسور کے بعض حالات بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ میں نے جو آیت پڑھی ہے اسمیں مشرب کا ذکر ہے آپ سے کہتا ہوں کہ جب ساری امت محمدی المشرب ہے تو سب کو ایک ہی گھاٹ سے

پانی پینا چاہیئے جب مختلف مشارب ہوں گے تو اسکا لازمی نتیجہ اختلاف ہوگا۔ حضورؐ نے تو ایک مشرب بنایا تھا لیکن تم اس پر آنا نہیں چاہتے اسلئے کہ یہ مشکل ہے اسکے لئے بڑی طلب کی ضرورت ہے اور اسکے ساتھ سمجھ کی ضرورت ہے اور سب سے بڑھکر مرشد کامل کی ضرورت ہے۔ جب کام بگڑ جاتا ہے اور قوم اپنے مرکز سے دور ہو چکی ہوتی ہے تو پھر سب کو ایک مرکز پر لانا دشوار ہو جاتا ہے، دنیا میں محض اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور توفیق سے ہی راستہ ملتا ہے اسلئے اللہ تعالیٰ ہی سے توفیق طلب کرنا چاہیئے اور صحیح راستہ اختیار کرنا چاہیئے۔

اسکے بعد تلاوت پر مزید کلام فرمایا اور بیضاوی کی عبارت تقربًا الی اللہ تعالیٰ بقرأته و تحفظًا لالفاظه و استکشافًا لمعانیه کی وضاحت فرمائی اور آخر میں فرمایا کہ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام کی تلاوت اور تلاوت کی حلاوت نصیب فرمائے۔ آمین۔

جیسا کہ احقر نے عرض کیا حضرت والا کے اس سفر بمبئی میں احقر ہمراہ نہ تھا اس سفر میں حضرت کا قیام بمبئی میں آٹھ دس دن رہا چنانچہ پانچ دنوں کی مجلس کا خلاصہ پیش کیا جا چکا ہے بقیہ ایام میں بھی مختلف باتیں مجلس میں بیان فرماتے رہے جن میں سب سے زور تلاوت قرآن پر رہا بھائی ظہیر صاحب کاتب اور حاجی الیاس صاحب وغیرہ اس سفر کے داعی رہے اس سفر میں ڈاکٹر اسحاق صاحب حکیم اجمیری صاحب اور بھائی احمد صاحب اور امین بھائی ان حضرات کو استفادہ کا موقع ملا اور سبھی حضرات بڑی عقیدت و محبت سے پیش آئے۔ کہنا چاہیئے کہ اہل بمبئی کا مرجعہ ملاحظہ فرما کر حضرت والا نے گویا یہ طے کر لیا کہ یہاں آنے اور کام کرنے کی ضرورت ہے لیکن حضرت اقدس چونکہ سفر ختم فرما چکے تھے اور اس اصول پر شدت کے ساتھ قائم

تھے کہ انسان کو ایک جگہ جم کر کام کرنا چاہئے لیکن اب اسکو اہل بمبئی کی طلب و اخلاص ہی کہئے کہ آئندہ ایسے حالات پیدا ہوتے گئے کہ حضرت متعدد بار بمبئی تشریف لے گئے جیسا کہ آئندہ حالات میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔

بمبئی سے الہ آباد تشریف لانے کے بعد اہل الہ آباد سے حضرتؒ نے وہاں کے لوگوں کی طلب اور رغبت کا تذکرہ اکثر فرمایا اور بہت دنوں تک اپنی مجلس میں بمبئی کا کوئی نہ کوئی واقعہ بیان فرماتے رہے۔ مقصد اس سے حضرت والا کا تو یہ ہوتا تھا کہ اہل الہ آباد کو بھی شوق دلائیں کہ وہ بھی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں اور کام پر لگیں اس لئے کہ یہ انسانی فطرت ہے کہ کسی کے اچھے حالات سنکر خود اس کو بھی اپنی بدحالی پر رنج ہوتا ہے اور اصلاح کا جذبہ ابھرتا ہے اس پر مزید یہ ہوا کہ وہاں کے لوگوں نے اپنے تأثرات اور حضرت کی تشریف آوری کے بعد جو خلا محسوس کیا تو حضرت پر اپنے خطوط میں ظاہر کیا چنانچہ ایک صاحب نے حضرتؒ کو یہ لکھا کہ ؎

بے رونقی، جمود، تعطل، سکوت مرگ
ایسا ہے کائنات کا نقشہ ترے بغیر

ظاہر ہے کہ حضرت والا پر بھی ان تأثرات کا اثر ہوتا تھا مگر دوبارہ فوری طور پر سفر فرمانے کا کوئی موقع نہ تھا بہت لوگ اپنے یہاں بلانا چاہتے تھے اس پر یہی فرمادیا کرتے تھے کہ بھائی مجھ سے متعلق بہت سے کام ہیں، پڑھنا پڑھانا پھر لوگ میرے پاس دور دور سے آتے ہیں اور میں کہیں اور چلا جاؤں یہ ان کے لئے کس قدر ضیق کی بات ہوگی الغرض حضرت والا کے انکار فرمانے کے باوجود جہاں ذرا موقع ملا اور کسی نے اپنے یہاں چلنے کی فرمائش کر دی۔ اور اب سفر بمبئی کے

بعد تو گویا لوگوں کے لئے ایک نظیر بھی قائم ہوگئی تھی کہ اگر بلانے والے مخلص لوگ ہوں اور یہ ضرورت ثابت کردیں کہ ان کے یہاں حضرت کے تشریف لیجانے سے لوگوں کو فائدہ ہوگا تو کام سے حضرت کو انکار نہیں۔ چنانچہ الہ آباد تشریف رکھنے کیوجہ سے علی گڈھ سے بھی لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی حکیم انعام اللہ صاحب بھی تشریف لاتے تھے اور کالج کے بہت سے پروفیسران نے بھی خط و کتابت شروع کر رکھی تھی کچھ طلبار بھی حضرت سے متعلق تھے اب سفر بمبئی کے بعد سب کو ہمت ہوئی کہ حضرت سے اپنے یہاں چلنے کی درخواست کریں پھر معاملہ خط و کتابت پر ختم نہیں ہوا بلکہ وہاں سے آنے والے حضرات خود حضرت والا سے زبانی درخواست فرمانے لگے اور ہر قسم کی سہولت کا زبانی یقین دلایا کہ حضرت کے ساتھ جتنے بھی حضرات تشریف لاویں گے سب کے قیام و طعام کا معقول انتظام کیا جائیگا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ مجھے قیام و طعام کی فکر نہیں ہے میں تو ایک طالبعلم ہوں مسجد میں بھی ٹھیر سکتا ہوں اور اپنے رفقار کا بحمداللہ خود انتظام کر سکتا ہوں مجھے جو فکر ہے وہ علی گڈھ کے ماحول کی ہے ابتک جو حالات سننے میں آتے ہیں وہ کچھ اطمینان بخش نہیں ہیں لہذا آپ لوگ اس میں جلدی نہ کیجئے بلکہ کچھ موقع دیجئے تاکہ اس درمیان میں اطمینان کا سامان کرسکوں۔

علی گڑھ کے سفر کے حالات اور وہاں کی بعض مجالس کا ذکر ناظرین آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

ناظرین کرام کو حضرت مصلح الامۃؒ کے اب تک کے حالات سے اندازہ ہوا ہوگا کہ حضرت کسی کام کو بہت سوچ سمجھکر کیا کرتے تھے بالخصوص کہیں سفر کرنے کے متعلق تو یہ فرماتے تھے کہ بھائی مجھے یہاں وہاں آنا جانا پسند نہیں میں ایک جگہ بیٹھکر کام کرنے کو زیادہ مفید سمجھتا ہوں۔ اور اگر کہیں تشریف لیجانا ہوا تو بھی اسکے متعلق حق تعالیٰ کیجانب سے شرح صدر کے منتظر رہا کرتے تھے چنانچہ جب حق تعالیٰ کیجانب سے قلب میں انشراح پاتے تبھی کسی سفر کا ارادہ فرماتے ابھی آپ نے بمبئی کی تقریروں میں ملاحظہ فرمایا کہ حضرت نے اپنے اس سفر کو بھی حق تعالیٰ کی مرضی کے حوالہ فرما دیا اور اسپر یہ شعر پڑھتے تھے ؎

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست   می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

یعنی حق تعالےٰ نے میری گردن میں ایک رسی ڈال رکھی ہے اور جہاں کہیں انکا ارادہ ہوتا ہے مجھے لیجاتے ہیں مطلب یہ کہ میں اپنے ارادہ اور اپنی خواہش سے کہیں سفر نہیں کیا کرتا لیکن جس سفر میں حق تعالےٰ کی مرضی سمجھ لیتا ہوں اسے اختیار کرتا ہوں، اسی کا نام اخلاص اور للّٰہیت ہے اور یہ چیز تمام بزرگوں میں بطور قدر مشترک کے ہوتی ہے۔ کتابوں میں ایک قصہ لکھا ہوا ہے کہ ایک بزرگ نے اپنی اہلیہ سے کہا کہ یہ کھانا لیجاؤ دریا کے اس پار ایک بزرگ رہتے ہیں انکو دے آؤ، اس نے ان بزرگ سے دریافت کیا کہ کشتی وغیرہ تو ہے نہیں دریا کس طرح پار کرونگی انھوں نے کہا کہ دریا کے کنارے پر پہونچکر یوں کہنا کہ "تجھے ان بزرگ کے اعمال صالحہ کا واسطہ جنھوں نے آج تک اپنی اہلیہ سے مباشرت نہیں کی تو مجھے راستہ دیدے" انھوں نے ایسا ہی کیا۔ جب ان بزرگ کے پاس پہونچیں اور ہدیہ پیش کیا تو انھوں نے فوراً اسے کھانا شروع کیا۔ عورت نے عرض کیا کہ حضرت آنے کا طریقہ تو مجھکو میرے شوہر نے بتا دیا تھا اب واپس کس طرح جاؤں؟ فرمایا کہ دریا کے کنارے جاکر کہنا کہ "ان بزرگ کے اعمال صالحہ کا واسطہ دیتی ہوں جنھوں نے کبھی کھانا نہیں کھایا" یہ کہکر دریا میں قدم رکھدینا پار ہو جاؤگی۔ بیوی کو تعجب دونوں

بزرگوں کے قول سنکر ہوا بالآخر واپسی کے بعد اپنے شوہر سے عرض کیا کہ آپکی
بات اور ان بزرگ کی بات میری سمجھ میں نہیں آسکی ۔ ان بزرگ نے کہا
بات یہ ہے کہ ہم لوگ کوئی کام بدون اللہ تعالیٰ کی مرضی کے اور حکم شرع کے
محض اپنی خواہش سے نہیں کیا کرتے چنانچہ نہ میں تم سے نفسانی طور پر ملا اور نہ ان بزرگ نے
کھانا نفسانی تقاضے سے کھایا ۔ یہی حال تمام اللہ والوں کا ہوتا ہے کہ وہ
لوگوں کی خواہش یا اپنی خواہش سے کوئی کام نہیں کرتے بلکہ حق تعالیٰ کی
مرضی کے منتظر رہتے ہیں جب ادھر سے ہی اشارہ پاتے ہیں تب اس پر
عمل کرتے ہیں ۔

الحمدللہ ہمارے حضرتؒ بھی اسی مقام پر تھے ۔ دیوبند اور تھانہ بھون
وغیرہ لیجانے کے لئے لوگوں نے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر ڈالا لیکن حضرت
اقدس کے پائے استقامت میں جنبش نہ آئی اور اہل بمبئی کی ایک درخواست
پر بمبئی تشریف لے گئے ۔ اسی طرح اسکے بعد علی گڈھ کے لوگوں نے
بھی باصرار بلانا چاہا تو فرمایا کہ یہاں علی گڈھ چلونگا لیکن ابھی نہیں مجھے کسی
بات کا انتظار ہے ۔ چنانچہ ایک موقع پر سفر علی گڈھ کے متعلق بھی ایک
مجلس میں فرمایا :۔

" اسی طرح سے جب علی گڈھ گیا تو یہ مفتی صاحب بیٹھے ہوئے
ہیں وہیں کے پڑھے ہوئے ہیں انھیں کو پہلے بھیجا کہ جائیے جاکر
حالات کا جائزہ لیجئے اور آکر بتائیے کہ فضا کیسی ہے ؟ لوگ
ہماری بات سنیں گے بھی یا نہیں ۔ چنانچہ مفتی صاحب گئے
اور واپس آکر کہا کہ ضرور تشریف لے جائیے جانے کی جگہ اور کام کا
موقع ہے ۔ لوگوں میں طلب اور دین کا شوق موجود ہے حضرت
کے متوسلین کی تعداد بھی کافی ہے اور معتقدین اور محبین تو
بکثرت موجود ہیں ۔ جہاں جاتا تھا لوگ گھیر کر بیٹھ جاتے تھے

اور حضرت کے حالات پوچھتے تھے۔ اس طرح سے جب انھوں نے یقین دلایا کہ لوگ طالب ہیں تب ہی علی گڑھ گیا اور اسمیں شک نہیں کہ وہاں کے جو حالات دیکھے وہ سننے سے کچھ زیادہ ہی پائے۔ جانے سے قبل اپنے نفس کو آمادہ کر لیا تھا کہ آزاد لوگوں کا مجمع ہے اگر تمسخر اور استہزا کے ساتھ پیش آئے تو کیا کرو گے نفس نے جواب دیا کہ صبر کریں گے۔ یہ سوچ کر تو گیا تھا مگر اس قسم کا کوئی واقعہ تو کیا پیش آتا شائبہ تک پیش نہیں آیا۔ سب کے سب بڑے احترام کے ساتھ پیش آئے اور میری باتوں کو غور سے سنا۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے جیسا کہ علماء بیان فرماتے ہیں کہ کسی جلسہ یا واعظ کی کامیابی کے لئے تینوں قسم کے لوگوں میں اخلاص ہونا ضروری ہے داعین و منتظمین کو بھی مخلص ہونا چاہیئے اسی طرح سامعین کا بھی مخلص ہونا ضروری ہے اور واعظ اور ناصح کے اندر تو اخلاص کے ساتھ ساتھ داعیہ بھی ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ آپ نے دیکھا کہ حضرت اقدس نے اپنے نفس کا کیسا جائزہ لیا یعنی اسکو تیار کر لیا کہ یہ لوگ آزاد ہیں بالفرض اگر کوئی بے ادبی یا استہزار بھی کریں گے تو اللہ کے لئے اسکو برداشت کرونگا اور منتظمین اور داعین کے اخلاص کو خود حضرت والا نے خوب جانچ پرکھ لیا تھا اسی طرح سامعین کی طلب و اخلاص کا جائزہ مفتی فخرالاسلام صاحب کے ذریعہ لیا گیا جب ہر گوشہ سے اخلاص ہی نظر آیا تو حضرت والا نے سمجھا کہ مجھے یہاں جانا چاہیئے۔ چنانچہ ۲۱ فروری ۱۹۶۵ء سفر کی تاریخ مقرر ہوئی اور علی گڈھ سے حضرت کے ایک خادم علیم اللہ صاحب لکچرار انجینئرنگ کالج حضرت اقدس کو لینے کے لئے تشریف لائے۔ حضرت اقدس نے بھی الہ آباد اور دیگر مقامات سے چند حضرات کا انتخاب فرمایا کہ وہ سفر میں حضرت کے ساتھ چلیں چنانچہ روانگی کے وقت ایک اچھا خاصا قافلہ حضرت کے ساتھ تھا جنہیں

علمار بھی تھے رؤسا بھی، انگریزی داں حضرات بھی تھے اور خدام بھی۔ حضرت والا نے اپنی عادت کے مطابق اس سفر کو مخفی ہی رکھنا چاہا لیکن الہ آباد کے اسٹیشن پر پہونچکر مخلصین کا ایک ہجوم نظر آیا ہم لوگ کچھ پہلے اسٹیشن پہونچ گئے تھے اسلئے پلیٹ فارم ہی پر کرسی پر حضرت کو بٹھا دیا اور لوگ فرش پر بیٹھ گئے اسٹیشن پر ویسے بھی مجمع رہا کرتا ہے آنے جانے والے لوگ تعجب کی نگاہ سے اس مجمع کو دیکھنے لگے کسی نے حضرت کے بارے میں پوچھا کہ کہ یہ کون بزرگ ہیں، کسی نے قیاس آرائی کی کہ حج کے لئے جا رہے ہیں۔ گاڑی عین مغرب کے وقت آئی ہم سب لوگ اطمینان سے سوار ہوگئے الہ آباد میں انتظام سفر کے سلسلے میں حضرت والا کو کچھ تعب ہوگیا تھا نیز ریل پر سب سے مصافحہ کرنا پڑا اس تکان کے سبب نماز مغرب سے فارغ ہونے کے بعد حضرت استراحت کے لئے لیٹ گئے۔ ایکسپرس گاڑی تھی چند ہی گھنٹہ کے بعد فتحپور آگیا۔ ہم لوگوں نے دیکھا کہ مولانا عبدالوحید صاحب فتحپوری اور بہت سے رفقار جن میں اہل شہر بھی تھے اور مدرسہ کے طلبار بھی تلاش کرتے کرتے حضرت والا کے ڈبہ کے قریب پہونچ گئے حضرت کی آنکھ لگ چکی تھی بعض لوگوں نے اصرار کیا کہ ہم لوگ دور سے آئے ہیں صرف حضرت والا سے ملاقات چاہتے ہیں لہٰذا حضرت والا کو بیدار کر دیجئے لیکن خدام کا خیال تھا کہ حضرت کو نہ جگایا جائے یہ باتیں اگرچہ آہستہ آہستہ ہو رہی تھیں لیکن حضرت والا کے کانوں تک پہونچ گئیں اور حضرت والا اٹھکر بیٹھ گئے اور سب سے بڑے تپاک سے ملے جو حضرات ملنے کے لئے تشریف لائے تھے وہ نہایت حسرت کے ساتھ گاڑی کو دیکھتے ہی رہے اور ہم لوگ بھی اپنی جگہ بیٹھ گئے حیرت ہوتی ہے کہ اہل الہ آباد پر مخفی رکھنے کے باوجود سفر کی خبر فتحپور اور اور پھر کانپور کیسے پہونچ گئی۔ کانپور میں فتحپور سے زیادہ مجمع تھا۔ بہت سے لوگوں نے صرف نظر سے

حضرت والا کی زیارت کی ورنہ تو مجمع کی کثرت کی وجہ سے ڈبہ تک پہونچنا بہت دشوار تھا۔ حضرت والا کھڑکی کے قریب تشریف فرما تھے دونوں ہاتھ باہر نکالے دیر تک مصافحہ فرماتے رہے اسکے بعد حاجی جمال الدین صاحب نے حضرت سے اجازت چاہی کہ میں حضرت کو اور مہمانوں کو چائے پلانا چاہتا ہوں حضرت کے ہمراہ تقریباً پچاس احباب رفیق سفر تھے کسی وجہ سے گاڑی اپنے وقت سے زائد یہاں ٹھیری اور حاجی صاحب نے انتظام یہ کیا کہ حضرت اقدس کے ڈبہ کے آس پاس دو چار ڈبوں میں چائے پہونچانے کا انتظام کیا لوگوں کو پلیٹ فارم پر اترنا نہیں پڑا۔ کانپور سے روانہ ہوکر ہم لوگ جب اٹاوہ پہونچے تو یہاں بھی ایک چھوٹا سا مجمع نظر آیا کچھ حضرات تو حضرت والا کے رفیق سفر ہوگئے اور بعض لوگ وہیں سے واپس ہوگئے قابل قدر ہے اہل اٹاوہ کا جذبۂ محبت کہ سردی کے زمانے میں ۲ بجے شب کو ٹھٹھرتے ہوئے اپنے شیخ کی زیارت کو آئے۔ اٹاوہ کے بعد جب فیروزآباد کا اسٹیشن آیا تو یہاں بھی بہت سے حضرات حضرت والا کی زیارت کو آئے اور ایک اچھا خاصا قافلہ بھائی محمد شریف صاحب کی قیادت میں حضرت سے اجازت لیکر رفیق سفر ہوگیا اس طرح وہاں سے روانہ ہوکر تقریباً چھ بجے صبح ہم لوگ علی گڈھ پہونچ گئے۔ پلیٹ فارم پر جناب حکیم افہام اللہ صاحب۔ جناب ڈاکٹر اسلام الحق صاحب انصاری پرنسپل طبیہ کالج۔ جناب ڈاکٹر حفیظ الرحمٰن صاحب صدر شعبہ قانون۔ جناب مولانا ارشاد احمد صاحب مبلغ دارالعلوم دیوبند ان حضرات کے علاوہ اور بھی بہت سے حضرات حضرت والا کے خیر مقدم کے لئے تشریف لائے تھے۔ ڈاکٹر حفیظ الرحمٰن صاحب حضرت والا کے ساتھ اسٹیشن سے باہر نکلے اور اپنی کار پر حضرت والا کو سوار کیا۔ حضرت کے ساتھ ڈاکٹر صلاح الدین صاحب، مولوی عیسیٰ صاحب سلمہ اور حکیم افہام اللہ صاحب بھی بیٹھے۔ ڈاکٹر حفیظ الرحمٰن صاحب کار کو چلا رہے

تھے تھوڑی ہی دیر میں انونہ ہاؤس پہونچے اور بقیہ لوگ دوسری سواریوں سے انونہ ہاؤس پہونچ گئے۔ حضرت والا نے نماز فجر انونہ ہاؤس کی مسجد میں ادا فرمائی۔

نماز فجر سے فارغ ہوکر حضرت والا اپنے معمول کے مطابق بعض خدام کو ہمراہ لیکر تفریح کے لئے تشریف لے گئے۔ یہاں ایک بات یہ عرض کرنی ہے کہ تفریح سے مراد سیر کرنا نہیں ہے بلکہ حضرت والا لوگوں کے مجمع سے اپنے کو بچانے کے لئے اور حصول تنہائی کی غرض سے صبح و شام رکشہ پر یا کار پر کہیں چلے جایا کرتے تھے اور اس درمیان میں یکسوئی کے ساتھ اپنے معمولات پورے کرنے کا موقع مل جاتا تھا۔ یہاں بھی حضرت نے خیال فرمایا کہ اگر مسجد سے لوٹ کر قیام گاہ پر چلتا ہوں تو لوگوں کا ایک ہجوم گھیر لیگا۔ نہ پڑھنے کا کچھ موقع ملے گا اور نہ کچھ کام ہوسکیگا اسلئے شہر سے باہر ہوا خوری کا خیال ظاہر فرماکر تشریف لے جایا کرتے تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس طرح بیت اللہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی تجلی رکھی ہے چنانچہ اسے دیکھتے رہنا ذریعہ ثواب اور موجب ترقی درجات ہوتا ہے اسی طرح سے اللہ والوں کے قلب کا نور چھلک کر انکے چہرے پر آجایا کرتا ہے جسکی زیارت کرنے میں لوگ اپنے لئے ایک سکون محسوس کرتے ہیں اسلئے حضرت لاکھ کوشش کرتے کہ تنہائی حاصل ہو مگر اس پر قادر نہ ہو پاتے یہاں چونکہ سفر رکشہ سے ہو رہا تھا حضرت والا کے ہمراہ پروفیسر علیم القدر صاحب تھے ان کے تعلق کیوجہ سے یونیورسٹی کے کچھ اور طلباء اپنی اپنی سائیکلوں پر سوار ہوکر ساتھ ہوگئے۔ تفریح سے واپسی کے بعد کچھ دیر لوگوں سے ملنے ملانے میں لگی اس کے بعد ناشتہ آگیا اور کوٹھی کے باہری حصہ میں فرش بچھایا گیا اور وہیں مجلس کا انتظام ہوا ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے مجلس شروع ہوئی اور ایک گھنٹہ تک رہی اسی طرح سے شام کو ساڑھے تین سے ساڑھے چار

تک مجلس رہی۔ علی گڈھ میں حضرت والا کا قیام ایک ہفتہ رہا اور صبح و شام یہ مجالس ہوتی رہیں یعنی کل چودہ مجلسیں ہوئیں جنھیں ضبط کیا گیا اور رسالہ معرفت حق میں بعد کو شایع بھی ہوئیں خیال تھا مجالس علی گڑھ کی شکل میں انھیں علیحدہ کتابی شکل میں شایع کر دیا جائے لیکن اسکی نوبت نہ آسکی۔ اس مسودہ کی تبییض کر کے احقر (جامع) نے بمبئی میں حضرت والا کیخدمت میں پیش کیا حضرت نے فرمایا کیا ہے سناؤ چنانچہ کامل چودہ مجلسیں حضرت نے لفظ بلفظ سنیں اور فرمایا کہ اجی یہ مضامین میں نے بیان کئے ہیں احقر نے عرض کیا حضرت نے نہیں بیان فرمایا تو میں نے لکھ کیسے لیا؟ فرمایا الحمدللہ علی گڑھ کے مناسب حال نہایت ضروری مضامین مجھ سے بیان کرا دیئے۔ انتہی۔ اس سے اندازہ فرمایئے کہ خود حضرت کو وہ مضامین کسقدر پسند تھے۔ یہاں حالات کے سلسلہ ان تمام مجالس کا بیان کرنا تو مشکل ہے تاہم آئندہ صفحات میں ناظرین کیخدمت میں مجالس کی بعض باتیں پیش کیجائینگی۔

اسمیں شک نہیں کہ علی گڈھ میں حضرت بہت خوش تھے اور طلباء و مدرسین کے شوق شرکتِ مجلس کی بہت تعریف فرمائی۔ ایک دن مجلس میں فرمایا کہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ وقت کی پابندی انگریزوں نے ہمکو سکھائی فرمایا کہ یہ خیال صحیح نہیں ہے آپ کو اپنے گھر کی خبر نہیں، شریعت نے وقت کی جو قدر کی ہے اور جس قدر پابندی لوگوں سے کرائی ہے اسکی نظیر ملنی مشکل ہے دیکھئے عبادت میں اہم العبادات نماز ہے اسکے متعلق ارشاد ہے کہ اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتۡ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ کِتٰبًا مَّوۡقُوۡتًا کہ نماز مومنین پر وقت وقت کے ساتھ فرض کی گئی ہے اور ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے حَافِظُوۡا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوۃِ الۡوُسۡطٰی سب نمازوں کو وقت سے پڑھو اور دھیان رکھو کہ قضاء نہ ہو جائے بالخصوص عصر کی نماز کو۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ آپ لوگوں کا یہ طریقہ

مجھے بہت پسند آیا دیکھا کہ مجلس کے شروع ہونے میں پانچ منٹ باقی ہیں لیکن مجلس میں صرف ساتھ آنے والے رفقاء اور باہری مہمان موجود ہیں اور بس۔ کالج کا کوئی شخص نہیں لیکن پھر دیکھا کہ لوگ ادھر سے سائیکلوں سے آرہے ہیں ادھر سے پیدل آرہے ہیں کوئی رکشہ سے آرہا ہے کوئی موٹر سائیکل سے اور کوئی اپنی کار سے غرض پانچ منٹ کے اندر ساری مجلس بھر گئی اسی پر میں نے کہا کہ آپ لوگ اس غلط فہمی میں نہ پڑئیے گا کہ ہمکو یہ پابندی انگریز نے سکھائی بلکہ یہی سمجھئے کہ یہ ایک شرعی چیز ہے اور معاشرت کا ایک مسئلہ ہے جس پر خدا تعالیٰ نے آپکو عمل کی توفیق عطا فرمائی

پہلے ہی دن شام کی مجلس ختم ہونے کے بعد ایک صاحب حافظ محمد ابراہیم صاحب نے حضرت سے مصافحہ کیا مصافحہ کرتے ہی ان پر ایک حالت طاری ہوئی زار و قطار رونے لگے اور زور زور سے اللہ اللہ کرنے لگے جس کی وجہ سے جو لوگ مجلس سے اٹھکر جا چکے تھے پھر لوٹ آئے کہ دیکھیں کیا ہوگیا حافظ صاحب موصوف کو حضرت اپنے سینے سے لگائے ہوئے تھے اور پشت پر تھپکیاں دیتے جاتے تھے لیکن انکی حالت میں افاقہ نہیں ہوا حضرت نے پانی منگایا اور اپنے دست مبارک سے انکو پلایا حافظ صاحب نے ایک ہی گھونٹ میں سب پانی پی ڈالا چنانچہ پانی پیتے ہی انکی وہ کیفیت جاتی رہی۔

اسی دن طبیہ کالج کے ایک طالب علم حضرت والا سے ملے مصافحہ کرتے ہی عرض کیا کہ حضرت میں بہت ہی گنہگار ہوں یہ کہکر رونے لگے حضرت والا نے اسیوقت انکو بیعت فرمالیا اور انکو سکون حاصل ہوگیا سبحان اللہ اہل اللہ بھی کیسی کیسی حکمتوں سے علاج فرماتے ہیں دیکھئے ایک صاحب کا علاج تو پانی سے فرمایا اور دوسرے کا معالجہ بیعت تجویز فرمایا اسکو شیخ کامل ہی سمجھ سکتا ہے سہ۔ رموز مملکت خویش خسرواں دانند۔

حضرت کی مجالس میں دیکھا یہ جاتا تھا کہ لوگ ہمہ تن شوق بنے سن رہے ہیں اور ختم مجلس کے بعد ہر شخص بقدر اپنی طلب اور ذوق ایک مخصوص تاثر اپنے قلب میں پاتا تھا وعظ تو علی گڈھ والوں نے بہت سنے ہوں گے ایک سے ایک مقرر وہاں آتے رہے لیکن حضرت کی مجلس میں ان لوگوں نے ایک مخصوص اثر پایا اور موثر یہی تھا کہ اپنے معاصی پر نظر ہو کر اللہ تعالیٰ کی جانب توجہ ہو دین کی اہمیت اور بزرگوں کی قدر دلوں میں پیدا ہو جاتی تھی۔ سبھی لوگ نہایت ادب سے تشریف لاتے اور اگلی مجلس کی شرکت کا شوق قلب میں لئے واپس جاتے دو ہی تین دن گے اندر کالج کے چپہ چپہ میں اور شہر کے گوشہ گوشہ میں حضرت والا کی مجلس فیض اثر کی خبر پھیل گئی چنانچہ وقتاً فوقتاً لوگ بھی زیادہ آنے لگے اور علیگڈھ کے جو بڑے حضرات سمجھے جاتے تھے انکو بھی حضرت سے ملاقات کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ ایک دن حافظ سعید احمد خاں صاحب معروف بہ نواب چھتاری حضرت کیخدمت میں تشریف لائے۔ حضرت اقدس بہت تپاک سے ان سے ملے نواب صاحب نے عرض کیا کہ حضرت یہ اہل علی گڈھ کی اور ہم سب کی خوش قسمتی ہے کہ آپ کے قدم مبارک یہاں آئے اس آمد خیر پر ہم جتنا بھی فخر کریں کم ہے۔ حضرت والا میرے لئے میری اولاد کے لئے دعا فرمائیں اور ہم پر ہی کیا منحصر ہے تمام مسلمانوں کے لئے دعا فرمائیں بالخصوص یوپی کے مسلمانوں کے لئے بڑی نازک حالت ہے۔ آدمی چونکہ مہذب تھے اسلئے کچھ ہی دیر بیٹھنے کے بعد عرض کیا کہ میں حضرت کا زیادہ وقت خراب کرنا نہیں چاہتا بس حضرت سے مکرر درخواست ہے کہ میرے لئے اور میرے لڑکے کے لئے دعا فرمائیں یہ ارشاد میاں آپ کو یاد دلاتے رہیں گے اس سے مراد نواب ارشاد علی خاں صاحب تھے۔ اس کے بعد نواب صاحب رخصت ہو گئے۔

ڈاکٹر حفیظ الرحمٰن صاحب نے جب دیکھا کہ حضرت والا روزانہ صبح و شام باہر تشریف لیجاتے ہیں اور رکشہ پر بیٹھنے میں حضرت کو تکلیف ہوتی ہے تو انکو

نے اس خدمت کے لئے اپنے کو اور اپنی کار کو پیش کیا۔ چنانچہ روزانہ صبح و شام کار لاتے اور حضرت اس پر تشریف لے جاتے۔ علی گڑھ کے قیام کے تیسرے ہی دن حکیم انعام اللہ صاحب کی درخواست پر حضرت والا نے طبیہ کالج ملاحظہ فرمایا حکیم صاحب نے عرض کیا کہ حضرت یہی وہ عمارت ہے جسکی بنیاد سر سید مرحوم نے سب سے پہلے رکھی تھی، کالج کے مختلف شعبوں کو حضرتؒ نے ملاحظہ فرمایا اور کچھ فاصلہ پر طبیہ کالج کا بیت المرضیٰ تھا وہاں بھی حضرتؒ تشریف لے گئے پھر ۲۴ر فروری ۱۹۶۵ء بروز چہارشنبہ ڈاکٹر حفیظ الرحمٰن کی درخواست پر حضرت والا آزاد لائبریری دیکھنے کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت نے انکی درخواست پر فرمایا میں علیگڈھ آیا ہوں تو یہاں کی ہر چیز دیکھوں گا لیکن اسکے لئے شرط یہ ہے کہ نہ کوئی اہتمام کیا جائے نہ کوئی انتظام اور نہ اعلان لیکن ہوا یہ کہ حضرت والا کی کار۔۔۔ جیسے ہی آزاد لائبریری پہونچی تار کیطرح ہر شعبہ والوں کو خبر ہوگئی۔ ہر شعبہ کے لوگ نکلکر حضرت والا کے پیچھے پیچھے ہولئے یونیورسٹی کے چانسلر ڈاکٹر یوسف حسین خاں صاحب جو ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب صدر جمہوریۂ ہند کے برادر خورد تھے حضرت والا کا ہاتھ پکڑے ساتھ ساتھ رہے۔ ڈاکٹر یوسف حسین صاحب نے عرض کیا کہ حضرت مسلم یونیورسٹی لائبریری کو اس بات پر فخر ہے کہ اسوقت ہماری لائبریری میں بیس ہزار قلمی نسخے موجود ہیں اور ایک سے ایک بڑھکر ہیں ان میں ایک قرآن پاک جو سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دست مبارک کا خط کوفی میں لکھا ہوا ہے وہ بھی موجود ہے۔ حضرت والا نے اور سب خدام نے اپنی آنکھوں سے اسکی زیارت کی۔ ڈاکٹر یوسف حسین صاحب نے عرض کیا کہ یہ ہماری انتہائی خوش قسمتی ہے کہ حضرت والا علیگڈھ تشریف لائے۔ وقت کافی گزر چکا تھا حضرت والا نے خود فرمایا کہ بھائی اب تھک گیا ہوں بقیہ چیزیں پھر دیکھوں گا۔ ڈاکٹر یوسف حسین صاحب بدستور حضرت کا ہاتھ پکڑے ہوئے کار تک تشریف لے آئے اور عرض کیا کہ انشاء اللہ شام کو حاضر خدمت ہونگا چنانچہ حسب وعدہ

بعد مغرب حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کہ حضرت دعا فرمائیں
کہ اللہ تعالیٰ بلمیات سے محفوظ رکھے۔ اسکے بعد انھوں نے اپنی اہلیہ کیلئے
بیعت کی درخواست کی حضرت نے درخواست منظور فرمالی اور اگلے دن
صبح جب بسلسلۂ تفریح تشریف لے گئے تو انکی کوٹھی پر پہونچکر انکی اہلیہ کو
سلسلہ میں داخل فرمالیا۔ دوسرے دن ڈاکٹر صاحب کے اصرار پر حضرت والا
ان کے مکان پر تشریف لے گئے۔ اس موقعہ پر ایک واقعہ خاص یہ پیش آیا
کہ ڈاکٹر یوسف حسین کا ایک ملازم زندہ حسین نامی خدمت والا میں حاضر ہوا
حضرت سے مصافحہ کیا اور عرض کیا کہ حضرت میں تھانہ بھون کا رہنے والا
ہوں اسکا یہ کہنا تھا کہ حضرت کو تھانہ بھون اور مجدد تھانہ بھونؒ یاد آگئے۔
حکیم افہام اللہ صاحب کو بلایا اور دس روپیہ کا نوٹ نکال کر یہ کہتے ہوئے
دیا کہ میری طرف سے اس شخص کو ہدیہ دیدو۔ سبحان اللہ! اپنے شیخ کی عظمت
ومحبت کا یہی تقاضا ہے کہ دیارِ شیخ کی ہر چیز سے ایک محبت اور تعلق
ظاہر ہو۔ چنانچہ حضرت کے اس عمل نے ہم لوگوں کو یہ سکھلایا کہ اپنا شیخ بھلائی
جانے والی چیز نہیں۔ اگر عشق مجازی میں مجنوں کو لیلیٰ کی گلی کا کتا پیارا ہوسکتا
ہے تو جو تعلق محض للہ و فی اللہ ہو اسمیں دیار شیخ کا ہر انسان محبوب ہوتا ہے۔
اثنائے قیام میں ایک دن شعبۂ فارسی کے لکچرر جناب وارث حسین
صاحب کرمانی حضرت والا کی زیارت کو آئے ملکر بہت محظوظ ہوئے۔ عرض کیا
کہ حضرت علم میں نے بہت حاصل کیا لیکن مجھے سکون نہ حاصل ہوا۔ حضرت والا
نے فرمایا کہ دنیا میں کہاں کسی کو سکون ملتا ہے سکون کی جگہ تو آخرت ہے۔
کرمانی صاحب کو دیکھتے ہی حضرتؒ کو شاہ شجاع کرمانی یاد آگئے ان سے فرمایا
میں آپ میں شاہ شجاع کرمانی کی شان دیکھ رہا ہوں۔ حضرت سے ملاقات
کے بعد بعض احباب سے کرمانی صاحب نے تذکرۃً فرمایا کہ یہی وہ حضرات ہیں
جنکے سامنے سلاطین جہاں سر برہنہ اور پا برہنہ سر جھکائے کھڑے رہتے

ہیں انھیں میں سے ایک حضرت والا بھی ہیں۔

مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی صدر شعبۂ دینیات نے حضرت والا سے عرض کیا کہ آنجناب کی آمد سے بے انتہا مسرت ہوئی کاشکہ آپ سال میں دو ایک ماہ کا پروگرام علیگڈھ کے لئے بنائیں تو اسکی برکت سے یونیورسٹی کے چھوٹے بڑے سب افراد میں دین کی روح سرایت کرجائیگی۔ مکرمی جناب ڈاکٹر صلاح الدین صاحب سفرنامہ علیگڈھ میں فرماتے ہیں کہ انھیں تاریخوں میں احقر کا دہلی جانا ہوا۔ جناب مفتی عتیق الرحمٰن صاحب سے شرف نیاز حاصل ہوا مفتی صاحب نے فرمایا کہ حضرت مولانا کے علیگڈھ تشریف لانے کی خبر مجھکو بمبئی میں معلوم ہو گئی تھی اہل بمبئی حضرت والا کے فیوض و برکات سے بیحد متاثر ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ مولانا کے لئے بمبئی میں ایک مکان تلاش کیا جارہا ہے مکان ملتے ہی مولانا کو بمبئی تشریف لانے کی دعوت دی جائے گی ان کے آنے پر کم ازکم چھ ماہ قیام کی درخواست پیش کیجائے گی مفتی صاحب نے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اسوقت مولانا وصی اللہ صاحب کی بڑی شہرت ہے جو کام وہ کر رہے ہیں وہ کوئی نہیں کررہا ہے۔

قیام علی گڑھ کا آج پانچواں دن ہے جناب پروفیسر علیم القدر صاحب نے حضرت والا سے درخواست کی کہ حضرت ہمارا انجینرنگ کالج بھی دیکھ لیجیے حضرت والا نے مسکرا کر فرمایا کہ بھائی اس شعبہ سے تو مجھکو خاص لگاؤ ہے اسلئے کہ تم تعلیم دے رہے ہو چلو دیکھوں کہ تم کیا پڑھاتے ہو۔ بعد مجلس ڈاکٹر حفیظ الرحمٰن صاحب کار لے آئے، جب انجینرنگ کالج پہونچے تو یہاں کے اساتذۂ کرام اور طلبا انتہائی مؤدب اور مہذب معلوم ہوئے حضرت والا کے پہونچتے ہی یہ سب حضرات پیچھے ہو لئے۔ ڈاکٹر حفیظ الرحمٰن صاحب اور علیم القدر صاحب ہر ایک شعبہ کو دکھاتے رہے بعض طلبا یونیورسٹی نے اسی دن شام کو حضرت والا کو کھانے پر مدعو کیا تھا۔ حضرت والا معہ چند خدام

کے بعد مغرب سرسید ہال پہونچے جس میں مخصوص طلبار کا اجتماع تھا۔ چنانچہ حضرت والا نے پہلے تو ایک مختصر سا خطاب طلبار کو فرمایا، یہ فرمایا کہ مجھے آپ حضرات سے مل کر روحانی مسرت حاصل ہوئی توقع سے زائد خوشی ہوئی اور آپ سے امید قائم ہوئی۔ علم انسان کوئی پڑھے۔ زبان کوئی سی سیکھ لے جہاں چاہے جائے کچھ حرج نہیں بس ضرورت اسکی ہے کہ مذہب کا پابند رہے اور تمام امور کو دین کے ماتحت رکھے۔ آخر مسلمان ساری دنیا میں موجود ہیں عرب میں، امریکہ میں، لندن میں، اور چین و جاپان میں اور سب کی زبانیں الگ الگ ہیں لیکن قدر مشترک جو چیز ہے وہ اسلام ہے اس میں شک نہیں ہم لوگ ایک نازک دور سے گذر رہے ہیں سب لوگ اس کو جانتے ہیں ہمکو مٹانے کی بجلی کوشش کیجا رہی ہے لیکن کوئی مٹا نہیں سکتا ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے ہماری نظر اسباب پر نہیں ہے۔ ہمارا ناصر و محافظ اللہ تعالےٰ ہے۔ بس ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ ہم اپنے آپ کو اللہ تعالےٰ کے فضل اور نصرت کا مستحق بنالیں اور یہ ہوگا دین اختیار کرنے سے۔ میں آپ کے یہاں آکر اور آپ میں رہ کر کچھ اجنبیت نہیں محسوس کر رہا ہوں ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اپنوں میں آگیا ہوں اور یہ محض آپ حضرات کی دینداری کی وجہ سے ہے۔ دین خدا کا ہے اس لئے سب کو اس سے تعلق ہونا چاہیئے خواہ وہ عربی پڑھنے والے ہوں یا انگریزی پڑھنے والے۔ آپ نے دین کے اندر جو قدم اٹھایا ہے اس سے بہت خوشی ہوئی جی چاہتا ہے کہ آپ سے کہوں کہ اس میں مسابقت (یعنی مقابلہ) کیجئے یعنی اب اسکی کوشش کیجئے کہ دینداری میں اور حق تعالےٰ کے تعلق میں عربی طلبہ سے بڑھ جائیں اور انھیں یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ انگریزی طلبہ سے بڑھ جائیں وَسَابِقُوْا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ (یعنی اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ سبقت کرو

اپنے رب کی مغفرت اور اسکی جنت کیطرف جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہوگا اور جو متقین کے لئے بنائی گئی ہے)

الونہ ہاؤس جس میں حضرت والا کا قیام تھا اسکے مالک جناب تمجید الدین صاحب ایک نہایت ضعیف العمر اور بوڑھے آدمی تھے۔ حضرت سے ملاقات کے وقت عرض کیا کہ حضرت مجھ ضعیف وناتواں اور معذور کو بھی اپنے سلسلہ میں داخل فرما لیجئے چنانچہ حضرت والا نے انکیں اور انکے پوتے مجیب علی خاں دونوں کو بیعت فرمالیا۔

جوں جوں حضرت والا کی واپسی کا وقت قریب آتا جاتا تھا مجلس میں لوگوں کی شرکت بڑھتی جاتی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ علی گڑھ کے رؤسا کے طبقہ کی توجہ بھی بڑھتی جاتی تھی یہ لوگ شخصی طور پر کسی وقت حاضر ہوکر ملاقات کرتے اور چار پر یا کھانے پر کسی وقت حضرت اقدسؒ کو اپنے مکان پر بلانے کی سعادت بھی حاصل کرنا چاہتے ملاقات تو حضرت سب سے فرمالیتے لیکن دعوت کے سلسلے میں فرماتے کہ میرے میزبان حکیم انعام اللہ صاحب ہیں اس سلسلہ میں آپ لوگ ان سے گفتگو فرمالیں۔ چنانچہ جناب عمار صاحب رئیس علیگڈھ نے بھی درخواست پیش کی حضرت والا نے دعوت قبول فرمالی اور صبح کی مجلس ختم ہونے کے بعد لوگوں نے مصافحہ کا سلسلہ شروع کیا جس میں کافی وقت گذر گیا اتنے میں عمار صاحب کے یہاں سے موٹروں کی آمد کا سلسلہ شروع ہوگیا حضرت والا اور مخصوص خدام یکے بعد دیگرے عمار صاحب کے دولتکدے پر کھانے کے وقت تک پہونچ گئے عمار صاحب فرط مسرت سے بچھے جاتے تھے انکی لق و دق کوٹھی اسوقت بقعۂ نور بنی ہوئی تھی، عمار صاحب نے اسوقت اپنی مہمان نوازی اور بلند اخلاقی کا حق ادا کردیا آپ کا ڈرائیور مہمانوں کو لانے اور لیجانے میں کافی تھک گیا تھا عمار صاحب اسکی اس کیفیت کو دیکھکر اپنی فراست سے سمجھ گئے اور اسکو دسترخوان پر کھانے کے لئے بٹھا دیا اور خود بغیر کھائے ہوئے

اپنے معزز مہمانوں کو پہونچاتے رہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ وقت کلی گذر گیا۔
تین بج گئے ہیں آج آخری مجلس کا آغاز ہے اتنی وسیع جگہ ہونے کے باوجود لوگ یہ کہنے پر مجبور ہوگئے کہ "جائے تنگ است مرداں بسیار" عصر کی نماز کے بعد نواب چھتاری صاحب کے یہاں حضرت والا چائے پر مدعو تھے۔ حسب وعدہ ٹھیک وقت پر حضرت والا انکی کوٹھی پر پہونچ گئے۔ نواب صاحب کے متعلقین نے نہایت خلوص و محبت کا ثبوت دیا، مہمانوں کی خاطر و مدارات میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ اس دعوت کے موقع پر نواب صاحب کی ایک بہت بڑی خوبی ظہور میں آئی وہ یہ کہ معلوم ہوا کہ ابتک نواب صاحب محترم نے ستر محرابیں قرآن پاک کی سنائی ہیں۔ بچوں نے دعاء کی درخواست کی، حضرت نے دعاء دی اور وہاں سے رخصت ہوئے۔
تبلیغی جماعت کے چند ذمہ دار حضرات جن میں مولانا جمیل احمد صاحب حیدرآبادی خاص طور پر قابل ذکر ہیں حضرت والا کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا حضرت ہم سب کو جمع کر کے کسی خاص وقت میں دعاء فرما دیں چنانچہ شام کو قبل مغرب حضرت والاؒ نے دعاء کا وعدہ فرمایا۔ بعد نماز عصر حضرت والا اپنے چند خدام کے ساتھ پہلے تو مولوی غلام مصطفیٰ کے مکان پر تشریف لے گئے اور وہاں سے مسجد میں دعاء کے لئے تشریف لائے۔ پوری مسجد طلباء سے بھری ہوئی تھی۔ حضرت والا نے ہاتھ دعاء کے لئے اٹھائے، دل سے متوجہ تھے گو زبان سے کچھ نہیں فرمایا لیکن حاضرین کی گریہ وزاری کا جو حال تھا وہ دیکھنے ہی سے تعلق رکھتا تھا۔ لوگوں کی چیخ سے مسجد گونج رہی تھی اور ایک عجیب منظر تھا، دربار باری کی تضرع وزاری کا ایک سماں بندھ گیا حکیم افہام اللہ صاحب کا بیان ہے کہ اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت والا کی قیادت میں ہم سب بارگاہ رسالت میں حاضر ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ مبارک سے ہمارا قلب روشن ہو گیا ہے۔ دعاء فرما کر حضرت والا باہر

تشریف لائے اور مولانا جمیل احمد حیدر آبادی نے حاضرین سے مخاطب
ہو کر فرمایا کہ آپ حضرات دیکھ رہے ہیں کہ ایک شخص بلا جبہ و دستار کے
سادے سیدھے لباس میں آپ کے شہر میں آیا ہوا ہے مگر بایں ہمہ اسکی
قبولیت کا یہ عالم ہے جس کو آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں آخران کے
پاس کوئی چیز تو ہے جسکی وجہ سے یہ رفعت و منزلت حاصل ہے اسکی جانب
بھی ہم لوگوں کو توجہ کرنی چاہیئے۔

علی گڈھ سے واپسی حضرت والا کے رفقار سفر میں. بھائی ذکی اللہ
خانصاحب اور بھائی عبدالمجید صاحب صبح ہی سے سامان
کی درستگی میں مشغول ہیں علی گڈھ کے مقامی حضرات کا مجمع آہستہ آہستہ
بڑھتا جا رہا ہے بعض احباب حضرت سے اجازت لیکر پہلے ہی اسٹیشن
جانے کی فکر میں لگ گئے بالآخر حضرت والا کے ساتھ ہم لوگ بھی اسٹیشن
پہونچے اور ہجوم کا یہ عالم تھا کہ پلیٹ فارم پر تل رکھنے کی جگہ نہ تھی یہانتک کہ
مسافروں کا چلنا پھرنا دشوار ہوگیا۔ اتنے میں عشار کا وقت آگیا حضرت والا کو
خیال ہوا کہ گاڑی آنے سے پہلے ہی نماز یہیں پلیٹ فارم پر پڑھ لی جائے
چنانچہ حضرت کے لئے مصلیٰ بچھایا گیا اسی کے پیچھے لوگوں نے اپنے رومال
چادریں اور چٹائیاں بچھانی شروع کر دیں ان سے کہا گیا کہ اس بات کا
خیال رکھنا چاہیئے کہ لوگوں کے آنے جانے کا راستہ خالی رکھا جائے
غرض نماز ختم ہوئی لوگ پھر رواں دواں نظر آنے لگے۔ اسی اثنار میں
گاڑی بھی آگئی باوجود ریزرویشن نہ ہونے کے ایک پوری بوگی دہلی سے
خالی آئی اسلئے کہ علی گڈھ کا ریلوے اسٹاف بھی ہمارا میزبان ہوگیا تھا
گاڑی آتے ہی ہم سب لوگ اسی بوگی میں سوار ہوگئے اور اسی وقت
ریزرویشن ہوگیا۔

(پہلی تقریر کا خلاصہ)

مجلس کا وقت شروع ہوتے ہی حضرت والا نے پہلے تو مفتی فخرالاسلام صاحب سے فرمایا کہ کچھ آپ بیان کیجئے' انکی خاموشی پر پروفیسر مولوی غلام مصطفیٰ صاحب سے جو یونیورسٹی کے پروفیسر اور حضرت کے خدام میں سے تھے ان سے فرمایا کہ کچھ آپ ہی فرمائیے انھوں نے الامر فوق الادب کا خیال کر کے ایک آیت تلاوت فرمائی اور کچھ مختصر سا بیان کیا۔ پھر حضرت والا نے دیوبند سے تشریف لائے ہوئے مولوی ارشاد احمد صاحب مبلغ دارالعلوم سے فرمایا کہ آپ نے کوئی بات مجھ سے سنی ہو تو بیان کر دیجئے۔ مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت الفاظ کا بیان کر دینا تو کچھ مشکل بات نہیں ہے لیکن جس قلب اور خلوص سے حضرت والا بیان فرمائیں گے وہ ہم کہاں سے لائیں اسلئے میں تو عرض کرونگا کہ حضرت ہی کچھ بیان فرمائیں۔

"حضرت والا نے فرمایا کہ آپ نے صحیح فرمایا' ادب بڑی چیز ہے لیکن میں نے جو کچھ کہا تو اسلئے کہ لوگ بالعموم اسی کے منتظر رہتے ہیں کہ آئے تھے تو کچھ کہتے اور ہم لوگ سنتے تو اس کے متعلق سن لیجئے کہ میں یہاں اس حیثیت سے نہیں آیا ہوں جس طرح اور لوگ آتے ہیں اسلئے میں خاموش بیٹھا تھا کہ آپ کو بتاؤں کہ کام کا ایک طریقہ خاموش رہنا بھی ہے اگرچہ لوگ عادی اسکے خلاف کے ہو گئے ہیں۔ یعنی بس یہ چاہتے ہیں کہ کوئی شخص بکواس کرتا رہے اور ہم سنتے رہیں۔ حالانکہ صوفیاء کرام کا طریقہ آپ نے سنا ہوگا یہی رہا ہے کہ طریق میں قلتِ کلام اور قلتِ اختلاط مع الانام کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ کثرت کلام سے بہت ضرر ہوتا ہے۔ آدمی خوب بولتا ہے تو اسکے بعد لوگ اسکی تعریف کرتے ہیں بس یہ اسکے حق میں زہر ہوتا ہے۔ میری کچھ خاموشی اسی لئے تھی کہ میں آپ کو بتاؤں

کہ ایک طریقہ کام کا زبان کو بند کر لینا بھی ہے۔ میں کچھ اس لئے خاموش نہیں تھا کہ آپ سے ناراض تھا۔ اور زبان کا بند کرنا مفید اور نافع اسلئے ہوتا ہے کہ اس سے قلب ذاکر ہوتا ہے اور قلب ذاکر ہوتا نہیں جب تک کہ زبان ساکت نہیں ہو جاتی۔ چنانچہ پیر کے سامنے مرید بھی جب اپنی زبان کو بند کرتا ہے جبھی اسکو کچھ فیض پہونچتا ہے۔ یہ راستہ زبان سے طے نہیں ہوتا بلکہ دل سے طے ہوتا ہے۔ برکات زبان سے نہیں بلکہ قلب سے ملتے ہیں۔ اب لوگ نہ طریق کو سمجھتے ہیں نہ شیخ کے آداب سے واقف ہیں بلکہ سب کچھ بولنے ہی کو سمجھتے ہیں۔ چنانچہ میں نے تو کسی کو نہیں سنا کہ اس پر گفتگو کرتا ہو۔ البتہ ایک مصری عالم کی کتاب میں دیکھا کہ اس پر انھوں نے کلام کیا ہے۔ لکھا ہے[۵] کہ تم لوگ اسقدر بولے ہو کہ آسمان و زمین کی فضا یعنی جو اور خلا بالکل بھر گیا ہے اب یہ بتاؤ کہ عمل کب کروگے؟

محض زبان سے کوئی تقریر کر دینا اور قانون بنا دینا کیا مشکل ہے۔ کوئی قابل آدمی ہوگا تو کچھ نہ کچھ بنا ہی لے گا لیکن ہمارے پاس قاعدہ و قانون سب کچھ موجود ہے، قرآن شریف موجود ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات موجود ہیں لیکن فائدہ جو نہیں ہو رہا ہے تو اسلئے کہ اس پر عمل نہیں ہے۔ اب جب بھی کوئی آتا ہے اس سے لوگ بکواس ہی کی خواہش کرتے ہیں لیکن ہمارے بزرگوں نے بکواس نہیں کی بلکہ انکا فیض خاموش رہنے پر بھی پہونچتا تھا۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خلیفہ سندھ کے تھے وہ حضرتؒ سے بیان کرتے تھے، میں بھی اس مجلس میں تھا کہ حضرت! سندھ میں ایک بزرگ تھے کہ جو آخر عمر میں دو دو گھنٹے خاموش بیٹھے رہتے تھے مگر مریدین کو ان سے فیض

---

۵ ان کے الفاظ یہ ہیں۔ امابعد فقد ملانا الجو نداء وصیاحًا وضجّ کان نداء بالمشروع صیاحنا۔ ولکن قلنا کثیرا وما فعلنا قلیلا۔ (اصلاح الوعظ الدینی)

پہونچتا تھا وہ جانتے تھے کہ انکو خدا کی طرف سے فیض پہونچ رہا ہے اس لئے
ہمکو بھی اسمیں سے کچھ حصہ لینا چاہیئے۔ چنانچہ سب لوگ بیٹھے رہتے تھے
کوئی مجلس سے جاتا نہیں تھا تو یہ حضرات چپ رہنے میں بھی ادھر سے کچھ پاتے
تھے۔ اسکا نام سکون، اطمینان اور سکینہ ہے۔ اللہ تعالےٰ سے ملنے کا جسقدر شوق
ہوتا ہے اور انکے قلب پر جو کیفیت طاری رہتی ہے اسکو آپ کیا جانیں۔ اسپر
ایک بزرگ کا مقولہ یاد آیا جب ان کے سفر آخرت کا وقت آیا تو فرماتے ہیں ؎

منگر کہ دل ابن یمیں پرخوں شد | بنگر کہ از سرائے فانی چوں شد
مصحف بکف و پا بہ رہ و دیدہ بہ دوست | با پیک اجل خندہ زناں بیروں شد

یعنی یہ مت دیکھو کہ ابن یمین کا دل پُرخوں ہوگیا ہے اسکو دیکھو کہ وہ اس سرائے
فانی سے کس طرح جارہا ہے؟ مصحف ہاتھ میں ہے، پاؤں راہ محبوب پر ہے اور
نظر دوست پر لگی ہوئی ہے موت کے قاصد کے ہمراہ ہنستا کھیلتا اس دنیا سے جارہا ہے
اسی طرح سے ہمارے حضرتؒ بھی کبھی کبھی ظہر سے لیکر عصر تک خاموش بیٹھے رہتے تھے
اور کوئی شخص مجلس سے اُٹھکر نہیں جاتا تھا۔ تعجب ہے کہ آپ لوگ صرف زبان ہی کے فیض کے قائل ہوں
اور دوسری کسی چیز کے قائل نہ ہوں (یعنی قلب کے حالانکہ اصل وہی ہے غرض
میں آپ کے یہاں بولنے کے لئے نہیں آیا ہوں بلکہ آپ لوگوں کو دیکھنے آیا ہوں
اور آپ کے کالج کو دیکھنے آیا ہوں۔ ایک اور جگہ میں نے یہی کہا تھا کہ میں
یہاں چندہ لینے نہیں آیا ہوں اور اگر آپ کو تعجب ہو کہ پھر یہاں کیوں آئے ہیں؟
تو سنئے میں یہاں آپ لوگوں کو دیکھنے آیا ہوں۔ اس پر لوگوں نے آپس میں کہا
کہ ہمارا دین دیکھنے آئے ہیں۔ میں نے جب یہ سنا تو کہا ہاں اور نہیں تو کیا صورت
دیکھنے آیا ہوں، صورتیں تو وہاں بھی تھیں جہاں سے آیا ہوں۔ بہرحال جب کوئی
شخص کہیں جاتا ہے تو کوئی مطمح نظر ہی لیکر جاتا ہے۔ غرض میں یہاں تقریر کرنے نہیں
آیا ہوں۔ بزرگوں کے یہاں خاموشی گفتگو سے بڑھکر موثر ہے اور دل کو ذاکر
بنانے کے لئے زیادہ مفید سمجھی گئی ہے ؎

بطبعم ہیچ مضموں بہ ز لب بستن نمی آید　　خموشی معنیٔ دارد کہ در گفتن نمی آید

(میرے دل میں کوئی مضمون اس سے بہتر نہیں آتا کہ خاموش رہا جائے کیونکہ خاموشی ایک معنی رکھتی ہے جو بیان میں نہیں آ سکتا)

قلب میں جسقدر نور خموشی سے پیدا ہوتا ہے اور کسی چیز سے نہیں ہوتا لیکن خاموشی سے یہاں مراد ناجائز کلام سے خاموشی ہے ذکر سے نہیں بزرگان دین اس لئے اسکی عادت ڈالتے ہیں کہ فضول اور لغو کلام سے قلب میں جو ظلمت پیدا ہوجاتی ہے خود کو اس سے بچائیں چنانچہ انکی یہ خاموشی قلب میں ذکر پیدا کرنے کیلئے ہوتی ہے۔ جیسا کہ مولوی غلام مصطفٰے صاحب نے فرمایا کہ اللہ تعالٰے ظلمات سے نکالتے ہیں تو اسکے متعلق کہتا ہوں کہ بیشک اصالۃً تو وہی اس سے نکالنے والے ہیں لیکن نیابۃً حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام بھی نکالتے ہیں اور یہی انبیاء علیہم السلام کا منصب ہے کہ لوگوں کو ایمان کی دعوت دیتے ہیں۔ ایمان ایک نور ہے جو لوگ نور پیدا کرتے ہیں ان کے لئے ضروری ہے کہ اسباب ظلمت کو بھی ختم کریں۔ باقی لوگ اس زمانہ میں کسی کو چھوڑتے نہیں اب میں آپ کے ڈر سے بولوں کہ اگر نہ بولوں گا تو آپ معتقد نہ رہیں گے یہ تو کوئی بات نہیں اور میں اپنے اختیار سے آیا ہوں اپنے اختیار سے رہوں گا اور اپنے اختیار ہی سے جاؤں گا اور جب اللہ تعالیٰ بلوائیں گے تو بولوں گا یہ کیا ضروری ہے کہ آدمی جمع ہو جائیں تو ضرور بولا ہی جائے معاملہ کچھ اجرت اور محنتانہ کا تو ہے نہیں کہ کوئی نہ بولے گا تو اسکو محنتانہ ہی نہ ملیگا یہاں تو معاملہ دین کا ہے اور اللہ تعالٰے کی طرف سے مضمون آتا ہے۔ لہٰذا جب یہ حضرات کچھ بولیں تو سنو اور اگر چپ رہیں تو تم بھی خاموش بیٹھے رہو آپ کو نہیں معلوم کہ صوفیاء کرام نے کلام ضرورۃً ہی کیا ہے۔ خدا تعالیٰ کی معرفت دوسروں کو سکھانے کا ذریعہ یہی کلام ہی ہے۔ اب کی طرح نہیں کہ جلدی سے کلام کرنا شروع کر دیا کہ دو چار آدمی بھی معتقد ہو جائیں گے تو کام چل جائے گا۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ (گڑھی کلاں) کے لوگوں نے وعظ کا انتظام کیا حضرت رحؒ کتنے بڑے ماہر و فاضل تھے لیکن فرماتے ہیں کہ ممبر پہ بیٹھا

خطبہ پڑھا اور خاموش ہوگیا بہت سوچا کہ کوئی مضمون بیان کردوں کچھ سمجھ ہی میں نہیں آیا چاہا کہ اپنے پچھلے وعظوں میں سے ہی کوئی وعظ بیان کردوں اسپر بھی قادر نہ ہو سکا، خیال کیا کہ کوئی آیت ہی پڑھ دوں اور اسکا ترجمہ کردوں یہ بھی نہ ہوسکا بالآخر یہ کہکر ممبر سے نیچے اتر آیا کہ بھائی مضمون نہیں آتا۔ پھر فرمایا کہ اسکے بعد سے مجھے کبھی یہ وسوسہ بھی نہ آیا کہ مجھے کچھ آتا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے اپنے متعلق خیال گذرا تھا کہ مجھے کچھ آگیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسکا علاج فرمادیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب تک قلب میں کلام کرنے کا داعیہ اور تقاضا نہ پیدا ہو کلام سب بے نور بے روح اور کمزور ہوگا۔ مشائخ تو یہ فرماتے ہیں اور اب سنتا ہوں کہ طلبار آپس میں باتیں کرتے کہ تقریر کی مشق کرلو نہیں تو کوئی پوچھے گا نہیں میں کہتا ہوں خوب مشق کرلو تب بھی کوئی نہ پوچھے گا۔ پوچھنا صرف بولنے سے ہوا کرتا ہے؟ آدمی اسوقت پوچھا جاتا ہے جب وہ عند اللہ مقبول ہوتا ہے اور مقبولیت بولنے سے نہیں بلکہ خدا کیطرف سے آتی ہے اور خلوص کیوجہ سے آتی ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ بول کر تم لوگوں کو خوش کردو اور ان تک پہونچ جاؤ لیکن کیا اس مشق سے اللہ تعالےٰ کو بھی راضی کرلوگے؟ اور میں تو یہ کہتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ تک تو کیا پہونچتے مخلوق تک بھی نہیں پہونچتے۔ اسلئے کہ پہونچنا جب کہا جائیگا کہ وہ دل سے تمھارے معتقد ہوں اور دل سے اعتقاد اسوقت انکو ہوگا جب تمھارا کلام ان کے دل تک پہونچے اور قلب اس سے متاثر ہو اور تاثیر زبان کا فعل نہیں خدا تاثیر دیتا ہے اور خدا تمھارے اس کام سے راضی نہیں، اثر اسی وقت ہوتا ہے جب اثر والی بات اور اثر والا کام کیا جائے۔

آپ لوگوں نے تو سنا ہوگا کہ تصوف میں خلوت کو بہت ضروری قرار دیا جاتا ہے بالخصوص مبتدی کے لئے اور جس طرح یہ خلوت مرید کے لئے ضروری ہے اسی طرح شیخ کے لئے بھی ضروری ہے گو اس قدر نہیں جتنی کہ مرید کے لئے تاہم کچھ وقت خلوت کے لئے نکالنا ضروری ہے اسلئے تاکہ سکوت کا موقع ملے

اور ذکر و فکر کا ذریعہ بن سکے اسی سے قلب میں نور پیدا ہوتا ہے۔ سکندر نامہ میں ایک حکایت لکھی ہے کہ سکندر جب حملہ کرتا تو اطراف و جوانب کے مشائخ سے ملتا اور دعا کراتا۔ سپاہیوں کو یہ خیال گذرا کہ لڑتے تو ہم ہیں اور نام بزرگوں کا ہوتا ہے چنانچہ ایک قلعہ پر حملہ کیا اور بہت دنوں تک محاصرہ رہا مگر قلعہ فتح نہ ہوا دریافت کیا کہ یہاں کوئی بزرگ رہتے ہیں معلوم ہوا کہ غار میں ایک بزرگ تشریف رکھتے ہیں سکندر ان سے ملنے کے لئے غار کے اندر گیا اسکے ہاتھ میں ایک لالٹین تھی بزرگ نے کسی آنے والے کی آہٹ پاکر پوچھا کون ہے، سکندر؟ بادشاہ کو اس پر بہت تعجب ہوا کہ ان بزرگ نے میرا نام کیسے جان لیا۔ پوچھا کہ حضرت آپ نے مجھے کیونکر پہچانا انھوں نے فرمایا کہ تم ہاتھ میں جو روشنی لئے ہوئے ہو اسکی وجہ سے تمھیں راستہ نظر آتا ہے میں اتنے دنوں سے غار میں ہوں کیا میرے قلب میں اتنی بھی روشنی پیدا نہیں ہوئی جتنی تمھاری اس لالٹین میں ہے پھر پوچھا کہ اچھا بتلاؤ تو سہی کیسے آنا ہوا سکندر نے صورت حال عرض کر کے ان سے دعا کرائی انھوں نے فرمایا کہ جاؤ فتح ہو جائیگا اور اسکے بعد اللہ کی ایک ایسی ضرب لگائی کہ اسکی وجہ سے قلعہ دھڑام سے پانی میں آرہا۔ یہ بات غلط نہیں کہہ رہا ہوں سکندر نامہ میں قصہ موجود ہے دیکھ لیجئے اسکے بعد قلعہ والوں نے کہا کہ تم میں اس کے فتح کی طاقت نہیں تھی ضرور کسی بزرگ سے تمھاری ملاقات ہوگئی ہے جسکی توجہ سے ایسا ہوا، یہ سنکر لشکری شرمندہ ہوئے اور اپنی بدعقیدگی سے تائب ہوئے

(خلاصہ مجلس دوم)

فرمایا کہ حضرت عثمانؓ جب خلیفہ ہوئے تو ممبر پر بیٹھکر کچھ زیادہ بولے نہیں یہ فرمایا کہ انتم الی امام فعال احوج منکم الی امام قوال یعنی تمھیں امام قوال سے زیادہ امام فعال کیضرورت ہے۔ حضرت علیؓ چونکہ نہایت ہی

فصیح و بلیغ خطیب بھی تھے اسکی جانب اشارہ کرنا مقصود ہوگا کہ میں اگرچہ اس درجہ
خطیب نہیں ہوں تو کچھ حرج نہیں کیونکہ اسوقت ضرورت تمھیں امام فعال کی ہے
اور میں امام فعال ہوں ۔ اتنا فرمایا اور خاموش ہو گئے ۔ دیر تک خاموش رہے
نہ بولتے تھے اور نہ کسی مجال تھی کہ اٹھ کر چلا جائے ۔ مولانا روم رح نے مثنوی میں
لکھا ہے کہ حضرت خاموش تو تھے مگر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لوگوں پر نور کی بارش
ہو رہی ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ تھے اسی کی توقع تھی ۔
خلیفہ کا کام نور پاشی ہی کرنا ہے اور حضرات صحابہ رض کو اسی چیز کی ضرورت تھی ۔
حضرت عائشہ صدیقہ رض فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ایسا نہ تھا
جس طرح آج تم لوگ مسلسل بولتے ہو بلکہ ھو یتکلم بکلام فصل یعنی آپ
لحظہ بہ لحظہ اس طرح سے ٹھہر ٹھہر کر گفتگو فرماتے تھے کہ اگر کوئی شخص ارشاد فرمائے
ہوئے کلمات کو گننا چاہے تو گن سکتا تھا ۔ آج اگر کوئی شخص اس قسم کا کلام
کرے تو آپ لوگ اسکو فیل کر دیں ۔ میں جلسوں میں جاتا نہیں مگر لوگوں کے حالات
کو جانتا ہوں کہ اسی کی توقع کرتے ہیں، ایسا طرز بدل گیا ہے اب عوام کی خاطر
کلام کیا جاتا ہے اور کسی کو فیل پاس کرنا انھیں کے ہاتھ میں ہے ۔ ایک صاحب
وعظ فرما رہے تھے بیان ختم کے قریب تھا سامعین میں سے ایک صاحب کیا
فرماتے ہیں کہ اب ان مولوی صاحب کا کوئلہ پانی ختم ہو رہا ہے حالانکہ یہ عوام الناس
خود جاہل ہوتے ہیں اگر ان سے کہدیا جائے کہ اچھا تمھیں وعظ کہہ لو یا امامت کرو
یا تراویح میں قرآن سناؤ تو یہ سب نہ کر سکیں گے لیکن ہم لوگوں کا امتحان لینے کیلئے
تیار، اور یہ عجیب بات ہے کہ عام طور سے تو یہ ہوتا ہے کہ ممتحن زیادہ قابل ہوتا ہے
لیکن یہاں یہ لوگ ہیں کچھ نہیں مگر ہم لوگوں کا فیصلہ انھیں کے ہاتھ میں ہے ۔ خود اگر
۵ منٹ بھی تقریر کرنا چاہیں تو نہ کر سکیں مگر اپنی ہوائے نفسانی سے ایک کو دوسرے
پر فضیلت دیتے رہتے ہیں، اسکا منشار محض ہوائے نفسانی ہے علم و فضل نہیں ہے
اسکو سنئے! ایک چیز انسان میں اسکے نفس کی خواہش ہوتی ہے جسکو ہوائے نفسانی

بھی کہا جاتا ہے جسکی وجہ سے نفس اور طبیعت کے موافق چیزیں انسان کو پسند ہوتی ہیں کافروں کے اندر بھی یہی چیز تھی۔ ادہر سے نصوص خداوندی آتے تھے جس کے مقابلہ میں یہ لوگ اپنے نفس کو پیش کرتے تھے۔ ایک صاحب کسی جگہ تقریر کرنے گئے کچھ اصحاب جوان سے اختلاف رکھتے تھے انکی تقریر میں شریک نہیں ہوئے انھوں نے یہ کیا کہ خوش گلو تھے تو مثنوی پڑھنا شروع کیا اسکی آواز کا کان میں پڑنا تھا کہ وہ سب بھی آکر بیٹھ گئے اور انکا بائیکاٹ ختم کردیا، اسی کو ہوائے نفسانی کہتا ہوں کہ اسکی وجہ سے قرآن وحدیث کیجانب تو راغب نہیں ہوئے اور خوش الحانی کے ساتھ اشعار سنے تو رتجھ گئے۔ افسوس کہ آج ہم لوگ اسی دور سے گذر رہے ہیں۔ یعنی خوش الحانی پسند ہے قرآنؐ پسند نہیں آج علم دین اور علمائے دین کے ساتھ لوگوں کا یہی معاملہ ہے کہ آپ کی مرضی کے مطابق آپ سے کلام کیا جائے تو آپ پاس کریں ورنہ وہ فیل ہو جائے۔ غرض آپ کے معیار کے مطابق کسی عالم کا پاس ہونا بہت مشکل ہے اور اگر کوئی شخص آپکی مرضی کے مطابق پاس ہونا چاہے تو اسکو بہت دیر لگتی ہے اور جب تک وہ پاس ہوا تو آپ ہی ختم ہو جاویں یا وہ ختم ہو جاوے۔ یہ اسلئے کہتا ہوں کہ میں اسکو جانتا ہوں۔ میں ایک جگہ گیا وہاں کے لوگوں نے خواہش کی کہ میں کچھ بیان کروں لیکن میں ادہرادہر چلا جاتا تھا مکان پر ٹھہرتا ہی نہیں تھا ایک دن مسجد میں لوگوں نے مجھے گھیر لیا اور بغیر میری اجازت کے اعلان کردیا اب میں کشمکش میں پڑ گیا کہ یا اللہ کیا کروں اگر بیان کرتا ہوں لوگوں کی بدمذاقی کیوجہ سے طبیعت نہیں چاہتی تھی اور اگر نہیں کرتا تو یہ لوگ کیا کہیں گے کہ اعلان کرا کے وعظ نہیں بیان کیا الزام مجھ ہی پر رکھیں گے چنانچہ میں نے بھی انکار نہیں کیا بلکہ بیان کیا اور اس میں حضرت عائشہ کی یہی حدیث بیان کر کے اسی پر وعظ کہا، میں نے کہا کہ میں یہاں ایک ضرورت سے آیا ہوں وعظ کہنے کے لئے نہیں آیا اور یہ بھی کہا کہ آپ کو جس چیز کا انتظار ہوگا میں اس قسم کا آدمی نہیں ہوں۔

آپ اس انتظار میں ہونگے کہ ایک سانس میں بیس الفاظ بولیگا تو میں آپ کا یہ انتظار ختم کئے دیتا ہوں لہٰذا آپ مجھ سے اسکی توقع ہی نہ رکھئے۔ آپ جس تسلسل اور روانی کو چاہتے ہوں گے میرے کلام میں آپ کو وہ نہ ملے گی۔ آپکی اسی ایک چیز نے ہم لوگوں کا بھی ناس مار دیا ہے اس لئے کہ اس طرح سے ہم لوگوں نے آپ لوگوں کو راضی کرنے کے لئے اور اس لئے کہ آپ لوگ پسند کریں اور ہماری تعریف کریں یہ سب کام سیکھا ہے۔ پس تمھاری نیت تو ٹھیک ہے ہی نہیں کہ مقصود اس سے امتحان ہوتا ہے مگر تمھاری فساد نیت کا اثر ہماری نیت پر بھی پڑا وہ یہ کہ ہم لوگوں نے بھی خدا کے لئے وعظ کہنا چھوڑ دیا اور اب ہمارا مقصود خدا کو راضی کرنا نہیں بلکہ ارضائے مخلوق ہوگیا ہے۔ (اس مجمع میں مولوی صاحبان بھی موجود تھے اسکو سنتے تھے اور منہ پر رومال رکھکر ہنستے تھے)

ایک مدرسہ میں ایک مولوی صاحب نورالانوار پڑھاتے تھے اور اچھا پڑھاتے تھے کہ ایک دن مہتمم انکے درس میں شریک ہوئے تاکہ استعداد دیکھکر انکو مستقل کردیں مگر کچھ ایسا اتفاق ہواکہ اس دن ایک مقام پر مولوی صاحب ایسا رکے کہ آگے چل ہی نہ سکے بہت کچھ زور لگایا حاشیہ وغیرہ دیکھا مگر وہ مقام حل نہ ہوا۔ ہم لوگوں نے تو یہ سمجھ لیا تھا کہ اب انکو پروانۂ تقرری نہ ملیگا۔ لوگوں نے مہتمم صاحب سے جاکر کہا کہ حضرت یہ اچھا پڑھاتے ہیں۔ یہ اتفاقی ہی بات ہے کہ آج آپ کے سامنے نہ چل سکے۔ مہتمم صاحب نے بھی معاملہ کی نوعیت کو سمجھ لیا اور فرمایا کہ ہم جانتے ہیں کہ آپ اچھا پڑھاتے ہیں اور جو آپ اسوقت بھول گئے تو یہ امر اتفاقی ہے کبھی ایسا بھی ہوجاتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ دیکھئے علم سکھانا آسان نہیں اسی طرح سے وعظ کہنا بھی آسان نہیں۔

ایک انگریز کلکتہ میں ایک مولوی صاحب سے عربی پڑھتا تھا ایک مقام مولوی صاحب سے حل نہ ہوسکا انھوں نے کہا کہ یہ نسخہ غلط معلوم ہوتا ہے دوسرا نسخہ منگوائیے۔ چنانچہ منگوایا گیا دیکھا تو اسمیں وہی لفظ نکلا جیسا مولوی صاحب فرمارہے تھے اس پر وہ بہت خوش ہوا اور انکو شمس العلماء کا خطاب دلوایا۔

تو میں یہ کہہ رہا ہوں کہ علماء کے ساتھ بدظنی اور سوء اعتقادی اچھی چیز نہیں ہے علم وعمل وغیرہ سب اعتقاد ہی سے حاصل ہوتے ہیں۔ آدمی خواہ کتنا ہی بڑا ہو اعتقاد اگر صحیح نہ ہوگا تو اسکو کچھ فائدہ نہ ہوسکیگا۔ یہ سوء اعتقاد بھی بڑا مرض ہے علم بڑی مشکل سے آتا ہے جب استاد ہی کو نہ مانوگے بلکہ اس سے بداعتقاد ہو جاؤگے تو کیا حاصل کروگے۔ اسی مدت میں کوئی شخص طریقہ سے سیکھتا ہے تو بہت کچھ حاصل کرلیتا ہے ورنہ مدتوں کہیں پڑا رہے اور کچھ نفع نہ ہو۔ انبیاء علیہم السلام سے جو فائدہ ہوا ہے وہ معتقد ہی کو ہوا بداعتقادی نہایت ہی سخت مرض ہے اس کے بارے میں ارشاد ہے فِیْ قُلُوْبِہِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا انھیں لوگوں کے متعلق فرمایا گیا ہے اور ایسے لوگ اس زمانہ میں بھی بہت ہیں۔ ایک صاحب نے مجھ سے کہا کہ فلاں صاحب کہتے تھے کہ ہم بہت سے مشائخ کے پاس جائیں گے اور انکو دیکھیں گے جو پاس ہو جائیگا اس سے تعلق قائم کریں گے چنانچہ وہ تمھارے پاس بھی آویں گے میں نے جب ان صاحب کا نام سنا تو کہا ارے وہ صاحب تو آئے بھی اور چلے بھی گئے اور اب کسی دوسرے کے یہاں وہ نہیں جائیں گے۔ غرض لوگوں کو مشائخ سے نفع جو نہیں ہوتا اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ دلوں میں شک شبہ لئے رہتے ہیں اور شک والا کامیاب ہوتا نہیں فِیْ قُلُوْبِہِمْ مَّرَضٌ میں یہاں مرض کی یہی تفسیر علماء نے بیان فرمائی ہے یہی صاحب جب وطن میں میرے یہاں آئے تو انکے گھر میں بھی ان کے ساتھ تھیں جب واپسی کے دن قریب ہوئے تو مجھے انکی یہ بات پہونچی کہ کسی سے کہتے تھے کہ مجھکو وسوسہ آتا ہے۔ میں نے اپنے دل سوچا کہ آخر انکو کیا وسوسہ آتا ہے میں کم ازکم ان کے سامنے تو کوئی گناہ نہیں کرتا احتیاط ہی کے ساتھ رہتا ہوں اس سے قبل انھوں نے مجھ سے وقت لیکر بعد عصر کچھ گفتگو کی تھی پھر بقیہ گفتگو بعد مغرب کی اور کچھ ہدیہ بھی پیش کیا تھا جس کو میں نے لے لیا تھا۔ لیکن جب میں نے وسوسہ کے متعلق سنا تو صبح نماز سے قبل ایک صاحب کو بلاکر انکا ہدیہ واپس کردیا اور کہا کہ یہ لیجئے عطائے تو بہ لقائے تو۔ آپ کو ہی

وسوسہ آتا ہوگا اس پر بہت گھبرائے اور پاؤں تلے کی زمین نکل گئی کہنے لگے کہ بتاؤں گا۔ چنانچہ کہنے لگے کہ یہ وسوسہ آتا تھا کہ کامل ہیں یا نہیں۔ میں نے کہا جزاک اللہ اب ہم اور آپ برابر ہوگئے یعنی پہلے ہم تو آپ کے معتقد تھے اور آپ میری جانب سے شک میں تھے اور آپ کو ایک بات کا علم تھا اور میں اس سے عاری تھا اب جبکہ آپ نے بیان کردیا تو اس علم میں ہم اور آپ دونوں برابر ہوگئے اب ٹھیک ہے فَانْبِذْ اِلَیْھِمْ عَلٰی سَوَاءٍ کا یہی مطلب ہے یعنی ویسے تو نبذ نہ کرینگے لیکن جب کوئی بات خلاف ہوگی تو عہد کو نقص کردیا جائیگا اور اسکی اطلاع کردی جائیگی اس واقعہ کے بعد میں نے تو سمجھا تھا کہ شاید مجھسے خفا ہوجائیں گے لیکن ایک مدت کے بعد انکا خط آیا میں نے جواب بھی دیا اور انکو یہ بھی لکھا کہ یہ بتائیے آپ کے وسوسہ کا مزاج کیسا ہے؟ پھر انکا جواب آیا کہ الحمدللہ بالکل ختم ہوگیا، اب خیال تک بھی نہیں آتا۔

بہرحال فائدہ علماء ہی سے ہوتا ہے کم ہو یا زیادہ۔ مگر کوئی چیز اندر لئے رہتے ہیں اسلئے نفع نہیں ہوتا۔ اسی پر ایک واقعہ سنئے! اسی رمضان میں ایک طالب علم جو کہ حافظ قرآن تھا تراویح سنا رہا تھا لوگوں نے اسکی شکایت کی کہ انکو یاد نہیں ہے بہت بھولتے ہیں میں نے کہا کہ مجھے کچھ سناؤ سنایا تو بالکل نہیں بھولے، میں نے ان سے پوچھا کہ کیا بات ہے بتاؤ، لوگ تو کہتے ہیں کہ تم بھولتے بہت ہو لیکن مجھے تم نے جو سنایا وہ تو یاد ہے کہنے لگے وہاں لوگوں سے ڈر جاتا ہوں میں نے کہا کیوں ڈرتے ہو ان میں سے تو کوئی حافظ بھی نہیں۔ پھر میں نے انھیں ایک صاحب کے ہمراہ بھیجا اور ان لوگوں کے پاس کہلایا کہ انکے بھولنے کی وجہ آپ ہی لوگ ہیں آپ لوگ انکو کیوں ڈراتے ہیں انکو ڈرانا تو بس کیجئے اور انکا ڈر نکال دیجئے۔ چنانچہ اسکے بعد وہ ٹھیک سے سنانے لگے۔ آپسے کہتا ہوں کہ جب امام مقتدی سے ڈرنے لگے اور واعظ سامعین کا خوف کرنے لگے تو پھر انکو کیا فیض پہونچا سکتا ہے۔ جو شخص کسی کام کے لئے کھڑا ہو

اسکو منصب کا لحاظ کرنا چاہیئے ۔ نیز سامعین کا بھی ادب کرنا چاہیئے اور اس سے زیادہ سامعین کو اسکا ادب کرنا چاہیئے ۔ ادب نہایت ضروری چیز ہے ۔ بے ادب بے نصیب باادب بانصیب اگر کوئی شخص ادب کا مستحق نہ بھی ہو اور آپ نے اس کا ادب کر لیا تو کیا حرج ہے ۔

اس وقت کلام اس پر چلا تھا کہ خلیفۂ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ میں امام قوال نہیں ہوں بلکہ امام فعال ہوں یہ فرماکر خاموش ہو گئے لیکن حاضرین پر کچھ ایسا رعب طاری ہوا کہ سناٹا چھا گیا اور نور کی بارش ہونے لگی اور آپ جب خطبہ دینے کے لئے ممبر پر تشریف لے گئے تو اوپر والی سیڑھی پر جا کر بیٹھے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوتے تھے ۔ پھر آپ کے بعد جب حضرت صدیق کا دور آیا تو حضرت صدیق اس سے نیچے والی سیڑھی پر بیٹھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وقت آیا تو آپ نے سب سے نیچے والی سیڑھی پر بیٹھکر خطبہ فرمایا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سب سے اوپر والی سیڑھی پر بیٹھا دیکھکر لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ سب سے اوپر والی پر کیوں بیٹھے ؟ آپ نے فرمایا کہ بھائی اگر میں تیسری سیڑھی پر بیٹھتا تو لوگ سمجھتے کہ حضرت عمر کی برابری کرنا چاہتے ہیں اور دوسری سیڑھی پر بیٹھتا تو حضرت صدیق کے ساتھ مساوات کا گمان کیا جاتا لیکن جب سب سے اوپر والی پر بیٹھا تو اسکا تو احتمال ہی نہ تھا کہ یہ گمان کیا جاتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برابری کرنا چاہتے ہیں اسلئے کہ کوئی امتی نبی کے برابر ہو ہی کب سکتا ہے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی میں اس واقعہ کو لکھا ہے اور اسکے بعد فرماتے ہیں سہ

شیخ نورانی ز رہ آگہ کند با سخن ہم نور را ہمرہ کند

چونکہ وہ شیخ ہے اسلئے راستہ بتاتا ہے اور چونکہ نورانی ہے اسلئے نور بھی ہمراہ کر دیتا ہے اپنے کلام سے کان کو مستفید کرتا ہے اور نور سے دل کو۔ میں ایک جگہ گیا تھا تو وہاں میں نے کہا کہ آپ لوگوں کو میرے یہاں آنے پر تعجب

ہونا ہی ہوگا خود مجھے بھی تعجب ہے کہ میں یہاں کیوں آیا ہوں۔ آپ کے رفع تعجب کے لئے کہتا ہوں کہ میں آپ لوگوں کو دیکھنے کے لئے یہاں آیا ہوں۔ اس سے سمجھے کہ ہماری دینداری دیکھنے کے لئے یہاں آئے ہیں۔ میں نے وہاں یہ بھی کہا تھا کہ آپ بھی اتنا محسوس کرتے ہونگے کہ ہم سے کوئی چیز نکل گئی ہے اور ہر شخص کو اس گم شدہ چیز کی تلاش ہے تو میں نے کہا کہ جب ایسا ہے تو آؤ اسکو تلاش کیا جائے میرا مطلب یہ تھا کہ آج ظاہری نماز روزہ تو کچھ موجود ہے لیکن دین کی روح، للّٰہیت، خلوص، صفائی یہ سب چیزیں نہیں رہیں یعنی ظاہر تو موجود ہے باطن ختم ہوچکا ہے بس ایک خشک خشک چیز رہ گئی ہے لیکن میں یہ بھی محسوس کر رہا ہوں کہ لوگ اپنے اس خلا کو محسوس بھی کر رہے ہیں اور میں نے آپ کا بھی تذکرہ کیا تھا کہ جس چیز کو آپ محسوس کر رہے ہیں اسکو علیگڈھ کے لوگ بھی محسوس کر رہے ہیں چنانچہ زبانوں پر آنے لگا ہے کہ روحانیت کی ضرورت ہے اور الحمدللہ عام مسلمانوں میں بھی ایک حرکت دیکھ رہا ہوں۔ لیکن بات یہ ہے کہ کوئی کام بغیر استاد کے نہیں ہوتا تاہم جس خدا نے حرکت پیدا کر دی ہے وہ کسی استاد سے بھی ملا دیگا۔

حاضرین میں سے ایک صاحب کو مخاطب کرکے فرمایا کہ یہاں قریب تشریف لائیے آپ ہی بہت خوش تھے ناکہتے تھے کہ پیاسے کے پاس کنواں آگیا ہے تو اسکے متعلق سنیئے مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

آب کم جو تشنگی آور بدست تا بجوشد آب از بالا و پست
تشنگاں گر آب جویند در جہاں آب ہم جوید بعالم تشنگاں

دیکھا آپ نے جو طالب ہوتا ہے وہ مطلوب بھی ہوتا ہے یعنی طالب تو مطلوب کو تلاش کرتا ہی ہے مطلوب بھی اسی طرح طالب کو ڈھونڈھتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ آئے تو کیوں آئے اسلئے کہ مدینہ سے صحابہ کی ایک جماعت آپکی طالب ہو کر مکہ آئی تھی۔

اسی کو کہتا ہوں کہ یہ بات کا وقت نہیں ہے کام کا وقت ہے آؤ کچھ کام کیا جائے آخر سب لوگ کام کر رہے ہیں اور کام ہو رہا ہے تو ہمارے بھی ہاتھ پیر ہیں جو اغیار کر سکتے ہیں وہ ہم بھی کر سکتے ہیں۔ اور میں جو یہاں آیا ہوں تو اس کے متعلق کہتا ہوں کہ حاضری کہیں پہلے روحانی ہوتی ہے پھر جسمانی ہوتی ہے یعنی کہیں جانے سے پہلے آدمی کا جی وہاں جانے کو چاہتا ہے اسکے بعد وہ جسم سے بھی حاضر ہو جاتا ہے۔

دائرۃ الاشاعۃ کی جدید مطبوعات

(۱) امثال عبرت : یہ کتاب پاکستان میں طبع ہوئی تھی اسکی افادیت کی بنا پر دائرۃ الاشاعۃ نے یہاں اسکی طباعت کا اہتمام کیا ہے۔ یہ کتاب ان قصص و حکایات کا مجموعہ ہے جو حضرت حکیم الامۃ علیہ الرحمۃ کے مجاز حکیم محمد مصطفیٰ صاحب قدس سرہٗ نے حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہٗ کے مواعظ سے منتخب فرمائے ہیں۔ انھیں لطائف و حکایات کے ذریعہ حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ نے بڑے بڑے دقائق و معارف بیان فرمائے ہیں۔ دلچسپ اور قابل مطالعہ کتاب ہے۔ قیمت

(۲) زاد السعید : یہ رسالہ حضرت حکیم الامۃ مجدد الملۃ قدس سرہٗ کا تصنیف فرمودہ ہے جس میں درود شریف کا حکم، اسکے ترک پر وعید، اسکے فضائل و برکات وخواص اور مسائل سے محققانہ انداز میں بحث کی گئی ہے۔ قیمت /-

(۳) رفیق سفر : اس مختصر سے کتابچہ میں آداب سفر، احکام سفر اور مسائل سفر جیسے اہم اور روزمرہ پیش آنیوالے مباحث پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ قیمت

(مجلس سوم)

فرمایا کہ میں ایسی جگہ موجود ہوں جہاں تقریر کی ضرورت نہیں کیونکہ یہاں ہر شعبہ میں علم وعمل دونوں ہی سکھایا جاتا ہے اور تقریریں انھیں دونوں سے مرکب ہوتی ہے یعنی یا تو اس سے مقصود کسی علم کا سکھلانا ہوتا ہے یا غرض اس سے عمل پر ابھارنا ہوتا ہے انبیاء علیہم السلام کا بھی یہی کام ہے کہ وہ علم کی بھی تعلیم فرماتے ہیں اور عمل پر تحریض بھی فرماتے ہیں۔ پس تقریر جس مقصد کے لئے ہوا کرتی ہے وہ تو آپ کر ہی رہے ہیں اور یہ بھی کہدینا چاہتا ہوں کہ جس علم وعمل کے لئے میں کہہ رہا ہوں اسمیں آپ کسی سے پیچھے بھی نہیں ہیں چونکہ میری مراد دنیوی علم وعمل سے ہے۔ اور اگر کچھ پیچھے نظر آرہے ہیں تو اسکی وجہ یہ ہے کہ جو چیز آپکے لئے مابہ الافتخار تھی یعنی دین آپ کے اندر اسکی کمی ہوگئی ہے اور دین کی ترقی جس چیز سے وابستہ ہے یعنی ایمان اسکی کمی ہوگئی ہے۔

مومن کی ترقی خواہ وہ دینی ترقی ہو یا دنیوی ایمان ہی سے ہوتی ہے جس چیز کو دوسرے لوگ اختیار کرکے ترقی کرتے ہیں تو یہ ضروری نہیں کہ مومن کی ترقی بھی اس سے ہوجائے بلکہ جو اسباب ترقی کے دوسروں کے لئے ہیں وہ انکے لئے باعث تنزل ہیں۔ حضرت مولاناؒ نے اس بات کو ایک مثال سے واضح فرمایا ہے اور اسمیں شک نہیں کہ نہایت عمدہ مثال ہے۔ فرماتے تھے کہ کسی بستی میں ایک بوجھ بجھکڑ صاحب تھے شاید آپ کے یہاں یہ لفظ نہ بولا جاتا ہو لیکن حضرتؒ نے چونکہ یہی لفظ فرمایا اس لئے ہم بھی اسی کو نقل کر رہے ہیں یعنی بستی کے وہی چودھری سمجھے جاتے تھے اور وقت پڑنے پر لوگ انھیں سے اپنی مشکلات حل کراتے تھے۔ ایک مرتبہ کوئی شخص تاڑ کے درخت پر چڑھ گیا جب اترنا چاہا تو اسکو بہت خوف معلوم ہوا چیخنا شروع کیا لوگ جمع ہوگئے مگر کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ اسکو کیسے اتارا جائے بالآخر وہی بوجھ بجھکڑ صاحب بلائے گئے

چنانچہ وہ تشریف لائے لوگوں نے اپنی مشکل ان کے سامنے رکھی انھوں نے پہلے تو اوپر دیکھا پھر نیچے دیکھا اور ادھر اُدھر دیکھا اور فرمایا کہ بات سمجھ میں آگئی ہے ایک رسہ لاؤ رسہ لایا گیا آپ نے اس کے ایک سرے میں درخت کے اوپر پھندا بنا کر پھینکا اور اس شخص سے کہا کہ اسکو اپنی کمر میں خوب کس کر باندھ لو اور لوگوں سے کہا کہ رسہ کو کھینچو لوگوں نے رسہ کھینچ لیا وہ شخص پٹ سے زمین پر گرا اور ختم ہو گیا جب لوگوں نے یہ نقشہ دیکھا تو پھر ان ہی بوجھ بجھکڑ صاحب سے پوچھا کہ یہ کیا ہوا؟ انھوں نے کہا کہ میں نے کتنوں کو اسی طرح کنوئیں سے نکالا ہے۔

اس مثال کے بیان سے لوگ بہت ہنسے۔ پھر فرمایا کہ جو تدبیر کنوئیں سے نکالنے کے لئے تھی وہی تدبیر تاڑ پر سے اتارنے کے لئے استعمال کی یہ قیاس کس قدر فاسد اور مضر تھا۔ پس جو لوگ نیچے ہیں انکو جس ترکیب سے اوپر کیا جا سکتا ہے وہی ترکیب اوپر والوں کے لئے باعث تنزل ہوگی لہذا جو تدابیر غیروں کی ترقی کے لئے ہیں مومن کے لئے وہ اسباب تنزل ہیں مومن کی ترقی اللہ تعالےٰ کے احکام کی اتباع میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے ہوا کرتی ہے اسلئے کہ نص موجود ہے اور علمائے امت نے اسکے متعلق روایات جمع فرمائی ہیں مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً (حضرت جعفر سے روایت ہے کہ حیات طیبہ نام ہے معرفت باللہ کا اور صدق مقام مع اللہ کا اور صدق وقوف علی امر اللہ کا۔ حضرت ابن عطار فرماتے ہیں کہ حیات طیبہ کہتے ہیں عیش مع اللہ اور اعراض عما سوی اللہ کو)

اسی طرح سے حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام کا قصہ اللہ تعالیٰ بیان فرمار ہے ہیں کہ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاۗءُ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَاۗءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ اس میں ترقی اور تنزل کا خوب بیان ہے اور عجب پر لطف قصہ ہے جسکو حق تعالےٰ نے کھلی احسن القصص فرمایا ہے

یا تو ابتدائے عمر میں آپ کیسے تھے بھائیوں نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا آپ نے خواب دیکھا ان لوگوں نے حسد کیا اور اپنی دانست میں کنوئیں میں ڈالکر آپ کو ختم ہی کر دیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں تدابیر کو الٹ دیا اور جس تدبیر کو ان لوگوں نے ذریعہ ہلاکت قرار دیا اللہ تعالیٰ نے بعینہٖ انھیں تدابیر کو ملک مصر کا والی ہونے کا سبب بنا دیا یعنی اسباب تنزل کو اسباب ترقی کر دیا یہ خدا ہی کی شان ہے اسی کو حق تعالیٰ نے فرمایا کہ وَلَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ہم نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتے اسکے تحت ابن عیینہ کی روایت صاحب روح المعانی نے نقل فرمائی ہے کہ مومن کو اسکی حسنات پر دارِ دنیا میں بھی اجر دیا جاتا ہے جیسا کہ آخرت میں دیا جاتا ہے۔

مولوی ارشاد احمد صاحب نے میری جانب منسوب کر کے یہ جو فرمایا کہ محض تبرک بننے کو پسند نہیں کرتے تو صحیح فرمایا اور انھوں نے تو مجھے مضمون دے دیا۔ آدمی تبرک آپ کے بنانے سے ہوتا ہے یا ایمان و عمل صالح کی برکت سے متبرک ہوتا ہے، جو چیز منجانب اللہ ہوتی ہے اسکا مقابلہ کوئی فاسق یہاں کیا کر سکتا ہے آپ نے دیکھا جن چیزوں کا ان لوگوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ستانے اور بطور ظلم کے اختیار کیا تھا وہی چیز علم الٰہی میں انکی رفعت اور بادشاہت کا ذریعہ تھی۔ اب لوگ کسی کو پاتے ہیں تو صرف اسکے بدن پر گرنے اور گرد جمع ہونے کو کافی سمجھتے ہیں بلکہ اسکا ایک کھیل بنا لیتے ہیں ؎

مرا اک کھیل خلقت نے بنایا
تماشا کو بھی تو میر سے نہ آیا

مگر سن لیجئے کہ اس سے کام نہیں چلے گا، کام کے لئے سمجھ کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کے متعلق فرمایا کہ انکو ملک میں با اختیار بنا دیا کہ اس میں جہاں چاہیں رہیں سہیں۔ اسمیں دو انعام کا ذکر ہے ایک تو تمکین فی الارض یعنی سلطنت اور حکومت اور دوسرے یَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَیْثُ یَشَآءُ دوسرا اول سے

بڑھکر ہے کیونکہ اہل جنت کے متعلق بھی یہی الفاظ آئے ہیں کہ وہ جنت میں جہاں چاہیں گے آئیں جائیں گے وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَ اَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ دنیا میں تو انسان کو حکم ہے کہ اپنی مشیت کو ختم کردے اور سب امور میں انشاء اللہ کہا کرے لیکن جب بندہ اپنی مشیت کو اللہ تعالیٰ کی مشیت میں فنا کر دیتا ہے تو اسکی مشیت بعینہٖ خدا کی مشیت ہو جاتی ہے اور اب اسوقت اسکو اجازت دی جاتی ہے کہ اپنی ہی مشیت سے جو چاہے کرے جہاں چاہے جائے جیسا کہ جنت میں تو عامۂ مومنین کے لئے ہوگا اور یہاں یوسف علیہ السلام کے لئے فرمایا گیا۔ آگے فرماتے ہیں کہ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ یعنی جو لوگ نیکو کار ہیں (یعنی ایمان اور عمل صالح کیساتھ متصف ہیں) ہم انکے اجر کو ضایع نہیں کرتے۔ چنانچہ حضرت سفیان بن عُیینہ سے روایت ہے کہ مومنین کو انکی حسنات پر دنیا میں بھی اجر دیا جاتا ہے اور آخرت میں بھی اور فاجر کو صرف دنیا میں اجر ملتا ہے۔ اس آیت میں حضرت یوسف علیہ السلام کے صرف دنیوی اجر کا ذکر ہے کہ ایمان و تقویٰ کی بدولت ترقی کرتے کرتے بالآخر مصر کے بادشاہ ہوگئے چنانچہ سبھی انبیاء کا یہی حال ہوتا ہے کہ انکا ابتدائی دور گو کچھ تکلیف و آزمائش میں گذرتا ہے لیکن ایمان اور عمل صالح کی بدولت دنیا میں بھی انکو رفعت نصیب ہوتی ہے آگے آخرت کے اجر کا ذکر فرماتے ہیں کہ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ٥ یعنی آخرت کا اجر کہیں بڑھکر ہے ایمان و تقویٰ والوں کے لئے۔

اور سنیئے ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ٥ اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ٥ یعنی ہم کتابوں میں لوح محفوظ کے بعد لکھ چکے ہیں کہ اس زمین کے مالک میرے نیک بندے ہونگے۔ بلاشبہ اس میں کافی مضمون ہے ان لوگوں کے لئے جو بندگی کرنے والے ہیں۔ عام طور سے تو مفسرین ارض سے

مراد ارض جنت ہی لیتے ہیں لیکن ایک قول میں اسکی تفسیر دنیا کی سلطنت سے بھی کی گئی ہے یعنی زمین کے وارث صالحین بندے ہونگے اس میں قوم عابدین کے لئے یعنی جو لوگ ایمان اور عمل صالح سے متصف ہیں ان کے لئے بشارت ہے اس سے معلوم ہوا کہ صالحین جنت کے تو وارث ہوں گے ہی دنیا میں بھی صاحب سلطنت ہونگے۔

اسی طرح سے موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں بیان کیا گیا ہے کہ ابتداءً انھوں نے عرض کیا کہ یا اللہ تعالیٰ ہم فرعون کے مقابلے میں کیسے جائیں حکم ہوا کہ نَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطَانًا فَلَا يَصِلُونَ اِلَيْكُمَا بِاٰيٰتِنَآ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ہ یعنی اس سے ڈرو نہیں اور اس سے مقابلہ سے گھبراؤ نہیں ہم تم دونوں کے لئے نصرا ور غلبہ کر دینگے کہ پھر وہ لوگ تم پر قابو نہ پاسکیں گے اور تم دونو اور تمھارے متبعین ہی غالب ہوکر رہو گے۔ دیکھئے اللہ تعالےٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے نصرت اور غلبہ کا وعدہ فرمایا اسلئے کہ آپ اور آپ کے متبعین اللہ تعالےٰ کے تابع اور فرماں بردار تھے اس سے بھی معلوم ہوا کہ مسلمان کو جو ترقی یا غلبہ ملتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق چلنے اور اطاعت کرنے سے ملتا ہے۔ نیز یہ معلوم ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ ہی کسی کو سلطانی اور غلبہ عطا فرمانا چاہیں تو پھر دوسرا کچھ نہیں کر سکتا۔

اور سنیئے! ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ط يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ہ یعنی اللہ تعالےٰ ایمان لانے والوں اور عمل صالح کرنے والوں سے وعدہ فرماتا ہے کہ انکو زمین میں حکومت عطا فرماویگا یعنی انکو اس پر خلیفہ مقرر کردیگا جو اس میں ایسا تصرف کرینگے جیسا بادشاہ اپنے غلاموں اور ماتحتوں میں کیا کرتا ہے۔ یا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کے

بعد جن سے کہ یہ خود ڈرا کرتے تھے ان کی امداد فرما کر اور انکو غلبہ عطا فرما کر انپر حاکم بنادیگا اور انکی زمین کے وارث یہ لوگ ہو جائیں گے جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو حکومت دی تھی۔ اور جس دین کو انکے لئے پسند کیا ہے اسکو ان کے لئے قوت دیگا اور ان کے اس خوف کے بعد اسکو مبدل باًمن کر دیگا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے خلافت اور سلطنت کو اسلئے مقدم فرمایا کہ نفوس حظوظ عاجلہ کیجانب زیادہ مائل ہوتے ہیں اسلئے فرمایا کہ ان کفار پر انھیں غلبہ دیگا جو کہ رات دن اسکے نور کے بجھانے میں کوشش کرتے ہیں۔ اب آپ سے کہتا ہوں کہ اس سے بڑھکر مومن کے حق میں وعدہ اور بشارت کی کونسی آیت ہوگی۔ یہ آیت قرآن شریف میں موجود ہے اسی کو وہاں پڑھا کرتا تھا تو آپ کے یہاں اسے کیوں چھوڑ دوں۔ آگے اللہ تعالےٰ اپنے اس انعام کا منشا ربیان فرماتے ہیں یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا یعنی ہم جو ان پر انعام فرماتے ہیں تو اسلئے کہ وہ لوگ میری عبادت کرتے ہیں اور میرے ساتھ کسی قسم کا شرک نہیں کرتے اس سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے اسکے احکام کو پہچانا ان کے حق میں یہ وعدہ کلی پورا ہوا اب لوگ یہ چاہیں کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل نکریں اور انکو مرتبہ وہی مل جائے جو عمل کرنے والوں کو ملا کرتا ہے تو یہ نہیں ہوگا بلکہ اللہ تعالےٰ کے احکام کو کلی پہچاننا ہوگا اور احکام والے کو کلی پہچاننا ہوگا اور آیت میں یَعْبُدُوْنَنِیْ کے بعد لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا جو فرمایا تو اسکا مطلب یہ ہوا کہ میری عبادت اس طریقے سے کرتے ہیں کہ کسی غیر کا خوف دل میں نہیں رکھتے کیونکہ غیر اللہ کا خوف کلی ایک قسم کا شرک ہی ہے اور توحید کے لئے لازم ہے کہ غیر اللہ کا خوف نہ ہو علماء نے یہ کلی فرمایا ہے کہ اس آیت کا ظہور ہو چکا ہے۔

ایک دوسری آیت سنیئے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ ٥ یعنی ہم نے ذکر نازل کیا ہے اور ہم ہی اسکے محافظ ہیں اور ذکر کی محافظت کا مطلب یہ ہے کہ اسمیں کوئی تغیر و تبدل نہیں کر سکتا دیکھئے اس سے کلی معلوم ہوا کہ ذکر محفوظ

رہے گا خواہ ذکر سے مراد قرآن ہو یا عام ذکر ہو یعنی دین ۔ میں کہتا ہوں کہ جب دین محفوظ رہے گا تو اسکے لئے ضروری ہے کہ ذاکرین بھی محفوظ رہیں چنانچہ جب قرآن موجود اور باقی رہے گا تو اسکے لئے ضروری ہے کہ حاملین قرآن بھی موجود اور باقی رہیں کوئی انکو مٹا نہیں سکتا اسلئے کہ انکا بھی مٹنا مستلزم ہوگا ذکر کے مٹنے کو، اور اسکی حفاظت کا اللہ تعالےٰ نے وعدہ فرمایا ہے ۔ ایک صاحب مجھ سے کچھ اسی قسم کی مایوسی کی باتیں کر رہے تھے میں نے انھیں ڈانٹا کہ چلو ہٹو باہر جاکر اس قسم کی باتیں کرو آیت بتلا رہی ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ذکر تو موجود رہے اور ذاکرین و حاملین قرآن ختم ہو جائیں ۔

بات یہ ہے کہ انسان کی بد اعتقادی کی نحوست اسکو بہت دور تک پہونچا دیتی ہے یہ نص قطعی ہے اسمیں ذکر اللہ کی حفاظت صراحۃً اور ذاکرین کی اشارۃً معلوم ہورہی ہے یہ وقت ادہر ادہر کی باتوں کا نہیں ہے کام کی اور سیدھی سیدھی بات مسلمانوں کو پہنچانا چاہئے ۔

ایک صاحب نے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو کچھ اشعار لکھے تھے اس میں یہ شعر بھی تھا ؎

آؤ بیٹھیں مرکزِ انوار کی باتیں کریں ۔۔۔ نور برسائیں رخِ دلدار کی باتیں کریں

خاک سمجھیں گے وہ ظاہر بیں رموزِ معرفت ۔۔۔ جو ہمیشہ شاہدِ بازار کی باتیں کریں

رخ دلدار کیا ہے؟ یہی قرآن شریف ہے اور مرکز انوار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی مراد ہے ۔ لہٰذا کلام جو ہمارے لئے مفید ہے وہ کتاب و سنت ہی ہے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

چنانچہ میں جو آپ کے یہاں آیا ہوں تو کچھ سمجھکر آیا ہوں یونہی کیف ما اتفق نہیں چلا آیا ہوں جو کہتا ہوں اسکو غور سے سنئے اور سمجھئے کہ کیا کہہ رہا ہوں اس سلسلہ میں اسوقت آپ کے سامنے ایک قصہ بیان کرتا ہوں کچھ سمجھنا ہو تو سمجھ لیجئے علماء نے اسکو کتاب میں لکھدیا ہے اسلئے میں بھی پڑھتا ہوں ۔

ملفوظات حضرت نظام الدینؒ میں ہے کہ :- "پھر کچھ ذکر فرقہ حیدریہ کا ہونے لگا، آپ نے زبان مبارک سے فرمایا کہ وہ ترک بچہ تھا اور درویش صاحب حال تھا جب چنگیز خاں نے چڑھائی کی اور ہندوستان کا اس نے رخ کیا تو اندنوں یاروں کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ لوگو کیا کہہ رہے ہو بھاگو وہ لوگ غالب آئیں گے۔ انھوں نے پوچھا بات تو کہو کیونکر جانا کہ وہ لوگ غالب آئیں گے۔ کہا ایک درویش کو اپنے ساتھ لا رہے ہیں اور اسکی پناہ میں آرہے ہیں میں نے اس سے کشتی لڑی اس نے مجھکو دے مارا اس سے مجھکو معلوم ہوگیا کہ وہ لوگ یقینی غالب آئیں گے تم سب بھاگ جاؤ اسکے بعد وہ ایک غار میں گیا اور جاتے ہی گم ہوگیا پھر اسکا پتہ نہ چلا مگر وہ بات اس کے کہنے ہی کے مطابق ہوئی۔ (ص ۲۳ السنۃ الجلیۃ)

دیکھا آپ نے درویش اور درویش میں بھی کشتی ہوتی ہے بس اسی سے سمجھ لیجئے۔ دو درویشوں میں باطنی لڑائی ہوئی ایک نے دوسرے کو قتل کردیا۔ یہ کہہ رہا ہوں کہ ایک سلسلہ یہ بھی ہے۔

حضرت زکریا ملتانی جب بغداد سے ملتان آئے تو وہاں کے مشائخ نے باتفاق رائے ایک پیالہ دودھ سے لبریز انکی خدمت میں بھیجا ہملوگ ہوتے تو سمجھتے کہ ہدیہ آیا ہے لیکر خود پیتے اور حاضرین کو بھی پلاتے مگر حضرت زکریا ملتانی نے اس پر ایک پھول رکھدیا اور خادم سے فرمایا اسکو واپس لیجاؤ جب وہ چلا گیا تو حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ حضرت یہ رمز و اشارہ سمجھ میں نہیں آیا کیا راز تھا بیان فرمادیجئے آپ نے فرمایا کہ بھائی یہاں کے مشائخ نے پیالہ کو دودھ سے بھر کر اس طرف اشارہ کیا تھا کہ یہ اقلیم بھی مانند اس کٹورے کے پُر ہے آپکی یہاں گنجائش نہیں ہے آپ کہیں اور تشریف لیجائیے تو میں نے بھی لسان حال سے اسکا جواب یہ دیا کہ آپ حضرات کا فرمان بجا ہے لیکن باوجود پر ہونے کے اب بھی مجھ جیسے کی اس میں گنجائش ہے جس طرح سے کہ بھرے پیالے میں پھول کی گنجائش باقی ہے میں آپ حضرات کے درمیان مانند اس پھول ہی کے رہوں گا اس لطافت جواب کو مشائخ نے بیحد پسند کیا اور سمجھ گئے کہ حضرت بڑے شخص ہیں۔

روح پرور منظر

از حفیظ الرحمٰن صاحب ایمن شہابی۔ اعظمی

بہ سلسلہ تشریف ارزانی پیر طریقت گرامی مرتبت حضرت مصلح امت عارف باللہ
مولانا الشاہ وصی اللہ صاحب دامت برکاتہم بہ جامعہ علیگڈھ

مرحبا اے ساکنان شہر سید مرحبا ناز اپنی خوبی قسمت پہ ہے تم کو بجا
گوشہ گوشہ کیوں علیگڈھ کا منور ہوگیا تم کو اخلاص و عقیدت کا یہ ثمرہ ہے ملا

ہے یہاں تشریف فرما اک امام روزگار
ہر طرف آئی ہوئی ہے شہر میں جیسے بہار

خیر مقدم کے لئے تم ہی نہیں ہو بیقرار روحِ سر سید بھی ہے اک سمت محوِ انتظار
آمد گرد و بیاں بھی ہے قطار اندر قطار ہوتے ہیں سو جاں سے اس ذات گرامی پر نثار

کچھ بزرگانِ سلف کی ہے یہاں موجودگی
ہے بشارت معتبر خواب صلاح الدین کی

روشنی نو کے دلدادہ بہت مسرور ہیں گوشہائے دل و فور شوق سے معمور ہیں
رشک اظہار عقیدت کیلئے مجبور ہیں محو نظارہ ہیں سب نزدیک ہیں یا دور ہیں

رشک جنت ہیں چھتاری اور اتونہ کے قصور
ہے مسلسل خرمی و شادمانی کا ظہور

یوں تو یونیورسٹی میں آئے کتنے ذی وقار کیا کبھی آیا ہے ایسا کوئی فخر روزگار
جو علی گڈھ کیلئے ہو باعث صد افتخار اس کی آمد ہے مگر تاریخ کا اک شاہکار

گردش افلاک بھی اس کو مٹا سکتی نہیں
یاد اس کی تاقیامت دل سے جا سکتی نہیں

کس لئے خاموش و ساکت ہوگئی ساری فضا سب کے سب با دیدہ ہائے تر ہیں مصروف دعا
خاک سر سید پہ ہے کیا کوئی محو فاتحہ مل رہا ہے بے غرض بے لوث خدمت کا صلہ

میزبانی اہل دل کی ہوگئی تم کو نصیب
ہے تمنا خاک پائے شیخ ہو ایمن غریب

ارمغانِ میکدہ

از حکیم قاری عبدالسلام صاحب مضطر ہنسوی

رات دن محوِ خیالِ آستانِ مے فروش
میں بھی گویا ہوں یکے از عاشقانِ مے فروش

تھی رگ و پے میں مرے صہبا ہی صہبا موجزن
اے خوشا وقتیکہ تھا میں میہمانِ مے فروش

مرحبا پہلوئے ساقی میں مجھے بٹھلا دیا
حق تجھے رکھے سلامت پاسبانِ مے فروش

اک سکینت کی فضا کیف و طمانینت سرور
ہائے کیا کہئے زمین و آسمانِ مے فروش

سارا عالم سر بسر معمورۂ غم تھا مگر
رحمتِ حق سے کھلی ہے اک دکانِ مے فروش

شارحِ رمزِ حدیث و کاشفِ اسرارِ وحی
اللہ اللہ وہ ہر اک لفظ و بیانِ مے فروش

گفتۂ رومی گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
یہ نہ پوچھو مجھ سے کیا شے ہے زبانِ مے فروش

مولوی کنز و ھدایہ بند کر کر آ گئے
مدرسوں میں اسطرح گونجی اذانِ مے فروش

جس کا جی چاہے وہ آئے بھر لے اپنا اپنا ظرف
جوش پر ہے ان دنوں بحرِ روانِ مے فروش

یا الٰہی میکدے میں جو برستی ہے مدام
مجھکو بھی تھوڑی بحق خادمانِ مے فروش

ان کے ظاہر پر نہ جا چشمِ حقارت سے نہ دیکھ
عاشقِ ربّ العلیٰ ہیں عاشقانِ مے فروش

صورتِ پروانہ اک مجمع ہے سرگرمِ طواف
سامنے کعبہ ہے اے دل یا مکانِ مے فروش

میگسار و اباب توبہ بند ہو سکتا نہیں
زیرِ گردوں ہے کھلی جبتک دکانِ مے فروش

سارا عالم غرقِ مے کرنے پہ آمادہ ہے آج
عہدِ پیری اور یہ عزمِ جوانِ مے فروش

جو چلا تھا نہ کبھو ن سے مے کو چھلکاتا ہوا
اب الہ آباد میں ہے کاروانِ مے فروش

اس کی حالت پر خدا کو عرش پر آتا ہے پیار
ایک مضطر ہی نہیں ہے مدح خوانِ مے فروش

حضرت مصلح الامۃؒ کا علی گڈھ کا قیام اور مجالس کا نمونہ ناظرین نے ملاحظہ فرمایا۔ علیگڈھ میں حضرت والا کا قیام ایک ہفتہ رہا جس میں کل چودہ مجلسیں فرمائیں جن میں مختلف قسم کے مضامین بیان فرمائے ہر مضمون ایسا تھا جو اہل علیگڈھ کے مناسب حال تھا وہاں سے الہ آباد واپس تشریف لاکر حضرت اقدس اپنے کام میں مشغول ہو گئے اور اہل الہ آباد پھر حسب سابق حضرت والا کے ارشادات سے فیضیاب ہونے لگے تقریبًا تین ہفتہ تک یہ سلسلہ افادہ اور افاضہ کا جاری رہا اور حضرت والا کی صحت بہت اچھی تھی لیکن اچانک ۲۱ مارچ ۵۶ء بروز یکشنبہ مسجد میں تشریف لائے اور شیخ اکبرؒ کے حوالہ سے ایک مضمون نہایت جوش و خروش کے ساتھ بیان فرمایا اہل مجلس بھی متاثر تھے اچانک بیان کرتے کرتے حضرت والاؒ کی آواز بھرائی اور ہاتھ سے کتاب چھوٹ کر تپائی پر گر پڑی جو لوگ تخت کے پاس بیٹھے تھے انھوں نے حضرت والاؒ کو پکڑ لیا اور کمرے میں چارپائی پر لاکر لٹا دیا یہ ایک فالج کا دورہ تھا جو حضرتؒ پر پڑا فورًا ڈاکٹر صلاح الدین صاحب بلائے گئے اور ابتداءً مقامی اطبار کا علاج ہوتا رہا لیکن بعد میں حکیم افہام اللہ صاحب علیگڈھ سے اور حکیم محمد عمر صاحب دیوبند سے اور حکیم خواجہ شمس الدین صاحب لکھنؤ سے اور حکیم اجمیری صاحب بمبئی سے تشریف لے آئے یہاں یونانی دوائیں بھی اچھی نہ ملتی تھیں اسلئے جب حالت کچھ سنبھلی تو حکیم شمس الدین صاحب کے مشورہ سے لکھنؤ لیجانا طے ہوا کہ وہاں رہ کر علاج و معالجہ میں سہولت تھی، حضرت والا کی بیماری کا حال آنًا فانًا دور دور تک مشہور ہو گیا چنانچہ لوگ آنا شروع ہو گئے۔ جب حضرت والا کا لکھنؤ تشریف لیجانا طے ہو گیا تو پھر یہ خیال ہوا کہ کہاں قیام ہو، جناب سید مظفر حسین صاحب ایم۔ ایل۔ اے جو حضرت والا کے خدام میں سے تھے کا قیام لکھنؤ میں تھا الہ آباد بھی آمد و رفت رہتی تھی انھوں نے حضرت والا سے درخواست کی کہ لکھنؤ غریب خانہ پر

قیام فرمایا جائے۔ حضرت والا نے منظور فرما لیا چنانچہ بندر یا باغ لکھنؤ تشریف لے گئے اور انھیں کے بنگلہ پر قیام فرمایا انھوں نے اپنے بنگلہ کا معتد بہ حصہ خالی کردیا تھا جس میں تین چار کمرے تھے ایک حضرت والا کے لئے اور بقیہ مہمانوں کے لئے متعین کردیئے گئے کمروں کے باہر ایک بڑا سرسبز لان تھا اسی پر نماز با جماعت ادا کی جاتی تھی حکیم شمس الدین صاحب اور لکھنؤ کے دیگر اطبا اور ڈاکٹر صاحبان جن میں حکیم عبدالحمید صاحب اور ڈاکٹر فریدی صاحب بھی تھے جن کے مشورہ سے حکیم شمس الدین صاحب معالج تجویز ہوئے، منضج و مسہل سے علاج شروع ہوا چنانچہ الحمدللہ حضرت والا کو نفع ہوا اور بہت جلد رو بصحت ہو گئے اور چلنے پھرنے لگے آواز بھی صاف ہوگئی لیکن ہاتھ پیر میں ضعف تھا جس میں مالش کی ضرورت تھی اور معتدل آب و ہوا کی حاجت تھی اسلئے کچھ دنوں کسی اور جگہ جانے کے لئے مشورہ ہوا حضرت والاؒ نے بمبئی جانے کی رائے دی کیونکہ وہاں پر وطن کے بہت سے لوگ موجود تھے جن سے خدمت لینا حضرت کے لئے آسان تھا اور دوسرے یہ کہ وہاں کی آب و ہوا بھی معتدل تھی، نگرانی کے لئے حکیم اجمیری صاحب جیسے طبیب بھی موجود تھے ان مصالح کے پیش نظر تقریباً ایک ماہ قیام کے بعد بمبئی روانہ ہو گئے۔ راقم بھی کانپور تک ہمراہ رہا اور اس سفر میں حضرت والا کے ساتھ بمبئی نہیں گیا۔ کلیر روڈ پر قیام فرمایا اور چند ہی روز کے بعد تار آیا جس میں احقر کی طلبی تھی چنانچہ احقر تنہا بمبئی کے لئے روانہ ہوگیا بمبئی میں اسٹیشن پر بھائی ذکی اللہ لینے آئے تھے انھیں کے ہمراہ مستقر پر پہونچا اور حضرت والا کی زیارت کی اور پھر وہاں بھی اپنے کام پر لگ گیا یعنی لوگوں کے پاس کوئی پیغام ہوتا تو اسے پہونچاتا مجلس میں حضرت کوئی بات بیان کرنے کو فرماتے تو اسے عرض کرتا، نئے آنے والے حضرات کی اطلاع دیکر حضرت والا سے ملاتا وغیرہ وغیرہ۔ صبح و شام

حضرت والا تفریح کے لئے تشریف لے جاتے تھے جس سے مقصود تلاوت کا معمول پورا کرنا ہوتا، احقر خانقاہ میں ہی موجود رہتا۔ روزانہ صبح آٹھ سے نو بجے تک مجلس ہوتی جس میں حضرت والا خود بیان فرماتے عورتوں اور بچوں کے لئے قریب ہی ایک دوسرا مکان تھا جس میں انکا قیام تھا۔ بمبئی کے اس قیام سے نفع یہ ہوا کہ حضرت والا کو مکمل صحت ہوگئی۔ چنانچہ دو تین ماہ قیام کے بعد حضرت والا پھر الہ آباد واپس تشریف لے آئے غالباً جولائی ۶۵ء کا مہینہ تھا الہ آباد واپسی پر اعظم گڈھ۔ گورکھپور۔ جون پور علیگڈھ اور لکھنؤ تشریف آوری کی اطلاع آنا فانا پہونچ گئی چنانچہ ہر جگہ سے لوگ زیارت و ملاقات کے لئے حاضر ہونے لگے جس کا اجمالی حال حضرت والا کی زبان سے سنیئے۔

فرمایا کہ — "آپ حضرات کو معلوم ہے کہ میں عرصہ سے بیمار چلا آ رہا ہوں علاج کے لئے لکھنؤ گیا پھر تبدیل آب و ہوا کیلئے بمبئی گیا اور بہت دنوں کے بعد یہاں الہ آباد میں اس قابل ہوا تھا کہ زینے سے اتر کر نیچے جا سکوں چنانچہ مسجد جانے لگا اور باہر تفریح کے لئے بھی جانا شروع کر دیا اور یہ سمجھتا تھا کہ اب صحت ہوگئی پھر ایک دوسری بیماری کا حملہ ہوگیا ناک سے اتنا خون نکلا کہ میں تو سمجھا کہ شاید اسی میں ختم ہی ہو جاؤنگا مگر باہر سے اطبا رحضرات تشریف لائے اور انتہائی توجہ سے علاج کیا اور احباب نے بہت بہت دعائیں کیں جس کی وجہ سے الحمدللہ مرض پر قابو پا لیا گیا اور امید کرتا ہوں کہ انشاء اللہ صحت کلی حاصل ہو جائیگی"۔ انتہی

راقم عرض کرتا ہے کہ ہوا یہ کہ ایک دن جب حضرت والا صبح کی تفریح سے واپس تشریف لائے اور سڑک پر زینہ کے قریب رکشہ رکا اور حضرت والا نے رکشہ سے نیچے اترنا چاہا اسی جھٹکے میں ناک سے خون آنا شروع ہوگیا حضرت والا نے فوراً اپنے ہاتھوں سے اپنی ناک پکڑ لی اور اشارہ کیا کہ کوئی کپڑہ وغیرہ دو

رکشہ کے پیچھے مولوی عبدالمجید صاحب سائیکل پر تشریف لا رہے تھے انھوں نے فوراً اپنا رومال پیش کیا اور حضرت والا نے اسے ناک پر رکھ لیا اور ڈاکٹر صاحب و مولوی صاحب[1] حضرت کو پکڑے ہوئے اوپر آئے اور چارپائی پر بٹھا دیا بلکہ لٹا دیا۔ لیکن اسکی وجہ سے خون حلق کے راستہ سے منھ میں آنے لگا اور مشکل یہ آن پڑی کہ اگر سلفچی میں سر جھکائے رہتے تھے تو خون کی روانی تیز ہوجاتی تھی اور لیٹے رہنے میں حلق میں خون جاتا تھا۔ حضرت والا کے یہاں چھوٹی چھوٹی تولیاں تھیں انکو بدلتے رہے چنانچہ خون کم تو ہوگیا لیکن ختم نہیں ہوا۔ الہ آباد کے اطبار میں سب سے بڑے حکیم عثمانی تھے انکو بلایا گیا اور بھی اطبار باہر سے تشریف لے آئے حسن اتفاق کہ انھیں دنوں حکیم اجمیری صاحب بھی بمبئی سے آگئے چنانچہ معالجہ انھیں کے حوالہ ہوگیا۔ جن حضرات نے حکیم اجمیری کو دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ کس قدر دبدبہ کے حکیم تھے اصول طب سے واقف تھے اور اپنے مریضوں کو بھی اس پر قائم رکھنا چاہتے تھے، اس مرض میں اصول تو یہی تھا کہ جہاں تک ہوسکے مریض حرکت نہ کرے تا آنکہ اس رگ کا منہ بند ہوجائے جس سے خون آتا تھا یہاں یہ معاملہ تھا کہ حضرت والاؒ کی علالت کا حال سنکر اطراف و جوانب کے ہی نہیں دور دور سے لوگوں نے آنا شروع کردیا جنمیں خواص بھی ہوتے تھے اور عام حضرات بھی' اطلاع کے بعد حضرت سب سے ملاقات فرماتے اطبار کے نزدیک یہ بھی مضر تھا کہ حضرت والا کو اگر اٹھنا نہیں تو ہاتھ بڑھانا ہی پڑتا تھا اور حرکت کی وجہ سے خون کا آنا محتمل تھا لیکن اپنے تأدب اور حضرت کی شخصیت کیوجہ سے کسی کو کہنے کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ حضرت اپنے اس معمول کو بند فرما دیں، حکیم اجمیری صاحب نے ہمت کی اور حضرت سے عرض کیا کہ حضرت کچھ دنوں کے لئے اپنے ان معمولات کو بند فرما دیجئے یعنی نہ لوگوں سے ملئے نہ مصافحہ فرمائیے بلکہ چند ایام بالکل سکون

---

[1] یعنی ڈاکٹر صلاح الدین صاحب اور مولوی عبدالمجید صاحب

اور خاموشی سے گذار دیجئے ورنہ خون بند نہیں ہوگا۔ اللہ والوں کا معاملہ دوسری قسم کا ہوتا ہے باوجود اسکے کہ حکیم صاحب نے اصولی بات عرض کی تھی لیکن حضرت والا کی طبع نازک پر یہ بات گراں گذری فرمایا کہ کیوں اپنے معمولات بند کردوں ناک سے خون ہی آئیگا نا۔ آئے۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ مر جاؤں گا لیکن جب لوگ اتنی اتنی دور سے میرے پاس آتے ہیں تو ان سے ملاقات تک بھی نکروں اور اپنے کار منصبی کو ترک کردوں یہ مجھ سے نہو گا۔ حکیم صاحب نے پھر عرض کیا کہ حضرت پھر تو خون کا سلسلہ بند ہونا مشکل ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا اور اگر خون نہ آئے تب؟ حکیم صاحب نے اپنے مزاج کے اعتبار سے پھر پلٹ کر جواب دیا کہ خون ضرور آئیگا۔ حکیم صاحب تو یہ عرض کرکے اپنی جائے قیام پر چلے گئے لیکن حضرتؒ کو باوجود زور زور سے گفتگو کرنے کے ناک سے خون نہیں نکلا تھوڑی دیر کے بعد حکیم صاحب کے پاس کسی کو بھیجا اور کہلایا کہ جاکر کہو کہ اتنی دیر ہوگئی خون تو نہیں آیا۔ دس منٹ کے بعد پھر دوسرے آدمی کو بھیجا اور فرمایا کہ جاکر کہدو کہ خون ابتک نہیں آیا، پھر دس منٹ کے بعد تیسرے آدمی کو بھیجا اور کہلایا کہ جاکر کہو کہ خون تو بند ہے اور آج حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کی نسبت آڑے آگئی ورنہ آپ کی اس گفتگو پر میں نے کچھ کہدیا ہوتا اب حکیم صاحب کو بھی خیال ہوا کہ "جا با سپر باید انداختن" ہی ہونا چاہیئے تھا اور مجھے خاموش ہی رہنا چاہیئے تھا اسلئے تیسرے شخص کے جواب میں کچھ کہلانے کے بجائے خود ہی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بعد سلام ہاتھ جوڑ کر سامنے کھڑے ہوگئے اور عرض کیا کہ حضرت میں اولیاء اللہ کی کرامات کا منکر نہیں ہوں اسوقت میں نے جو کچھ عرض کیا تھا وہ اطباء کے اصول اور ہدایات کے مطابق عرض کیا تھا اور بطور کرامت کے باوجود حرکت پیش آنے کے کسی کو ناک سے خون نہ آئے میں اسکا منکر نہیں۔ انکا یہ جواب سن کر

حضرت والا مسکرائے۔ چونکہ حکیم اجمیری صاحب شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی اولاد میں سے ہیں اسی کو حضرت نے فرمایا کہ انکی نسبت کچھ کہنے سے مانع بنی۔ بہرحال اس علاج کے بعد جب مرض قابو میں آگیا تو رفع ضعف کے لئے اب مقویات کی ضرورت تھی اور تکمیل صحت کے لئے تبدیل آب وہوا کی، اسلئے لکھنو کا سفر دوبارہ پیش آیا۔

ایک بات یہ عرض کرنے سے رہ گئی کہ واقعی خون اس کثرت سے نکلتا تھا کہ دیکھنے والے گھبرا جاتے تھے۔ جب یہاں ہر قسم کے اطباء جمع ہوگئے اور علاج باہم مشورہ کے بعد صرف ایک صاحب کا ہو رہا تھا تو حضرت والا نے اور طبیبوں سے فرمایا کہ متقدمین کی کتابوں میں مرض رُعاف کے متعلق جو جو بیانات موجود ہیں انکیں تلاش کیجئے اور مجھے سنائیے۔ چنانچہ کسی نے لکھا تھا کہ رُعاف کے مرض میں بسا اوقات اسقدر خون نکلتا ہے کہ خود صاحب مرض اور دیکھنے والے گھبرا جاتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا بکرا ذبح کیا گیا ہے لیکن اسقدر خون کے نکل جانے سے پریشان نہیں ہونا چاہیئے بلکہ ایک لحاظ سے یہ اچھی حالت ہے کیونکہ اگر ناک کی رگ نہ پھٹ جاتی تو یہی ہیجان دماغ تک پہونچکر دماغ کی رگ کو پھاڑ دیتا اس تحقیق کو سننے کے بعد حضرت والا کو اطمینان ہوگیا اور حکیم اجمیری صاحب بمبئی واپس ہو گئے اور حکیم عثمانی الہ آبادی معالج تجویز ہوئے۔ چنانچہ یہی وہ موقع تھا جسمیں پھر حکیم عثمانی صاحب کا کبھی بعد میں علاج ہوا۔ ادھر حضرت نے لکھنو جانے کا کبھی قصد فرمالیا۔ حکیم عثمانی صاحب کو جب اسکی اطلاع ملی تو عرض کیا کہ سنا ہے کہ حضرت والا بسلسلہ تکمیل علاج لکھنو تشریف لیجانے والے ہیں اور اب آپ نے چونکہ عزم مصمم فرمالیا اس لئے یہی کہتا ہوں کہ جائیے خدا حافظ، باقی اتنا اور عرض کرنا چاہتا ہوں کہ وہاں کوئی دوسرا خدا نہیں ہے اور عثمانی سے بہتر کوئی طبیب بھی نہیں ہے

لیکن خیر اب ارادہ فرما لیا تو تشریف لیجائیے۔ حضرت نے فرمایا کہ میرے وطن کے ایک صاحب جن کے لڑکے لکھنؤ میں ملازم تھے انھوں نے درخواست کی کہ لکھنؤ میں میرے یہاں چلئے بہرحال جب روانگی کے ایام قریب آئے تو وہ پھر میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ مولوی عاشق حسین صاحب بھی بلانے کا انتظام کر رہے ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ اسمیں حرج ہی کی کیا بات ہے آپ دونوں آدمی ملکر کام کر لیجئے اور یہ کہا کہ بھائی تم بھی شریک ہو جاؤ تاکہ ایک آدمی پر تنہا بار نہ رہے خیر لکھنؤ پہونچا اور (ملکہ گنج کے پھاٹک میں خان صاحب کا) جو مکان قیام کے لئے تجویز کیا تھا اسمیں قیام کیا۔ ٹھیک تھا وسیع مکان تھا مسجد بھی قریب تھی، مسلمانوں کا محلہ تھا مگر ایک چیز کی تکلیف تھی وہ یہ کہ انھوں نے بیت الخلا کے لئے گھر کے اندر انتظام کیا تھا میرے لئے یہ بہت تکلیف دہ بات تھی پھر لوگوں نے میرے لئے یہ انتظام کیا کہ کمرے میں چوکی رکھدی جو پسند تو نہ ہوا مگر کام چل جاتا تھا مگر اس سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ ہوئی کہ دیکھا کہ صاحب خانہ کے صاحبزادے جو ایک معزز عہدہ پر فائز ہیں پاٹ صاف کر رہے ہیں مجھے بہت شاق ہوا استنے میں ایک دوسرے صاحب اپنے لڑکے کو لیکر مجھ سے ملنے آئے یعنی وزیر مظفر حسین صاحب جنکے مکان میں پہلی بار ٹھیر چکا تھا، وہ کہنے لگے کہ آپ کو اگر یہاں تکلیف ہو تو غریب خانہ حاضر ہے وہاں تشریف لے چلئے مجھے چونکہ تکلیف کے ساتھ ساتھ ناگواری بھی تھی منظور کرلیا اور ان کے یہاں منتقل ہوگیا اب وہاں کا حال سنئے! جائے قیام تو نہایت وسیع اور آرام دہ تھی پاخانہ بھی نہایت صاف شفاف اور اور بالکل الگ تھا مگر کھانے کے سلسلہ میں ان داعی صاحب نے (یعنی مولوی عاشق حسین صاحب نے) یہ کہا کہ کھانا میرے ہی یہاں سے آئیگا میں نے انکے اخلاص کی بنا پر انھیں اجازت دیدی چنانچہ بیچارے یہ کرتے تھے کہ ——

نماز فجر پڑھنے کے بعد شہر بھاگے جاتے اور وہاں سے ناشتہ لاکر مہمانوں کو ناشتہ کراتے تھے پھر دوپہر میں کھانا لینے جاتے تھے اسی طرح شام کو جاتے غرض ان کے وقت کا بڑا حصہ کھانے کے انتظام میں صرف ہو جاتا تھا نہ تلاوت ہی کا موقع ملتا نہ کسی اور کام کا اور نہ میرے ہی پاس بیٹھ پاتے حالانکہ وہی داعی تھے ۔ اس بار چونکہ صحت تھی محض تکمیل صحت اور تحصیل قوت کے لئے یہ سفر پیش آیا تھا اسلئے اس دفعہ عام طور سے لوگوں نے ملاقات بھی کی اور حضرت والا نے مجلس بھی فرمائی تھوڑے ہی زمانہ میں حضرت والا کی صحت بحال ہوگئی اور الہ آباد واپس تشریف لے آئے، یہ لکھنؤ کا دوسرا سفر تھا۔

پہلی بار حضرت والا فالج کے دورے کے بعد بسلسلۂ علاج لکھنؤ تشریف لائے تھے اب یہ دوسری بار رُعاف کی تکلیف ہوجانے پر بعض مخلصین کی دعوت پر لکھنؤ جانا ہوا دونوں بار حضرت کا قیام شہر سے کافی دور ہونے کے باوجود لوگ آ آکر مجلس میں شریک ہوتے رہے عجب نہیں کہ حضرت اقدس نے قصداً شہر سے دور قیام پسند فرمایا ہو تاکہ زیادہ ہجوم نہ ہوسکے ۔ نیز حضرت والا کا ایک بنیادی اصول یہ تھا کہ کسی جگہ کے بھی جہاں مقامی علماء و مشائخ کام کریں وہاں کے لوگ انھیں سے تعلق رکھیں، چنانچہ یہ بات حضرت کو بالکل پسند نہ تھی کہ لوگ کسی باہر سے آنے والے کے بدن پر گریں اور مقامی حضرات سے مستفیض نہ ہوں۔ فرماتے تھے کہ بھائی دین کا کام ایک مستقل کام ہے اسکے لئے کہیں مستقل قیام کی ضرورت ہے اب باہر سے کوئی آنیوالا ہو لوگ اسکے پیچھے لگیں چار دن کے بعد وہ چلا گیا دوسرے عالم آئے اسی طرح چار چھ دن رہ کر وہ بھی چلے گئے تو اس طریقہ سے کام نہیں ہوتا اسی واسطے میں ہر جگہ لوگوں سے کہتا رہتا ہوں کہ تمھارے یہاں کے جو عالم و مشائخ ہیں ان سے تعلق رکھو اور یکسو ہوکر کام کرو۔

اسفار بمبئی کے سلسلہ میں ایک بار پھر یہ بات ذہن میں رکھئے کہ حضرت والاؒ کا پہلا سفر دس دن کیلئے کلیر روڈ کا ہوا تھا جس میں دس مجلسیں ہوئیں جنکا تذکرہ تالیفات مصلح الامت کے تیسرے حصہ میں ہے۔ پھر دوسرا سفر چند دنوں کے لئے حضرت کے چھوٹے داماد مولوی ارشاد احمد سلمہ کے ایک آپریشن کے سلسلہ میں فرمایا۔ اور تیسرا سفر وہ تھا جو لکھنؤ کے پہلے سفر کے بعد ہوا اور معالجہ فالج کے بعد پیش آیا اور چوتھا سفر وہ تھا جو لکھنؤ سے ہی بمبئی کے لئے وہاں کے معتدل موسم کیوجہ سے حضرت والا نے فرمایا۔ اس زمانے میں حضرت سابقہ بیماری کیوجہ سے ضعف محسوس فرما رہے تھے اسلئے بمبئی میں چار پانچ مہینہ قیام کے باوجود ابتداءً تقریبًا دو ہفتہ مجلس نہیں فرمائی۔

سلیمان بلڈنگ کرلا میں قیام تھا یہ سلیمان سیٹھ حضرت کے ایک عزیز کے ملنے والے تھے جو بمبئی کارپوریشن میں ملازم تھے اس زمانہ میں یہ زمین جہاں یہ بلڈنگ بنی ہے بمبئی کا ایک نشیبی حصہ تھا جسکی وجہ سے سمندر سے ہٹ جانے کے بعد بھی دلدل رہا کرتی تھی کارپوریشن نے زمین کو پٹوایا اور آباد کرنے کے لئے بہت سستے داموں فروخت کیا۔ حضرت کے وہ عزیز عبدالعلیم خانصاحب تجربہ کار تھے اسلئے انھوں نے سلیمان سیٹھ کو مشورہ دیا کہ یہ زمین بہت سستی مل رہی ہے خرید لو عنقریب یہاں آبادی ہوجائیگی اور اسوقت اسکی قیمت بہت بڑھ جائیگی اسلئے انھوں نے کافی بڑا رقبہ خرید لیا اور تقریبًا آٹھ آٹھ فلیٹ کی پانچ بلڈنگیں بنوائیں انھیں میں سے ایک بلڈنگ غالبًا بلاک نمبر "بی" کے دو فلیٹ حضرت والاؒ کے لئے خالی کردیئے اور دو فلیٹ بلاک نمبر "اے" کے خالی کردیئے جس میں مہمان قیام کرتے تھے۔ حضرت والا نے پہونچتے ہی یہ اعلان فرمادیا کہ ابھی میں کمزور ہوں اسلئے مجلس میں نہیں بیٹھ سکتا مجھے آرام کیضرورت ہے میں نے جامی صاحب کو ہدایت کردی ہے جو میرے مضامین میری کتابوں سے آپ کو سنایا کریں گے اور ختم مجلس کے بعد مصافحہ کی اجازت ہے

آپ لوگ مصافحہ کریں اور چلے جائیں۔ چونکہ الحمدللہ اہل بمبئی کو حضرت والاؒ سے صحیح عقیدت تھی اسلئے بہت سے مخلصین برابر مجلس میں آتے رہے اور اختتام مجلس پر حضرت والا سے مصافحہ کر کے چلے جاتے تھے۔

راقم عرض کرتا ہے کہ مجھے تقریر کرنی تو آتی نہ تھی ہاں حضرت والا کے مضامین چونکہ حضرت کی زبان سے بارہا سن چکا تھا اسلئے حسب منشا، اس کی تشریح کردیا کرتا تھا۔ چونکہ حضرت والا کے مضامین ظاہر ہے کہ اخلاص کے ساتھ بیان ہوئے تھے اسلئے ان میں تاثیر تھی لوگ میری زبان سے بھی سنکر ان سے متاثر ہوتے اور بڑے ذوق و شوق سے سنتے۔ حضرت والا کے ایک بھتیجے عبدالعظیم صاحب مرحوم جنکے نام سے عظیم دواخانہ ہے پہلے دن وہ بھی مجلس میں تشریف لائے کمرے کے باہر جگہ ملی کھڑے ہوکر کتاب سنی جب سب لوگ چلے گئے تو راقم سے ملے اور فرمایا کہ میں آج اس خیال سے آگیا تھا کہ یہ بمبئی ہے یہاں بڑے بڑے علماء اور خطیب تشریف لاتے ہیں اور حضرت والا نے تمھیں بیان کرنے کے لئے مقرر کیا میں نے سوچا کہ چلوں دیکھوں جامی صاحب کیسا بیان کرتے ہیں۔ اہل بمبئی کو کچھ اس سے دلچسپی ہوگی یا نہیں؟ چنانچہ اندازہ ہوا کہ الحمدللہ آپ کے بیان سے لوگ کافی متاثر ہوئے۔ میں نے عرض کیا کہ میرا بیان کیا' باتیں تو حضرت والا کی فرمائی ہوئی ہیں میں تو ایک ذریعہ ہوں۔ بہرحال آپ کے اس کہنے سے مجھے بھی خوشی ہوئی کہ لوگ آتے ہیں اور اثر لیکر جاتے ہیں۔ غرض یہ سلسلہ تقریبًا پندرہ یوم تک جاری رہا اسکے بعد حضرت والا نے فرمایا کہ آپ لوگ میرے کمرے میں جمع ہوا کریں کچھ دیر میں کہہ دیا کروں گا چنانچہ وہیں مجلس ہونے لگی۔

چونکہ اس دفعہ کئی مہینے قیام رہا اور باہر کے مہمان بھی کثرت سے آنے لگے، سلیمان بلڈنگ کے نزدیک کوئی ہوٹل وغیرہ بھی نہ تھا اسلئے حضرت والا کے مشورہ سے ایک باورچی بلا لیا جو حضرت والا کے وطن کے قریب ہی کا تھا

لوگوں نے برتن وغیرہ فراہم کئے جنس وغیرہ منگوائی گئی اور وہیں مطبخ قائم ہوگیا جس سے آسانی ہوگئی ۔ اسی نہج پر اس سفر میں چار پانچ ماہ قیام رہا اہل الہ آباد کی بیچینی اور تڑپ اور اہل وطن کے خطوط سے متاثر ہوکر حضرت والا نے پھر الہ آباد کا قصد فرمایا اور ۲۳ فروری ۶۶ء کو الہ آباد واپس تشریف لائے ۔

الہ آباد کی مجالس میں اہل بمبئی کے خلوص وعقیدت کے واقعات بیان کرکرکے اہل الہ آباد کو اخلاص پر ابھارا اور اکثر یہی فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو اگر کام پر نہیں لگوگے تو میں اٹھونگا اور بمبئی چلا جاؤنگا وہاں کے لوگ مجھے مانتے ہیں وہ میری بات سنیں گے ۔ اس جملہ سے لوگ متاثر ہوتے کیونکہ ؎

از فراق تلخ می گوئی سخن　　　ہرچہ خواہی کن ولیکن ایں مکن

(تو ناگوار اور تلخ فراق کی بات کرتا ہے؟ (ارے) جو چاہے کر لیکن اس سے درگذر)

غرض الہ آباد کے قیام کے زمانہ میں اسی نہج پر کام ہوتا رہا تاآنکہ اپریل ۶۶ء میں گرمی کی شدت سے بچنے کے لئے پھر بمبئی کا پانچواں سفر فرمایا غالباً ۳ اپریل ۶۶ء کو بمبئی کے لئے روانہ ہوئے کیونکہ الہ آباد میں شدت گرمی کے یہی ایام ہیں جیسا کہ اکبر الہ آبادی فرماتے ہیں ؎

پڑ جائینگے اکبر کے بدن میں ابلی چھالے　　　پڑھکر جو کوئی پھونکدے اپریل مئی جون

اس سفر میں حضرت والا کے ہمراہ حضرت کے متعلقین بھی تھے یعنی جناب قاری محمد مبین صاحب مدظلہٗ اور انکی اہلیہ اور سب بچے اور مولوی ارشاد احمد صاحب اور انکی اہلیہ اور بچے اور راقم بھی مع اہل وعیال ساتھ رہا ۔ مولوی قمرالزماں صاحب کو الہ آباد ہی میں رکھا اس دفعہ سلیمان بلڈنگ میں ایسی جگہ جو سب کے قیام کے لئے کافی ہو چونکہ موجود نہ تھی اس لئے وہاں لوگوں نے جن میں خاصکر عبدالعلیم صاحب اور سیٹھ اور بھائی ذکی اللہ صاحب پیش پیش رہے یہ طے کیا کہ حضرت والا کا قیام سمیع بلڈنگ میں رہے جو کرلا اسٹیشن

کے پاس اہل فتح پور کا مسکن تھا اور عورتوں کا قیام حضرت والا کے ایک دوسرے
عزیز محمد صابر صاحب کے یہاں کرلا ہی میں رہا ۔ حضرت والا جب بمبئی تشریف
لے گئے تو اسی طرح قیام رہا کہ حضرت والا اور آنے والے مہمانوں کا قیام
سمیع بلڈنگ میں ہوتا اور عورتیں بھائی محمد صابر صاحب کے یہاں ٹھیریں لیکن
دونوں جگہیں ناموزوں و ناکافی تھیں اسلئے کوشش جاری رہی کہ سلیمان بلڈنگ
کا کوئی حصہ مل جائے تو بہتر ہے چنانچہ ایک حصہ اسکا خالی کیا گیا اور حضرت والا
اسمیں منتقل ہو گئے لیکن اس حصہ کے اور دوسرے پڑوسی دوسرے خیال کے لوگ
تھے اسلئے وہاں لوگوں کے آنے جانے اور جمع ہونے پر انھیں اعتراض ہوا
اسلئے حضرت والا نے پھر عبدالعلیم صاحب اور سیر سے فرمایا کہ بھائی سلیمان
سیٹھ سے کہو کہ جس حصہ میں رہ چکا ہوں وہی مجھے دیں تو بہتر ہے انھوں نے
عرض کیا کہ حضرت ہم لوگوں نے یہی طے کیا ہے لیکن ابھی ان کمروں میں انکا
سامان بھرا ہوا ہے یہ فلیٹ ان کے دفتر کا تھا اس لئے فی الحال اسے خالی
کر دیا گیا ہے کہ حضرت کی تکلیف رفع ہو انشاء اللہ دو چار دن میں وہ سامان
منتقل کرلیں گے تو وہ کمرے بھی خالی ہو جائیں گے چنانچہ چند ہی دنوں کے بعد
غالباً بی بلاک تھا جس کو خالی کر دیا گیا اسمیں آٹھ فلیٹ تھے ۔ آگرہ روڈ کی
جانب پہلے کمرہ میں حضرت والا نے قیام فرمایا اسکے بعد کا کمرہ مہمانوں کیلئے
تھا اسکے بعد والے کمرے میں راقم کے بچے ٹھہرے اور اس کے بعد
دو کمروں میں حضرت والا کے متعلقین ٹھیرے اس طور پر الحمدللہ سب کیلئے
کشادہ جائے قیام کا انتظام ہو گیا ۔ حضرت والا کے کمرے اور باہر کی چہار دیواری
کے درمیان اندر جو بیس فٹ جگہ چھوٹی ہوئی تھی اسی میں نمازیں ہوتیں
اور کھانے کے لئے وہی قدیم باورچی نیاز نامی ہی مقرر کیا گیا اسی فلیٹ کا
آخری حصہ باورچی خانہ مقرر ہوا ۔ الحمدللہ اسکی بھی سہولت ہو گئی ورنہ بہت
دنوں تک بسم اللہ ہوٹل سے کھانا آتا رہا اس میں لانے والے کو مستقل وقت

کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اہل بمبئی بھی نہایت ذوق و شوق کے ساتھ مجلس میں
شرکت کے لئے حاضر ہوتے بعض حضرات کہتے تھے کہ بمبئی سے یہاں آنے
اور جانے اور مجلس میں شرکت کیلئے کبھی کبھی چار گھنٹہ صرف ہو جاتے تھے، آتے
جاتے بس کی لائن میں انتظار کرنا پڑتا تھا اب آپ خود خیال فرما سکتے ہیں
کہ بمبئی جیسے مشغول شہر کے لئے اپنے اوقات میں سے تین چار گھنٹہ نکالنا
کس قدر مشکل بات ہے لیکن وہ لوگ برابر آتے تھے بلکہ بعض بعض حضرات تو
مغرب کی نماز بھی حضرت والا کے ساتھ پڑھتے اور جب حضرت نوافل سے
فارغ ہو جاتے تو اجازت لیکر اور مصافحہ کرکے واپس چلے جاتے۔ حضرت والا
کا معمول صبح اور شام بدستور تفریح کا جاری رہا۔ صبح کبھی حکیم اجمیری صاحب
کے یہاں کبھی ڈاکٹر محمد اسحٰق صاحب کے یہاں تشریف لے جاتے بالآخر
جولائی کے مہینے میں الہ آباد سے اطلاع آئی کہ یہاں بارش ہو جانے کیوجہ سے
اب ہوا ٹھنڈی ہو گئی ہے، لو اور گرمی کی شدت ختم ہو چکی ہے اور طالبین
و مخلصین کی پیاس بڑھ گئی ہے لہٰذا ہم سب کی درخواست ہے کہ اب حضرت والا
تشریف لے آئیں کبھی ایسا بھی ہوتا کہ کچھ لوگ خود الہ آباد سے آجاتے۔ لہٰذا
۱۴ر جولائی ۷۶ء کو حضرت والا الہ آباد واپس تشریف لے آئے۔ بمبئی آنے
جانے کے لئے چونکہ ریزورویشن وقت پر نہیں ہوتا بلکہ دو تین ہفتے پہلے سے
کرانا پڑتا ہے اسلئے الہ آباد کا ٹکٹ تو آگیا تھا لیکن روانگی سے ایک دو دن
قبل ایک تکلیف دہ واقعہ پیش آگیا وہ یہ کہ الکشن کا زمانہ قریب تھا ایک
صاحب نے جو حضرت والا کے یہاں آتے جاتے تھے انھوں نے اخبار میں
یہ شائع کروا دیا کہ حضرت والا کا تعلق فلاں جماعت سے نہیں ہے مطلب
انکا یہ تھا کہ اسکی وجہ سے حضرت والا کے متعلقین یہ اثر لے لیں کہ جب
حضرت والا اس سے بے تعلق ہیں تو ہم لوگ بھی اسکو ووٹ نہ دینگے حالانکہ
حضرت والا نے یہ فرما دیا تھا کہ سیاسی امور سے مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے

کسے ووٹ دیا جائے اور کسے نہ دیا جائے اسمیں میری کوئی رائے اور حکم نہیں ہے آپ لوگ خود سمجھئے اور جسے چاہیں ووٹ دیجئے دوسری جماعت کو جب اسکی اطلاع ملی تو اس نے اسکی تردید چھاپی۔ جسکو حضرت والاؒ کے الفاظ میں سنئے فرمایا کہ:۔

"میں نے اخبار منگا کر دیکھا تو اس میں میرے متعلق یہ بات تھی کہ میرا ایک خاص چیز سے تبریہ کیا گیا تھا کہ وہ اس میں نہیں ہیں اور فلاں آدمی نے ان کے بارے میں غلط شہرت کی ہے۔ پھر میں نے جامی صاحب سے کہا کہ میں کسی سے کچھ نہ کہوں گا تمکو اگر کچھ کہنا ہو تو کہدینا۔ اسکے بعد ایک شخص سے کہا کہ موٹر لاؤ اسٹیشن جائیں گے اور گاڑی پر سوار ہوکر چلے جائیں گے راستہ کے کسی اسٹیشن پر رہینگے جب بقیہ لوگ جنکا ٹکٹ کل کا ہے آجائیں گے تو راستے میں انکے ساتھ ہوجائیں گے اس دن بہت سے لوگ موجود تھے میں نے کسی کی طرف رخ بھی نہیں کیا اور نہ زبان سے کچھ کہا اور ان میں سے کسی کی مجال نہیں ہوئی کہ کچھ کہتا یا آکر مجھکو روکتا لوگ آپس میں گفتگو کرنے لگے کہ آخر بات کیا ہوئی جسکی وجہ سے بہت ناراض معلوم ہوتے ہیں۔ کسی آدمی نے بتایا کہ اخبار دیکھو اس میں کوئی بات لکھی ہے جسکا نتیجہ یہ ہوا لوگوں نے جب اخبار دیکھا تو بہت خفا ہوئے کہ اخبار میں انکا نام کیوں آیا وہ تو ان چیزوں میں رہتے نہیں۔ اور میں وہاں سے روانہ ہوگیا اور دہلی۔ ٹی اسٹیشن کے قریب ایک مسجد میں مقیم ہوگیا یہاں میرے کچھ لوگ تھے۔ پھر لوگوں نے آکر بہت کوشش کی اور کہا کہ چلئے میں نے کہا کہ وہاں سے تو چلے آئے اب پھر وہیں جائیں ایسا نہیں کرینگے۔ حکیم اجمیری صاحب نے کہا کہ میرے یہاں چلئے میں نے کہا کہ ہاں آپ کے یہاں چل سکتا ہوں

لیکن گھر کے لوگ جہاں ہیں وہیں رہیں اور وہیں سے اسٹیشن جائینگے
اصل میں مجھے ان لوگوں کو یہ بتانا تھا کہ ہم منع کر چکے تھے کہ کوئی چیز
خلاف نہ کرنا لیکن لوگوں نے وہی کام کیا چنانچہ میرے اس طریقہ
کا اچھا اثر ہوا۔ اور اسی کا نتیجہ ہے جسکو حکیم صاحب لکھ رہے ہیں
کہ لوگوں کے چہرے پر رونق نہیں ہے حالانکہ یہ میں نے اس لئے
نہیں کیا تھا کہ کسی کے چہرے پر رونق نہ رہے بلکہ میرے دل میں
یہی بات تھی کہ یہاں بہت دن رہ چکے اب یہاں سے چلیں اور
جانا دو طرح کا ہوتا ہے ایک خوشی کے ساتھ اور ایک ناخوشی
کے ساتھ، اگر کوئی بات نہ پیش آتی تو خوشی خوشی جاتا اب ناخوشی
کے ساتھ جاؤنگا لیکن دیکھا کہ لوگوں پر اسکا بہت اثر ہوا اور
میں نے اندازہ کیا کہ اتنے دنوں کی تعلیمات سے جو اثر ہوا اس
سے کہیں زیادہ لوگ اس سے متاثر ہوئے" انتہٰی۔

اور حکیم صاحب نے جس بے رونقی کو کہا ہے وہ اصل میں انکے ایک دوست کا
حال تھا جنھوں نے حضرت والاؒ کی تشریف بری سے متاثر ہو کر حضرت والاؒ کو
یہ شعر لکھا تھا ؎

بے رونقی، جمود، تعطل، سکوت مرگ   ایسا ہے کائنات کا نقشہ ترے بغیر

اتفاق ایسا کہ اُدھر حضرت والا اسٹیشن کی مسجد اور وہاں سے حکیم
صاحب کے یہاں تشریف لے گئے اِدھر مدرسہ مظاہر العلوم کے شیخ الحدیث
جناب مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ حج سے بذریعہ ہوائی جہاز واپس آئے
اور ایرپورٹ سے سیدھے حضرت والا سے ملنے کرلا تشریف لائے
یہاں آکر معلوم ہوا کہ حضرت والا ابھی ابھی کہیں تشریف لے گئے۔ ۔ ۔ ۔ ۔
انھوں نے کسی طرح معلوم کیا اور اسٹیشن کی مسجد تشریف لائے اور وہیں
حضرت والا سے ملاقات ہوئی ہم لوگ حسب ہدایت کرلا ہی میں مقیم رہے

چونکہ دوسرے دن شام کی گاڑی سے روانہ ہونا تھا اسلئے سامان وغیرہ درست کرنے لگے بہرحال چونکہ حضرت والا نے اتنا فرما دیا تھا کہ ہیں آگے اسٹیشن پر کہیں مل جاؤنگا اسلئے اطمینان تھا ورنہ متعلقین کے لئے ایک دن ایک برس کے برابر ہوجاتا۔ حضرت والا حکیم صاحب ہی کے یہاں مقیم رہے اگلے روز وہیں سے بروقت اسٹیشن پہونچے۔

اس میں شک نہیں کہ اہل بمبئی کے تاثر کا پورا اندازہ اسی وقت ہوا جب لوگوں نے ریل پر رخصتی مصافحہ کیا تقریباً سبھی حضرات آنسوؤں سے رو رہے تھے ہر ایک کے ہاتھ میں رومال تھا جس سے وہ آنسو پوچھتا جاتا تھا بمبئی بڑا شہر ہے ہر قسم کے علماء و مشائخ وہاں تشریف لے جاتے تھے لیکن اسٹیشن کے لوگوں نے کسی بزرگ کی روانگی پر ایسا منظر شاید نہ دیکھا ہو بہرحال حضرت والا بظاہر ناراض اور بباطن متاثر اس دفعہ بمبئی سے تشریف لے آئے اور اس واقعہ کو سنا سنا کر اہل الہ آباد کو متاثر کیا۔ پھر اسکے بعد لوگوں کے تاثر بھرے خطوط بھی آنے لگے جس نے حضرت والا کے متاثر قلب کو مزید متاثر کردیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پھر حضرت والا تقریباً ایک ڈیڑھ مہینہ بعد ہی بمبئی تشریف لے گئے۔

بمبئی کے اس پانچویں سفر کے آخری ایام میں اخبار کا ناخوشگوار واقعہ پیش آگیا تھا جس کی وجہ سے حضرت والا کو تکدر ہوا اور تکلیف بھی پہونچی لیکن آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اہل بمبئی نے بہت جلد اسکی تلافی کرلی چنانچہ حضرت والا اور سب متعلقین کا ٹکٹ لیا جا چکا تھا اس لئے الہ آباد واپس تو تشریف لے آئے لیکن خود ایک تاثر لئے ہوئے اور اس بار کے قیام سے اندازہ ہوتا تھا کہ اہل بمبئی میں دینی رجحان پیدا ہو رہا ہے، الحمدللہ حضرت والا کی صحت بھی اچھی تھی اور لوگوں میں دین کی طلب بھی موجود تھی اسلئے خوب کام ہوا۔

(بمبئی کا چھٹا سفر)

ناظرین کرام نے ملاحظہ فرمایا کہ حضرت والا اخبار کے واقعہ سے مکدر ہو کر ۲۲ فروری ۱۹۶۷ء کو الہ آباد تشریف لائے لیکن اہل بمبئی کی معذرت اور تاثر سے متاثر ہو کر تقریباً چالیس روز کے بعد یعنی ۳ اپریل ۱۹۶۷ء کو پھر بمبئی کا چھٹا سفر فرمایا اس بار بھی قیام سلیمان بلڈنگ میں رہا اور حضرت کی صحت الحمد للہ اچھی تھی محض گرمی کی شدت کے خیال سے سفر فرمایا گیا تھا اس لئے اس دفعہ نمایاں طور پر کام ہوا۔ چنانچہ حضرت والا کا قیام بمبئی میں اس دفعہ تقریباً ساڑھے تین ماہ رہا۔

اس سفر کا اہم واقعہ حضرت والا کا ایک پیغام تھا جو چند حضرات کی معرفت شہر بمبئی میں ہونے والی مجلس میں پیش کیا گیا جو دسمبر ۱۹۷۰ء کے رسالہ معرفت حق میں "حضرت مصلح الامۃ کا طرز اصلاح" کے عنوان سے شایع ہو چکا ہے۔ چونکہ وہ حالاتِ بمبئی کے عین مناسب تھا اسلئے ہم اسکو بعینہ نقل کرتے ہیں :-

(اگلا صفحہ ملاحظہ ہو)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مصلح الامۃ کا طرزِ اصلاح

جامع ملفوظات عرض کرتا ہے :۔

اس دفعہ حضرت والا مدظلہٗ جب ۲۲ فروری ۱۹۶۷ء کو بمبئی سے تشریف لے گئے تو ۴ اپریل ہی کو گویا ٹھیک ۴۰ دن کے بعد ہی) پھر یہاں واپس آ گئے۔ حالانکہ الہ آباد کا موسم بھی ابھی خوشگوار تھا اور لوگ بھی کام کی جانب متوجہ تھے۔ ہم جیسے ظاہر بینوں کی سمجھ میں اس قدر جلد مراجعت کی خاص وجہ نہ آسکی۔ لیکن اہل اللہ چونکہ اپنی چشم بصیرت سے لوگوں کے حالات دیکھتے ہیں اسلئے اللہ تعالیٰ بھی ان حضرات کے قلوب میں ایسی بات ڈال دیتے ہیں جس کا دوسروں کو اس وقت تو اندازہ نہیں ہوتا مگر بعد کے حالات جب سامنے آتے ہیں تو سب کی سمجھ میں آجاتا ہے کہ فلاں کام میں یہ مصلحت تھی۔

ہوا یہ کہ جب حضرت یہاں سے الہ آباد واپس گئے تو اسی اطراف کے ایک عالم صاحب یہاں تشریف لائے اور یہاں سے واپس جانے کے بعد انھوں نے اپنے تأثرات کا اظہار حضرت والا کے پاس ان لفظوں میں لکھ کر بھیجا۔

تحریر فرمایا کہ :۔

> بمبئی گیا تھا۔ حضرت والا کئی روز پہلے تشریف لے جاچکے تھے لیکن مجلیس حضرت کے قیام کے فوائد و برکات کے ذکر سے معمور تھیں۔ خاص طور پر جدید تعلیم یافتہ طبقہ کی بڑی اصلاح ہوئی۔ نیز ان تجّار اور اہل ثروت کی جو اس سے پہلے سلکاً بعید اور متوحش تھے۔ میمنوں اور دوسرے تعلیم یافتہ حضرات کے اجتماع میں مجھے بھی کچھ عرض کرنے کا موقع ملا۔

الحمد للہ حضرت والا کے قیام کے اثرات اس مرتبہ بہت محسوس
کئے۔ اطال اللہ بقاءکم ومتعنا بفیوضکم

(والسلام مع الاکرام)

یہ مولوی صاحب بھی بڑے شخص ہیں خود بھی دینی کام کرتے ہیں اور قوم کے حالات سے بہت کچھ واقف ہیں اسلئے ان کے بات کی وقعت ہوئی اور ان کی شہادت کا اعتبار ہوا۔

چنانچہ حضرت والا نے ایک دن چند خاص لوگوں سے جمع کرکے فرمایا کہ قلب میں تقاضا پیدا ہورہا ہے کہ پھر بمبئی جاؤں۔ اور اسی سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ :-

میں گو وہاں کے لوگوں سے خوش ہوگیا تھا اور انشراح کے بعد یہاں آیا ہوں، تاہم چلتے چلاتے جو ناخوشگوار واقعہ ہوگیا تھا تو یہ خیال ہوتا تھا کہ کہیں شیطان اسی کو لوگوں کے ہٹانے کا ذریعہ نہ بنالے۔

اور یہ بھی فرمایا کہ :-

"جہاں دین کا کوئی بڑا کام ہوتا ہے تو وہاں اتنا ہی بڑا شیطان بھی پہونچ جاتا ہے۔ دیکھو ان مولوی صاحب کے خط سے تو معلوم ہورہا ہے کہ وہاں کے لوگوں نے اثر لیا ہے اور راستہ پکڑے ہوئے ہیں۔ ایک جماعت تو اپنے سابق حالات، خیالات اور مشاغل اور ماحول کو ترک کرکے ہماری جانب متوجہ ہوا اور ہم ان کو یونہی چھوڑ دیں۔ یہ اخلاقاً بھی مناسب نہیں ہے۔ لہذا مجھے بمبئی جلد جانا چاہیئے اور جو کام شروع ہوا ہے اس کی تکمیل کرنی چاہیئے"

اب حضرت والا کے قلب میں آئی ہوئی بات کے موافق اسباب کا پیدا ہو جانا کیا مشکل تھا، اسلئے فوراً تیاری ہوگئی اور حضرت والا ۳۱ اپریل کو الہ آباد سے روانہ ہوکر ۲؍ کو بمبئی تشریف لے آئے اور حسب دستور سابق کرلا سلیمان بلڈنگ میں قیام فرمایا اور معمول کے مطابق مجالس بھی ہونے لگیں۔

اس اثناء میں بعض مخلصین کی یہ رائے ہوئی کہ ہفتہ میں دو ایک دن ہی کیلئے سہی، حضرت کی مجلس خاص بمبئی شہر میں ہوا کرے کیونکہ کرلا دور ہے اور بہت سے لوگ غریب ہیں اور عدیم الفرصت ہیں اور قلیل الطلب بھی اسلئے کرلا پہونچنا انھیں مشکل ہوتا ہے۔ یہاں انھیں آسانی ہوگی۔

یہ بات تو کسی درجہ میں صحیح تھی لیکن شہر میں کسی ایسی جگہ کا دستیاب ہونا بڑا مشکل تھا جہاں چار چھ سو آدمی بھی سکون کے ساتھ جمع ہو سکیں۔ لیکن جیسا بزرگوں نے فرمایا ہے کہ ؎

اُو چنیں خواہد خدا خواہد چنیں   می دہد یزداں مراد متقیں

اللہ تعالیٰ نے اس کا بھی انتظام فرما دیا اور صابو صدیق ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ کے پرنسپل جناب سید شہاب الدین صاحب دسنوی نے اپنے اسکول کے ہال کے متعلق خود پیش کش کی۔ حضرت والا کو لیجا کر جگہ کا معائنہ بھی کرا دیا۔ الحمد للہ حضرت والا کو وہ جگہ بہت پسند آئی۔ نہایت وسیع ہال اور پرسکون جگہ قلب شہر میں واقع تھی جسکی وجہ سے ہر طرف سے لوگوں کا پہونچنا آسان تھا۔

چنانچہ مشورہ کے بعد یہ طے پایا کہ حضرت والا ہفتہ میں دو دن یعنی ہر دوشنبہ اور سہ شنبہ کو یہاں ہی مجلس فرمایا کرینگے اور اس کا اعلان کر دیا گیا اور مجالس ہوتی شروع ہو گئیں۔

تین ہفتہ مجلس فرمانے کے بعد حضرت والا نے ۲۷ محرم مطابق ۸ مئی دوشنبہ کو جو کہ یہاں کی ساتویں مجلس تھی اس میں ایک مضمون سنایا اور اسی دن مجلس میں یہ بھی فرمایا کہ اب میں یہ نہیں کروں گا کہ بس بیان ہی کرتا رہوں میں اب آپ لوگوں سے عمل کا مطالبہ کروں گا۔

بعد مجلس قیام گاہ پر تشریف لائے اور اسی دن راقم سے فرمایا کہ ایک مضمون بتاتا ہوں اس کو لکھ کر لاؤ میں کل بمبئی نہیں جاؤں گا۔ بس اسی کو کسی کو دے کر بھیج دوں گا۔ لوگ اس کا جواب دیں۔

اور یہ فرمایا کہ یہ کام کا وقت ہے کام کرنا چاہیئے اور مسلمانوں کو کام پر لگانا چاہیئے۔ ان کا وقت ضائع نہیں کرنا چاہیئے اور نہ کوئی بے فائدہ کام کرنا چاہیئے یہ وقت ایسا نہیں ہے اور کام بھی بصیرت کے ساتھ ہونا چاہیئے اور کام کرنے والے کو اس امر کا برابر جائزہ لینا چاہیئے کہ لوگ اس سے کتنا اثر لے رہے ہیں۔ اگر اثر لیتے ہیں تو اسکو اور آگے بڑھانا چاہیئے۔ کیونکہ شیخ اور مصلح کے لئے یہ ضروری ہے کہ لوگوں کو مخلص دیکھے تو مطالبہ اور بڑھا دے۔ اور اگر اثر نہ لیتے ہوں تو اپنے اس وقت کو دوسرے اہم کام میں صرف کرنا چاہیئے یعنی خدا تعالیٰ کی جانب توجہ کرنا چاہیئے۔

اس لئے میں بھی جو بمبئی آجا رہا ہوں اور بیان کر رہا ہوں لوگ بھی آرہے ہیں تو اب میں اس امر کی جانب سے بصیرت پر ہونا چاہتا ہوں کہ آیا یہ صرف آنا جانا ہی ہے یا کچھ کام ہو رہا ہے اور مجھے ہی نہیں بلکہ ہر کام کرنے والے کے لئے اس بات کا جاننا ضروری ہے جو اسی سے غافل رہے گا وہ کام کیا کرے گا۔ یہی بصیرت میرے لئے اور آپ کے لئے دونوں ہی کے لئے ضروری ہے۔ یعنی آپ جو آتے ہیں تو آپ کو بھی سمجھ کر آنا چاہیئے۔ اگر بلا بصیرت کے آمد و شد رکھیں گے تو نفع نہیں ہوگا اور مجھے بھی اسکی بصیرت ہونا

ضروری ہے کہ لوگ میرے پاس سمجھ بوجھ کر آرہے ہیں یا محض یونہی رسمًا آنا جانا ہے جسکو میں بدن پر گرنا کہا کرتا ہوں اور پیر پکڑنے سے تعبیر کرتا ہوں۔ اسلئے کہ اس طرح سے آنے جانے کا نہ شرع میں کوئی درجہ ہے اور نہ عقل ہی کے نزدیک اسکی کوئی حیثیت ہے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ ؎
فَاعْلَمْ اَنَّ عَقْدَ الْاُخُوَّۃِ لَمْ یَنْعَقِدْ بَعْدُ فِی الْبَاطِنِ۔ وَاِنَّمَا الْجَارِیْ بَیْنَکُمَا مُخَالَطَۃٌ رَسْمِیَّۃٌ لَاوَقْعَ لَھَا فِی الْعَقْلِ وَالدِّیْنِ۔ (یعنی جو عقد اخوت ابتک باطن میں نہ قائم ہوا ہو تو پھر تمھارے درمیان محض رسمی میل جول باقی ہے جس کا نہ تو شرع میں کوئی اعتبار ہے نہ عقل کے نزدیک ہی ایسی رسمی مخالطت کوئی حیثیت رکھتی ہے۔

چنانچہ مضمون تیار ہوا اور حضرت نے مولوی عبدالرزاق صاحب بدلاپوری اور بھائی ظہیر احمد صاحب کاتب سے فرمایا کہ آپ لوگ یہ پیغام لیجائیے اور لوگ آئے ہوں گے ان کو سنا دیجئے گا۔ چنانچہ ہم لوگ حضرت والا سے ہدایت لیکر روانہ ہوئے اور ۸ بجکر ۹ منٹ پر صابو صدیق اسکول شیفر روڈ بائیکلہ پہونچے لوگ پہلے سے جمع تھے حضرت والا کی تشریف آوری کے منتظر تھے لیکن موٹر کو حضرت والا سے خالی دیکھ کر افسردہ ہوگئے کہ کیا بات ہوئی جو حضرت آج تشریف نہیں لائے۔

مجلس کا وقت ہو چکا تھا۔ اس لئے احقر نے پہونچتے ہی گفتگو شروع کر دی۔ لوگوں کو خطاب کر کے عرض کیا کہ :۔

حضرات! حضرت والا مدظلہٗ آج تشریف نہیں لائے ہیں لیکن الحمد للہ حضرت کی طبیعت اچھی ہے۔ مجھے ایک پیغام مرحمت فرما کر بھیجا ہے جسے میں ابھی آپ حضرات کو سناتا ہوں اور اس کا جو جواب آپ حضرات باہم مشورہ کر کے مجھے دینگے میں حضرت والا کی خدمت میں اسکو پیش کر دوں گا۔

لیکن لوگ ابھی چونکہ برابر آرہے ہیں اسلئے اس پیغام کو پیش کرنے سے پہلے آپ کی خدمت میں حضرت والا کی ایک تقریر مختصراً پیش کرتا ہوں جس کو حضرت والا نے کل بھی سنایا تھا۔ اور جن حالات سے متاثر ہو کر حضرت والا نے یہ پیغام ارسال فرمایا ہے اس مضمون میں اسی کا بیان ہے اسلئے اسوقت اس کا پیش کرنا بے محل بھی نہیں ہوگا۔ پھر اس کے بعد وہ پیغام پیش کروں گا۔

فرمایا کہ ہم لوگ اس وقت بہت نازک دور سے گذر رہے ہیں اور ہم تو اس بات کو پہلے سے سمجھتے تھے مگر اب دوسروں سے بھی اس کو سن رہے ہیں۔ یعنی جو سمجھدار طبقہ ہے جسے عقل ہے وہ بھی اس بات کو سمجھنے لگا ہے اور اب یہ لوگ بھی ایسی ایسی باتیں کرتے ہیں کہ ہم کو سن کر تعجب ہوتا ہے میں اپنے دل میں کہتا ہوں کہ یا اللہ یہ باتیں تو ہم لوگوں کو کرنی چاہیئے تھیں باقی دوسرے لوگ جو کہنے لگے ہیں

تو اس لئے کہ زمانہ کے حالات تو اُن کے سامنے ہیں اور ان کو عقل بھی ہے جس بات کو دین اور ایمان کی رو سے ہم بہت پہلے کہتے تھے اس کو یہ لوگ اپنی عقل سے سمجھ کر اب کہنے لگے ہیں۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ یہ بھی غنیمت ہے کہ زبان سے بھی کہنے والے کچھ لوگ موجود ہیں ورنہ تو فتنہ جب آتا ہے تو عام ہوجاتا ہے اور اچھے اچھوں کے دماغ کو ماؤف کردیتا ہے۔

ہم جو یہاں چلے آئے تو کچھ اسلئے نہیں کہ یہاں کھانا بہت زیادہ ہے اور سمندر بہت بڑا ہے الٰہ آباد میں بھی لوگ بہت آتے تھے اور یہاں سے زیادہ ہی آتے تھے اسی طرح یہاں آنے کی یہ وجہ بھی نہیں تھی کہ وہاں لوگ سنتے نہیں تھے بلکہ یہاں جو ہم آئے تو اولاً تو اپنی صحت کے خیال سے آئے یعنی تیز سردی اور زیادہ گرمی اطباء نے دونوں کو میرے لئے مضر بتایا۔ یہاں کی آب و ہوا معتدل تھی اس لئے یہاں آگئے اور جب آگئے تو یہ خیال ہوا کہ اپنا جو کام ہے وہ یہاں بھی جاری رکھا جائے یعنی یہ کہ لوگوں کو صحیح دین پہونچایا جائے تاکہ لوگ دین کو سمجھیں اور اس پر عمل کریں۔ کیونکہ دیکھ رہا ہوں کہ اس زمانہ میں عام لوگوں کا حال نہایت خراب ہے۔ میرے ایک دوست ہیں کل ہی وہ بیان کر رہے تھے کہ یہاں ایک لیڈر آئے ہوئے تھے ان کی پہلے سے جان پہچان تھی ان کے ہموطن تھے ملنے گئے تو دوران میں اس نے اپنے تاثرات ظاہر کئے۔ ان سے کہا کہ اپنے یہاں قحط زدہ لوگوں کے لئے اتنی تعداد میں باورچی خانے کھلوا دیئے ہیں اور کھانے پکوا کر تقسیم کر رہا ہوں لیکن لوگوں کی خود غرضی کاہلی اور ان کے ہاتھ پیر بنے کو دیکھ کر بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ بس یوں سمجھو کہ انسانیت کے ناطے خدمت کر رہا ہوں ورنہ جی بالکل نہیں چاہتا۔ ہمت بالکل پست ہوچکی ہے۔ کام کی بات نہ خواص ہی سنتے ہیں اور نہ عوام الناس ہی کچھ کان دھرتے ہیں۔ کھانا ضرور تقسیم ہوتا ہے مگر حال یہ ہے کہ غیر مستحق آکر کھا جاتے ہیں اور جو واقعی مستحق اور غیر مستطیع لوگ ہیں وہ محروم رہ جاتے ہیں اور لطف یہ کہ ان کھانے والوں سے یہ کہتا ہوں کہ بھائی اب تو کھانا کھالیا ہے اب کچھ کام کرو۔ اپنی اپنی بستیوں میں کنواں کھودو تو اس محنت کے لئے تیار نہیں ہوتے بالکل کاہل اور سُست ہوگئے ہیں حالانکہ کنواں وغیرہ کھودنا ان کے گھر کا کام تھا۔ ان کے آباء واجداد کیلئے ایک اچھا مشغلہ ہوتا تھا۔ مگر جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ بھائی پانی حاصل کرو اور اس کے انتظام میں ہاتھ بٹاؤ تو کہتے ہیں کہ ریلیف[1] کے لوگ آئیں گے وہی سب کام کریں گے۔

میں کہتا ہوں کہ ہم لوگ اپنے مدرسہ کے طالبعلموں کی کاہلی پر یہ واقعہ لوگوں کو سناتے تھے کہ کسی طالب علم کے گلے میں نوالہ اٹکا تو وہ کنوئیں کی طرف بھاگا اور پانی نکالنے کے لئے ڈول لٹکایا اتنے میں وہ نوالہ حلق کے نیچے اتر گیا تو بس پھر اس نے بھی ڈول کو ویسا ہی لٹکا ہوا چھوڑ دیا۔ نہ یہ خیال

---

[1] امدادی جماعت ۱۲

کیا کہ اب سے پانی لیکر بیٹھے شاید پھر ضرورت پیش آجائے۔ اور نہ اس کی زحمت گوارا کی کہ ڈول ہی کو واپس نکال کر بدستور کنوئیں پر رکھدے۔ طالب علموں کے احدی اور کاہل ہونے کو اس واقعہ سے بیان کیا جاتا تھا لیکن اب یہ دیکھ رہا ہوں اور لوگوں کے جو حالات سن رہا ہوں تو اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سب ہی لوگ اس قسم کے ہوگئے ہیں۔

کچھ نیک لوگ غریبوں محتاجوں اور رفاقہ مستوں کی اعانت کرنا چاہتے ہیں تو اس قسم کے لوگ ان کے ارادوں کو سست اور ان کی ہمت کو پست کر دیتے ہیں اسی کو میں نے کہا کہ اس حال میں کسی خاص قوم کی تخصیص نہیں بلکہ آج عام طبیعتوں کا یہی رنگ ہے۔ ہمارے یہ لڑکے بھی بالکل نکمّے اور اپاہج بنکر رہنا چاہتے ہیں۔ ان کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ بوڑھا باپ کمائے اور یہ اس کی کمائی سے خوب عیش اڑائیں۔ ان کو شرم اور غیرت بھی نہیں معلوم ہوتی کہ ہمیں کما کر ان کو کھلانا چاہیئے یا ان کی کمائی اڑانا چاہیئے۔ میں اس بات کو بہت دنوں سے لوگوں سے کہتا تھا کہ بھائی تم سے اگر دین نہیں بنتا تو دنیا ہی کما کر و کھلاؤ جب تمھاری دنیا درست ہو جائیگی اور اس کی جانب سے تم مطمئن رہوگے تو کچھ دین کا بھی کام کرلوگے ورنہ نہ دین کے رہوگے نہ دنیا کے، اس بات کو کہتا تو تھا لیکن یہ بھی خیال ہوتا تھا کہ اور دوسرے علماء تو اس کو بیان نہیں کرتے صرف میں ہی کہہ رہا ہوں لیکن بات چونکہ صحیح تھی اور خدا کی طرف سے یہ مضمون آیا تھا اسلئے بعد میں علماء کے کلام سے اس کی تائید ملتی ہی چلی گئی چنانچہ حضرت شاہ اہل اللہ صاحبؒ جو کہ برادر خورد ہیں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کے وہ اپنی کتاب "چہار باب" میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

نصیحت:۔ خود را معطل ومہمل نہ گزارند کار عقبیٰ بسازند
واگرنہ توانند کار دنیا از دست ندہند

یعنی منجملہ نصائح کے ایک نصیحت یہ فرماتے ہیں کہ اپنے کو بیکار اور مہمل نہ چھوڑیں بلکہ آخرت اور دین کا کام کریں اور اگر یہ نہ کرسکیں تو دنیا کا کام تو ہاتھ سے نہ جانے دیں دنیا ہی کا کام کریں یعنی کوئی ہنر یا پیشہ ہی سیکھیں تاکہ دنیا ہی کی جانب سے مطمئن ہوجائیں باقی یہ کہ آدمی نہ دین کا ہو نہ دنیا کا تو ایسا شخص نکمّا اور ناکارہ ہے۔ اہل دین کے نزدیک پسندیدہ نہیں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ اِنِّی لَاَکْرَہُ اَنْ اَرٰی اَحَدَکُمْ سَبَهْلَلًا لَا فِیْ عَمَلِ دُنْیَا وَلَا فِیْ عَمَلِ اٰخِرَۃٍ یعنی میں تم میں سے کسی شخص کو سبہلل دیکھنا پسند نہیں کرتا اور سبہلل وہ آدمی ہوتا ہے جو نہ دین کا کام کرے نہ دنیا کا۔

یہی میں بھی لوگوں سے کہتا تھا کہ دنیا کی جانب سے جب مطمئن رہوگے تو دین بھی حاصل

کرلو گے۔ ورنہ جب تمھارے ہوش وحواس اور تمہاری عقل وفکر ہی درست نہ رہے گی تو تم دین بھی اختیار کرسکو گے۔ چنانچہ آج جن لوگوں کو دنیا کی طرف سے مطمئن دیکھتا ہوں انھیں کو دین کے کام میں بھی لگا ہوا دیکھ رہا ہوں اور جسکی دنیا تباہ ہے اس کا دین اس سے کہیں زیادہ تباہ ہے یہ امر بالکل مشاہد ہے اور آب اس زمانے میں تو کسی کے لئے مجال انکار ہی نہیں ہے۔

آپ کے سامنے ابھی میں نے اس لیڈر کی گفتگو نقل کی جو اس نے قوم کی بدحالی کے سلسلے میں اپنے دوست سے کی تھی۔ میں کہتا ہوں کہ یہ بات اور قوم کا یہ حال اس نے بالکل صحیح بیان کیا۔ اس میں مجھے کچھ کلام نہیں باقی کھانے وغیرہ کے انتظام کے متعلق جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم انتظام کرتے ہیں اور فلاں شخص لوگوں کو کھلاتا ہے اسکے متعلق کہتا ہوں کہ کوئی بیچارہ کسی کو کیا کھلا سکتا ہے۔ روزی اور عافیت خدا کی طرف سے سمجھنا چاہیئے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ شب قدر میں غروب آفتاب کے بعد ہی اور دیگر راتوں میں رات کے آخری حصے میں اللہ تعالی کا نزول سمائے دنیا پر ہوتا ہے اور ندا دی جاتی ہے کہ "ہے کوئی بخشش چاہنے والا، کہ میں اسے بخشش دوں اور ہے کوئی عافیت طلب کرنے والا کہ میں اسے عافیت دوں۔ اور ہے کوئی روزی کا طلب گار کہ میں اسے روزی دوں اور ہے کوئی مصیبت سے نجات مانگنے والا کہ میں اسے نجات دوں اور کوئی ایسا، ہے کوئی ایسا، اسی طرح سے برابر صبح صادق تک ندا ہوتی رہتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالے نے عافیت کو اور رزق کو دوسرے کے حوالے نہیں کیا ہے بلکہ اپنے ہی قبضہ میں رکھا ہے اور بندوں سے اسکے طلب کرنے کا مطالبہ فرمایا ہے اور ان کی طلب پر عطا فرمانے کا وعدہ ہے۔ یہ میں آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنا رہا ہوں دین اور ایمان کی بات بتا رہا ہوں مگر اس پر آپ نہیں آنا چاہتے بلکہ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ صحت اور عافیت تو ڈاکٹر اور حکیم کے حوالے ہے اور روزی کسی اور مخلوق کے، یا کم از کم عقل اور تدبیر کے حوالے ہے حالانکہ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ ؎

اگر روزی بدانش بر فزودے — زناداں تنگ روزی تر نبودے
بناداں آنچناں روزی رساند — کہ داناں اندراں حیراں بماند

یعنی اگر روزی عقل سے ملا کرتی تو دنیا میں جتنے نادان ہیں وہ سب سے زیادہ تنگ روزی ہوتے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالی نادانوں کو اس طریقے سے روزی پہونچاتے ہیں کہ دانا اور اہل دانش اسکی وجہ سے حیرت میں پڑ جاتے ہیں۔ نہایت عمدہ بات فرمائی ہے۔ بیشک روزی کا مدار محض اللہ تعالی کی دین پر ہے وہ کسی ناداں کو دیدے تو وہ صاحب بخت ہو جائے اور ایک دانا زمین آسمان کا قلابہ ملائے اور کچھ نہ ہو سکے۔

حقیقت تو یہ ہے مگر ہمارا حال یہ ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کی طرف ایک منٹ کے لئے بھی رجوع نہیں ہوتے چنانچہ آج ہمارا حال تو یہ ہے کہ صبح ہوئی اور کہنے لگے اس اخبار میں یہ ہے اور اس اخبار میں وہ ہے۔ ایک صاحب میرے سامنے ایک اخبار پڑھ رہے تھے۔ میں نے کہا۔ کہاں کا اخبار ہے جی؟ کہنے لگے فلاں جگہ کا۔ میں نے کہا مدینہ شریف کا اخبار ہے کیا؟ کہنے لگے کہ نہیں۔ میں نے کہا اس اخبار سے کام نہیں چلے گا۔ اور نہ خدا تعالیٰ کے یہاں سے اسکے مقرر کردہ اصول میں تمہاری سیاست چل سکتی ہے۔ کام اس سے چلے گا کہ جس کے قبضہ میں رزق ہے۔ عزت ہے، عافیت ہے اور حاجتوں کے پورا کرنے کی قدرت ہے اسکی جانب رجوع ہوا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے سوال فرماتے ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں:۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْھُدٰی وَالتُّقٰی وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰی۔ یعنی اے اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے ہدایت اور پرہیزگاری اور پارسائی اور سیرچشمی۔ اسکے ذریعہ آپ نے امت کی تعلیم فرمائی کہ یہ سب چیزیں خدا سے مانگنے کی ہیں۔ آدمی جب خدا تعالیٰ سے نہیں مانگے گا تو اللہ تعالیٰ اسکو فقر و فاقہ میں مبتلا کردیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں بندے کا سوال کرنا بہت پسندیدہ چیز ہے۔ بلکہ جب بندہ اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ اس پر غصہ فرماتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے جب تہائی رات باقی رہ جاتی ہے تو ہر شب اللہ تعالیٰ سمائے دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور یہ اعلان فرماتے ہیں کہ کون مجھ سے دعا مانگتا ہے تاکہ میں اسکی اجابت کروں اور کون مجھ سے سوال کرتا ہے تاکہ میں اسکو دوں اور کون مجھ سے بخشش طلب کرتا ہے کہ میں اسکو بخش دوں۔ مسلم کی ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ اپنے ہاتھوں کو پھیلا کر فرماتے ہیں کہ کون شخص قرض دیتا ہے اس ذات کو جو نہ تو مفلس و نادار ہے اور نہ ظالم ہے۔ چنانچہ ندا کا یہ سلسلہ صبح صادق تک جاری رہتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ کس قدر غیرت اور افسوس اور بے ادبی کی بات ہے کہ حق تعالیٰ کی جانب سے تو جو کہ مستغنی ہے اس طرح سوال طلب کیا جائے اور بندے جو کہ محتاج ہیں اس طرح غفلت کی نیند سوتے رہیں۔ اس کی یہ مثال سمجھئے جیسے میں آپ لوگوں کو بلاؤں وہ بھی کسی اپنے نفع کے لئے نہیں بلکہ آپ ہی لوگوں کے فائدہ کی خاطر، اور آپ پکارنے پر کان تک نہ دھریں اور بجائے میرے پاس آنے کے دوسری جانب چل دیں تو آپ کے اس اعراض کرنے پر مجھے کس درجہ ناگواری ہوگی۔ حالانکہ میں بھی مخلوق ہی ہوں اسی سے سمجھ لیجئے اللہ تعالیٰ کی پکار کے بعد جب بندہ اپنی حاجتوں کا خدا سے سوال نہیں کرتا اور عملی طور پر اس سے اعراض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو کس قدر ناگوار گزرتا ہوگا۔ اور یہ بندے کی جانب سے کتنی بڑی بے ادبی ہے۔

اس لئے میں صاف کہتا ہوں کہ جب لوگوں کا یہی حال ہے تو پھر اگر کوئی پیر ہی مل جائے یا پیر کا باپ مل جائے کچھ بھی کشود کار نہ ہوگا اور یہ اس لئے کہ حقیقتاً تو پیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور دوسرے لوگ آپ کے تابع ہیں۔

اس مضمون کو آپ نے سن لیا اب اس کے بعد وہ پیغام سنیئے جس کے لئے میں حاضر ہوا ہوں اور اس کا جواب دیجئے۔

حضرت والا کا پیغام اہلِ مجلس کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

آپ حضرات جانتے ہیں کہ میرا قیام یہاں ایک معتد بہ زمانہ سے ہے اور اثناء قیام میں میں نے آپ لوگوں کے سامنے دین کی بہت کچھ باتیں بیان کی ہیں اور غالباً آپ کو میرے طریقہ سے اس کا بھی اندازہ ہوا ہوگا کہ میں اور دوسرے واعظوں کی طرح سے نہیں ہوں کہ صرف تقریر کردوں اور آپ اس سے اثر لیں یا نہ لیں بلکہ میں چونکہ عملی چیزیں پیش کیا کرتا ہوں اس لئے اپنی مجلس میں آنے جانے والوں سے عمل کا بھی مطالبہ کرتا ہوں۔ یہی وطن میں کرتا تھا۔ یہی الٰہ آباد میں کیا اور یہی یہاں کروں گا۔

لہٰذا آپ حضرات سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میں نے بہت بیان کیا اور آپ نے بھی خوب سُنا، اب یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آپ لوگوں نے میری باتوں سے کیا اثر لیا؟ اور اس امر پر اطمینان چاہتا ہوں کہ اتنے دنوں جو کوشش کی گئی، اور روزانہ مجلسیں ہوئیں اور ان میں جو بیان کیا گیا وہ صدا بصحرا کا مصداق تو نہیں ہوا۔ ایک بات یہ بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ دوشنبہ اور سہ شنبہ یہ دو دن ہفتہ میں جو بمبئی کیلئے مقرر کئے گئے تھے تو اب میری جانب سے اسکو وعدہ نہ سمجھا جائے بلکہ اب یہ میری مرضی پر ہوگا۔ جی چاہے گا آؤں گا، جی چاہے گا نہ آؤں گا۔ آئندہ کے لئے میں اس کا پابند نہیں رہونگا۔ والسلام

پیغام کی توضیح وتشریح

آپ حضرات کو معلوم ہے کہ حضرت والا ایک عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ شیخ کامل اور مصلح بھی ہیں اور عالم کے وظیفہ میں اور شیخ کے وظیفہ میں فرق ہوا کرتا ہے عالم کا کام تو بس یہ ہے کہ وہ

آپ کے سامنے قرآن و حدیث پڑھ کر ایک عام وعظ کہہ دے اور نصیحت کی باتیں آپ کو سنا دے اب آپ کا معاملہ اس کے ساتھ کیا ہوتا ہے۔ یعنی آپ اس کی بات سنتے بھی ہیں یا سوتے ہیں اسکے معتقد ہیں یا منکر و معاند ہیں۔ اسکی بتائی ہوئی باتوں پر عمل کرتے ہیں یا اعتراض کرتے ہیں۔ ان سب باتوں سے اسکو کوئی سروکار نہیں وہ تو وعظ بیان کر کے یہ کہہ کر الگ ہوجائے گا کہ ع

بر رسولاں بلاغ باشد و بس

یعنی ہم نے تبلیغ کر دی اب آپ جانیں اور آپ کا کام جانے یہ تو وظیفہ ہے ایک عالم دین کا لیکن شیخ اور مصلح کا منصب یہ ہے کہ وہ آپ کے سامنے دین بھی پیش کرے اور اسکے ساتھ ساتھ آپ سے عمل کا بھی مطالبہ کرتا جائے۔ ایک جانب آپ کو ہدایت بھی دے اور دوسری جانب آپکی نگرانی بھی رکھے اور اس کا بھی جائزہ لیتا رہے کہ آپ نے اس پر کہاں تک عمل کیا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت والا کی ان مجالس کی حیثیت عام مجلس وعظ کی سی نہیں ہے بلکہ اگر اسکو کسی چیز سے تشبیہ دی جاسکتی ہے تو مجلس درس ہے یعنی جس طرح سے کہ وہاں سامعین کے لئے شرائط ہیں یعنی ہر شخص شریک درس نہیں ہوسکتا۔ بلکہ طالب علم ہی ہوسکتا ہے اسی طرح سے یہاں بھی آنے والوں سے طلب کا مطالبہ کیا جائیگا۔ یعنی طالبین ہی کیلئے یہ مجالس ہیں اور جس طرح سے کہ اساتذہ میں شفیق ترین استاد وہ سمجھا جاتا ہے جو آج درس دینے سے پہلے کل کے سبق کا مطلب طلبا سے پوچھے تاکہ یہ معلوم کرے کہ وہ اسکو سمجھے بھی ہیں یا نہیں۔ اگر مناسب سمجھے تو اس کا اعادہ کرادے اور ضرورت ہو تو خفا ہو کر سبق بند کر دے اور انھیں درسگاہ سے ہٹادے اور یہ کہے کہ پہلے پچھلا یاد کر لو تب آؤ۔

بس یہی معاملہ ان مجالس اصلاح کا ہے کہ یہاں عمل کا مطالبہ ہوتا ہے پچھلے اسباق یاد ہونے نہ ہونے کی جانچ کی جاتی ہے اور سابق تعلیم کا امتحان ہوتا ہے اور یہ دیکھا جاتا ہے کہ کون شخص کتنا طالب ہے تاکہ اس کے اندر مزید طلب پیدا کی جائے۔ باقی اس قسم کے سوالات کا منشا یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ آپ کے اندر کوتاہیاں اور خامیاں ابھی تک کیوں موجود ہیں اس لئے کہ انسان اگر برائیوں سے ہی خالی ہوجائے تو پھر اسے کسی مصلح کی مجلس کی حاجت ہی کیا باقی رہ جاتی ہے کیونکہ اصلاح تو خامیوں ہی کی کی جاتی ہے۔ اسلئے یہاں یہ مطالبہ ہی نہیں ہے۔ البتہ یہ مطالبہ ضرور ہے کہ اصلاح کی طلب اسکا احساس اور اس کی فکر بھی پیدا ہوئی یا نہیں؟ چنانچہ مشائخ کے یہاں سب سے بڑا کام جو ہوتا ہے وہ یہی کہ لوگوں میں طلب پیدا کی جاتی ہے اور اسے بڑھایا جاتا ہے۔ اسی کا یہ حضرات وقتاً فوقتاً جائزہ لیتے

رہتے ہیں تاکہ انھیں اپنے کام میں بصیرت حاصل ہوجائے اور انشراح کے ساتھ کام کو آگے بڑھایا جائے اور اگر یہی معلوم ہوجائے کہ لوگوں میں طلب نہیں ہے تو یہ لوگ اپنا قیمتی وقت اور (دنیوی اعتبار سے آپ کا بھی) قیمتی وقت کیوں ضائع کریں۔ آپ اپنا کام دیکھئے اور یہ حضرات اپنے اس وقت کو اس سے اہم کاموں میں صرف کریں۔ اسی بات کو سمجھنے اور جاننے کے لئے کبھی کبھی یہ حضرات اس قسم کے سوالات فرمالیتے ہیں اور ایک بات یہ سمجھئے کہ آنے جانے والوں سے اس قسم کا مطالبہ اوّل دن ہی سے نہیں کیا جاتا بلکہ جب کسی جگہ ایک معتد بہ مدت تک لوگوں کو دین و دیانت تقویٰ و طہارت اور اطاعت و معرفت کی باتوں کو سمجھا لیتے ہیں اور دین کو سب کی نظروں میں پسندیدہ اور محبوب بنالیتے ہیں۔ تب یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ آخر ہماری اس کوشش کا نتیجہ اور حاصل کیا ہے۔

حضرت والا کا آج کا پیغام بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جسے میں نے آپ حضرات کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ اب آپ حضرات اسکے متعلق اپنا خیال ظاہر فرمائیے اور فرمائیے کہ حضرت والا کو اس کا جواب کیا دیا جائے؟

حضرت والا کا پیغام اور اس کی یہ توضیح سُن کر مجمع پر ایک خاص اثر ہوا اور چہروں سے اندازہ ہوتا تھا کہ سب کے سب کافی متاثر ہیں، مجمع کے آخر سے جناب مولانا حامد الانصاری صاحب غازی اُٹھے اور فرمایا کہ میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ مائک پر تشریف لائے اور فرمایا۔

مولانا حامد الانصاری صاحب غازی کے تاثرات

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرات! ہمارے آپ کے سامنے ابھی حضرت شاہ صاحب کے پیغام کو جامی صاحب نے پڑھ کر سنایا اور اس کی تشریح بھی کی، اس سلسلے میں میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں اور یہ سمجھتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ وہ آپ سب حضرات کے دل کی ترجمانی ہوگی۔ وہ یہ کہ حضرت مولانا کے پیغام کا حاصل ہمارے تاثرات کو معلوم کرنا ہے تو اس کے متعلق ہم یہ کہتے ہیں کہ حضرت والا کے صرف بمبئی میں قیام فرمانے ہی کو ہم اللہ تعالیٰ کا ایک بڑا انعام سمجھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شمار نہیں ہے اسکی نعمتیں ہم پر بیشمار ہیں اسلئے حضرت کے پند و نصائح کو جو حضرت فرماتے ہیں ہم اللہ تعالیٰ کا دوسرا انعام سمجھتے ہیں، پس حضرت یہاں قیام فرما کر جو کلام فرماتے ہیں یہ انعام بالائے انعام کا مصداق ہے

اسلئے ہم عرض کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت یہاں تشریف لاویں یا وہیں تشریف رکھیں ہم ہر اس حال میں خوش ہیں جسمیں حضرت کو راحت ہو، باقی اس کے ساتھ ساتھ یہ گذارش ضرور کرینگے کہ یہاں بمبئی میں جو سلسلہ شروع فرمایا گیا ہے یہ بند نہ فرمایا جائے۔ جب مزاج مبارک میں آئے حضرت تشریف لے آویں، حضرت نہ آویں تو جامی صاحب ہی کو بھیجدیں اور ان کا بھیجنا بھی مصلحت نہ معلوم ہو اور رسم کے خیال سے مناسب سمجھا جائے تو ان کو بھی نہ بھیجیں، ہم یقین رکھتے ہیں کہ جو قدم ہم یہاں کی حاضری میں طے کرینگے انشاء اللہ تعالی، اللہ تعالی ان پر بھی ہمیں اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔

اور تاثرات کے بارے میں جو دریافت فرمایا گیا ہے تو اس کے متعلق اور حضرات جو بیان کریں میں تو یہ کہتا ہوں کہ ایک طبقہ میرے علم میں ہے جسکو میں دین سے دور دیکھتا تھا لیکن اب حضرت والا کی تشریف آوری کے بعد اس کا دین کی جانب میلان روز افزوں دیکھ رہا ہوں۔ اور اگر ظاہری صورتیں تاثرات پر شہادت دے سکتی ہیں تو میں ایسے لوگوں کو جانتا ہوں کہ یہاں حضرت کے قدم آنے کے بعد سے ان کی صورتوں میں تبدیلی پیدا ہوگئی اور اگر ضرورت سمجھی جائے گی تو میں ان کو پیش بھی کر سکتا ہوں۔

ان سب آثار کے بعد ایک بات اپنے متعلق بھی عرض کرتا ہوں گو وہ میرے اندر سے متعلق ہے مجھے اپنی زبان سے اسکو کہنا نہیں چاہیئے لیکن چونکہ تاثرات کا سوال فرمایا گیا ہے اور میں اس سلسلہ میں کچھ بے حیا واقع بھی ہوا ہوں اسلئے مجھ کو اسکے بیان میں کچھ تکلف بھی نہیں ہے وہ یہ کہ میں ہی شاید اس مجمع میں سب سے زیادہ بدحال اور بدعمل انسان ہوں میرے اعمال اور افعال میرے سامنے ہیں۔ شب کو اٹھنا اور شب بیداری سے تو مجھے دور کا بھی علاقہ نہ تھا بلکہ اب تک یہی سمجھتا تھا کہ دن بھر کا عمل ہی رات کی عبادت کی جانب سے بھی کفایت کر جاتا ہے۔

لیکن آپ سے کہتا ہوں کہ حضرت کی یہی تقریر جسے جامی صاحب نے ابتدا میں سنائی ہے اسکو حضرت والا کے زبان مبارک سے سنا قلب پر بہت ہی اثر ہوا۔ اور الحمد للہ کہ میں نے اس کے مطابق عمل کرنا بھی شروع کر دیا ہے اور سمجھتا ہوں کہ جب مجھ جیسے ناکارہ پر اثر ہوا تو اور اللہ کے بندوں نے بھی اس سے ضرور اثر لیا ہوگا جو مجھ سے یقیناً بہتر ہیں۔

بہر حال عرض کرنے کا حاصل یہ ہے کہ حضرت والا کا فیض لوگوں کو پہونچ رہا ہے اور اس

سے اثر لے رہے ہیں لہٰذا ہم لوگوں کے لئے مزید توفیق کی دعا فرمائی جائے اور اس سلسلہ کو جاری رکھا جائے بند نہ فرمایا جائے۔

اب آپ حضرات کہیں تو آپ لوگوں کی جانب سے بھی ورنہ میری طرف سے تو جامی صاحب ان تاثرات کو حضرت والا تک پہونچادیں اور ایک رائے میری اور ہے وہ یہ کہ چند حضرات مثلاً جناب امام صاحب جامع مسجد۔ جناب دستوی صاحب۔ جناب خلیل فقیہ صاحب اور جناب ڈاکٹر محمد اسحاق صاحب ہم سب کی جانب سے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوکر زبانی بھی عرض کردیں۔

سب لوگوں نے تائید کی اور مسرت کے ساتھ نمازی صاحب سے اس امر کا اظہار کیا کہ آپ نے ہماری بالکل صحیح ترجمانی فرمائی ہے۔ جزاک اللہ تعالیٰ، ہم سب کی جانب سے یہی جواب حضرت والا سے عرض کردیا جائے۔

مولانا سید جمال الدین صاحب (خطیب مسجد پتھر والی) کے تاثرات

اس کے بعد مولوی سید جمال الدین صاحب امام مسجد پتھر والی تشریف لائے اور فرمایا کہ:۔

جس طرح سے دنیوی سلطنت میں رعایا اور بادشاہ کے مابین فوج اور سی۔ آئی۔ ڈی ہوتی ہے جو کہ رعایا کے حالات سے بھی واقف ہوتی ہے اور بادشاہ سے بھی اس کا تعلق ہوتا ہے اسی طرح سے باطنی معاملات میں خدا تعالیٰ اور بندوں کے درمیان اولیاء اللہ ہوتے ہیں جن کا تعلق خالق سے بھی ہوتا ہے اور مخلوق سے بھی۔ اگر انسان یہ معلوم کرنا چاہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہیں یا ناراض تو وہ اہل اللہ کا معاملہ اپنے ساتھ دیکھ لے۔ اگر یہ حضرات کسی بستی سے کسی جگہ کے لوگوں سے خوش ہوں تو سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ بھی ان سے خوش ہیں اور اگر خدا نخواستہ یہ حضرات کسی جگہ سے مکدر ہوں یا کسی بستی سے ناخوش ہوں تو ان کی ناراضگی کو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی علامت سمجھنا چاہیے۔

اس لئے ہمارے لئے ضروری ہے کہ حضرت والا جو ہدایات فرماتے ہیں اسکو توجہ سے سنیں اور اس پر عمل کریں تاکہ حضرت کے لئے مسرت کا سبب ہو اور وہ ذریعہ بنے حق تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا۔

مولانا ظل الرحمن صاحب (امام و خطیب مسجد سات راستہ) کے تاثرات

اس کے بعد مولانا ظل الرحمن صاحب نے فرمایا کہ میں بھی کچھ عرض کرنا

چاہتا ہوں، وہ مائک پر تشریف لائے اور فرمایا کہ :۔
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرات ! ابھی آپ کے سامنے حضرت مولانا کا پیغام سنایا گیا اور اس کے متعلق جناب غازی صاحب نے جو کچھ فرمایا وہ بہت کافی ہے میں بھی اس سلسلہ میں صرف اتنا اور کہنا چاہتا ہوں کہ میرا تعلق حضرت مولانا سے بیعت کا نہیں ہے یعنی میں ایک دوسرے بزرگ سے بیعت ہوں اور میرا دوسرا سلسلہ ہے لیکن اسکے باوجود آپ سے کہتا ہوں کہ جب سے حضرت والا کی مجلس میں حاضری نصیب ہوئی ہے اور حضرت کی صحبت ملی ہے اپنے باطنی حالات میں ایک انقلاب پاتا ہوں اور لوگوں کو بھی دیکھ رہا ہوں کہ حضرت کے تشریف لانے کے بعد سے بہت بدلے ہیں۔ مجلس میں حاضر ہوتے ہیں اور اثر لیتے ہیں جسکی ایک دلیل یہی ہے کہ یہ بمبئی عجیب جگہ ہے یہاں کے لوگ بہت ہی زیادہ مشغول ہیں۔ جو تجارت میں لگا ہوا ہے وہ بھی مشغول ہے اور جو لوگ کارخانوں میں کام کرتے ہیں وہ بھی مشغول ہیں۔ بایں ہمہ دوشنبہ و سہ شنبہ جو کہ ان کی مشغولی کا دن ہوتا ہے کہ بازار بھی کھلا ہوتا ہے اور کارخانے بھی، ان ایام میں اتنے بڑے مجمع کا اکٹھا ہوجانا اور ایک مرتبہ نہیں مسلسل جمع ہونا یہ پتہ دیتا ہے کہ لوگوں کو حضرت سے کچھ فیض ہو رہا ہے اور حضرت کو لوگ کچھ سمجھتے ہیں۔ ورنہ بمبئی میں ایسے وقتوں میں دین کے لئے اتنا مجمع ہونا بڑا مشکل ہے۔

پھر یہ کہ بعض لوگ دور جگہ پاتے ہیں آواز بھی ان کو نہیں سنائی دیتی یا نئے نئے آتے ہیں اور حضرت کی باتوں کو کما حقہ سمجھ نہیں پاتے مگر دیکھا جاتا ہے کہ وہ بھی نہایت ہی ذوق و شوق سے آخر تک شریک رہتے ہیں اور دوبارہ پھر آتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو بھی حضرت کا فیض پہونچتا ہے اور حاضری صحبت سے وہ اپنے اندر کچھ سکون اور تسلی محسوس کرتے ہیں اسلئے کہا جاسکتا ہے کہ حضرت کے یہاں تشریف آوری سے بہت نفع ہے۔ لہٰذا اس چشمۂ فیض کو جاری رکھا جائے۔ انشاء اللہ تعالیٰ لوگوں کو اور زیادہ نفع پہونچے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو استفادے کی توفیق عطا فرمائے۔

مولانا ظل الرحمٰن صاحب نے جب تقریر ختم فرمائی تو ۹ سے زائد بج چکے تھے اور مجلس کا وقت پورا ہوگیا تھا اس لئے اسی پر مجلس ختم کردی گئی۔ اس کے بعد چند لوگوں نے احقر سے ملاقات کی اور نہایت تاثر کے ساتھ حضرت والا کو سلام کہلایا۔ ایک صاحب رو کر کہنے لگے کہ میں کل ہی

پہلی بار حضرت کی مجلس میں حاضر ہوا تھا اور حضرت کی باتوں سے بہت متاثر تھا۔ آج حضرت تشریف نہیں لائے اور یہ پیغام کہلا بھیجا۔ اس کا بڑا افسوس ہوا۔ سوا اپنی بدنصیبی کے اور کیا کہوں۔

ایک صاحب نے فرمایا کہ حضرت والا سے میرا سلام کہئے گا۔ اور فرما دیجئے گا کہ حضرت سے جو اہل بمبئی کو نفع ہوا اسکی مثال میں تو سمجھتا ہوں کہ جو لوگ اپنی موت مر چکے تھے ان میں زیست کے آثار الحمدللہ پیدا ہو چکے ہیں یعنی انھوں نے بھی حرکت کی ہے اور کروٹ لی ہے اور جو کہ بہت ہی زیادہ مریض تھے وہ اب معمولی سے مریض رہ گئے ہیں اور جنکی بیماری معمولی سی تھی وہ الحمدللہ بالکل اچھے چنگے ہو گئے ہیں۔

غرض عام طور سے لوگ متاثر تھے عوام و خواص سب ہی پر اثر تھا۔ اور لوگوں نے کہا کہ الحمدللہ آج گو حضرت والا تشریف نہیں لائے لیکن حضرت کے اس پیغام نے ہم کو بیدار کر دیا اور اپنے اثر و نتیجہ کے لحاظ سے گویا ہم آج بھی حضرت ہی کی مجلس میں موجود تھے اور حضرت کے فیض سے محروم نہیں ہوئے۔

راقم نے یہ ساری روداد واپس آکر حضرت والا سے عرض کی حضرت بہت ہی متاثر ہوئے اور آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ الحمدللہ ہمارے اس معاملہ کا لوگوں نے اتنا اثر لیا۔ مجھے یہ اندازہ نہ تھا کہ لوگ مجھے اتنا مانتے ہیں اور مجھ سے اتنی محبت رکھتے ہیں۔ چنانچہ حضرت نے بھی اپنے تاثر کا اظہار ان لفظوں میں کیا۔

حضرت والا کا تاثر بجواب تاثرات اہل بمبئی

فرمایا کہ ان حضرات سے میری جانب سے بھی یہ کہدیا جائے کہ :۔

آپ لوگوں نے جس محبت، تعلق اور تاثر کا ثبوت دیا ہے اس کی وجہ سے میرا قلب بھی متاثر ہے میرے تعلقات ہندوستان میں بہت لوگوں سے ہیں اور مجھے مختلف جگہوں پر جانے اور رہنے کا اتفاق ہوا ہے اگر لوگ اسی طرح سے متاثر ہوتے تب تو کام ہی بنجاتا۔ کیونکہ آپ حضرات نے اپنے جن تاثرات کو پیش کیا انھوں نے تو مجھے زندہ ہی کر دیا۔ اور میری ہمت کو قوی کر دیا۔ کام کا حوصلہ بلند کر دیا اور قلب میں ایک نئی روح پیدا کر کے عزم جدید پیدا کر دیا۔ چنانچہ جسقدر مسرور اور خوش میں نے اپنے کو کل پایا ہے ایسی خوشی مجھے عرصہ کے بعد نصیب ہوئی ہے اور بات یہی ہے کہ جب عوام و خواص کسی کی بات نہیں سنتے تو اس کی طبیعت بجھ ہی جاتی ہے اور جب یہ لوگ بھی کسی کی بات پر کان دھرتے ہیں اور

اس کی نصرت کے لئے آمادہ ہو جاتے ہیں تو کام کرنے والے میں بھی زندگی پیدا ہو جاتی ہے۔

اور یہ ظاہر ہے کہ جب انسان میں خود زندگی ہوگی تب ہی وہ دوسروں میں بھی زندگی پیدا کر سکتا ہے اور اگر کوئی خود ہی مردہ اور افسردہ ہو تو وہ دوسروں کو کیا زندہ کر سکے گا ؟

اس لئے آپ حضرات سے کہتا ہوں کہ آپ کا یہ تاثر میرے اندر حیاتِ نو کا موجب بنا۔ پس ہو سکتا ہے میں بھی آپ کے اندر کسی درجہ میں دینی زندگی پیدا ہو جانے کا سبب بن سکوں۔ اسلامی اور روحانی زندگی جو خاص مسلمانوں اور اللہ تعالےٰ کے نیک بندوں کو ہوا کرتی ہے وہ تو بڑی چیز ہے اس کے تو آپ کی طرح ہم بھی محتاج ہیں تاہم ہو سکتا ہے کہ ایسی دینی روح پیدا ہو جائے جو دین کی عظمت اور اس کی وقعت۔ شریعت و سنت سے محبت اور اللہ و رسول کی اطاعت پر آپ کو آمادہ کر دے جس کی وجہ سے آپ پر حق تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہونے لگے اور امتِ مسلمہ موردِ عنایات ربانی توالطاف رحمانی بنجائے۔

سنئے :-

ایک قاری صاحب حج کیلئے جا رہے تھے۔ بزرگ آدمی تھے۔ جہاز پر رات میں قرآن پاک پڑھتے تھے۔ ایک انگریز کپتان ان کے پاس سے گذرتا تھا اور قرآن شریف کی تلاوت سنتا تھا۔ بار بار سنتے سنتے اسکو اثر ہو گیا۔ چنانچہ ایک روز ان قاری صاحب سے جا کر کہا کہ جو آپ پڑھتے ہیں وہ کہاں ہے ؟ قاری صاحب نے کہا کہ پہلے غسل کر کے آؤ تب اسکو ہاتھ لگا سکتے ہو۔ وہ گیا اور غسل کر کے قاری صاحب کے پاس آکر ان کے ساتھ قرآن پڑھنے لگا۔ اسکو قرآن پڑھتا ہوا دیکھ کر اسکے ساتھی دوسرے انگریز اسکے سامنے آپس میں کہنے لگے کہ یہ تو مسلمان ہو گیا۔ وہ کہتا تھا کہ نہیں میں تو مسلمان نہیں ہوا ہوں۔ پھر جا کر قاری صاحب سے دریافت کیا کہ کیا میں مسلمان ہو گیا ہوں ؟ انھوں نے کہا ارے آج سے، تم تو اسی دن سے مسلمان ہو چکے جب غسل کر کے آئے اور قرآن شریف کی تلاوت شروع کی۔ کپتان نے کہا کہ جب یہ بات ہے تو اب میں اپنے مسلمان ہونیکا اعلان کرتا ہوں۔ بالآخر جدہ پہونچکر ملازمت سے استعفیٰ دیدیا اور قاری صاحب کیساتھ حج بیت اللہ کو چلدیا۔ سبحان اللہ ان قاری صاحب کی تلاوت کیسی کچھ رہی ہوگی جسکے تاثر سے انگریز مسلمان ہو گیا۔ ۔ ۔ آج اگر مسلمان نماز پڑھیں اور قرآن پڑھیں اور خشوع کے ساتھ پڑھیں اور خلوص اختیار کریں تو اب بھی بہت کام ہو سکتا ہے محض زبانی وعظ و تقریر سے کام نہیں چلے گا بلکہ دل میں ایمان پیدا کرنا ہوگا اسی سے کشود کار ہوگا۔ اسکی طرف توجہ کیجئے۔ اور اگر کسی کا وقت پایا ہے تو اسکی قدر کیجئے۔

(عمومی ہدایت برائے اہل بمبئی)

فرمایا کہ میں نے گذشتہ ہفتہ جو پیغام بھیجا تھا اس سلسلہ میں وہاں لوگوں نے یہ بھی کہا تھا کہ فلاں فلاں (چند معزز حضرات کا نام لیا کہ یہ) لوگ میرے پاس آکر (پیغام کے جواب کے سلسلے میں) زبانی بھی کچھ فرمائیں اسکے متعلق یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اسکی کیا ضرورت تھی؟ حضرت مولانا جب کسی سے خفا ہوتے اور وہ خوشامد کرتا تو فرماتے تھے کہ کیا میں خوشامد کا منتظر تھا؟ اسکو بہت ناپسند فرماتے تھے۔ بزرگوں کے یہاں اور اصلاح کے معاملہ میں خوشامد کیسی؟ اور اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ خوشامد سے ان حضرات کو راضی کرلیگا تو یہ ان سے پوری بداعتقادی ہے کہ اپنے شیخ کو خوشامدی سمجھتا ہے اسلئے آپ سے کہتا ہوں کہ اسکی کیا ضرورت ہے اور دین کے معاملہ میں یہ سب کیا ہے میرا مقصد تو اس پیغام اور سوال سے یہ تھا کہ آپ سب لوگوں کو عمل کی ترغیب دوں اور کام کرنے پر آمادہ کروں اسلئے کہ عمل کا وجود تو عمل کرنے ہی سے ہوگا اور یہ ہر ہر شخص کا ذاتی فعل ہے۔ اسکے لئے قولی نمائندگی کافی نہیں ہے یعنی بالفرض اگر شہر کے چند معزز حضرات نے مجھ سے آکر کچھ کہہ بھی دیا تو اس سے کیا ہوا؟ اس سے زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہوگا کہ ان حضرات کو بے اعتنائی نہیں ہے بلکہ میری جانب اور میرے کام کی جانب اعتنار ہے، لیکن اور دوسرے لوگ بھی عمل پر لگ گئے ہیں یا لگنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو محض ان حضرات کا تشریف لانا اس کا توضامن نہیں ہوسکتا۔ اور میرا مقصد اس پیغام سے یہی تھا کہ عام لوگوں کے خیالات اور رجحانات کا اندازہ لگاؤں۔

باقی یہ تو میں بھی سمجھتا ہوں کہ بہت سے لوگوں نے میری باتوں کا اثر لیا ہے اور وہ لوگ میرے کام کی قدر کرتے ہیں، مجھ سے کچھ سیکھنا اور حاصل کرنا چاہتے ہیں انکی طلب کا اندازہ ان کے طرز عمل سے ہو رہا ہے اور ایسے لوگوں کو میں خوب جانتا ہوں۔ اور یہ سب اسلئے کرتا ہوں کہ جانتا ہوں کہ احکام شرعیہ پر لوگوں کو لگانا اور مسلمانوں کو دین پہونچانا اس زمانہ میں آسان نہیں ہے اس لئے پہلے ان میں طلب اور دین کا شوق پیدا کرنا ہوتا ہے، اور

مشکل چیز ہے آپ کو کیا معلوم بزرگوں کو اس معاملہ میں کتنی مشقتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں اور کسقدر یہ حضرات فکرمند رہتے ہیں۔

ایک بزرگ نے آخر وقت میں کہا کہ اب اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا وقت ہے اب امت محمدیہ علی صاحبہا السلام والتحیۃ کی باگ ہم فلاں کے ہاتھ میں نہیں دیں گے تو دیکھئے کہ جو امانت انکو بزرگوں سے ملی تھی اسکی فکر تھی کہ نا اہل کو کیسے حوالہ کردیں خدا تعالیٰ سوال فرمائیں گے تو کیا جواب دیں گے اور اہل کوئی نظر آتا نہیں پس کس طرح اس دین کی گاڑی کو آگے بڑھایا جائے۔ اب کام کے لوگوں کا پیدا کرنا کتنی مشکل چیز ہے؟ وعظ کہدینا آسان ہے اور کسی کو پاکر اسکے بدن پر گرنا (یعنی کسی سے صرف بدنی اور ظاہری قرب حاصل کرنا) یہ بھی بہت زیادہ آسان ہے اس میں لگتا ہی کیا ہے ابھی چلو دکھلا دیں کہ مصافحہ کے لئے کتنے لوگ گرے پڑتے ہیں اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ مجھ کو بہت ہی مانتے ہیں لیکن اگر کوئی عملی اور کام کی بات کہدوں تو سب بھاگ نکلیں گے الا ماشاء اللہ میں کہتا ہوں کہ یہ کیا؟ ایک جانب تو اتنا اعتقاد اور ایک طرف ایسی بدعقیدگی! یہی آج زمانہ کا حال ہے۔

تو لوگوں کا یہ حال چونکہ جانتا ہوں اس لئے پوچھ لیا تھا کہ آپ لوگوں کا یہ آنا جانا آخر کس مد میں ہے؟ اس میں علماء اور امراء ہی سے خطاب نہیں تھا بلکہ سب لوگ اسکے مخاطب تھے اہل اللہ ظاہر سے راضی نہیں ہوں گے ان کے یہاں خلوص، صدق اور طلب ان امور کو پیش کرو۔

اور کام کی بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آؤ۔ اپنے گھر میں دین پھیلاؤ۔ اپنے بچوں کو دین سکھلاؤ اس طرح سے کہ انکا نشو و نما دینی ماحول میں ہو، وہ لوگ اپنے کو مسلمان بنائیں اسی پر زندہ رہیں اور اسی پر مریں۔ غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح امتی بنیں۔ یہ سب کام کرنے کے ہیں۔

اسی کو کہنا چاہتا تھا کہ دین کے جاننے کی ضرورت ہے۔ حلال و حرام کے جاننے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں جو پیشی ہونے والی ہے اسکے جاننے اور پیش نظر

رکھنے کی ضرورت ہے ۔ جب دنیا میں پیدا ہوگئے ہو تو اب تو حسن عمل کا مطالبہ ہوگا ہی اور برے اعمال پر مواخذہ بھی ہوگا ۔

مشکوٰۃ شریف میں ایک حدیث ہے کہ ایک صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ لوگوں میں سے سب سے اچھا کون ہے ؟ آپ نے فرمایا کہ جسکی عمر زیادہ ہو اور عمل اچھے ہوں ۔ پھر انھوں نے دریافت کیا کہ سب سے برا کون شخص ہے ؟ آپ نے فرمایا کہ جس کی عمر زیادہ ہو اور عمل برے ہوں ۔

پہلے زمانہ میں جوان لوگ بوڑھوں کا بہت زیادہ ادب اور احترام کرتے تھے اور ان کے ساتھ تواضع سے پیش آتے تھے اس خیال سے کہ انکی عمر زیادہ ہے تو عمل صالح بھی ان کے زیادہ ہونگے ۔ اسی طرح سے بوڑھے بھی جوانوں کے ساتھ تواضع کے ساتھ پیش آتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ تم لوگ ہم سے اچھے ہو اسلئے کہ تمھاری عمر کم ہے تمھارے گناہ بھی ہم سے کم ہیں ۔

سبحان اللہ! عمل صالح پر ابھارنے والا اس سے بڑھکر اور کون سا مضمون ہوسکتا ہے یہی سب باتیں آپ کو سنانا چاہتا ہوں اور سمجھانا چاہتا ہوں ۔ اور میں کیا سمجھا سکتا ہوں قلب میں کسی بات کو اتارنا یہ اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے ایک مولانا صاحب جو کہ اچھے آدمی تھے صاحب دل بھی تھے ایک جگہ گئے مسجد کو دیکھا کہ بالکل ویران ہے لوگوں نے کہا کہ حضرت یہاں فلاں شخص بااثر آدمی ہے اگر یہ نماز پڑھنے لگے تو سب لوگ پڑھنے لگیں گے ۔

مولوی صاحب نے اس سے کہا اس نے جواب دیا کہ نماز تو پڑھ سکتا ہوں لیکن وضو کرنا میرے لئے ایک مشکل امر ہے ۔ مولانا نے فرمایا اچھی بات ہے آپ بلا وضو ہی کے نماز پڑھ لیا کیجئے ۔ چنانچہ مسجد گئے اور نماز کے لئے کھڑے ہوئے مولانا نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ آپ کے دربار میں میں نے اس کو لا کھڑا کر دیا ہے بس اتنا ہی میرے بس میں تھا اب اسکے قلب کو دین کی طرف پھیرنا یہ آپ کے اختیار میں ہے آپ اسکے قلب کو پھیر دیجئے چنانچہ اسکے بعد سے وہ باوضو نماز پڑھنے لگا ۔

بہرحال دین حق پہونچانے والے اللہ کے کچھ بندے ہر زمانہ میں رہیں گے ۔

تھوڑے ہوں گے لوگوں میں اجنبی اور غیر معروف ہوں گے مگر ہوں گے ضرور اور ایسے
لوگوں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشخبری دی ہے چنانچہ ارشاد فرمایا ہے
کہ بدئی الاسلام غریبًا وسیعود غریبًا کما بدئی فطوبی للغرباء من امتی قیل
یا رسول اللہ ومن الغرباء من امتک قال الذین یصلحون ما افسد الناس
من بعدی من سنتی ۔ یعنی اسلام کی ابتداء غربت میں ہوئی ہے یعنی وہ لوگوں
کے نزدیک اجنبی اور غیر مانوس تھا پھر ابتداء ہی کی مانند آخر میں بھی غریب ہو جائے گا
پس امت کے جو غرباء ہیں ان کے لئے خوشخبری ہے ۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ آپ کی
امت کے غریب لوگ کون ہیں؟ فرمایا کہ وہ لوگ غریب ہیں جو میری ان سنتوں (طریقوں)
کی اصلاح کر دیں جنھیں لوگوں نے میرے بعد فاسد کر دیا ہے ۔

یہ کہہ رہا ہوں کہ آئیے کچھ کام کیا جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
ان بشارات سے کچھ حصہ حاصل کیا جائے ۔ مومن جتنی بھی ترقی کرتا ہے وہ اپنے عمل
صالح کی بنا پر کرتا ہے، اصل چیز ایمان ہے پھر عمل صالح سے اس میں اور ترقی ہوتی
رہتی ہے عملوا الصلحت کی ترقی کو آپ سمجھ بھی نہیں سکتے ۔ ایک صاحب نے کل ہی
کہا کعبہ کے پاس بیٹھا رو رہا تھا کہ بس ایسا معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ جاؤ معاف کر دیا
جو ترقی عمل کے ذریعہ ہوتی ہے وہ عمل ختم ہونے کے بعد ختم ہو جاتی ہے اور
ایمان کے ذریعہ سے جو ترقی ہوتی ہے تو مرنے کے بعد بھی چونکہ ایمان باقی رہتا ہے اسلئے
وہ بھی باقی رہتی ہے ۔

اسی بات کو سمجھانا چاہتا تھا، جو کچھ پیغام کہلا بھیجا تھا ۔ آپ لوگوں نے سمجھا
کہ ہم خوشامد چاہتے ہیں خوشامد تو ہم آپ کی کریں، یہ سب کیا آئیے مل جل کر کچھ کام
کیا جائے ۔ دین کے کام کے لئے دنیا مانع تھوڑا ہی ہے اسکو معین بنانا چاہیئے ۔ اسی
میں نے پہلے آپکو حدیث سنائی تھی کہ لا بأس بالغنیٰ لمن اتقی اللہ عزوجل والصحۃ
لمن اتقی خیر من الغنی وطیب النفس من النعیم اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم
نے تین چیزوں کا ذکر فرمایا ہے ایک تو غنیٰ کا دوسرے صحۃ کا تیسرے طیب نفس کا

یعنی یہ فرمایا کہ متقی شخص کے لئے غنیٰ اور مالداری میں کچھ مضائقہ نہیں ہے اور متقی آدمی کو اگر صحت کی دولت مل جائے تو یہ اس سے بھی بڑھکر اور طیب نفس یعنی طبیعت کا خوش رہنا یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت ہے اور حضرت سفیان ثوریؒ کا قول بھی سنایا تھا کہ مال کا ہونا پہلے زمانہ میں مکروہ سمجھا جاتا تھا بہرحال اس زمانہ میں تو وہ مومن کی ڈھال ہے۔ اور یہ فرمایا کہ اگر ہمارے پاس یہ دنانیر نہ ہوتے تو امراء اور سلاطین توہمکو صافی بنا لیتے۔ اور یہ فرمایا کہ جس کے پاس کچھ مال ہو وہ اسکو تجارت وغیرہ کرکے بڑھائے اسلئے کہ ایسا زمانہ ہے کہ اگر آدمی حاجت مند ہوا تو سب سے پہلے اپنے دین ہی پر ہاتھ صاف کرے گا۔ اور یہ فرمایا کہ حلال آمدنی اسراف کی متحمل نہیں ہوا کرتی۔

آج دنیا جو ہمارے پاس نہیں ہے تو اسلئے کہ اخلاق ہمارے پاس نہیں ہے جب اخلاق آدمی میں ہوتا ہے تو دنیا بھی آتی ہے۔ اور دین ہو یا دنیا ان دونوں کی درستگی عقل پر موقوف ہے جسقدر عقل زیادہ ہوگی اسی قدر آدمی دین کو بھی سمجھے گا اور دنیا کو بھی سمجھے گا۔ دنیا کو بھی پہچانے گا اور آخرت کو بھی پہچانے گا، خدا کو بھی پہچانے گا رسول کو بھی پہچانے گا۔ اور دنیا کے زہر کو جو چیز مارنے والی ہے وہ فکر آخرت ہی ہے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ فکر الآخرة اذا استولی علی قلب المومن لا یترک شیئاً من الدنیا۔ یعنی فکر آخرت جب قلب مومن پر مسلط ہو جاتی ہے تو پھر دنیا کے لئے کوئی جگہ نہیں چھوڑتی۔

غرض یہی ایمان، عمل صالح اور فکر آخرت کو قلب میں پیدا کرنے کے لئے کچھ کہتا سنتا رہتا ہوں اور اسی کا جائزہ لیتا رہتا ہوں کہ کچھ فکر پیدا ہوئی یا نہیں؟ اور اس میں شک نہیں کہ یہ چیزیں ملتی ہیں اہل اللہ ہی سے، جب تک کسی اہل اللہ کو نہیں پاؤ گے ایمان نہیں پاؤ گے۔ اور اہل اللہ کا پانا بھی مشکل ہی سے ہوتا ہے۔

ایک دفعہ حضرتؒ بیٹھے ہوئے تھے ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ہملوگ اللہ تعالیٰ کو تو کیا پہچان سکتے ہیں آپ کا بھی پہچاننا آسان نہیں ہے حضرت ان کے اس کہنے سے بہت خوش ہوئے اور ہم لوگ بھی ان کے بہت ممنون

ہوئے کہ ایسی بات کہدی کہ حضرت کو خوش کر دیا۔ سبحان اللہ

بس یہی کہنا ہے کہ ایمان درست کرو اور اس کے لئے کسی مومن کو تلاش کرو بدون مومن کامل کی صحبت کے ایمان کامل کبھی نہیں پاؤ گے"۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے ان جواہر پاروں کو مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آدمی اگر صدق دل کے ساتھ اس مضمون کا بار بار مطالعہ کرے تو انشاء اللہ تعالیٰ' اللہ تعالیٰ سے اسکو تعلق ضرور پیدا ہو جائیگا۔ ابتداءً بظاہر تو عتاب نامہ تھا مگر انتہا کس قدر شفقت و محبت اور قلبی درد کا مظہر ثابت ہوا اہل بمبئی تو سمجھے کہ حضرت والا ان سے ناراض ہو گئے ہیں لگے خوشامد کرنے اور وہاں حالات کا جائزہ مقصود تھا اور اصل کارپر لگانا منظور تھا۔ اور نہ صرف اپنے سے بلکہ دین سے' دیانت سے' رسولؐ سے اور خدا تعالیٰ سے قریب کرنا چاہتے تھے۔ حضرت خواجہ صاحب رح کا کہا ہوا شعر یہاں پر بھی کسقدر چسپاں ہے فرماتے ہیں کہ ؎

عجب سرکار ہے ان کی ستم ہی میں کرم دیکھا
وہی مقبول ہوتا ہے جسے وہ دور کرتے ہیں

نوٹ!

غلطی سے سات صفحات چھوٹ گئے تھے بعد میں شامل کئے گئے ہیں اسلئے صفحات کی ترتیب میں تسلسل نہیں ہے لیکن مضمون مسلسل ہے۔
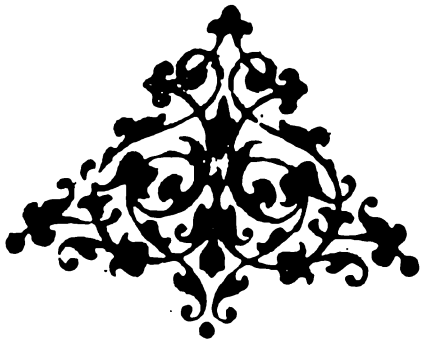
گذشتہ صفحات میں ناظرین نے یہ ملاحظہ فرمایا کہ صابو صدیق انسٹی ٹیوٹ کے پرنسپل صاحب سید شہاب الدین دسنوی نے اپنے انسٹی ٹیوٹ کے ہال کی پیشکش خود فرمائی کہ ہفتہ میں دو دن حضرت یہاں مجلس فرمایا کریں چنانچہ یہ سلسلہ شروع ہوگیا، ایک موقع پر حضرت والا وہاں تشریف نہ لیجاسکے اور اہل مجلس کے نام یہ تحریر ارسال فرمائی کہ :۔

" آپ حضرات کی توجہ اور تاثرات تو معلوم ہورہے ہیں
یہ خوشی کی بات ہے اللہ تعالےٰ آپ لوگوں کو خوش رکھے
آج میں وہاں نہیں آیا تھک گیا تھا، ہمت نہیں ہوئی اسکی
معذرت چاہتا ہوں اور اب یہ چاہتا ہوں کہ بجائے دو دن کے
ایک ہی دن آیا کروں ۔ اتوار کو تو سب ہی لوگ یہاں آسکتے ہیں
پیر کے دن میں وہاں آجایا کروں یا کوئی آدمی چلا جائے گا دو دن
مجھے بار ہوتا ہے ۔ اسلئے ایک ہی دن پر اکتفا کرتا ہوں "

حضرت والا کا اصول اپنے کام کے سلسلے میں چونکہ یہ تھا کہ کام ایک جگہ جم کر کرنا چاہیئے ۔ بمبئی میں یہاں کے مخصوص حالات کی بناء پر حضرت والا نے اپنی مجلس کو دو جگہ تقسیم فرما رکھا تھا دو دن انسٹی ٹیوٹ کے ہال میں اور پانچ دن کرلا میں چنانچہ جب لوگوں میں فی الجملہ طلب پیدا ہوگئی اور دین کا شوق اور اہتمام غالب ہوگیا تو مذکورہ بالا تحریر کے ذریعہ لوگوں کو متوجہ کیا کہ یہ انتشار ٹھیک نہیں شرکت مجلس کے لئے سب کو کرلا ہی آنا چاہیئے یوں میں آپکی رعایت سے ایک دن شہر بمبئی آجایا کرونگا پھر اسکے بعد اسی نہج پر کام ہوتا رہا یہاں تک کہ لوگوں کے امتحان کا ایک دوسرا مرحلہ پیش آیا جو اہل بمبئی کے نام سابقاً عرض کیا جا چکا ہے ۔

غالباً اسی سفر میں ایک معاملہ یہ پیش آیا کہ ۱۲ ربیع الاول کے موقع پر حضرت والا نے بمبئی کے مخصوص حضرات کے نام ایک دعوت نامہ

بھیجا جس کا مضمون یہ تھا ۔

"چونکہ آج کا دن متبرک ہے اور آج کی شب متبرک ہے اسلئے آپ لوگوں سے آج ایک بات کہتا ہوں وہ یہ کہ سب لوگ کہتے ہیں کہ یہاں آنے کے بعد سے عام لوگوں کے حالات میں تبدیلی پیدا ہوگئی ہے اور وہ روزافزوں ہے تو وہ ٹھیک کہتے ہوں گے لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ لوگوں کے اس خیال میں زیادہ حصہ آپ ہی حضرات کا ہے جب تھوڑی سی توجہ کا لوگ یہاں اتنا اثر بتا رہے ہیں تو اگر ایک معتدبہ جماعت پوری طرح سے دین پر لگ جائے تو ظاہر ہے کہ اسکی وجہ سے میں کسقدر قوی ہوجاؤنگا اور میری بات کتنی وقیع اور وزنی ہوجائیگی جس کا ایک نفع ظاہری تو یہ ہوگا کہ یہاں کے اطراف و جوانب میں نیز ہند کے دوسرے حصوں میں بھی میں کام کرسکوں گا اسلئے آپ حضرات کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچے تعلق اور اتباع سنت کی توفیق کی بھی دعا کرتا ہوں اور اس خوشی میں چاہتا ہوں کہ آپ حضرات کو دین کی، اخلاق کی اور اتباع سنت کی دعوت بھی دوں لہٰذا آپ لوگ آئیے "

اس اثنا میں موسم معتدل ہوچکا تھا اور حضرت والا الہ آباد تشریف لانا چاہتے تھے لیکن اہل بمبئی کی محبت اور خلوص کیوجہ سے قیام بمبئی کا ترک بھی طبع مبارک پر بار تھا اسلئے اہل بمبئی کے نام ایک تحریر ارقام فرمائی جس میں اپنے خیال اور انکی رعایت دونوں کا تذکرہ ہے

(تحریر بنام اہل بمبئی)

آپ حضرات کو معلوم ہے کہ دین کا کام بہت وسیع کام ہے

اسکے سیکھنے سکھلانے کے لئے ایک معتد بہ مدت چاہیئے تاہم میرے اس دفعہ کے قیام میں آپ لوگوں نے دینی باتوں کا جو اثر لیا اور تعلیمات کو قبول کیا اور اس سلسلہ میں جس اخلاص کا ثبوت دیا اس سے میں بھی متاثر ہوں اب اسکا تقاضا یہ ہے کہ میں یہیں اور رہ کر کام کروں لیکن یہ بھی آپ حضرات جانتے ہیں کہ الہ آباد سے میرا تعلق وطن جیسا ہوگیا ہے وہاں میں نے مکان لے لیا ہے مدرسہ قائم کیا ہے اور کئی سال تک لوگوں کو دین کی جانب متوجہ کرتا رہا ہوں چنانچہ الحمدللہ وہاں بھی ایک دینی ماحول پیدا ہوگیا ہے اسلئے وہاں کی نگرانی بھی ضروری ہے تاکہ یہ محنت رائیگاں نہ جائے اور لوگ سست نہ ہوجائیں نیز آنے جانے والوں سے اب یہ بھی معلوم ہوا کہ موسم وہاں کا بھی اب معتدل ہوگیا ہے بارش ہوگئی ہے اور گرمی ختم ہوگئی ہے خطوط بھی لوگوں کے اس مضمون کے آئے اسلئے اس سے خیال ہوتا ہے کہ لوگ صحیح کہہ رہے ہیں ۔ پھر یہ کہ الہ آباد میں ہونے کی صورت میں قرب وجوار کے لوگوں کے لئے آنا جانا بھی آسان ہوگا۔

اسلئے آپ حضرات سے کہتا ہوں کہ اب میں وطن چلا جانا چاہتا ہوں کیونکہ مجھے کام کرنا ہے اور اسکا یہی وقت ہے۔ میں وہاں کے لوگوں سے یہی کہکر آیا تھا کہ جارہا ہوں آپ لوگ میری صحت کے لئے دعا کیجئے صحت اچھی رہیگی تو آنا جانا کیا مشکل ہے جارہا ہوں وہاں کچھ کام کرکے پھر چلا آؤنگا۔ یہی اسوقت آپ حضرات سے بھی کہتا ہوں کہ یہاں آنے سے مجھے صحت کا فائدہ ہوا چنانچہ الحمدللہ آجکل ایسی صحت پارہا ہوں کہ کہیں آنا جانا مجھ پہ

بار نہوگا اور پھر مجھے آپ لوگوں کا خیال بھی ہے۔ میں نے حکیم اجمیری صاحب سے کہدیا ہے کہ میری عدم موجودگی میں وہ مجلس کو بدستور باقی رکھیں گے اور آپ حضرات سے کچھ دینی باتیں کیا کریں گے۔

اور آپ حضرات سے بھی کہنا چاہتا ہوں کہ جس سلسلہ کو آپ حضرات نے شروع کیا ہے اور جس دینداری کا ثبوت دیا ہے اسمیں زیادتی ہی کی کوشش کریں گے یعنی دینداری کا یہ سلسلہ اپنی ذات سے متعدی کر کے اپنے دوست احباب، عزیزو اقارب بلکہ برادری بلکہ پوری بمبئی کے لوگوں تک پہونچانے کی سعی کرینگے۔ اللہ تعالےٰ کی نصرت اور میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں اور میں اسی پر بس نہ کروں گا بلکہ اپنی عدم موجودگی کے ان ایام میں بھی ہدایات اور مضامین سے آپکی اعانت کرتا رہونگا اور میرا یہ جانا عارضی ہوگا یعنی وہاں کچھ کام کر کے اور لوگوں کو کام پر لگا کر کے بلا انتظار موسم بھی انشاءاللہ جلد ہی آجاؤں گا۔

میں نے اپنا خیال اور مصالح اور وجوہ آپ کے سامنے بیان کیں اب اسکے متعلق آپ حضرات کے خیالات معلوم کرنا چاہتا ہوں اسکے متعلق کچھ ارشاد فرمائیے؟"

والسلام

اور غالباً یہی سفر تھا جس میں حکیم منظور احمد صاحب جون پوری بمبئی تشریف لے گئے کرلا میں قیام کیا اور حضرت والا کے قیام فرمانے کیجگہ بمبئی ہو یا جونپور ہو اور کس جگہ کو مرکز بنا کر کام کیا جائے اس مسئلہ کے مشورہ میں شریک ہوئے اس کے بعد حضرت والا نے اہل بمبئی سے ایک سوال فرمایا:-

"محبی حکیم منظور احمد صاحب اور عزیزم مولوی عبدالحلیم صاحب کو

آپ لوگ جانتے ہیں ان حضرات کا یہ خیال ہے کہ جونپور
میں بہ نسبت الہ آباد کے گرمی کم پڑتی ہے لہٰذا گرمی
کے موسم میں بھی وہیں قیام کروں۔ اور اس
اطراف میں (یعنی الہ آباد۔ لکھنؤ اور علی گڑھ
میں) کام کرنے کے لئے مرکز جون پور ہی کو بناؤں۔
چنانچہ اس کے لئے ان حضرات نے کوشش بھی
شروع کر دی ہے یعنی میرے رہنے کیوجہ سے
اطراف واکناف سے جو عوام و خواص آنے شروع
ہو جاتے ہیں ان کے رہنے کے لئے نیز میرے رہنے
کے لئے بستی سے باہر کھلے میدان میں ایک عمارت
بنوا رہے ہیں
اس سلسلہ میں آپ حضرات سے کہتا ہوں
کہ آپ لوگوں کا کیا خیال ہے آپ بھی یہ چاہتے
ہیں یا نہیں کہ یہاں کے لوگوں کو نفع پہونچے اور عوام کو
... دین کی جانب متوجہ کیا جائے اور شہر بمبئی کو
مرکز بنا کر اطراف و مضافات میں کچھ کام کیا جائے اسکے
متعلق آپ لوگوں سے معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آپ نے
کیا سوچ رکھا ہے"۔

اسی سلسلہ میں ایک اور تحریر حضرت والا کی جانب سے ان حضرات
کے نام گئی :۔

مکرمی جناب منیر احمد صاحب و ذکی اللہ صاحب و حاجی
سلیمان صاحب۔ حاجی حسین و عثمان بھائی صاحب
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

حضرت والا مدظلہٗ العالی نے فرمایا ہے کہ آپ لوگ جانتے ہیں کہ جونپور کے لوگ یہ چاہتے تھے کہ میں وہاں ہی رہوں اور اسکو مرکز بناؤں لیکن یہاں کے لوگوں نے کہا ہے کہ اسکی کیا ضرورت ہے۔ صحت کے لحاظ سے نیز کام کے اعتبار سے بمبئی ہی زیادہ مناسب ہے کہ اسی کو مرکز بنایا جائے یہیں سے اور جہاں جہاں کام کرنا چاہینگے ہم لوگ حضرت کو لے چلیں گے چنانچہ ان لوگوں نے کہا تھا کہ ہم جون میں آویں گے لینے کے لئے مگر منع کر دیا گیا۔

اب آپ سے کہتا ہوں کہ جب یہاں رہنا ہے تو میں ہفتہ میں دو دن دوڑ دوڑ کر بمبئی کیوں جاؤں سلیمان بلڈنگ بمبئی ہمارا قیام ہے یہ ہماری جگہ ہے بس جس طرح ہفتہ کے اور ایام میں یہاں مجلس ہوتی ہے پیر و منگل کو بھی یہیں ہوا کرے جسکو آنا ہو اور طالب ہو وہ آئے اور جسکو نہ آنا ہو دنیا کی وجہ سے فرصت نہ ملتی ہو وہ نہ آئے ہم طالب کیوں بنیں اسکے متعلق آپ لوگ کچھ فرمایئے

اہل بمبئی نے اسکے جواب میں یہ عرض کیا جو مندرجہ ذیل ہے:۔

(۱) ہماری نظر میں یہاں کام اب شروع ہوا ہے لوگوں کی زیادہ سے زیادہ توجہ بڑھ رہی ہے

(۲) ہم لوگوں نے بھی اپنی اصلاح کے ساتھ ساتھ اوروں کو بھی ترغیب دینا شروع کیا ہے اور امید سے زیادہ کامیابی ہو رہی ہے

(۳) حضرت والا کی توجہ اور شفقت سے اگر بمبئی کی اصلاح ہو گئی تو یہ سارے ہندوستان بلکہ دیگر اسلامی ممالک میں بھی اس سے فائدہ پہونچے گا کیونکہ یہاں ساری دنیا کے لوگ بستے ہیں

(۴) ہم لوگوں کی انتہائی دعا ہے کہ اللہ پاک حضرت والا کو

صحت کامل عطا فرمائے اور ہم لوگوں کی اصلاح فرمائے حضرت والا کے جون پور جانے کی اطلاع روحانی تیمی جیسی ہے ہم لوگ کسی طرح نہیں چاہتے اور اسکے لئے دعا کرتے ہیں۔

(۵) بمبئی کا موسم اور معالج کی سہولت حضرت خود محسوس فرماتے ہیں موسم گرما کا مزاج نہیں بدل سکتے جبکہ جونپور والوں کو معلوم ہے کہ حضرت والا کا مزاج لطیف ہے اور گرمی کا تحمل دشوار ہے۔

(۶) ہم لوگوں کی انتہائی خواہش ہے اور اسکے لئے دعا بھی کر رہے ہیں کہ اللہ پاک اپنے فضل خاص سے حضرت والا کو یہاں بمبئی میں قیام کی زیادہ سے زیادہ آسانیاں فراہم فرمائے اور اسکے لئے زیادہ سے زیادہ ہم لوگوں کو سہولت سلے ہم لوگ ہر طرح کی خدمت کرنے کے لئے اللہ پاک سے توفیق مانگتے ہیں

(۷) حضرت والا کی شفقت اور برکت سے جو تبدیلیاں ہم لوگ اپنے میں دیکھ رہے ہیں یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا احسان و کرم ہے ورنہ ہم لوگ پہلے بالکل شیطان کے راستہ پر پڑ چکے تھے۔ اب حضرت والا کو پاکر کیسے دوسری چیز سوچ سکتے ہیں۔ پھر ہمارا ٹھکانا کہاں ہوگا۔ ابھی دو روز پہلے حکیم صاحب موصوف نے خود اس امر کا اعتراف کیا کہ جوانوں کا رحجان بہت مستحسن ہے۔

دیگر

مکرم و محترم حضرت والا دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

حضرت والا دامت برکاتہم کی خصوصی توجہ شفقت اور محبت ہم لوگوں کو اللہ پاک کے فضل سے حاصل ہے یہ اللہ پاک کی رحمت ہے اب اسمیں دوسری بات ہم لوگ کیسے سوچ سکتے ہیں کہ حضرت والا کی جدائی

ہم سے نہو اللہ پاک ہمیشہ ہمیشہ ساتھ رکھے اور قرب کے
فوائد سے نوازے۔

حاجی حسین منیر احمد

مذکورہ بالا مضامین سے ناظرین کو حضرت والا کے ایک
مخصوص طریق کار کا علم ہوا ہوگا وہ یہ کہ اہل بمبئی اور اہل جون پور
دونوں حضرات کی یہ خواہش رہی کہ حضرت والا انھیں کے یہاں قیام فرمائیں
حضرت والا نے اس فیصلہ کو انھیں کے حوالہ کر دیا تاکہ حضرت کا تعلق
سبھی حضرات سے یکساں طور پر ثابت رہے اور حضرت کا فعل
کسی جماعت کی دل شکنی کا باعث نہ بنے۔
بہرحال حضرت والا نے یہی فیصلہ فرمایا کہ بمبئی میں قیام
رہے اور یہی حضرت کے کام کا مرکز رہیگا۔ یہیں سے الہ آباد۔ جونپور
علی گڈھ۔ لکھنؤ جہاں بھی چاہیں گے تشریف لیجائیں گے۔
اسی سفر میں ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ مالیگاؤں سے بعض حضرات
تشریف لائے اور انھوں نے حضرت والا سے مالیگاؤں چلنے کی
درخواست کی ان میں ایک مولوی صاحب بھی تھے جو حضرت والا
کے قدیم خدام میں سے تھے۔ حضرت والا نے ابتداءً انکار فرمانے
کے بعد انکے اصرار پر سفر فرمانا منظور کر لیا، تاریخ بھی متعین ہو گئی
اور طے یہ ہوا کہ تاریخ روانگی سے ایک دن پہلے یہی مولوی صاحب
تشریف لائیں گے اور انھیں کے ہمراہ سفر کیا جائے گا۔

مالیگاؤں کے اس سفر کا وعدہ فرمانا اور پھر اسکے ملتوی ہو جانے کی وجہ حضرت والا کی ایک مجلس کی تمہید میں راقم نے مفصل عرض کی ہے ۔ حضرت والا کی وہ مجلس معہ تمہید کے ہدیۂ ناظرین ہے ۔ رسالہ معرفت حق مجریہ اکتوبر ۶۹ء اور نومبر ۶۹ء میں بعنوان "اصول و نظم" یہ مضمون مذکور ہے ۔ چونکہ اس مضمون کو چھپے ہوئے ایک عرصہ گذر چکا ہے اسلئے بہت سے حضرات کیلئے تو نئی چیز ہوگی اور دوسروں کیلئے بھی اس میں انشاء اللہ تعالیٰ قند مکرر کا لطف آئیگا ۔ وھو ہٰذا ۔

(اصول و نظم)

" بعض حضرات کے اصرار پر مالیگاؤں تشریف لے جانیکا وعدہ فرمالیا اور اُن حضرات سے فرمایا کہ تاریخ اور وقت مقرر کر لو جس دن کہو چلوں شنبہ کا دن تھا یہ خیال کرتے ہوئے کہ اتوار کو مجلس تک واپسی نہ ہو سکے گی اور اس دن تعطیل ہونے کی وجہ سے زیادہ لوگ مجلس میں آتے ہیں اور بہت سے تو ایسے ہیں جو صرف اتوار اتوار ہی آسکتے ہیں اس لئے احباب میں مشورہ یہ ہوا کہ اتوار کے بعد دوشنبہ یا منگل سفر کے لئے مقرر کر لیا جائے اس کی تعیین حضرت والا کی رائے پر رکھی گئی حضرت نے فرمایا کہ ہاں اتوار کو تو نہ جاؤں گا اس کے بعد دوشنبہ ہی مقرر کر دو لیکن ایک مولوی صاحب جو وطن ہی کی طرف کے تھے اور داعین میں سے تھے ان کا یہ خیال ہوا کہ میں مالیگاؤں چلا جاؤں اور وہاں انتظام کے لئے لوگوں سے کہدوں اور پھر واپس آکر حضرت والا کے ہمراہ چلوں اس لئے بجائے دوشنبہ کے سفر کے لئے سہ شنبہ کا دن صبح کی گاڑی رکھی جائے ۔ حضرت والا نے یہ سُن کر فرمایا کہ اچھی بات ہے ۔

ارادہ سفر معلوم کر کے بہت سے حضرات ہمراہ جانے کے لئے تیار ہو گئے اپنے اپنے دفتروں اور کارخانوں سے رخصت لے لی ۔ چار حضرات الٰہ آباد واپس جانے والے تھے سیٹ ریزرو ہو چکی تھی ۔ محض سفر مالیگاؤں میں معیت کے خیال سے انھوں نے ٹکٹ واپس کر دئے یہاں ہم لوگوں نے حضرت والا کے ساتھ جانے والی چیزیں اور سامان سب باندھ لیا اس خیال سے کہ کل صبح بعد نماز فجر یہاں سے روانہ ہونا ہے ٹکٹ بھی سب لوگوں کے لے لئے گئے ۔ دوشنبہ کی شام کو حضرت والا نے دریافت فرمایا کہ مالیگاؤں سے کوئی نہیں آیا ۔ ایک صاحب سے معلوم ہوا کہ جو مولوی صاحب آنے والے تھے وہ بیمار ہو گئے اور یہ اطلاع آئی ہے کہ دوسرے لوگ لینے جارہے ہیں چنانچہ عشا کے بعد تک انتظار رہا بالآخر یہ اطلاع ملی کہ جو لوگ آرہے تھے ان کی گاڑی چھوٹ گئی آخر شب میں حضرت والا نے کچھ لوگوں سے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہئے وہاں سے تو کوئی آیا نہیں اس طرح سے بالکل ایک نئی جگہ چلے جانا اصولاً بہتر نہیں معلوم ہوتا چنانچہ یہی طے

ہو گیا کہ سفر نہیں ہوگا۔

لوگوں کی اس بدنظمی کی وجہ سے حضرت والا کو بہت تکلیف ہوئی خاص کر اس وجہ سے کہ بہت سے لوگوں کو پریشانی ہوئی۔ اہل الٰہ آباد کا ٹکٹ بلا وجہ واپس کیا گیا اہل بمبئی میں سے بہت سے حضرات اسٹیشن جاکر پریشان ہوئے اور ٹکٹ کی واپسی میں جو کچھ مالی خسارہ ہوا وہ الگ رہا۔ اور سب سے بڑی تکلیف وہ چیز حضرت والا کے لئے یہ ہوئی کہ مشہور ہو چکا تھا کہ حضرت آج صبح کی گاڑی سے مالیگاؤں تشریف لے گئے اس لئے آج لوگ مجلس میں بھی نہ آئے تھے۔ صرف وہی حضرات تھے جو یہاں مقیم تھے اس طور پر بہت سے لوگ شریک مجلس نہ ہو سکے جس کا حضرت والا کو قلق رہا۔ اسی تاثر کے ساتھ آج مجلس فرمائی اور اسی سے متعلق مضامین بیان فرمائے اب اس کے بعد مجلس کے ملفوظات نقل کرتا ہوں۔ سنئے:-

(ناقل عفی عنہ)

فرمایا کہ دہلی میں ایک رئیس تھے طلبا کی دعوت کیا کرتے تھے ایک دفعہ انھوں نے چند بڑے بڑے مدرسین کی دعوت کی اور انھیں دہلی مدعو کیا۔ اُن حضرات سے یہ کہا ہوگا کہ فلاں دن فلاں گاڑی سے آپ حضرات دہلی تشریف لائیے گا اسٹیشن پر کسی کو بھیج دیا جائے گا۔ اس اطمینان پر ان حضرات نے یہ بھی نہ پوچھا کہ کس محلہ میں آپ کا مکان ہے۔ تاریخ مقررہ پر سب حضرات دہلی پہونچ گئے اسٹیشن پر کوئی لینے والا نہ آیا وہ صاحب بھول گئے۔ یہاں یہ حضرات ریل سے اُتر کر پلیٹ فارم پر ٹہلتے رہے اس لئے کہ کوئی جاجم یا بڑا کپڑا بھی ہمراہ نہ تھا کہ اُسے بچھا کر اُس پر بیٹھ جائیں۔ پھر نہیں معلوم کیا ہوا آخر کار اُسے یاد آیا اور وہ آکر سب کو گھر لے گیا۔ اُس وقت سب حضرات نے آپس میں یہ کہا کہ حضرت تھانویؒ ہی کا طریقہ اور اصول بالکل ٹھیک ہے کہ جو کوئی کہیں دعوت دیتا تو یہ فرماتے کہ ایک صاحب یہاں آکر مجھے اپنے ہمراہ لے جائیں گے۔ اب دیکھئے آج لوگ تو یہ سمجھتے ہوں گے کہ میں مالیگاؤں گیا اور میں یہاں موجود ہوں۔ اُن کی آج کی مجلس ناغہ ہوئی حالانکہ میں اس کا بہت اہتمام کرتا ہوں مگر لوگوں کی کم فہمی اور بدنظمی کی وجہ سے ایسا ہوجاتا ہے۔ مولوی صاحب آئے تھے میں نے اُن سے کہا کہ کل تو اتوار ہے لوگ دور دور سے آتے ہیں اس لئے اس کا ناغہ تو نہیں کروں گا۔ انھوں نے کہا ابھی میں جاتا ہوں پھر وہاں انتظام کرکے پھر آؤں گا اور ساتھ ہی چلوں گا مگر گھر جاکر بیمار ہوگئے۔ معلوم ہوتا ہے انشاء اللہ نہیں کہا تھا وہاں سے ٹرنک کال پر کہا دوسرا آدمی بھیج رہا ہوں ان کو گاڑی

نہیں ملی ہم یہاں انتظار ہی کرتے رہ گئے ہم جیسے لوگ کوئی بات کہیں تو اُس کے خلاف نہیں کرنا چاہئے کسی وقت قلب میں کوئی بات آجاتی ہے تو اُس کے خلاف کرنے میں ضرر ہی دیکھا۔

ایک بزرگ کے یہاں دو شخص گئے جاتے ہی اُنھوں نے کہا ظلمت ہوگئی ان لوگوں نے خیال کیا کہ کیا بات ہے کہ ہمارے ہی پہنچنے کے وقت شیخ نے ایسا فرمایا سوچا تو یاد آیا کہ ہدیہ کے لئے جو سامان لائے ہیں اُس کی قیمت دوکاندار کو دینا بھول گئے ہیں واپس گئے اور جاکر اُس سے کہا کہ اللہ کے بندے ہم دام دینا بھول گئے تھے خیر اس کو قیمت ادا کرکے پھر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے فرمایا کہ اب ظلمت نہیں رہی۔ ایک جگہ ایک عالم صاحب ایک مولوی صاحب کی دعوت پر اُن کے یہاں گئے اور مدرسہ میں ہی ٹھہرے مخالفین نے مدرسہ کو گھیر لیا لوگوں نے اندر سے دروازہ بند کرلیا۔ ان لوگوں نے باہر ہی سے ماں بہن کی گالی دینا شروع کیا حضرت مولانا کے ایک آدمی اُسی شہر میں رہتے تھے رئیس شخص تھے ان کو اطلاع ملی کہ فلاں مولوی صاحب مدرسہ میں قید ہیں فوراً اپنی بگھی لے کر آئے اور باہر ہی سے آواز دی مولانا تشریف لائیے ان کو اپنے ساتھ اپنے گھر لے گئے مولوی صاحب تین روز وہاں ہی ٹھہرے تب اُنھوں نے کہا کہ حضرت تھانویؒ کا اصول بالکل صحیح ہے کہ جہاں جاتے وہاں کے معززاور بڑے آدمی کے یہاں ٹھہرتے اس پر اُن مولوی صاحب کو کچھ اعتراض رہا ہوگا جب اس کی مصلحت سامنے آگئی تو بات سمجھ میں آئی بات یہ ہے کہ بڑے آدمیوں کے اور بھی زیادہ دُشمن ہوتے ہیں چنانچہ دین میں کوئی بڑا ہوتا ہے تو اُس کے بھی دُشمن ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں ارشاد فرماتے ہیں کہ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ اس لئے آدمی کو سوچ سمجھ کر کام کرنا چاہئے۔

سب سے زیادہ آسان چیز لوگوں نے تبلیغ ہی کو سمجھ لیا ہے حالانکہ سب سے زیادہ مشکل چیز یہی ہے۔

ایک مولوی صاحب جو حضرت کے لوگوں میں سے تھے اپنے ایک ساتھی کو لے کر دیہات میں وعظ کہنے گئے وہ بستی دوسرے خیال کے لوگوں کی تھی لوگ چڑھ آئے وہ خود بیان کرتے تھے کہ ہم بھی ڈر گئے لیکن پھر یہ خیال کیا کہ اگر اس موقع پر ذرا بھی بزدلی سے کام لیا تب تو یہ ختم ہی کردیں گے لہٰذا آستین چڑھا کر کے لاٹھی گھمانے لگے یہاں سے کود کر وہاں وہاں سے کود کر یہاں اور زور زور سے چیخ چیخ کر کہنے لگے کہ میں تنہا تم سب کو ماروں گا مجھے بھی لاٹھی آتی ہے یہ منظر دیکھ کر سب لوگ ڈر گئے اور واپس چلے گئے مولوی صاحب کہتے تھے کہ میں نے اپنے ساتھی سے کہا چلو نکل چلو یہاں سے۔ اگر یہ سب مارنے لگے تو ہم دو ان کا کیا مقابلہ کرسکتے ہیں۔

انھیں مولوی صاحب کا ایک دوسرا واقعہ سُنئے بڑے سمجھدار آدمی تھے ایک جگہ گئے شب کو قیام کیا لوگوں نے بستر وغیرہ بچھا دیا صبح کو اُٹھے بستر لپیٹ کر بغل میں دبا کر چل دئے لوگوں نے کہا کہ حضرت بستر یہیں کا ہے فرمایا چلو ہٹو رات بھر میں موروثی ہو جاتا ہے کھیت تو بارہ برس میں موروثی ہوتا ہے اور بستر ایک ہی رات میں موروثی ہو جاتا ہے لوگ سمجھ گئے کہ ہم لوگ جو موروثی کاشت کئے ہوئے ہیں اُس کی حرمت کو اس طرح سے بتایا۔ سب لوگوں نے کہا کہ حضرت موروثی کا مسئلہ ہم لوگوں کی سمجھ میں خوب آگیا۔

حضرت مولاناؒ دہلی سے تشریف لا رہے تھے ایک جگہ ٹھہر گئے (واپسی میں وہاں کچھ دیر ٹھہرنے کا وعدہ فرمایا ہوگا) دیکھا تو اشتہار چسپاں ہے کہ حضرت مولانا کا وعظ ہوگا۔ فرمایا کہ میں نے وعظ کا تو وعدہ کیا نہیں تھا یہ اعلان کیسے ہوا کس نے کیا؟ معلوم ہوا کہ ایک انگریزی داں صاحب نے اعلان کرایا۔ حضرت نے ان سے فرمایا کہ آپ نے اتنے مسلمانوں کو تکلیف دی میں جاتا ہوں سب لوگوں نے خوشامد کی اور انھوں نے بھی معذرت کی حضرت نے فرمایا یوں نہیں اب آپ اِس کے خلاف اشتہار دیجئے کہ میں نے اپنے طور پر بدون ان کی اجازت کے اعلان کیا تھا چنانچہ انھوں نے اعلان کرایا حضرت فرماتے تھے کہ جب انھوں نے اعلان کر دیا تو مجھے رحم آگیا کہ اس نے اپنے کو ذلیل کیا اس لئے فرمایا کہ اب میں وعظ کہوں گا سب لوگ خوش ہو گئے وہ صاحب بھی خوش ہو گئے پھر خوب عمدہ وعظ فرمایا۔

اسی طرح دہلی میں ایک مولوی صاحب تھے حضرت وہاں تشریف لے گئے انھوں نے بھی حضرت کی اجازت کے بغیر ہی اعلان کر دیا کہ وعظ ہوگا۔ حضرت نے فرمایا وعظ کے لئے تو آیا نہیں ادھر لوگ ہزاروں ہزار جمع ہو گئے۔ اب وہ مولوی صاحب چونکہ اعلان کر چکے تھے اس لئے خود وعظ کہنے کھڑے ہو گئے مگر چل نہ سکے حضرت نے بھی دیکھا کہ مولوی اشفاق صاحب چل نہیں رہے ہیں فرمایا کہ مجھے رحم آگیا اور میں کھڑا ہو گیا اور وعظ کہا۔

ایک بار حضرتؒ شملہ تشریف لے گئے بڑے بڑے لوگ جمع ہوئے ایک بڑے شخص نے اپنے ساتھی سے کہا کہ یہ علماء حضرات ہیں ان کے کپڑے کے دیکھنے سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جیسے پاخانہ ہی سے چلے آرہے ہیں حضرت نے بھی یہ جملہ سُن لیا جب وعظ کے لئے کھڑے ہوئے تو فرمایا کہ آج تک تو ہم یہ سُنتے تھے کہ شملہ بمقدار علم ہوتا ہے لیکن آج یہ معلوم ہوا کہ شملہ بمقدار جہل ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ مولوی غریب عمدہ عمدہ کپڑے

کہاں سے لائے ان کی آمدنی ہی اتنی نہیں ہوتی کہ وہ آپ کے معیار کا کپڑا پہن سکیں لیکن اگر آپ کو اس سے غیرت آتی ہے کہ آپ کے علما کا لباس آپ سے کم درجہ کا ہو تو آپ کو اس کی صورت یہ بتاتا ہوں کہ نہایت عمدہ عمدہ کپڑے بنوا کر رکھ لیجئے اور جب کوئی عالم اور واعظ آپ کے یہاں آئے تو اُس سے کہئے کہ حضرت اِس کپڑے کو پہن کہ وعظ فرمایئے اور جب وہ وعظ کہہ چکیں تو پھر اُترواکر رکھ لیجئے۔ اب اگر واقعی ان کی عزت چاہتے ہو تو اب سے کرو ورنہ ڈوب مرو۔ حضرت مولانا حالانکہ اتنا تیز نہیں کہتے تھے مگر اُس دن اُس شخص کی بات نہایت ناگوار معلوم ہوئی اس لئے تیز کہا۔

ایک جگہ حضرت تشریف لے گئے طبیعت اچھی نہیں تھی زکام تھا وہاں کے لوگوں نے کہا کہ اجی ان کے وعظ جو شائع ہوتے ہیں وہ ڈپٹی صاحب (خواجہ صاحب) لکھ کر شائع کرتے ہیں ان کو وعظ کہنا نہیں آتا۔ دوسرے دن جب طبیعت ذرا ٹھیک ہوئی تو وعظ فرمایا اور ایسا فرمایا کہ سب ذلیل ہو گئے۔ یہ عوام النّاس بدن سے تو حاضر رہتے ہیں مگر دل سے غائب رہتے ہیں یعنی بس ظاہری طور پر مانتے ہیں عقیدت نہیں ہوتی ڈپٹی صاحب کو کہتے تھے کہ وعظ بھی لکھ لیتے ہیں۔ یہ نہیں جانتے تھے کہ ڈپٹی صاحب کو ڈپٹی صاحب انھیں نے بنایا تھا۔

ایک مولوی صاحب علیگڈھ بلائے گئے عربی شعبہ میں ان کا نیا نیا تقرر ہوا اتفاقاً اُسی دن کسی رئیس کے یہاں کوئی تقریب تھی۔ سب لوگ جمع تھے مدرسہ کے اراکین بھی جمع تھے وہ رئیس جس کے یہاں تقریب تھی وہ بھی مدرسہ سے متعلق تھے اُنھوں نے اُن سے کہا مولانا آپ نئے نئے آئے ہیں یہاں سب لوگ جمع ہو گئے ہیں کچھ تقریر فرما دیجئے۔ تقریب کا افتتاح بھی ہو جائے گا اور آپ کا امتحان بھی ہو جائے گا۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ میرا امتحان؟ لے گا کون؟ آپ لوگ میری بات بھی سمجھئے گا یہ کہکر خادم کو آواز دی فلانے وہ بولا جی حضور کہا چلو بستر باندھو یہاں نہیں رہیں گے انھوں نے ہماری توہین کی۔ یہ منظر دیکھ کر سب لوگوں نے حضور حضور کہنا شروع کر دیا اور مولوی صاحب خفا ہو گئے تھے کہ اب یہاں نہیں رہیں گے پھر معلوم نہیں کس طرح لوگوں نے منایا بہرحال اس کے بعد سے ان کا رُعب سب پر ایسا بیٹھا کہ ہر وقت دو دو تین تین موٹریں مولانا کے دروازہ پر کھڑی رہتی تھیں یہ رئیس اپنے یہاں لے جا رہا ہے وہ رئیس اپنے یہاں لے جا رہا

ہے سب لوگ بہت عزّت و احترام کرنے لگے۔

ایک جگہ بڑا جلسہ تھا بڑے بڑے علما اور بڑے بڑے لوگ شریک جلسہ تھے علیگڈھ کے لوگ بھی تھے کلکٹر جیسے لوگ بھی آکر شریک تھے ایک مولوی صاحب نے تقریر کی اور اس میں یہ کہا کہ یہ ہمارے عربی کے مدارس مرحومین کو پیدا کرتے ہیں اور علیگڈھ کے متعلق کہا کہ ملعونین کو پیدا کرتا ہے۔ یہ بات سب سامعین کو ناگوار گذری کہ ہمارے ہی جلسہ میں ہمیں کو بُرا کہہ رہے ہیں۔ جلسہ کا رنگ بگڑ گیا۔ ایک صاحب جو جلسے کے منتظم تھے انھوں نے جب یہ رنگ دیکھا تو حضرتؒ کے پاس آئے حضرتؒ ہی سرپرست تھے اور آکر عرض کیا کہ حضرت اب آپ ہی کچھ فضا درست فرمائیے حضرت نے فرمایا کہ آپ ہی کچھ کہئے حضرت کے اس فرمانے پر وہ کھڑے تو ہوئے مگر بگڑے ہوئے مجمع کو سنبھالنا آسان نہیں حضرت نے فرمایا کہ مجھے شرم آئی تو میں ہی کھڑا ہو گیا اور کہنا شروع کیا فرمایا کہ آپ لوگ جو یہاں جمع ہیں ان میں کوئی جج ہے کوئی منصف ہے کوئی کسی عہدہ پر ہے کوئی کسی منصب پر ہے تو آپ لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ آپ لوگوں نے کتنے مجرموں کو ان کی نیک نیتی کی وجہ سے چھوڑ دیا ہوگا جب یہ ہے تو آپ سے کہتا ہوں کہ یہ مولانا ابراہیم صاحب آپ کے نزدیک نیک نیت ہیں یا نہیں لوگ سمجھ گئے بس اسی ایک جملہ سے خوش ہو گئے اور آپس میں کہنے لگے کہ دیکھو تو کیسی بات کہی (مولوی صاحب کو مجرم قرار دیا اور ہم لوگوں کو چھوڑنے والا قرار دے رہے ہیں) بس پھر کیا تھا فضا بدل گئی پھر فرمایا کہ اچھا آپ لوگ بہت کہتے ہیں کہ فطرت فطرت مگر اس کو سمجھتے نہیں۔ دیکھیئے ایک فطرت تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اور ایک فطرت تھی عیسٰی علیہ السلام کی اور ایک فطرت تھی موسٰی علیہ السلام کی سب کی الگ الگ فطرت تھی تو جب یہ ہے تو آپ سے کہتا ہوں کہ مولانا ابراہیم صاحب کو آپ فطرت موسوی ہی پر کیوں نہیں سمجھ لیتے یہ سُن کر مجمع تو ہنس دیا اور مولوی ابراہیم صاحب زار و قطار رونے لگے (یہ خیال ہوا ہی ہوگا کہ حضرت مولانا کو دیکھو کس ذات سے نسبت ملادی کہاں میں کہاں سیدنا موسٰی علیہ السلام (چہ نسبت خاک را با عالم پاک) پھر حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ آپ لوگ جو نئی روشنی نئی روشنی کہتے ہیں تو اس کا مطلب یہی ہے نا کہ پُرانی چیزوں کو نئے انداز سے دیکھتے ہیں اسی قاعدہ کی رو سے ہم آپ سے کہتے ہیں کہ چلئے ہم لعنت کا لفظ نہیں کہتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ رحمت سے دور ہیں۔ اور ہم کچھ نہیں کہتے بلکہ آپ ہی لوگوں سے پوچھتے ہیں کہ یہ جو آپ لوگ سود کی ڈگری دیتے ہیں ایسے شخص کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے سب لوگوں نے منہ پر رومال رکھ کر سر نیچے کر لیا کہ یہ تو انھوں نے

ہمارے خلاف ہمیں سے فتویٰ لے لیا۔ غرض حضرت کی اس تقریر سے سب لوگ خوش ہوگئے اور اس میں شک نہیں کہ انگریزی دانوں کی بیاس وہیں بجھتی تھی کیونکہ بات ایسی فرماتے تھے کہ جو ان کی عقل تسلیم کرلیتی تھی اور دل میں اُتر جاتی تھی اس لئے سب سُنتے تھے اور سمجھتے تھے کہ ایسے شخص کو حق ہے معلّم ہونے کا۔

ان واقعات سے آپ کو اندازہ ہوا ہوگا کہ حضرت مولانا کس قدر شفیق اور نرم تھے لوگوں نے جو سخت مشہور کر رکھا تھا غلط تھا اور جس کسی کو کچھ تنبیہ فرماتے تھے تو اُسی کی اصلاح کی خاطر ویسے بہت نرم تھے غرض اس سفر کے سلسلہ میں مجھے لوگوں کی ان کی بدنظمی کی وجہ سے تکلیف تو ہوئی اور اس لئے اور زیادہ ہوئی کہ بہت سے لوگوں کو تکلیف ہوئی لیکن میں نے کچھ کہا نہیں یہ خیال کیا کہ ابھی نئے لوگ ہیں میں نے انھیں سکھایا ہی کیا ہے کہ مطالبہ کروں پہلے ان پر سکھلا کر حجت قائم کرلیں تب سختی کریں تو ایک بات ہے اس سے پہلے سختی مناسب نہیں۔

ملاحظ فرمایا آپنے ہم لوگوں کی بدنظمی کیوجہ سے ایک واقعہ پیش آگیا جس سے حضرت والا کو تکلیف بھی ہوئی اور متاثر بھی لیکن اس شر میں ایک خیر بھی مخفی تھا وہ یہ کہ اسکے بعد حضرت والا نے جو مجلس فرمائی وہ کتنی زبردست اور سامعین کے لئے قدر سبق آموز تھی کہ ایک بے اصولی کیوجہ سے لوگوں کو کسقدر اصول معلوم ہوگئے۔ چنانچہ حکیم الامۃؒ حضرت مولانا تھانویؒ کے کثرت سے ملفوظات بیان فرمائے جس سے حضرت مولانا تھانویؒ کی مجلس کی یاد تازہ ہوگئی۔ حضرات مصلحین کا یہی کام ہے کہ جب وہ ایسی فضا پائیں کہ لوگ بطور خود شرمندہ اور نادم اور متاثر ہوں تو انکے تاثر سے فائدہ اٹھاتے ہوئے لوہے کو گرم پاکر اسکو صحیح جانب موڑ دے ظاہر ہے کہ ان باتوں کا علم ان مولوی صاحب کو بھی ہوا ہوگا اور ان کے لئے ہمیشہ کا ایک سبق ہوگیا ہوگا اور دوسرے لوگ بھی اسکو سنکر اس قسم کی بدنظمی سے بچنے کی کوشش کریں گے۔

بمبئی میں اس بار کا قیام الحمدللہ اہل بمبئی کے لئے نہایت نفع بخش رہا عام لوگوں کے نفع کے ساتھ ساتھ بعض لوگوں میں اہم تبدیلیاں ہوئیں۔ ایک شخص کی اصلاح سے اسکے دوست احباب عاجز ہوتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت کا چھینٹا جب کسی بزرگ کے واسطہ سے اس پر پڑجاتا ہے تو اسکی دلی کیفیت بدل جاتی ہے

اس سلسلہ میں ایک واقعہ عرض کرتا ہوں جو میرے علم میں ہے وہ یہ کہ بمبئی میں بہار کے کسی عالم کے صاحبزادے رہا کرتے تھے ان کے والد کا تعلق غالباً حضرت تھانوی سے تھا لیکن صاحبزادے آزاد مزاج تھے عربی کی بھی کچھ تعلیم تھی مگر وہ سیاست میں پڑکر اسقدر بہکے کہ پکے کمیونسٹ ہوگئے نام بھی انکا اسلامی تھا اس لئے لوگ مسلمان سمجھتے تھے اور اندر اندر ان میں انکارِ رسالت بلکہ انکارِ الوہیت راہ پکڑ رہا تھا جس محلہ میں انکا قیام تھا وہاں سے بہت سے لوگ حضرت والا کی مجلس میں حاضر ہوا کرتے تھے شام کو جب ملاقات ہوتی تو یہ صاحب پوچھا کرتے کہ آپ لوگ کہاں جاتے ہیں لوگوں نے بتایا کہ حضرت تھانوی کے ایک خلیفہ الہ آباد سے تشریف لائے ہوئے ہیں ہم لوگ انکی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں، والد کی نسبت اور دعا راپنا رنگ لائی چنانچہ ایک دن لوگوں سے کہا کہ کیا میں بھی ملاقات کے لئے چل سکتا ہوں؟ لوگوں نے اسوقت تو ٹال دیا یہ خیال کر کے کہ کمیونسٹ خیال کے سیاسی آدمی ہیں معلوم نہیں حضرت والا سے کیا گفتگو کر بیٹھیں جسکی وجہ سے ہم پر خفگی ہو لیکن جب لوگ مجلس میں آئے تو ایک صاحب نے حضرت والا سے عرض کیا کہ ہمارے ملنے والوں میں سے ایک صاحب ہیں یہ نام ہے بہار کے رہنے والے ہیں اور ان کے والد کا یہ نام تھا لیکن وہ پکے کمیونسٹ خیال کے ہیں ہم سے کہا ہے کہ ہم بھی حضرت سے ملنا چاہتے ہیں تو انکو کیا جواب دوں حضرت نے تھوڑا توقف فرما کر فرمایا کہ اب آپ سے جب وہ خود کہیں تو لے آئیے۔ چنانچہ ایک دن لوگوں کے ساتھ وہ بھی آئے چہرے سے مجذوب معلوم ہوتے تھے لوگ تو مصافحہ کر کے حضرت کے قریب بیٹھ گئے اور وہ لوگوں کے پیچھے ذرا دور ہٹ کر بیٹھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت والا کے آئینہ میں انھیں اپنی تصویر نظر آگئی، حلیہ یہ تھا کہ ڈاڑھی مونچھ مونڈی ہوئی تھی، کوٹ پتلون زیب بدن سر پر ادّبار رومال باندھ لیا تھا کچھ ایسا یاد پڑتا ہے کہ لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ حافظ قرآن اور فارغ التحصیل بھی تھے بہرحال سرنگوں ہو کر خاموش بیٹھ رہے۔

حضرت والا نے اپنے قریب اشارہ فرما کر کہا کہ یہاں تشریف لائیے اور اس کے بعد ان کی اس صوری ندامت سے یا آبائی نسبت کی وجہ سے حضرت والا نے ان کو سینے سے لگا لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد راقم کو بلا کر فرمایا کہ ان حضرات کو چائے پلاؤ چنانچہ مہمانوں والے کمرے میں تشریف لائے اور میں نے سب لوگوں کو چائے پلائی یہ چائے میری اُن سے ملاقات کا ذریعہ بنی۔ جب آتے حضرت مجھے اشارہ فرماتے آہستہ آہستہ اُن کی آمد و رفت کا سلسلہ بڑھا اور تقریباً وہ روزانہ ہی آنے لگے۔ مجلس میں شرکت کے بعد میرے کمرے میں آجاتے اور کبھی کبھی یہ فرماتے کہ اب دھوپ تیز ہو گئی ہے، دوسرے وقت جاؤں گا۔ چنانچہ میری مشغولی کے وقت حضرت والا کی تصانیف جو رکھی ہوتیں ان کا مطالعہ کرتے رہتے اور کھانا بھی حضرت والا کے حکم سے میرے ساتھ کھاتے۔ یوں میرے ساتھ ان کے روابط بڑھتے گئے۔ ان سے گفتگو کی بھی نوبت آتی جس سے اندازہ ہوتا کہ ذی علم اور مہذّب انسان ہیں۔ حضرت والا کے ہمراہ تو وہ نماز بھی پڑھنے لگے تھے۔ ہم لوگوں سے کبھی لا مذہبی گفتگو نہیں کی۔ اُن کے طرز انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ جس سکون کو چاہتے تھے وہ انہیں حضرت والا کے یہاں مل گیا۔ یہ تو مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ وہ حضرت سے بیعت بھی ہو گئے یا نہیں لیکن بہر حال حضرت والا کے بہت عقیدتمند تھے اور گفتگو میں تادّب خداوندی اور ادب رسولؐ بھی ظاہر ہوتا تھا معلوم ہوتا تھا کہ غیر اسلامی ایک دھواں تھا جو قلب پر مستولی ہو رہا تھا۔ حضرت والا نے اسے پھونک کر صاف کر دیا اور اندر کی چنگاری روشن ہو گئی۔ اسی اثنا میں الہ آباد کی واپسی ہو گئی پھر جون پور اور گورکھپور کا سفر درپیش ہوا پھر جب حضرت والا آخری بار بمبئی تشریف لائے تو اس وقت بھی یہ صاحب برابر آتے رہے لیکن کچھ ہی دنوں بعد ہم لوگ تو سفر حج کی تیاری میں مشغول ہو گئے اور وہ صاحب حضرت سے مل کر اپنے وطن تشریف لے گئے۔ حضرت اقدس کے وصال کے بہت دنوں

بعد الٰہ آباد میں میرے نام اُن کا ایک خط آیا۔ افسوس کہ میں اُسے محفوظ نہ رکھ سکا۔ اس میں انہوں نے لکھا تھا کہ جامی صاحب بڑے خوش نصیب ہیں آپ لوگ کہ ایسی ہستی کا قرب آپ کو آخر تک نصیب ہوا اور اپنے حال پر مجھے رونا آتا ہے کہ مجھ بدنصیب نے حضرت اقدس کی صحبت کا بہت تھوڑا زمانہ پایا۔ بمبئی سے آ کر اپنے وطن میں ہی رہتا ہوں آپ لوگوں کی صحبتیں کبھی کبھی یاد آتی ہیں تو اب اُن کے نہ رہنے کا ایک رنج و غم سا رہتا ہے۔

آپ سے عرض کرتا ہوں کہ میں نے جس حال میں انہیں چھوڑا تھا اس میں اور خط میں جس حال سے انہوں نے اپنی قلبی کیفیت کا اظہار کیا اس میں کچھ جوڑ نہ پا کر ابتداءً کچھ دیر تک میں سوچتا رہا کہ یہ عبدالمنان صاحب کون صاحب ہیں جو مجھے بہار سے خط لکھ رہے ہیں۔ بعض رفقاء کے یاد دلانے سے وہ یاد آئے مجھے اب اُن کے حال پر رشک آتا ہے کہ کس خلوص سے وہ حضرت والا سے ملے اور کس ندامت سے خود کو اور کس عظمت سے حضرت والا کو انہوں نے دیکھا کہ اُن کے قلب کی دنیا ہی بدل گئی۔ یا تو لوگ اُن کی اصلاح سے مایوس تھے یا اب معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ کی صحبت و نگاہ میں کتنی تاثیر ہوتی ہے۔ اب غالباً اُن کا انتقال ہو چکا ہے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح دنیا میں اُن پر یہ فضل فرمایا کہ ایک ولی اللہ سے ملا دیا اسی طرح آخرت میں اُن پر فضل فرمائیں گے اور مجھے بھی ان مخلصین کے طفیل میں خلوص سے نوازیگا۔ اگر میرا حافظہ خطا نہیں کرتا تو کچھ ایسا یاد پڑتا ہے کہ کسی نے بتایا تھا کہ اس کے والد صاحب کا نام مولوی عبدالوہاب صاحب مرحوم تھا واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت والا نور اللہ مرقدہٗ کے اس پچھلے سفر میں دو چار اہم واقعات اور پیش آئے جس کا ذکر ناظرین کے لیے خالی از فائدہ نہیں ہوگا۔ ان میں سے

ایک تو محترم جناب علی زین العرب صاحب کی ملاقات کا واقعہ ہے۔ دوسرا غالباً ہر دو سفر میں ایک ایک بار حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہ کی طویل حاضری اور قیام کے لئے تشریف آوری ہے اور تیسرا واقعہ آپ کا سفر ڈابھیل فرمانا اور وہاں جامعہ اسلامیہ کے متعلق جناب مہتمم صاحب مدرسہ کی درخواست پر معائنہ تحریر فرمانے کا ہے اور چوتھا واقعہ جناب محمد صدیق صاحب میمن کو جن الفاظ میں خلافت عطا فرمائی اس کا تذکرہ ہے۔

چنانچہ علی زین العرب صاحب جن کا پورا نام مجھے محفوظ نہیں ہے یہ ہیرے جواہرات کے ایک عربی تاجر تھے۔ بمبئی میں قیام تھا۔ عربی ہونے کی وجہ سے شاہ فیصل کے شاہی محل تک رسائی تھی اور سب سے جان پہچان تھی۔ بمبئی کے ایک متموّل شخص شمار ہوتے تھے اور اہل علم حضرات بھی جو بمبئی آتے تو ان سے ملاقات کرتے۔ بمبئی میں لوگوں نے بیان کیا کہ بعض ایام میں تو یہ حال ہوتا ہے کہ لوگ اُن سے ملنے جاتے ہیں تو ان کو ایک ایک گھنٹہ انتظار کرنا پڑتا ہے۔ بہر حال دنیوی حیثیت سے بڑے شخص تھے اور خلیق تھے ایک دوسرے صاحب اور تھے ان کا نام بھی معلوم نہ ہو سکا جس لقب سے وہ مشہور تھے۔ وہ قاضی مُرگے (یا مرغ) تھا۔ کبھی کبھی حضرت والا سے ملنے آتے تھے۔ ہر بڑے شخص سے ان کے تعلقات تھے۔ چنانچہ علی زین العرب صاحب سے بھی رسم و رواج رکھتے تھے۔

ایک دن جبکہ حضرت والا دوپہر کے کھانے سے فارغ ہو کر قیلولہ کیلئے جوں ہی لیٹے مکان کے سامنے ایک کار آکر رکی حضرت نے فرمایا دیکھو تو کون صاحب آئے ہیں۔ میں جب کمرہ سے باہر ہوا تو آگے آگے یہی قاضی مرگے اور ان کے پیچھے ایک اور صاحب تشریف لاتے نظر آئے۔ جلدی سے میں نے واپس آکر عرض کیا کہ حضرت وہی بمبئی والے قاضی مرگے صاحب ہیں اور ان کے پیچھے ایک صاحب کوئی اور ہیں اسی کمرہ کی جانب آرہے ہیں یہ کہہ کر میں پھر باہر گیا تو وہ دو حضرات چالی (وارانڈہ) میں آچکے تھے۔ میں نے سلام کیا۔

قاضی مرگئے کو تو پہچانتا ہی تھا مصافحہ کیا۔ قاضی صاحب نے دریافت کیا حضرت جاگ رہے ہیں؟ یہ علی زین العرب صاحب ہیں حضرت سے ملنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا بہتر ہے اجازت لے لوں۔ جاکر حضرت سے عرض کیا۔ فرمایا دونوں حضرات کو بلالو۔ وہ لوگ اندر تشریف لے گئے تو حضرت نے پلنگ سے اٹھ کر علی زین العرب صاحب سے معانقہ فرمایا اور خود بھی پلنگ سے اتر کر نیچے چٹائی پر بیٹھ گئے۔ علی زین العرب اور قاضی صاحب دونوں نے ہاتھ پکڑ کر فرمایا آپ چارپائی ہی پر آرام سے تشریف رکھیں اور چٹائی پر بیٹھ گئے۔ حضرت نے عرب صاحب کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا آئیے آپ بھی اوپر ہی بیٹھئے۔ بہر حال الامر فوق الادب کے تحت علی زین العرب صاحب بھی پلنگ ہی پر بیٹھ گئے۔ احقر اور قاضی صاحب نیچے بیٹھے۔ علی زین العرب صاحب نے فرمایا بہت دنوں سے ملاقات کا اشتیاق تھا۔ آج قاضی صاحب کے ہمراہ اللہ تعالیٰ نے موقع نصیب فرمایا۔ کچھ دیر مختلف باتیں ہوتی رہیں اپنے لئے۔ اپنے متعلقین کے لئے حضرت سے دعا کی درخواست کی اور آخر میں کہا کہ میرا ایک بھتیجہ ہے موٹر چلاکر وہی آیا ہے ڈاڑھی وغیرہ نہیں ہے نیز لباس بھی غیر شرعی ہے آنے سے شرماتا ہے اجازت ہو تو لے آؤں۔ حضرت نے فرمایا ہاں ہاں ضرور ان کو بلائیے۔ عرب صاحب نے قاضی صاحب سے کہا اُن کو ذرا بلا لیجئے۔
قاضی صاحب فوراً اُٹھے اور ان کو ساتھ لے کر آگئے۔ جیسے ہی کمرہ میں داخل ہوئے۔ علی زین العرب صاحب نے ان سے حضرت والا کا اجمالی تعارف ان لفظوں میں فرمایا کہ ھذا رجلٌ مومنٌ صالحٌ ولیٌّ وتقیٌّ انشاء اللہ تعالیٰ۔ یعنی آپ ایک نیک اور صالح شخص اور ولی ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ متقی ہیں۔ ان سے اپنے لئے دعا کی درخواست کرو۔ حضرت والا نے ان کے سر پر ہاتھ پھیر دیا اور ان کے لئے دعا فرمائی۔ چونکہ یہ آرام فرمانے کا وقت تھا ان حضرات نے محسوس فرما کر محض مختصر سی ملاقات پر اکتفا کیا اور واپسی کی اجازت چاہی۔ حضرت نے راقم سے فرمایا کہ آپ حضرات کو چائے پلاؤ

اور پھر رخصت کرو۔

میں نے دوسرے دن بعض آنے والے احباب سے بیان کیا کہ علی زین العرب کون صاحب ہیں کل دوپہر حضرت سے ملنے قاضی مرگے کے ہمراہ آئے تھے تو لوگوں نے بڑے تعجب سے کہا کہ علی زین العرب آئے تھے؟ وہ تو بہت بڑے آدمی ہیں فلاں مولانا اور فلاں مولانا جب ان سے ملنے جاتے ہیں تو اطلاع کے بعد ایک گھنٹہ آدھ گھنٹہ کے بعد تو ان سے ملاقات ہوتی ہے اور وہ خود کسی سے ملنے جانے والے نہیں۔ تعجب ہے یہاں کیسے آگئے؟ — راقم عرض کرتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ قاضی صاحب نے ان سے حضرت والا کے کچھ حالات بیان کئے ہونگے جس سے وہ متاثر ہوئے اور سمجھے کہ ہاں یہ واقعۃً درویش شخص ہیں اور ولی ہیں اس لئے ملاقات کا داعیہ پیدا ہوا ہوگا واللہ تعالیٰ اعلم۔

دوسرا واقعہ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب کے تشریف لانے اور ہفتہ دو ہفتہ قیام کرنے کا ہے اس کو خود حضرت مولانا نعمانی مدظلہ نے بیان فرمایا ہے لہٰذا خود انکے زبان قلم سے سنئے:۔ فرماتے ہیں کہ

"اس عاجز کو اس آخری دور اور آخری سال میں دو دفعہ بمبئی میں حضرت کی خدمت میں کسی قدر طویل قیام بھی نصیب ہوا پہلی بار فروری میں حضرت کی خدمت میں قیام ہی کی نیت سے بمبئی کا مستقل سفر کیا اور دو ہفتے تک حضرت ہی کا مہمان رہ کر بے انتہا عنایتوں اور شفقتوں سے متمتع ہوتا رہا پھر اس کے قریباً ۶ مہینے کے بعد ماریشس اور حجاز مقدس جانے کے لئے میں ستمبر میں بمبئی پہونچا، اندازہ یہ تھا کہ ہوائی سفر کے قانونی مراحل ایک دو دن میں طے ہوجائیں گے اور میں انشاء اللہ اپنے پروگرام کے مطابق روانہ ہوجاؤں گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ مشیت کہ کچھ قانونی رکاوٹوں کی وجہ سے مجھے ایک ہفتہ سے بھی زیادہ بمبئی میں قیام کرنا پڑگیا ان دنوں میں بھی میں زیادہ تر حضرت ہی کی خدمت میں اور آپ کا مہمان رہا۔

بعد میں معلوم ہوا کہ قانونی رکاوٹوں کی وجہ سے میرا بمبئی میں یہ جبری قیام میرے حق میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی رحمت اور بڑی خیر و برکت کا اور سفر کے لئے صحبت و ہدایت سے بہترین زاد راہ حاصل کر لینے کا ایک وسیلہ تھا۔

اپنے اس سفر سے پہلے ہی یہ بات معلوم تھی کہ حضرت مولانا کا ارادہ اس سال اپنے خاص رفقاء اور اعزّہ کے ساتھ سفر حج کا ہے اور یہ بھی کہ غالباً رمضان المبارک سے پہلے ہی تشریف لے جائیں گے۔ یہ عاجز اپنے پروگرام کے مطابق پہلے ماریشش اور ری یونین گیا اور وہیں سے "رابطہ عالم اسلامی" کے اجلاس کی شرکت کے لئے مکہ معظمہ چلا گیا۔ اجلاس سے فراغت کے بعد مدینہ طیبہ حاضری ہوئی۔ حجاز مقدس میں مجموعی طور پر قریباً ایک مہینہ قیام کے بعد ۲۰ر نومبر کی صبح بمبئی واپسی ہوئی۔ رفیق محترم مولانا سید ابو الحسن علی میاں بھی واپسی سفر میں ساتھ تھے۔ ہم دونوں اسی دن ۱۰ بجے حضرت کی خدمت میں زیارت اور دعا کی درخواست کے لئے حاضر ہوئے۔"

حالات "مصلح الامّت" صفحہ ۲۵
رسالہ "وصیّۃ العرفان"، شمارہ ۶-۷
جولائی ۸۱ء

اسی واقعہ میں یعنی پہلے قیام میں مجھے ایک بات اور یاد آئی وہ یہ کہ حضرت والا نے ایک دن مجلس میں یہ بیان فرمایا کہ اکبر حسین جج نے بہت عمدہ بات کہی ہے۔ وہ کہتے ہیں ؎

اوروں پہ معترض تھے لیکن جب آنکھ کھولی
اپنے ہی دل کو ہم نے گنج عیوب دیکھا

معلوم ہوا کہ انسان جب خود فراموشی سے متصف ہو جاتا ہے تو دوسروں کے

عیوب ہی پر اس کی نظر ہوتی ہے اور اگر خود اپنے حال کی خبر ہو جائے تو اس مرض سے نکل جاتا ہے۔ اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ۔ اور اسی مضمون کو شاہ ظفر دہلوی نے یوں ادا کیا ہے کہ ؎

نہ تھی جب تلک ہمکو خود اپنی خبر رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنے گناہوں پہ جب کہ نظر تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی زبان فیض ترجمان سے برمحل ان اشعار کو سنکر مولانا نعمانی بہت ہی محظوظ اور متاثر ہوئے اور مجلس کے بعد حضرت سے عرض کیا کہ حضرت کو ان اشعار کا علم کسطرح ہوا۔ حضرت ہنسے اور فرمایا کہ جس طرح آپ لوگوں کو ہوتا ہے مجھے بھی ہو جاتا ہے۔ پھر مولانا نعمانی نے عرض کیا کہ شاہ ظفر کے اس شعر کے بعد ایک اور شعر ہے ؎

ظفرؔ آدمی اس کو نہ جانئے گا ہو وہ کیسا ہی صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

حضرت والا نے فرمایا خوب کہا اور مجھ سے فرمایا کہ جامیؔ! مولانا نے جو شعر ابھی پڑھا ہے اس کو بھی اسی جگہ میری بیاض میں لکھ لو۔ میں نے عرض کیا بہت اچھا اور مولانا سے پوچھ کر بیاض میں لکھ دیا۔

تیسرا واقعہ ڈابھیل کے سفر کا یوں پیش آیا کہ وہاں حضرت مولانا محمد ایوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ اعظمی ان دنوں شیخ الحدیث تھے جو برابر بمبئی میں بھی آتے رہے۔ ایک مرتبہ جامعہ اسلامیہ کے مہتمم صاحب اور بعض دیگر اراکین و اساتذہ کی جانب سے حضرت سے یہ درخواست کی کہ حضرت ڈابھیل تشریف لائیں۔ حضرت والا سفر سے ڈابھیل کے لئے تیار ہو گئے۔ ہمراہ بعض اہل بمبئی اور مقیمین خانقاہ اور آنے والے مہمانوں کو لے کر تقریباً ۲۵۔۳۰ آدمی بھی ساتھ چلنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ حضرت تو اسٹیشن کار سے تشریف لے گئے

اور اس قافلہ کا امیر بھائی انیس احمد صاحب ندوہ سے آ گئے کو بنایا کہ تم ان سب حضرات کو اپنے ساتھ لے کر آنا۔ چنانچہ طے یہ ہوا کہ صبح سویرے پہلی گاڑی سے ہم سب لوگ کرلا اسٹیشن سے بمبئی چلیں اور وہاں سے سورت جانے والی گاڑی جس سے حضرت بھی تشریف لے جانے والے تھے اس کو پکڑلیں۔ ایسا ہی ہوا۔ چنانچہ ہم سب لوگ ریل سے روانہ ہوکر مرولی اسٹیشن پر جاکر اترے۔ وہاں سے حضرت والا اور معہ چند حضرات کے کار سے روانہ ہو گئے اور بعد میں ہم لوگ بھی کوئی کار سے کوئی بس سے ڈابھیل پہونچے۔ مہتمم صاحب نے چائے کا انتظام فرما رکھا تھا اس سے فراغت کر کے ہم لوگ اپنے اپنے جائے قیام پر چلے گئے۔ حضرات مدرسین اور طلبہ نے حضرت والا سے ملاقات کی۔ بعد ظہر مختصر سی مجلس ہوئی اور پھر بعد عصر اپنے معمول کے مطابق حضرت والا نے باہر تفریح کے لئے جانے کی خواہش فرمائی۔ داؤد بھائی نے اپنی کار حاضر کی اور حضرت کو کچھ دور تفریح کرا کے واپس آ گئے۔ دوسرے دن صبح مجلس ہوئی اور شام کو پھر بھائی داؤد صاحب کے ہمراہ تفریح کے لئے تشریف لے گئے۔ لیکن آج مغرب کے بعد تک واپسی نہ ہوئی جس کی وجہ سے لوگ تردد میں تھے کہ آخر کیا بات ہے حضرت تو مغرب تک آجاتے تھے لیکن تھوڑی دیر کے بعد حضرت تشریف لے آئے تو معلوم ہوا کہ داؤد بھائی اپنے مکان تک لے چلے گئے تھے جو قریب ہی دوسری بستی میں تھا۔ پھر تیسرے دن صبح کی مجلس فرمانے کے بعد غالباً حضرت اور ہم سب لوگ واپس ہو گئے۔ حضرت کو لوگوں نے حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ اور مولانا شبیر احمد صاحبؒ کی درسگاہ دکھلائی۔ نیز مدرسہ کی سیر کرائی۔ مدرسہ ایک باغ کے اندر معلوم ہوتا تھا۔ بڑے پر کیف اور سکون کی جگہ تھا۔ طلبہ نہایت ہی سیدھے سادے اور مہذب تھے۔ مسجد میں جماعت کے وقت پہلے سے آجاتے اور ادب و خاموشی سے رہتے پھر بعد نماز آہستہ آہستہ واپس جاتے نہ کوئی ہنگامہ ہوتا نہ شور۔ وضع قطع بھی درست تھی۔

واپسی کے وقت حضرت ناظم صاحب نے خواہش ظاہر فرمائی کہ حضرت والا دو حرف

اپنے قلم مبارک سے مدرسہ کے لئے معائنہ تحریر فرمادیں۔ حضرت نے منظور فرمالیا لیکن یہ فرمایا کہ اس کو بمبئی پہونچ کر اطمینان سے لکھکر روانہ کرونگا۔ چنانچہ بمبئی آنے کے بعد حضرت والا نے جو تحریر ارسال فرمائی وہ ہدیہ ناظرین ہے۔

معائنہ جامعہ اسلامیہ ۔ ڈابھیل

بخدمت جناب مہتمم وناظم صاحبان واراکین وممبران صاحبان جامعہ اسلامیہ ڈابھیل

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

میں نے آتے وقت یہ عرض کیا تھا کہ بمبئی پہونچکر کچھ لکھکر بھیجوں گا۔ اس سلسلہ میں آپ حضرات سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میں وہاں آپ حضرات کی دعوت پر اس وجہ سے بھی حاضر ہوا تھا کہ وہ میرے اکابر اور اساتذہ کی جگہ تھی (مراد مذکورہ بالا دونوں بزرگ ہیں) چنانچہ وہاں پہونچکر میں نے طلبہ اور اساتذہ کی جو حالت دیکھی اس کا میرے قلب پر اثر اچھا ہوا۔ اُن کی وضع، تواضع، مسکنت، ادب اور احترام ساری ہی چیزیں بیحد پسند ہوئیں۔ چنانچہ ایک عربی اور دینی مدرسہ کو جیسا ہونا چاہئے الحمد للہ میں نے جامعہ اسلامیہ کو ویسا ہی پایا۔ بلاشبہ یہ چیزیں اساتذہ اور اراکین کی دینداری اور اخلاص کا ثمرہ ہیں۔ اس پر میں آپ حضرات کو مبارکباد دیتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے جامعہ کے ظاہری و باطنی ترقی کیلئے دعا کرتا ہوں بعض عوارض کی بنا پر وہاں قیام بہت ہی قلیل رہا جس کا مجھے بھی افسوس ہے۔

۲۷ ربیع الاوّل ۸۶ھ — وصی اللہ عفی عنہ

راقم نے اپنے اتنے طویل قیام میں حضرت والا کو کسی مدرسہ یا ادارہ کے متعلق کوئی معائنہ تحریر

فرماتے نہیں دیکھا لیکن بڑا ہی خوش نصیب ہے مدرسہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کہ اس کے متعلق شیخ وقت اور حضرت مصلح الامۃؒ نے کیسے عمدہ اور پاکیزہ خیالات ظاہر فرمائے۔ اللہ تعالے مدرسہ کو انہیں حالات پر باقی رکھے اور ہر طرح کی ظاہری و باطنی ترقی نصیب فرمائے اور دوسرے دینی مدارس کو بھی اسی راہ پہ چلائے۔ آمین یارب العالمین

اسی چھٹے سفر کے قیام کے آخری ایام میں حضرت والاؒ نے حافظ محمد صدیق صاحب میمن کو تحریری سند اجازت و خلافت عطا فرمائی۔ حافظ صاحب بہت نیک و صالح اور دیندار شخص تھے۔ مکہ مکرمہ میں مستقل قیام تھا۔ کبھی کبھی احباب و اعزہ سے ملنے بمبئی تشریف لاتے تھے۔ اس بار جب تشریف لائے تو لوگوں نے حضرت اقدس کا تذکرہ اُن سے کیا۔ ملنے کے لیے حاضر ہوئے۔ دینداری تو پہلے ہی سے تھی اسی کی وجہ سے قلبی مناسبت بھی پہلے ہی ملاقات میں ہوگئی جبتک بمبئی میں قیام رہا حضرت والا سے ملتے رہے۔ بالآخر جب حضرت نے الہ آباد واپسی کا ارادہ سفر فرمایا تو اُن کو خلافت عطا فرمائی۔ کیونکہ وہ بھی مکہ شریف واپس جانے والے تھے۔ اس کی نقل خطوط کے رجسٹر میں موجود ملی۔ اسلئے ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں۔

سند اجازت منجانب حضرت والا (مصلح الامۃ) دامت برکاتہم

بنام حافظ محمد صدیق صاحب میمن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِوَلِیِّہٖ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّہٖ وَصَفِیِّہٖ وَعَلٰی کُلِّ مَنِ اتَّبَعَ سُنَّتَہٗ فِیْ خَفِیِّہٖ وَ جَلِیِّہٖ ——— وَبَعْدُ فَیَقُوْلُ الْعَبْدُ الضَّعِیْفُ

المفتقر الی الله وصی اللّٰه اوصلہ الی ما یتمناہٗ انہ
لما کان اخی فی اللّٰہ الحاج محمّد صدیق اصلح
اللّٰہ شانہ ورفع مکانہ رجلا صالحا راغباً
فیما عند اللّٰہ للمتقین عاملا باعمال اہل الیقین وکان
ممن یجالسنی ویحبنی فی اللہ وللّٰہ لقد رضیت
باعمالہ واحوالہ ورایت ظاہرہٗ ما لوا فوق الصّلحاء
ولیشہد قلبی بصلاحہ اذنتہ توکلا علی
اللّٰہِ باخذ البیعۃ فی سلاسل الاربعۃ الچشتیۃ
والنقشبندیہ والقادریہ والسہروردیۃ وولیتہٗ
الاجازۃ بالمجالسۃ فی اصحابہ من یرید الاخرۃ
وان لا یبخل فی ارشادہم واصلاحہم والافاضۃ
علیہم ممّا انعم اللّٰہ من النسبۃ،
نفع اللّٰہ بہ الطالبین والمسترشدین
واللّٰہ ولی التوفیق واوصیہ بتقوی اللہ
فی السّرّ والعلانیۃ والشدّۃ
والرّخاء والغضب والرضاء
واوصیہ بنصح الاسلام والمسلمین
فی کل حین۔ وباشاعۃ
طرق مشائخنا اتباع سُنن
سید المرسلین فی القول و
الفعل والعمل والحال والنیۃ والہدی

فان وافق احواله
بما احب فذلک ظنی
به ورجائی منه
وان خالف احواله
ما ظننت به - ولا
قدر الله - افوض امرہٗ
الی الله - وسیعلم
الذین ظلموا
ای منقلب ینقلبون

بمبئی ۱۰؍جولائی ۶۷ء — وصی اللہ عفی عنہ

از رجسٹر نقل خطوط صہ ۳۴۹

ترجمہ اس کا یہ ہے

تمام تعریفیں اس ذات پاک کے لئے ہے جو حقیقۃً حمد کا مستحق ہے اور صلوٰۃ وسلام اس کے برگزیدہ نبیؐ پر ہو۔ اور (بالتبع) ہر اس شخص پر ہو جس نے آپ کی جلی اور خفی سنتوں پر عمل کیا۔

بعد حمد وصلوٰۃ کے یہ عبد ضعیف، اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا محتاج، وصی اللہ اللہ تعالیٰ اس کو اس کی تمنائیں نصیب فرمائیں۔۔ کہتا ہے کہ چونکہ میرے اخ فی اللہ (دینی بھائی) حاجی محمد صدیقؒ اللہ تعالیٰ اُن کے حالات کو درست رکھے اور اُن کے درجات کو بلند فرمائے، ایک نیک اور صالح شخص تھے اور متقیوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے یہاں جو انعامات تھے

اس کے طالب اور راغب معلوم ہوئے۔ چنانچہ اہل یقین کے اعمال کے ساتھ متصف نظر آئے۔ اور ان لوگوں میں سے ہیں جو میری مجالس میں بیٹھتے اور مجھ سے محبت فرماتے ہیں چنانچہ میں نے ان کے ظاہر کو صلحاء کے ظاہر کے مطابق پایا۔ اور میرے قلب نے ان کے صلاح کی گواہی دی۔ اس لئے میں حق تعالیٰ پر بھروسہ اور توکل کر کے انکو سلاسل اربعہ یعنی چشتیہ، نقشبندیہ، قادریہ، اور سہروردیہ میں بیعت لینے کی اجازت دیتا ہوں اور اس امر کی بھی کہ ان کے احباب میں سے جو لوگ طالب آخرت ہوں ان کو اپنی مجلس میں شریک کریں (اور سنن طریق سمجھائیں) اور اس ارشاد و اصلاح میں بالکل بخل نہ کریں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی جو نسبت ان کے سینہ میں ودیعت فرمائی ہے اس کے افاضہ میں قطعی بخل نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ اُن سے طالبین اور مسترشدین کو نفع بخشے۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق عطا فرمانے والے ہیں۔

اور میں خود ان کو اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں باطناً بھی اور ظاہراً بھی شدت اور سختی کی حالت میں بھی اور نرمی میں بھی۔ حالت غضب میں بھی اور رضا میں بھی اور انکو یہ وصیت کرتا ہوں کہ ہر وقت اور ہمیشہ اسلام اور مسلمین کی خیر خواہی کریں گے اور ہمارے مشائخ کے طریقوں اور (مسلک) کی حفاظت و اشاعت کریں گے۔ یعنی قول، فعل عمل اور حال نیز نیت اور طور طریقہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سنت کی اتباع۔

اب اگر ان کے حالات میری خواہش کے مطابق رہے (تو سبحان اللہ کیا کہنا) یہی میرا گمان بھی ہے ان کے ساتھ اور ان ہی کی توقع بھی ہے اور اگر (خدانخواستہ) ان کے حالات میرے پسندیدہ طور طریقہ کے خلاف ہوئے اور خدا نہ کرے کہ وہ ایسا کریں تو ان کا معاملہ خدا کے حوالہ اور جن لوگوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے عنقریب وہ جان لیں گے کہ کس کروٹ ان کو لیٹنا ہے۔

وصی اللہ عفی عنہ ۱۰ر جولائی۔ بمبئی

ملاحظہ فرمایا آپ نے خلافت نامہ اور اجازت نامہ۔ اہل علم کے لئے تو یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ ہر طالبعلم کی سند کے آخر میں تقریباً یہی الفاظ ہوتے ہیں لیکن عام طور سے لوگ اس کی حقیقت سے ناآشنا ہی ہوتے ہیں خود حضرت مصلح الامۃؒ سے سُنا۔ فرماتے تھے سند اجازت کا یہی انداز ہمیشہ ہی رہا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے اپنے ایک شاگرد مولوی نوراللہ نامی کو جو اجازت نامہ تحریر فرمایا اس میں بھی اولاً اُن کا تعارف اور تعریف فرمائی اور ایک شعر عربی لکھا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ سہ تمھارا نام جو نوراللہ ہوا تو اس لئے کہ عنقریب تم سراپا نور ہو جاؤ گے انتظار کرو۔ دیکھئے اس سے حضرت محدث دہلویؒ کی کسقدر رضا اور مسرت کا اندازہ ہوتا ہے اور محبت و تعلق کا پتہ چلتا ہے جو ان کو مولوی نوراللہ صاحب سے تھی۔ بایںہمہ سند کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے ان کی جو تعریف کی ہے اور ان کو جن امور کی اجازت دی اس کے متعلق میرا گمان غالب اور ان سے توقع تو یہی ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ اس پر پورے اتریں گے لیکن اگر وہ اس کے خلاف ثابت ہوں تو یہ سُن لیں کہ معاملہ خدا کے ساتھ ہے (اور پھر سے ایک وعدہ کر کے پھر نہ اس پر قائم رہنا ایک طرح کا ظلم ہے) اور پھر یہی آیت تحریر فرمائی کہ فَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ۔ یعنی جن لوگوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا عنقریب ان کو معلوم ہو جائے گا کہ کس کروٹ ان کو لیٹنا ہے۔

یہ سنا کر حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے کسی کتاب میں دیکھا ہے کہ امیرالمومنین سے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے جب حضرت عمر فاروق رضؓ کو خلافت سپرد فرمائی تو آپ نے بھی آخر میں یہی کلمات ارشاد فرمائے

بات یہ ہے کہ خلافت کا معاملہ ہے ہی اہم، شیخ کے لئے بھی اور مرید کے لئے بھی۔ سچا اور دیانتدار شیخ تو یہ سمجھتا ہے کہ میں ایک امانت کو مرید کے حوالہ کر رہا ہوں۔ میری اجازت کی وجہ سے عام لوگ اس کی جانب متوجہ ہوں گے۔ اس لئے خوب جانچ پرکھ ہی کسی کو مجاز

بناتے تھے۔ اور بسا اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ اپنی اولاد میں اہلیت نہ دیکھکر غیر کو اجازت دیتے وقت خوب روتے تھے کہ افسوس آج گھر کی دولت ان لوگوں کی نااہلیت کی بدولت باہر جارہی ہے اور مرید یہ خیال کرتا تھا کہ یا اللہ! خیر فرما کہ ایک مخلوق کی ذمہ داری میرے سپرد کی جارہی ہے کس طرح سے اس بار سے عہدہ برآ ہو سکونگا۔ اسی خوف اور اندیشہ کا یہ ثمرہ تھا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ بانی مدرسہ دارالعلوم دیوبند باوجودیکہ حضرت حاجی صاحب مہاجر مکیؒ کے اجل خلفاء میں سے تھے مگر چند افراد کے علاوہ آپ نے کسی کو بیعت نہ فرمایا۔ یہی حال حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کا تھا کہ معدودے چند ہی آپ کے بھی مرید تھے۔

مگر ان سب احتیاط کے باوجود مشائخ بھی آخر ہوتے تو ہیں بشر ہی۔ علم غیب بھی انکو نہیں ہوتا اس لئے کسی کے متعلق کیا سمجھ سکتے ہیں کہ یہ آئندہ کیسا ثابت ہوگا۔ اسی وجہ سے یہ خیال کرتے ہوئے کہ کم از کم میرا معاملہ تو عند اللہ درست اور صاف رہے۔ سند کے آخر میں یہ آیت لکھکر دھمکا بھی دیا کرتے ہیں مگر لوگ اس کو تحریر کی ایک رسم ہی خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ بعض مرتبہ کوئی کوئی بدل بھی جاتا ہے جیسا کہ ابھی آخر زمان میں حضرت حکیم الامۃؒ کا ایک مرید اور خلیفہ ہی بدلا اور ایسا بگڑا کہ بقول حضرت مصلح الامتؒ یا تو ان کو مجدد اور قطب کہتا تھا اور یا پھر حضرت کو (معاذ اللہ) نصرانی کہنے لگا۔ وجہ وہی مرض جسکو ہمارے حضرتؒ نے نفاق سے تعبیر فرمایا ہے اس میں ابتلا رہا۔ سیاست میں حضرت کے مسلک سے اتفاق نہ رہا ہوگا مگر اپنے آپ کو سادھے ہوئے تھا۔ پھر جب خلافت اور اجازت حضرت تھانویؒ سے مل گئی تو اپنے کو مستقل سمجھ بیٹھا اور ایک گفتگو میں کھلا۔ حضرت تھانویؒ کو جب اس کا علم ہوا تو خلافت سلب فرمالی۔ اور خانقاہ سے اس کا تعلق ختم کردیا۔ اس کے بعد اس کا برا حال ہوا جو کچھ پڑھا لکھا تھا سب طاق نسیاں ہوگیا۔ حضرت مصلح الامت یہ بھی فرماتے تھے کہ حضرت مدنیؒ نے ترحماً ایک مرتبہ اس سے کہا بھی کہ مولوی فلاں تم نے حضرت

تھانوی کو ایذا رپہونچائی ہے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کی بد دعا ان کو پڑ گئی ۔

ان سب حالات سے ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ واقف تھے اس لئے بھی اعطاء خلافت میں بہت محتاط تھے اور اس مذکورہ بالا اجازت نامہ کا اور دوسرے بزرگوں کی اجازت کا تذکرہ اکثر فرمایا کرتے تھے یہ ظاہر ہے کہ وہ ہم ہی سب لوگوں کے لئے ہوتا تھا ۔ نیز اسی خوف جوابدہی عند اللہ کا یہ اثر تھا کہ کبھی کبھی خواص میں سے کسی پر مواخذہ فرماتے ہوئے یہ فرمایا کرتے تھے کہ " میرا کوئی خلیفہ نہیں ہے " حالانکہ اس سے قبل اور اس کے بعد حضرت والا نے لوگوں کو تحریری اجازت مرحمت فرمائی تو تطبیق ان دونوں قولوں میں یہی ہے کہ کسی کے ظاہری حالات سے متاثر ہو کر اگر میں کسی کو اجازت دے بھی دوں تو لوگوں کے لئے یہ ضروری ہوگا کہ وہ خود اس کی استقامت کو دیکھیں ۔ استقامت جو ہزار کرامت سے بڑھکر ہے وہ یہی ہے کہ انسان نے اپنے شیخ کو جس طریقہ پر پایا ہے اور دیکھا ہے یا ان کے سامنے خود کو پیش کیا ہے ان کے بعد بھی اس حال پر رہے ۔ چنانچہ بزرگوں نے تو اس میں اس درجہ غلو کیا ہے کہ اگر بیعت کے وقت پیر میں جوتہ نہ تھا اور ننگے پیر تھے تو پھر ساری عمر ننگے ہی پیر تو رہے جیسا کہ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کے حافی نام کا یہ بھی ایک وجہ تسمیہ ہے واللہ اعلم ۔ لیکن یہ ان کا بس ایک حال تھا ۔ طریق کی رو سے لازم نہ تھا ۔ محض کسی شیخ کے در پر عمر بھر پڑا رہنا یہ استقامہ مطلوبہ نہیں ہے گو کسی درجہ میں مستحسن ہو ۔ ہاں اپنے قول و فعل اور حال نیز اخلاق و اخلاص حاصل کرنے کی سعی میں لگا رہے اور اس مسلک پر گامزن رہے جو شیخ نے اپنے لئے پسند کیا تھا ۔ اس کو بلا شبہ استقامہ کہا جاسکتا ہے ۔ حاصل یہ کہ استقامت بھی دو طرح کی ہوتی ہے ایک تو یہ کہ محض ظاہری اور لغوی معنی میں ہو اور ایک یہ کہ حقیقی ہو یعنی استقامہ علی احسن احوال ہو یہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں اور طریق میں ثانی ہی معتبر ہے اور اول کا ثانی کے ساتھ بجز لفظی مشارکت کے کچھ بھی درجہ نہیں ہے ۔

ہمارے ایک مخلص نے اپنے ایک محترم کو خط لکھا اس میں راقم کے متعلق بھی اپنے خیالات کا یوں اظہار کیا ہے :

"میرے لئے بڑی جاذب اور قابل قدر، قابل زیارت شخصیت، فنافی الشیخ حضرت اقدس مولانا... صاحب برکاتہم کی ہے۔ واقعی خدمت کا حق ادا کردیا اور توحید مطلب کو خوب سمجھے اور اس پر مستقیم رہے اور "الاستقامۃ فوق الکرامۃ" کے تمغہ کی بازی لے گئے۔ سینکڑوں خانقاہوں کو کھنگالئے تو کوئی ایک ایسے ملیں گے۔ بڑی نادر الوجود شخصیت ہے۔ اللہ پاک عمر دراز فرمائیں اور اس نمونہ "فانی" کو تادیر "باقی" رکھیں۔ میرا سلام ان کی خدمت عالی میں پیش فرمائیں اور دعوات صالحہ کی درخواست بھی۔

غرۃ صفر ۹ھ"

بہر حال اللہ تعالیٰ مجھے ان کے حسن ظن کے مطابق بنائے اور میرے باطن کو بھی میرے ظاہر کے توافق عطا فرمائے اور اس ظاہری استقامت (لغوی) کے ساتھ ساتھ مجھے حقیقی اور کامل استقامت سے نوازے۔ آمین

کسی کی استقامت کا پتہ امتحان کے وقت معلوم ہوتا ہے۔ ہمارے حضرت خواجہ صاحبؒ کو ایک مرتبہ حضرت حکیم الامۃؒ نے کسی چیز سے روکا لیکن ان سے پھر اس کا صدور ہوگیا چنانچہ نوبت یہاں تک پہونچی کہ حضرت نے اپنے خادم نیاز کو حکم دیا کہ نیاز! خواجہ کا سامان خانقاہ سے باہر کردو... ظاہر ہے کہ خواجہ صاحب ڈپٹی کلکٹر یا بعدہٗ انسپکٹر تھے اُن پر کس قدر گراں یہ حکم ہونا چاہیئے تھا لیکن اخلاص اور فنافی الشیخ ہی کی وجہ سے اس کو سہہ گئے اور پھر جس مرتبہ پر پہونچے سب کو معلوم ہے اور ایسی ایسی نہ معلوم کتنی گھاٹیاں طے کی ہوں گی۔ اسی لئے تو بعد میں انھوں نے اپنے

اس کیفیت اور گذر جانے والے اُن مجاہدات کا تذکرہ یوں فرمایا ہے ؎

مے یہ ملی نہیں ہے یوں قلب و جگر ہوئے ہیں خوں
کیوں میں کسی کو مفت دوں مے مری مفت کی نہیں

حق تلفی ہوگی اگر میں اس موقع پر اپنی خانقاہ کے کچھ احوال نہ ذکر کروں۔ میری مراد اس سے ہمارے مرشد حضرت مصلح الامۃ رحمۃ اللہ علیہ اور میرے اپنے دور کے بعض حضرات ہیں جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اجازت و خلافت کی ڈگری حاصل کرلینا بہت مشکل مرحلہ تھا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ وطن میں درس کے موقع پر سب طلبہ (یہ طلبہ حضرت کے اعتبار سے تھے ورنہ اپنی جگہ بہت سے کیا تمام ہی حضرات فارغ التحصیل ہی تھے) سے کسی بات پر مواخذہ ہوا۔ سب نیچے بھیجدیئے گئے۔ مولوی نثار اللہ صاحب مرحوم رئیس گورکھپور درس میں شریک تھے۔ سمجھانے کے لئے حضرت نے ان کو بھیجا ہم لوگوں نے اپنی غلطی کا اقرار کرلیا اور اصلاح کرنے کا وعدہ کیا۔ مولوی صاحب موصوف اوپر حضرت کے پاس گئے اور ہماری جانب سے عمدہ ترجمانی فرمائی حضرت نرم ہوگئے۔ انہوں نے یہ بھی عرض کیا کہ حضرت یہ سب لوگ ماشاء اللہ اچھے ہی ہیں رہا یہ کہ آپ کا معیار ہی بلند ہے اس لئے اس پر نہیں اترتے۔ حضرت والا یہ سنکر ہنس پڑے۔ معاملہ ختم ہوگیا۔

اسی اپنے معیار کے پیش نظر حضرت والا آخر عمر تک کام کرتے رہے۔ جس مواخذہ اور سرزنش پر کبھی کبھی کے آنے جانے والے پگھل جایا کرتے تھے آپ خود خیال فرماسکتے ہیں کہ جن حضرات کے شب و روز کے ۲۴ گھنٹے اور مہینہ بھر کے تیسوں دن حضرت اقدس کے سامنے ہوتے تھے اور برابر ان سے پوچھ گچھ ہوتی تھی ان کے لئے رات کا سونا۔ اور دن کا کھانا سب ہی کیسا گذرتا ہوگا نہ کھانے میں کوئی لطف ہوتا نہ راحت کے ساتھ سونا نصیب ہوتا کیونکہ کبھی شب کو بعد نماز عشاء کبھی علی الصباح قبل الفجر، کبھی قبیل ظہر، کبھی کھانا کھاتے حضرت والا کی جانب سے کوئی اصلاحی سوال ہو ہی جاتا جس کے بعد سب چیزوں کا مزا کرکرا

ہوجاتا تھا۔ مثلاً یہی سوال ہوجاتا کہ آپ لوگ یہاں کیسے رہتے ہیں؟ یہ مدرسہ نہیں ہے کبھی فرمان ہوتا آپ لوگوں نے یہاں رہ کر کیا سیکھا ہے۔ ہر شخص خود آکر زبانی مجھ سے کہے غرض کبھی کچھ اور کبھی کچھ اور بات کیا ہوتی اس میں بہت کچھ ہمیں لوگوں کی باطنی خامیوں کا دخل ہوتا اور کبھی کسی غیر کا کوئی تکلیف دہ معاملہ ہوتا اور اس سلسلہ میں تمام ہی مقیمین کھنگالے جاتے اسمیں گو خود حضرت اقدسؒ کو بھی بیحد تکلیف ہوتی مگر ہماری اصلاح کی خاطر اس کو گوارا اور برداشت فرماتے اور ہم لوگوں کی تسلی کے لئے یہ بھی فرماتے کہ یہ میں ہی کہہ رہا ہوں کسی اور سے یہ سب باتیں نہ سنوگے۔ حضرت مولانا تھانویؒ کی ذات بڑی مستغنی اور بے نیاز تھی کوئی اپنے حالات نہ لکھتا، خانقاہ میں سالوں پڑا رہتا تب بھی وہ از خود مطالبہ نہ فرماتے ورنہ اگر مجھے بھی اس طرح کا کہنے سننے والا مل جاتا پھر تو ہم کچھ ہو ہی جاتے۔ وہ تو اللہ تعالیٰ نے قلب میں ایک بات ڈالدی اسی سے کچھ کام بن گیا کہ جس کے کسی فعل پر حضرت اقدسؒ نے اس کو روکا ٹوکا اور کچھ مواخذہ فرمایا۔ میں نے اس سے احتراز کیا۔ العیاذ باللہ یہ مرشد کی شکایت نہیں کر رہا ہوں بلکہ ان کے معاملات اور طرز اصلاح کی حکایت بیان کر رہا ہوں اور اپنے اوپر رو رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے ناصح و شفیق کے پاس پہونچایا لیکن ہم نے ان کی قدر نہ پہچانی اور جیسے کے تیسے رہ گئے

کہنا یہ چاہتا ہوں کہ انہیں مستقل قیام فرمالوگوں میں سے ایک ہمارے مخدوم و محترم جناب قاری محمد مبین صاحب مدظلہ بھی تھے۔ حضرت خواجہ صاحبؒ نے خانقاہ میں رہ کر کیا مجاہدہ کیا اس کی تفصیل سے تو ہم ناواقف ہیں لیکن حضرت قاری صاحب موصوف کے حالات تو بہرحال سامنے ہی تھے۔ مثال کے طور پر ایک یہ عرض ہے کہ رمضان شریف میں قرآن شریف تراویح میں آپ ہی سناتے تھے، حضرت اقدسؒ جماعت میں موجود ہوتے اس کی تیاری کے لئے جو مشقتیں قاری صاحب اٹھاتے تھے وہ عدیم المثال تھی۔ اس اندیشہ سے کہیں نماز میں زیادہ بھولوں تو حضرت مواخذہ نہ فرمائیں۔ گرمی کے دنوں میں دن بھر قرآن شریف

یاد کرتے پھر بعد ظہر حافظ عبدالمنان صاحب مرحوم کو ایک بار سناتے، پھر بعد عصر بھی غالباً سناتے تھے اور بعد مغرب نفل میں اس کو پڑھتے اس کے بعد سے لیکر نماز عشاء تک مسلسل پڑھتے رہتے میں یہ سمجھتا ہوں کہ ان کا یہی ایک مجاہدہ سب سے بڑھ کر تھا۔ علاوہ اس کے اور دوسرے بھی امور تھے جن میں وہ پورے اترے۔ اسی لئے حضرت والاؒ نے انھیں اجازت عطا فرمائی اور آج وہ جانشینی کے شرف سے مشرف ہو کر مسند ارشاد پر بحمد اللہ فائز ہیں اور حضرت اقدسؒ کا طریقہ مضبوط پکڑے ہوئے ہیں۔

الٰہ آباد کی واپسی

گفتگو ذرا طویل ہو گئی عرض یہ کر رہا تھا کہ حافظ محمد صدیق صاحب میمن کو حضرت اقدسؒ نے خلافت نامہ تحریر فرمایا نقل رجسٹر میں اس پر تاریخ ۱۰؍ جولائی ۶۷ء کی کسی دوسرے کے قلم سے پڑی ہوئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بمبئی کے اس پچھلے سفر کے آخری ایام میں یہ لکھی گئی ہے کیونکہ ۱۳؍ جولائی کو یہاں سے الٰہ آباد کی واپسی تھی چنانچہ ۱۴؍ جولائی ۶۷ء کو آپ الٰہ آباد جلوہ افروز ہو گئے اور الٰہ آباد میں تو بہار آ گئی لیکن اہل بمبئی کے لئے حضرت کے تشریف لے جانے کے بعد خزاں کا سا موسم لگنے لگا۔ چنانچہ اس دفعہ محبت و مناسبت قوی ہو جانے کی وجہ سے اہل بمبئی پر جدائی کا زیادہ اثر ہوا۔ جیسا کہ روانگی کے تیسرے ہی دن حکیم اجمیری صاحب کے لکھے ہوئے عریضہ سے معلوم ہوتا ہے۔ تحریر فرمایا کہ:

"بندۂ نیاز مند محمد مسعود ۲۳۶ کھڑک بمبئی ۹

سے باادب عرض گزار ہے کہ رات عشاء کے وقت حضرت اقدس بخیر و عافیت الٰہ آباد رونق افروز ہو گئے۔ الٰہ آباد۔ الٰہی آباد۔ آمین۔ اکثر و بیشتر ذکر و تصور حضرت اقدس کا ہی ہے۔ حق تعالیٰ عز اسمہ اپنی مخلوق کو حضرِ والا

کے فیوض سے ہمیشہ مستفیض فرماویں"۔ آمین

اہل بمبئی نے اس دفعہ خصوصیت کے ساتھ تشریف بری کو محسوس کیا۔ مجھے بھی گھر اور راہ میں رونق نظر نہیں آتی۔ اور بھی لوگوں کے دل اچاٹ ہیں دعا ہے کہ پھر جلد ہی بخیر و عافیت کرم پاشیوں کی ہما ہمی ہو۔ آمین ثم آمین۔ گھر میں سب کو دست بستہ سلام عرض کرتے ہیں۔ موٹر میں اخلاق کی تعلیم فرمائی گئی اب اس پر خدا چاہے عمل کروں گا۔ نظر بفضلہ درست ہو رہی ہے۔ یہ عریضہ خود اپنے قلم سے عرض کر رہا ہوں۔

صداد ب ۱۵ر جولائی ۶۷ء

(حضرت اقدسؒ کا جواب)

" الحمد للہ بعافیت پہونچ گیا اور بعافیت ہوں۔ وہاں کے حالات کا علم ہوا۔ اثر دلیل ہے محبت کی۔ انشاء اللہ تعالیٰ اہل بمبئی کو خصوصاً آپ کو فائدہ کثیر ہوگا۔ یہاں کے کام سے فارغ ہو کر حاضر ہوں گا۔ انشاء اللہ تعالےٰ گھر میں سب کو اور سب پرسان حال کو سلام کہیے۔

اور آپ نے بے رونقی کو جو لکھا ہے اس کے متعلق کہتا ہوں کہ ۔۔

اہل اللہ عالم کے قلب ہوتے ہیں جس جگہ سے چلے جاتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا دل ہی نکل گیا ہو۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

دل کے جانے کا شہیدی حادثہ ایسا نہیں
کچھ نہ روئے آہ کر ہم عمر بھر رویا کئے

اسی تأثر کے سلسلہ کا دوسرا خط ملاحظہ فرمائیے۔ ایک صاحب حضرت والا کو لکھتے ہیں کہ:

" حضرت کی خیریت مولوی جامی اور حاجی الیاس صاحب کے خط سے معلوم ہو کر خوشی ہوئی۔ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت والا کو صحت

اور عافیت عطا فرمائے اور درجات بلند سے بلند تر عطا فرمائے۔ حکیم (اجمیری صاحب) نے اپنا خط میرے پاس بھجدیا تھا۔ میں خود ان کے پاس گیا۔ حاجی سلیمان وغیرہ بھی آ گئے تھے ان لوگوں سے پہلے بھی گفتگو ہوچکی ہے کہ ...

حضرت والا جس وقت تشریف لانا چاہیں ہم لوگ ہر طریقہ سے حاضر ہیں"۔

حاجی حسین اور عثمان صاحب سے گفتگو ہوئی۔ ان لوگوں نے کہا کہ طبیعت بہت گھبراتی ہے۔ حضرت والا جلد تشریف لائیں تو بہتر ہے۔ یہ لوگ ۵ ر اگست کو الٰہ آباد کیلئے روانہ ہوں گے جیسا کہ ان لوگوں کا خیال ہے اس وقت وہ لوگ خود حضرت والا سے بمبئی آنے کے لئے استدعا کریں گے۔ ڈاکٹر (محمد اسحٰق صاحب اور (منیر) احمد بھائی سے بھی ملاقات ہوئی تھی یہ لوگ تو حضرت والا کے ہی ہیں ... احمد نے کہا کہ حضرت والا یہیں تشریف لے آویں تو بہتر ہے ... حضرت والا بمبئی کے لوگوں پر حضرت والا کا کافی اثر پڑ چکا ہے ... حافظ صدیق صاحب (میمن) بھی اپنے حلقہ میں کام کر رہے ہیں

والسلام

ایک صاحب کا خط اور ملاحظہ فرماتے چلئے جو اہل بمبئی کے تاثر اور ان کے حالات کے انقلاب کا مظہر ہے۔ لکھتے ہیں کہ،

"حضرت والا کے (بمبئی سے) جانے کے بعد اپنے لوگوں میں کافی بیچینی رہتی ہے اور جب ملتے ہیں تو حضرت والا ہی کے متعلق گفتگو ہوتی رہتی ہے اور سب ہی لوگ یہ پوچھتے ہیں کہ حضرت والا کب تک تشریف لادیں گے۔

حضرت والا کے قدم کی برکت سے بمبئی والوں کا حال بدل گیا ہے۔ ایسے ایسے لوگوں سے ملاقات ہوئی جن کو کبھی بھی حضرت والا کی خدمت میں نہیں دیکھا۔ مگر وہ لوگ بھی حضرت والا کی تعریف کئے بغیر نہیں رہتے ہیں۔ غیروں کا کہنا ہے کہ مسجدوں میں اتنے نمازی پہلے نظر نہیں آتے تھے جتنے کہ حضرت والا کے بمبئی آنے کے بعد اب نظر آتے ہیں

ملاحظہ فرمایا آپ نے ۔ ان ہر سہ خط میں اہل بمبئی پر جدائی کا صدمہ اور حضرت والا کی تشریف آوری کے انتظار کا فکر ہے ۔ ظاہر ہے کہ اس کا اثر حضرت اقدس کے قلب مبارک پر بھی ہوا اور ارادہ فرمالیا کہ مجھے جلد ہی بمبئی واپس جانا چاہئے ۔

(سفر جون پور)

ادھر اہل جون پور نے جو اس سے قبل جون پور تشریف بری بلکہ وہیں مستقل قیام کے بارے میں عرض کر چکے تھے ۔ پھر سلسلہ جنبانی فرمائی ۔ بالآخر دس ہی دن الہ آباد میں قیام فرمانے کے بعد حضرت والا نے جون پور کا سفر فرمایا جس کا مختصر سا حال رسالہ معرفت حق سے نقل کرتا ہوں :۔

" بالآخر اس بار جب گرمی کی شدت اور لو ختم ہوئی اور حضرت والا نے بمبئی سے الہ آباد واپسی کا قصد فرمایا تو پھر بعض احباب کا اصرار ہوا کہ .. حضرت والا جون پور تشریف لے چلیں ۔ ہم لوگوں نے شہر میں نہایت ہی آرام دہ مکان بھی لے لیا ہے ۔ حضرت کا اور حضرت کے مخصوص لوگوں کا قیام اس میں رہے گا اور وہیں مجلس بھی ہوا کرے گی اور دوسرے مہمانوں کے لئے ذرا فاصلہ پر ایک دوسرا مکان لیا گیا ہے ۔ اور یہ بھی عرض کی کہ مہمانوں کے قیام کے ساتھ ساتھ طعام کا بھی انتظام ہم لوگوں نے کر لیا ہے اور اپنا مستقل باورچی رکھ لیا ہے ۔ ان لوگوں کی باتوں سے حضرت نے یہ سمجھا کہ یہ مخلص لوگ ہیں انہیں کام کا سلیقہ آتا ہے ۔ چنانچہ ۴ ر جولائی ۱۹۶۶ء بروز دوشنبہ حضرت والا بذریعہ ریل جون پور تشریف لے گئے ۔

الہ آباد میں تقریباً ۴۰ آدمی جن میں سے کچھ (باہر کے آئے ہوئے حضرات) خانقاہ میں ٹھہرے ہوئے تھے اور کچھ شہر کے حضرات تھے حضرت اقدس کے ہمراہ ہو گئے (حضرت والا

کا یہ قیام اٹالہ مسجد کے قریب ہی ایک صاحب کے مکان میں ہوا تھا۔ سہ شنبہ، چہار شنبہ
اور پنجشنبہ تین دن مجلس فرماکر حضرت والا کا یہ ارادہ ہوا کہ پنجشنبہ ہی کو مجلس کے بعد
الہ آباد واپس ہو جائیں لیکن حکیم منظور احمد صاحب نے انتہائی لجاجت کے ساتھ معذرت
کی کہ حضرت! ایک دن کا موقع اور عطا فرمائیں کل جمعہ ہے حضرت والا نماز جمعہ بڑی مسجد میں
ادا فرمائیں اور دو کلمہ اپنی زبان فیض ترجمان سے وہاں بھی ارشاد فرمائیں اور پھر روانہ
ہو جائیں۔ حضرت والا نے فرمایا کہ چونکہ حکیم موصوف کی خاطر مجھے عزیز ہے اس لئے خیر
ٹھہر جاؤں گا اور جمعہ جامع مسجد (بڑی مسجد) ہی میں پڑھوں گا۔ اور بہت ممکن ہے کچھ
بیان بھی کر دوں یہ گفتگو پنجشنبہ کو مجلس میں فرمائی لیکن جب حضرت والا کو یہ معلوم
ہوا کہ جامع مسجد کی کرسی بہت بلند ہے تقریباً ۳۰۔ ۳۲ زینہ چڑھنا ہوتا ہے اور یہ خیال کر کے
کہ جمعہ کو صبح بیان کرنے کے بعد اتنی سیڑھیوں کو طے کر کے مسجد جانا پھر وہاں نماز کے بعد کچھ بیان
کرنا اور اس کے بعد سفر کرنا۔ یہ سب چیزیں مسلسل تعب کی ہیں مبادا اسکی وجہ سے کوئی تکلیف
ہو جائے۔ لیکن وعظ کا اعلان ہو چکا تھا اس لئے راقم کو اور جناب محمد میاں فاروقی صاحب
کو بلا کر فرمایا کہ میں تو جامع مسجد نہ جا سکوں گا تم لوگ چلے جانا اور میری جانب سے معذرت
بیان کر دینا اور جو باتیں بیان کیا کرتا ہوں کچھ ان میں سے بیان بھی کر دینا۔

حسب معمول جمعہ کو مجلس ہوئی آج کے دن مجمع کثیر تھا۔ بعد مجلس حضرت والا اٹھے اور
مکان سے باہر تشریف لے جاتے ہوئے ذرا بلند آواز سے فرمایا کہ۔۔۔ گر و بس پیر کے
بدن پر گرد اور جو کچھ وہ کہے اسے نہ سنو۔ لوگ تو اتنے ہی سے سہم گئے اور باہر تک کا راستہ
صاف ہو گیا۔ باہر موٹر آچکا تھا حضرت والا اس میں بیٹھکر الہ آباد تشریف لے گئے۔
اور جو حضرات الہ آباد سے ہمراہ آئے تھے وہ سب بھی واپس ہو گئے اور ذرا دیر قبل
جو جگہ رشک ارم بنی ہوئی تھی اب وہی ویران معلوم ہونے لگی اور گلشن قید خانہ بن
گیا۔ ہم دونوں کیلئے چار چھ گھنٹے گذارنے پہاڑ ہو گئے۔۔۔۔۔۔ الغرض

حضرت والا کے جاتے ہی پورا مکان آن کی آن میں خالی ہوگیا باہر کے تقریباً سب ہی لوگ اپنے اپنے گھر واپس ہوگئے ہم لوگ ٹھیر گئے اور حسب ہدایت جمعہ کی نماز جامع مسجد میں پڑھی اور بعد نماز کچھ کچھ بیان ہوا۔ پھر ہم لوگ بھی الہ آباد واپس آگئے۔

نوٹ: اس سفر کی یہ مختصر روداد تھی باقی مجالس جون پور کی تفصیل رسالہ معرفت حق کے جنوری۔ فروری۔ مارچ ۱۹۷۲ء کے شماروں میں ملاحظہ فرمائیے۔ جامی

یوں اس طرح سے اور اتنی جلد واپسی اور ایسے مختصر قیام پر عام لوگ متاسف تھے اور ہم لوگ بھی متحیر تھے کہ یا اللہ! کیا امر خلاف مزاج حضرت والا پیش آیا چنانچہ کسی دوسرے موقع پر حضرت والا نے اس سفر کا حال بتاتے ہوئے خود فرمایا کہ

"میں نے جون پور میں دیکھا کہ مجمع روز بروز بڑھتا ہی جارہا ہے چنانچہ ایک دن میرے رفقاء میں سے جو الہ آباد سے گئے تھے یہ بتایا کہ ہم لوگوں کا قیام تو یہاں حضرت کے ساتھ ہے کھانے کا انتظام دوسرے مکان میں ہے جب اطلاع آتی ہے کہ کھانا تیار ہے تو ہم لوگ بھی وہیں چلے جاتے ہیں۔ ایک دن اسی طرح اطلاع کے بعد ہم لوگ پہونچے تو دسترخوان بھر چکا تھا معلوم ہوا کہ دیہات اور اطراف سے آئے ہوئے نیز بعض شہری لوگ بیٹھ گئے تھے۔ فرمایا کہ۔ مجھے اس سے تکلیف پہونچی کہ مہمانوں کو تکلیف ہوگئی اور دوسرے لوگ ہاتھ دھوکر بیٹھ گئے حالانکہ سب کی دعوت یعنی دعوت عام نہ تھی صرف مہمانوں کے لئے انتظام تھا۔ اب بیٹھ جانے کے بعد ظاہر ہے کہ کسی کو کون اٹھاتا ان میزبان لوگوں نے اسکو خلاف اخلاق جانا ہوگا۔ اس سے میں نے خیال کیا کہ اگر میں دوچار دن یہاں اور رہتا ہوں تب تو لوگ مولوی عبدالحلیم صاحب کو دیوالیہ ہی کر دینگے۔

اسی کو میں نے کہا تھا کہ بس جب کسی پیر کو پا جاؤ اس کے بدن پر گر و اور جو کچھ وہ تعلیم کرے اور بتائے اسکو نہ سنو اور نہ اس پر عمل کرو۔

اسی کو حضرت مولانا تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ بھائی میں اگر چاہوں تو ہر آنے جانے والے کے لئے کھانے کا انتظام کر سکتا ہوں لیکن لوگوں کے حالات دیکھتے ہوئے سمجھتا ہوں کہ پھر بہت سے لوگ یہاں صرف کھانے ہی کے لئے جمع ہو جائیں گے۔ مجمع تو بہت ہو جائے گا لیکن کام کچھ نہ ہوگا۔"

اب صرف یہی چیز حضرت کے لئے باعثِ تکدر بنی یا اور بھی دوسرے وجوہ کی بناء پر حضرت والاؒ جون پور میں صرف تین دن قیام فرما کر چوتھے روز الہ آباد واپس آ گئے۔

قیام جون پور میں ایک دن اٹالہ کی مسجد میں نماز ادا کرنے کے بعد فرمایا کہ :-

"کیسی عظیم الشان مسجد ہے؟ (اور واقعی مسجد تھی بھی بہت وسیع درمیانی محراب تو اسقدر بلند تھی کہ آدمی اسکے نیچے کھڑا ہو کر اوپر کا حصہ دیکھے تو سر کی ٹوپی گر جائے۔) ایک تو وہ لوگ تھے جنھوں نے کس حوصلہ سے اسکو بنوایا تھا اور ایک ہم ہیں کہ اسکو آباد بھی نہیں رکھ سکتے۔ اتنی بڑی مسجد اور اتنے قلیل نمازی۔"

غرض تین دن قیام فرما کر چوتھے روز حضرت والا الہ آباد تشریف لائے اور الہ آباد میں ایکبار پھر خوشی کی لہر دوڑ گئی کیونکہ اس سے قبل محض ہفتہ بھر کی مجالس سے لوگوں کو سیری نہ ہوئی تھی۔

اسمیں شک نہیں کہ جونپور کے بہت سے حضرات کو حضرت والاؒ کے اسقدر جلد واپسی سے رنج ہوا لیکن "رموز مصلحت خویش خسرواں دانند" حضرت والا کے قلب مبارک میں یہی آیا کہ اب چلنا چاہیئے تشریف لے آئے۔ بعض لوگوں نے حضرت والا کی برکات اور اپنے تاثرات کا اظہار خطوط سے فرمایا چنانچہ حکیم منظور احمد صاحب نے تحریر فرمایا کہ :-

"حضرت والا کے قیام نے جون پور میں ایک نئی زندگی پیدا کر دی ہے

بہت سے لوگ دین کی طرف جھکتے نظر آ رہے ہیں انشاء اللہ اس بات کی کوشش کرتا رہونگا کہ جون پور کی یہ فضا قائم رہے۔ مجھے یقین کامل ہے کہ حضرت والا کی توجہ اہل جونپور اور مشرقی یوپی کی اصلاح کے لئے بہت مفید ثابت ہوگی۔ مطب میں کبھی حضرت والا کی تعلیمات کا ذکر رہتا ہے لوگ سنکر متاثر ہوتے ہیں اور عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دعاء کیجئے کہ حضرت والا کی تشریف آوری نے جو حرکت پیدا کردی ہے اسکے استحکام کی لگاتار کوشش کرتا رہوں۔"

ایک دوسرے صاحب نے حضرت کی تعلیمات کا اثر لیا اور حضرت اقدس کی واپسی کے بعد حضرت کو یہ خط لکھا:۔

حال: حضرت والا جون پور تشریف لائے ہم گمراہوں کو روشنی ملی ابتک جون پور میں بہت سے علماء تشریف لائے لیکن صرف وقتی طور پر واہ واہ ہوئی اور دین کی حقیقت سے ہم لوگ بے بہرہ ہی رہے اور یہی سمجھتے رہے کہ بس دین یہی ہے لیکن حضرت والا کی تشریف آوری سے بات سمجھ میں آگئی کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل نہ کیا جائے گا فلاح نصیب نہ ہوگی۔

تحقیق: خوب سمجھے، ماشاء اللہ۔

حال: حضرت والا میں بالکل ہی دین سے ناواقف ہوں مگر حضرت والا کی چند گھنٹے مجالس میں بیٹھنے سے اور چند کتابوں کے پڑھنے سے یہی سمجھ رہا ہوں کہ میرا وقت ضایع ہو رہا ہے اور آخرت کا کوئی سامان نہیں ہو رہا ہے۔

تحقیق: بڑی بات سمجھ میں آئی۔

حال: اور میں اپنے اندر اہلیت بھی نہیں پاتا کہ خود ذخیرۂ آخرت اکٹھا کرسکوں گا اسلئے حضرت والا سے درخواست ہے کہ اپنے سلسلہ میں بندہ کو

داخل فرمالیں، حضرت والا بندہ کو اجازت مرحمت فرمائیں تاکہ حاضر خدمت ہوکر بیعت ہوجاؤں۔

تحقیق: اجازت ہے۔

الغرض حضرت والا مختصر قیام فرماکر جمعہ ۲۸ جولائی ۶۲ء کو جون پور سے واپس آگئے اور اپنے بعد وہاں کے لوگوں میں ایک شوق اور طلب رنج اور افسوس چھوڑ آئے اسکے چند ہی روز تقریباً ہفتہ عشرہ کے بعد ہی کوپا گنج (اعظم گڈھ) کے لوگوں نے تشریف بری کی خواہش ظاہر کی۔ حضرت والا کو چونکہ اس اطراف کے لوگوں سے بھی تعلق تھا منظور فرمالیا۔ اور غالباً حاجی سیٹھ عبدالرب صاحب کی درخواست پر کوپا گنج میں ان ہی کے مکان پر قیام فرمایا۔ الہ آباد کے بہت سے لوگ ہمراہ سفر ہوئے باہری مہمان بالخصوص بمبئی سے آئے ہوئے حضرات بھی تھے۔ حاجی الیاس صاحب تو یہاں موجود ہی تھے انکے علاوہ دوایک صاحبان اور بھی تھے جو ۵ راگست کو بمبئی سے آنے والے تھے یہاں سے جانے والوں میں سے بعض حضرات یہ تھے مولانا محمد میاں صاحب فاروقی۔ غالباً جناب شاکر حسین صاحب۔ جناب فخرالاسلام صاحب وکیل۔ والدماجد جناب مولوی سراج الحق صاحبؒ۔ مولانا ارشاد احمد صاحب مبلغ دارالعلوم دیوبند۔ نیز یہ راقم بھی ہمراہ تھا۔ سیٹھ صاحب نے اپنی ایک کوٹھی میں سب لوگوں کے قیام کا اچھا انتظام کیا بالاخانے پر ایک جانب حضرت والا کا قیام تھا نیچے ہم لوگ ٹھیرے تھے ہم سب کے کھانے کا بھی معقول نظم تھا صبح کے وقت مجلس ہونے لگی وہاں کے لوگ حضرت والا کے شیدائی تھے ہی بکثرت شریک مجلس ہوئے۔ وہاں کے علماء اور خواص بھی حضرت والا سے ملتے رہے۔ قریب ہی مسجد میں حضرت نماز ادا فرماتے، وہاں کے لوگ چونکہ حضرت کے مزاج شناس تھے اسلئے نماز اپنے اپنے محلہ کی مسجد میں ہی پڑھتے جاتے تھے کہ وہ مسجد چھوٹی ہے جگہ تنگ ہوجائے گی۔ کوپا گنج کے اسی سفر میں ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ حضرت والا نے ایک دن راقم کو بلایا اور فرمایا کہ کسی علیحدہ کمرے میں الہ آباد سے آئے ہوئے

لوگوں کو جمع کرو اور یہ سیٹھ عبدالرب صاحب ہیں انکو بھی لے لو اور لوگوں سے میری جانب سے یہ کہو کہ :-

"یہ سیٹھ عبدالرب صاحب آپکے سامنے بیٹھے ہیں یہ مکان انھیں کا ہے چاہے پوچھ لیجئے کہ یہ ابتداء میں ایسے سیٹھ نہیں تھے بلکہ بہت ہی غریب آدمی تھے اور دوسرے دوسرے لوگ بڑے سیٹھ کہلاتے تھے پھر یہ میرے پاس آئے اور اخلاص کے ساتھ آئے اور برابر آتے رہے اور اسی اخلاص کیوجہ سے یہ آج ایسے نظر آرہے ہیں۔ ان سے پوچھ لیجئے میں صحیح کہہ رہا ہوں یا غلط۔ اس پر سیٹھ عبدالرب صاحب نے تاثر کے ساتھ کہا کہ حضرت جو فرمارہے ہیں بالکل صحیح ہے"

اس گفتگو سے سب ہی لوگ متاثر تھے اور اخلاص اور صدق عقیدت کی تعلیم اسکو سمجھ رہے تھے اور یہ سمجھنا صحیح بھی تھا۔ لیکن راقم کے فہم ناقص میں (حضرت والا کے اور دوسرے معاملات کو دیکھتے ہوئے، یہ بھی آتا ہے کہ اس تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ ہوسکتا ہے کہ حضرت والا کا گویا گنج کا چونکہ یہ آخری سفر تھا اسلئے حضرت نے یہ چاہا ہو کہ حاجی صاحب موصوف کی خدمات کا شکریہ ادا کرکے اس بار سے بھی سبکدوش ہو جاؤں کیونکہ اللہ تعالےٰ کے شکر کی ادائیگی کے لئے مخلوق کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ جہاں اس سے مقصد حاضرین کو سبق دینا تھا وہیں یہ بھی ہو سکتا ہے جو عرض کیا گیا۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

اور اسکے بعد ایک واقعہ اور پیش آیا کہ الہ آباد اور بمبئی سے تشریف لانے والے لوگوں نے یہ مشورہ کیا کہ حضرت کا وطن فتحپور تال نرجا یہاں سے قریب ہے حضرت تو شاید تشریف نہ لیجائیں اگر ہم لوگ اجازت لیکر مجلس کے بعد چلیں اور ایک شب وہاں خانقاہ میں رہکر دوسرے دن علی الصباح ہی واپس ہو جائیں تاکہ یہاں کی مجلس کا ناغہ نہ ہو تو اسمیں کیا حرج ہے ؟ ہم لوگوں نے خانقاہ دیکھی نہیں ہے شوق رکھتے ہیں سب لوگوں نے تائید کی ہاں مناسب تو ہے۔ باقی حضرت سے کون کہے اس کی

ہمت کسی کی نہ پڑتی تھی۔ بالآخر لوگوں نے والد صاحب مرحوم کو نمائندہ بنایا انھوں نے حضرتؒ سے لوگوں کی خواہش کا اظہار کردیا۔ فرمایا کہ ہاں ٹھیک تو ہے جائیے اجازت ہے" اب کیا خبر تھی کہ یہ اجازت امتحانی ہے لوگ تو خوش ہو گئے اور شاید بعد ظہر جانے کا ارادہ کرلیا چنانچہ سب لوگ فتحپور چلے گئے جو وہاں سے ۵۔ ۶ میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ جانے کو تو لوگ چلے گئے لیکن جب یہاں بالکل سناٹا ہوگیا اور حضرت بعض مرتبہ بعض خاص لوگوں کو طلب فرمالیتے تھے اور ان سے گفتگو کرتے تھے اسکا موقع نہ رہا تو بعد عشاء راقم کو طلب فرمایا کہ ایک کام کروگے احقر نے عرض کیا کہ حضرت ضرور۔ ارشاد فرمائیے فرمایا کہ ذرا فتحپور چلے جاؤ اور یہاں سے جو لوگ گئے ہیں ان سب کو جمع کرکے میرا یہ پیغام انکو پہنچا دو اور سیٹھ عبدالرب سے فرمایا کہ حاجی جی ان کے لئے یکہ کا انتظام کردیجئے اور کسی رفیق کا بھی مع ایک لاٹھی اور لالٹین کے (رفیق اسلئے تاکہ صعوبت رفع ہوجائے اور لاٹھی اسلئے کہ راستہ میں کوئی موذی جانور کتا وغیرہ تنگ نکرے اور لالٹین اسلئے کہ شب کا سفر تھا اور رات اندھیری تھی) بہرحال راقم جب خانقاہ میں پہونچا تو لوگ مولوی ارشاد احمد صاحب کا وعظ سن رہے تھے میں نے اسی مجمع میں حضرتؒ کا پیغام سنایا جو اسوقت پوری طرح تو یاد نہیں ہے لیکن کچھ اس قسم کی باتیں تھیں:۔

"فرمایا کہ آپ لوگوں کا شیخ ایک جگہ موجود ہے اسکی صحبت ترک کرکے محض کسی جگہ اور عمارت کی زیارت کے لئے چلا جانا یہ کیسا ہے؟ اور یہ امر کس قدر اخلاص اور اعتقاد کے قریب ہے اس کے متعلق آپ لوگ کچھ فرمائیے"

ان حضرات پر اس ایک سوال ہی سے گویا اوس پڑگئی کہا کہ جاکر ہم سب کیطرف سے عرض کردو کہ "غلطی ہوئی اور ہم لوگ صبح حاضر ہوکر خود معذرت پیش کریں گے"۔ یہ جواب لیکر ہم تو فوراً واپس چلے آئے اب ان لوگوں کی شب کیسی گذری ہوگی خدا جانے۔

یہاں واپس آئے تو حضرت والا سوچکے تھے سیٹھ عبدالرب صاحب جاگ رہے تھے

کہا کہ کئی بار دریافت فرمایا کہ جامی آئے۔ عرض کیا گیا کہ ابھی نہیں آئے۔ بس ابھی ابھی آنکھ لگ گئی ہے۔ ہم لوگ باہر کمرہ کے یہ گفتگو کر رہے تھے کہ حضرت والاؒ نے آواز دی کہ سیٹھ جی کون ہے؟ انھوں نے جاکر کہا کہ جامی صاحب آگئے ہیں۔ فرمایا بلا لو۔ میں اندر گیا اور سب حال بیان کیا اور ان حضرات کا جواب بھی۔ فرمایا جزاکم اللہ اچھا جاؤ اب سو رہو۔ صبح وہ سب حضرات بھی تشریف لائے اور کچھ سوال و جواب ہوکر معاملہ رفع دفع ہوگیا۔

اس موقع پر خود حضرت والا کا ایک واقعہ یاد آیا فرماتے تھے کہ ایک موقع پر حضرت مولانا تھانوی کا قیام گنگوہ میں تھا میں اور مفتی شفیع صاحب مرحوم بھی ہمراہ تھے ایک دن ہم لوگوں نے طے کیا کہ حضرت اقدس سے اجازت لیکر چلیں اور حضرت مولانا گنگوہی کی قبر پر فاتحہ پڑھتے آئیں۔ چنانچہ حضرت تھانوی سے اجازت چاہی فرمایا کہ ہاں، ہاں، ضرور ضرور۔ اجازت کے بعد حضرت تھانوی تو مکان کے اندر تشریف لے گئے اور ہملوگ قبرستان کی جانب چلے۔ کچھ ہی قدم جانے کے بعد میں نے مفتی صاحب سے کہا کہ میرے تو قدم ہی آگے نہیں اٹھ رہے ہیں میں تو واپس جاتا ہوں۔ مفتی صاحب نے کہا اجی یہی میرا بھی حال ہے یہ خیال کرکے ہم دونوں واپس آگئے جیسے ہی مکان کے پاس پہونچے دیکھا کہ حضرت مولاناؒ اندر سے باہر تشریف لا رہے ہیں ہم لوگوں سے دریافت فرمایا کہ آپ لوگ گئے نہیں۔ میں نے اور مفتی شفیع صاحب نے اپنا حال بیان کیا سنکر ہنسے فرمایا ہاں میں نے بھی کہا تھا جاؤ دیکھیں کیسے جاتے ہو۔ مطلب یہ کہ اپنے زندہ پیر کی صحبت ترک کرکے مردہ کے پاس جانا یہ طریق میں کچھ اچھا نہیں سمجھا گیا ہے کیونکہ اس سے اپنے شیخ کی کچھ ناقدری سی معلوم ہوتی ہے رہا ان کو ایصال ثواب کرنا وہ یہاں سے بھی ممکن تھا۔

غرض طریق میں بڑی نزاکت ہے اسی امر کی طرف حضرت مصلح الامۃؒ نے الہ آباد اور بمبئی کے حضرات کو متنبہ کرنا چاہا تھا واللہ عالم۔

تین چار دن گذر چکے تھے اس لئے حضرت والا نے الہ آباد واپسی کا ارادہ فرمالیا

ہمراہ یہاں سے بھی لوگ گئے تھے اسلئے بھی زیادہ قیام نہ فرما سکے۔ یہاں الہ آباد آتے پر اہل بمبئی کے مزید خطوط ملے اسلئے حضرت نے بھی جلد ہی بمبئی واپس جانا طے کرلیا اور ہفتہ عشرہ ہی اس بار اطمینان کے ساتھ الہ آباد قیام رہا اور ۳۰ر اگست ۶۷ء کو بمبئی کے لئے ساتواں سفر (جو کہ الہ آباد سے آخری سفر تھا) فرمایا۔

جی چاہتا ہے کہ اس مقام پر ایک صاحب کا خط نقل کردوں جس کا ربط اس موقع سے صرف اس قدر ہے کہ انھیں دنوں میں کوپا گنج حاضری کا ذکر ہے۔ باقی حضرت والا کے جواب میں طریق کے مقاصد، خود حضرت والا کا طریقہ۔ اور اہل زمانہ کے مشائخ اور حضرت کے طرز کا فرق نمایاں ہے اور طالبین راہ کے لئے مشعل راہ ہے انھوں نے لکھا تھا کہ:۔

حال: کوپا گنج حاضری۔ دعائیں (یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ قیام طویل نہ ہوسکا تقریباً دو دن حاضر خدمت رہا۔ بحمد اللہ پاس انفاس جاری رہا اور برابر رہا ذکر قلبی بھی اکثر کرتا رہا۔ موقع تلاش کرتا رہا کہ آپکی دعائیں اور توجہ حاصل کروں مگر محروم رہا۔ ذکر میں لذت ملتی ہے مگر دوام نہیں رہتا۔ غفلت اور ذکر دونوں کے زمانوں میں فرق محسوس کرنے کے باوجود استحکام پر قدرت نہیں ہوتی۔ کچھ تو مشاغل کچھ محرومی۔ اسلئے آپ کی خدمت میں چند روز رہ کر ذکر اور مذکور کی لذت حاصل کرنے کو جی چاہتا ہے کوشش میں ہوں کہ گھر کے کاموں سے ہفتہ عشرہ میں یکسو ہوجاؤں تاکہ والدہ وغیرہ پریشان نہ ہوں تو انشاء اللہ حاضری دوں اور کم از کم ایک عشرہ خدمت میں قیام کروں تاکہ اللہ آپ کی برکت سے اپنی یاد کی عزت نصیب فرمائے۔ دعا کی درخواست ہے۔

حضرت اقدس کا جواب باصواب: عزیزم سلمہٗ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ آپ پہلے تو میرے رسالے دیکھئے جس سے آپکو اندازہ ہوجائیگا کہ مجھ سے اور میرے طریق سے آپکو مناسبت ہے بھی یا نہیں کیونکہ کسی شیخ کے پاس نفع باطنی کیلئے رہنے تو اولاً اس چیز کا دیکھنا ضروری ہے۔

کیونکہ کسی شیخ کے پاس نفع باطنی کے لئے رہنے میں اولاً اس چیز کا
دیکھنا ضروری ہوتا ہے اور یہ اس لئے کہ ہر شیخ کا طرز تعلیم اور طریقہ اصلاح
جدا ہوتا ہے۔ چنانچہ دیکھتا اور سنتا ہوں کہ لوگوں کی زبانوں پر۔ مراقبہ
مشاہدہ اور پاس انفاس وغیرہ یہ سب چیزیں بہت ہوتی ہیں اور میری
مجلس میں آپ کو اسکا ذکر نہیں ملے گا بلکہ اصلاح نفس۔ ازالہ نفاق
تحصیل اخلاص اور اتباع سنت وغیرہ یہ سب باتیں سنئے گا اس لئے
کسی کی صحبت سے قبل ہی اس سے مناسبت کا معلوم کرلینا ضروری ہے
امید ہے کہ آنعزیز میرا مطلب سمجھ گئے ہوں گے۔ والسلام

چنانچہ حضرت والا اتباع سنت پر بہت زور دیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ جو دعائیں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر وقت اور ہر موقع کی ارشاد فرمائی ہیں ہم تو یہ سمجھتے ہیں
کہ دوام ذکر اور ذکر قلبی کے حصول کے لئے ان سے بڑھکر کوئی نسخہ نہیں۔

غرض کوپاگنج سے واپسی کے بعد دس بارہ ہی روز حضرت والا کا قیام الہ آباد
رہا اسکے بعد بمبئی کی تیاری ہونے لگی، اس بار اہل الہ آباد پر اسقدر کم قیام کا اثر رہا چنانچہ
لوگوں نے قلب بریاں اور چشم گریاں کے ساتھ حضرت والا کو اپنی آخری زیارت کیساتھ
رخصت کیا لیکن انکو خبر نہ تھی کہ یہ آخری دیدار ہے کیونکہ اس روانگی کے بعد حضرت والا
الہ آباد تشریف نہیں لائے اسلئے چندہی حضرات جو بمبئی جاسکے تھے انکو تو وہاں پھر
زیارت و ملاقات کا موقع ملا باقی اور لوگ تو زیارت کے لئے ہمیشہ ہمیش کے لئے
محروم ہوگئے۔

غرض کوپاگنج کا یہ قیام مختصر ہی رہا چنانچہ چار پانچ دن قیام فرماکر وسط اگست
۱۹۶۷ء کی کسی تاریخ میں حضرت والا الہ آباد تشریف لائے اور یہاں بھی کوپاگنج
سے واپسی کے بعد کچھ زیادہ قیام نہ فرمایا بلکہ تقریباً دس بارہ روز کے بعد ہی اواخر
اگست ۶۷ء کی کسی تاریخ میں الہ آباد سے بمبئی کا آخری یعنی ساتواں سفر فرمایا۔
اس سفر کے وقت باوجود علم نہ ہونے کے معاملہ جانبین سے کچھ ایسا رہا جیسے کہ لوگ بلکہ

خود حضرت والا بھی یہ سمجھ رہے ہوں کہ اہل الہ آباد سے بس یہ آخری ملاقات ہے
چنانچہ ان آخری چند دنوں میں مجلس میں نصیحت اور وصیت ہی کا انداز رہا اور رقت
آمیز مضامین تاثر کے ساتھ بیان ہوتے رہے چنانچہ اسکا اثر سننے والوں پر پڑتا رہا
اور وہ اندر ہی اندر سلگتے رہے بالآخر روانگی کے وقت آخری مجلس میں یہ شعلہ پھوٹ
ہی پڑا اور آخری مصافحہ کے وقت لوگ بھی پھوٹ پھوٹ کر روئے اور حضرت تھے
کہ صبر و ضبط کا پہاڑ بنکر ہر ایک سے مصافحہ فرمانے کے بعد اپنے کمرہ میں تشریف لیگئے
اور لوگوں سے کسی واسطہ کے ذریعہ یہ فرمایا کہ آپ لوگ صبر سے کام لیجئے اور یہ سمجھئے
کہ میں بھی آخر ایک انسان ہوں اور شدید بیمار رہ چکا ہوں کمزور ہوں مجھ پر بھی اثر ہو سکتا
ہے چنانچہ کہتا ہوں کہ آپ سے دوری کا مجھے بھی غم ہے اور جس قدر رنج و غم
آپ سب لوگوں کو الگ الگ ہے مجھے آپ سب لوگوں کے برابر غم ہے۔ صحت اور
زندگی رہی تو آنا جانا کیا مشکل ہے۔ وہاں کے لوگ متوجہ ہیں کچھ کام ہو جائے تو پھر یہاں
آجاؤں گا اور یہاں کام کر کے پھر وہاں چلا جاؤں گا اس لئے میرے حال پر رحم کر کے
کہ مجھ پہ کیا گذرے گی آپ لوگ صبر و ضبط سے کام لیجئے اور میرے لئے دعا کیجئے
اور جو باتیں بتلاتا اور سکھلاتا ہوں یعنی نفس کی اصلاح، اتباع سنت اور حصولِ
اخلاص ان سب کی جانب توجہ کیجئے اصل محبت اللہ اور رسول سے کیجاتی ہے اسکے
حصول کی فکر کیجئے باقی کسی دوسرے کی محبت جو معتبر ہے وہ وہی محبت ہے جو حُبّ
فی اللہ کے درجہ میں ہو۔

حضرتؒ کی اس بات سے لوگوں پر اثر ہوا اور سب کے سب خاموش ہو گئے
مجمع پر سکوت طاری ہو گیا اور سب کے دلوں میں ایک سکون سا پیدا ہو گیا اسی فضا
میں حضرت والا نے الہ آباد سے بمبئی کا سفر فرمایا۔

بمبئی میں الہ آباد کے بالکل برعکس فضا تھی یعنی بجائے رنج و غم اور چہروں پر
افسردگی کے سب لوگوں میں ایک خوشی کی لہر دوڑ رہی تھی۔ اسٹیشن پر مجمع کثیر استقبال
کے لئے آیا ہوا تھا۔ حضرت والا اور سب رفقاء سفر سلیمان بلڈنگ پہونچے (جو کہ محل وقوع

اور وسعت مکانی کیوجہ سے حضرت کو پسند بھی تھی اور سابق قیام گاہ بھی رہ چکی تھی) سلیمان
سیٹھ صاحب نے بھی اس دفعہ پہلے ہی سے ۵۔۶ فلیٹ خالی کر رکھے تھے۔ کرلا میں
آگرہ روڈ ہی پر یہ جگہ تھی۔ چہار دیواری کے اندر کچھ جگہ چھوڑ کر شرقاً وغرباً لمبان میں کچھ
کمرے بنے ہوئے تھے پہلے کمرے میں حضرت والا کا قیام ہوا، دوسرے میں راقم
مقیم تھا اور آنے جانے والے حضرات اٹھتے بیٹھتے تھے تیسرے چوتھے میں جناب
قاری صاحب مدظلہٗ اور مولوی ارشاد احمد صاحب سلمہٗ کے اہل وعیال کا قیام تھا
حضرت والا کے کمرہ کا ایک دروازہ آگرہ روڈ کیجانب بھی تھا جسکے آگے مختصر سی جالی
اسکے پچھم کیطرف تھوڑی جگہ چھوڑ کر مکان کی چہار دیواری تھی جسکے بعد سڑک تھی
اسی میدان میں پنجوقتہ نماز باجماعت ادا کی جاتی تھی اور صبح کو یہیں مجلس بھی ہوتی تھی
یہاں قیام کے دو ہی دن کے بعد مجلس ہونی شروع ہو گئی اور لوگ آنے لگے۔

یاد کچھ ایسا پڑتا ہے کہ ”محبۃ اللہ وھوی النفس“ کا مضمون اور ”سعادت
حقیقیہ کے تحصیل کا طریقہ“ یہ اسی زمانہ کے مضامین ہیں اور سفر حج میں روانگی سے
پہلے کی ”دس مجالس“ کا بھی یہی زمانہ تھا جس کا کچھ حصہ آئندہ صفحات میں
پیش کرتا ہوں۔

چونکہ حج کا زمانہ قریب آرہا تھا ایک دن حضرت والا نے جناب قاری
محمد مبین صاحب مدظلہ وغیرہ متعلقین سے مشورہ کے طور پر فرمایا کہ بھائی تم سب
لوگوں پر حج فرض ہے اور کرنا چاہئے میں تو اپنا فرض حج ادا کر چکا ہوں مجھ پر تو اب
فرض نہیں ہے لہٰذا میں یہیں بمبئی میں قیام کرتا ہوں تم سب لوگ جاؤ حج کر آؤ یہ سنکر
جناب قاری صاحب اور سب ہی متعلقین نے عرض کیا کہ بغیر آپ کے ہم لوگ
تنہا کیسے چلے جائیں آپکو خدمت کی ضرورت ہے وہ جیسی ہم لوگ کر سکتے ہیں
دوسرا شاید نہ کر سکے پھر یہ کہ سفر طویل ہے اتنے دنوں کی جدائی نہ برداشت
ہو سکے گی آپ ساتھ ہونگے تو ہم لوگوں کو بھی ڈھارس رہیگی۔ غرض اس
سلسلہ میں کئی دن غور اور مشورہ ہوتا رہا حضرت والا یہی فرماتے رہے کہ اب مجھ پر

حج فرض نہیں ہے میرے جانے کی کیا ضرورت ہے یہاں دینی کام کرنا ضروری ہے۔ تملوگوں پر فرض ہے تملوگ جاؤ حج کر آؤ اور صاحبزادیاں اور دونوں خویش حضرتؒ کے بغیر جانے کیلئے تیار نہ تھے بالآخر حضرت والا بھی جانے کے لئے راضی ہوگئے اور حج کی تیاری ہونے لگی جسکا علم اہل مجلس کو بھی، سارے شہر کو بلکہ ہندوستان میں رہنے والے جملہ متعلقین و منتسبین کو آہستہ آہستہ ہوتا گیا اور اب موضوع مجلس نیز اصلاح کا عنوان ہی بدل گیا چنانچہ حسن نیت اور انما الاعمال بالنیات پر گفتگو ہونے لگی اور دار وگیر کے سلسلہ میں ایک دن بھائی ذکی اللہ صاحب کے توسط سے راقم سے یہ سوال فرمایا کہ جاؤ جامی سے پوچھو کہ قاری مبین کے ساتھ رہیں گے یا نہیں؟ میں کسی کام میں مشغول تھا کہ ذکی بھائی آئے اور کہا کہ حضرت نے آپ سے یہ سوال فرمایا ہے کہ قاری مبین کے ساتھ رہیں گے یا نہیں؟ یہ سنکر میں تو دم بخود رہ گیا اور ذکی بھائی ہی سے پوچھا کہ اسکا مطلب میں سمجھا نہیں، کیا بات چل رہی تھی؟ انھوں نے کہا کہ بات تو کوئی معلوم نہ ہوئی میں حاضر خدمت تھا مجھ سے یہی سوال ہوا اسکے بعد آپ کو فرمایا کہ ان سے جاکر پوچھو وہ کیا کہتے ہیں؟ میں نے کہا سوال کا منشار تو اب بھی سمجھ میں نہیں آیا کہ ساتھ رہنے یا نہ رہنے کا کیا مطلب ہے تاہم جب سوال فرمایا ہے تو جواب دینا ضروری ہے جاکر عرض کر دیجئے کہ حضرت قاری صاحب کے بالکل ساتھ رہونگا اسوقت تو کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ آخر ہے کیا بات جو یہ سوال فرمایا گیا ہے لیکن بعد میں پیش آنے والے حالات نے اب سمجھا دیا کہ ع قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید۔ اپنی خداداد فراست وبصیرت کے ذریعہ حضرت والا نے کچھ سمجھ لیا تھا اسلئے سوال فرمایا جس سے خاص انتظام مقصود تھا۔ چنانچہ جناب قاری صاحب مدظلہ کے متعلق اس سے پہلے کبھی کبھی والد ماجد مولوی سراج الحق صاحب مرحوم سے کبھی مولوی امجد اللہ صاحب مرحوم رئیس گورکھپور سے کبھی مولانا محمد میاں صاحب فاروقی سے کبھی اور لوگوں سے وقتاً فوقتاً کچھ دریافت فرماتے رہتے تھے یہ بھی

اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھی - حضرت اقدس کو قاری صاحب موصوف سے خاص قلبی تعلق تھا چنانچہ ساری عمر آپ ہی کی امامت کو پسند فرماتے رہے، انھیں کی تقویت کی خاطر یہ تمام انتظامات فرمائے - چنانچہ حکیم اجمیری صاحب مرحوم ہم لوگوں کے حج سے واپسی پر جب مجلس میں شریک ہوئے تو آخر میں اپنا یہ تاثر بیان فرمایا کہ قاری صاحب! حضرت اقدس تو اب اس عالم سے تشریف لے گئے اور آپ کے ساتھ جامی صاحب کو کر گئے انشاء اللہ تعالیٰ آپ انکو بھی ساتھ رکھئے گا تو حضرت والا کا فیض اب بھی جاری وساری رہے گا اور احباب کیلئے روحانی تسلی کا سامان ہوتا رہیگا مجھے تو فکر ہو گئی تھی کہ دیکھئے حضرت کا کام اب کیونکر انجام پاتا ہے لیکن آج کی مجلس سے اندازہ ہوا کہ انشاء اللہ یہ سلسلہ باقی رہیگا اور حضرت کے فیض کا دور برابر چلتا رہیگا اللہ تعالیٰ اسے باقی رکھیں۔

الغرض جب حضرت والا نے بھی نفل حج کرنے کی نیت فرمائی اور اسکی تشہیر عام ہو گئی تو محبین کے خطوط اسی نوع کے آنے لگے کسی نے رفاقت کی اجازت چاہی کسی نے اس شرف سے محرومی کا اظہار کیا۔ چنانچہ شمس الحکماء جناب حکیم شمس الدین صاحب لکھنوی نے حضرت والا کی خدمت میں حضرت کے روانگی سفر (بیت اللہ) سے چند یوم قبل یہ عریضہ ارسال فرمایا :-

یہ سنکر کہ حضرت عنقریب حج بیت اللہ کو تشریف لیجائیں گے بیحد مسرت ہوئی۔ اللہ تبارک و تعالےٰ کا ہزار ہزار شکر واحسان ہے کہ اس نے حضرت کی جسمانی قوت و صحت اتنی بہتر کر دی کہ سفر حج آسان ہو گیا۔ توقع ہے کہ حجاز کی آب وہوا سب جگہ سے زیادہ مزاج کے موافق رہے گی۔

ہم (نیاز مند اور مسلمانان ہند) اگرچہ حضرت کے برکات وفیوض سے مقامی اور ظاہر طور پر چند ماہ تک محروم رہیں گے مگر اسکی تلافی روحانی توجہات اور ادعیہ مقبولہ سے

انشاء اللہ ہوتی رہیگی ۔

احقر کی طرح بہت سے نیاز آگیں وعقیدت مند علائق و عوائق کے سبب سے ساتھ تو نہ جا سکیں گے مگر انکی آنکھیں فرش راہ اور دل ہمراہ رہیں گے ۔

اے تماشا گاہ عالم روئے تو تو کجا بہر تماشا می روی

دیدۂ سعدی ودل ہمراہ تست تا نہ پنداری کہ تنہا می روی

حضرت والاؒ نے حکیم صاحب کے خط کا جو جواب دیا وہ بھی ملاحظہ ہو :۔

عنایت فرمائے بندہ جناب حکیم صاحب دام عنایتکم ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ الحمدللہ بخیریت ہوں ۔ آپ کے مضمون خط سے بہت تقویت ہوئی اور بڑی مسرت بھی ہوئی اسطرح کا خط مجھے کسی نے نہیں لکھا، اور آپ نے بالکل صحیح لکھا کہ میں اسی لئے جارہا ہوں اور یہ نیت ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ آپ سب لوگوں کیلئے دعائیں کروں گا ۔ اور میں تو بغیر آپکو لئے جاتا بھی نہیں مگر کچھ آپکے مشاغل اور ایک خلق کثیر کا آپ سے تعلق اور بعض دیگر عوائق نیز اس زمانہ میں اس سفر میں بالخصوص جو دقتیں ہوگئی ہیں ان سب امور کا لحاظ کرکے تنہا ارادہ کیا دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ ہر اعتبار سے اسکو بابرکت فرمائے اور باحسن وجوہ آپ حضرات سے ملاقات کرائے ۔ والسلام

اورکسی کو خود حضرت والا نے ہمراہ چلنے کے لئے ارشاد فرمایا۔ غرض حج کے لئے درخواستیں دی جانے لگیں اور اس سلسلہ میں دوڑ دھوپ جاری ہوگئی۔ بعض لوگوں کیجانب سے کم فہمی کی بنا پر بعض ناخوشگوار باتیں بھی اسی زمانہ میں پیش آئیں، ان تمام چیزوں کا ذکر " بمبئی کی آخری دس مجالس کے عنوان سے جنوری ۱۹۶۹ء کے رسالہ میں طبع ہوچکا ہے، ناظرین کی معلومات کے لئے حالات کے اس موقع پر ہم اسکا اعادہ مناسب سمجھتے ہیں ۔

اندنوں بمبئی میں ایک جانب تو فریضۂ حج کی ادائیگی کی خوشی اور مسرت تھی اور دوسری جانب ہم لوگوں کی بدفہمیاں اور بدنظمیاں سامنے آ آکر مزاج والا کیلئے باعث تکدر وضیق بن رہی تھیں، بہرحال ان دونوں متضاد حالات نے مجلس کا بھی انداز بدل دیا تھا۔ یہی سلسلہ چل رہا تھا کہ روانگی سے چند دنوں قبل یعنی ۱۶ نومبر ۷۶ء مطابق ۱۴ شعبان ۹۷ھ بروز دوشنبہ کو جب مجلس کا وقت ہوا اور لوگ جمع ہو گئے تو خلاف معمول راقم سے فرمایا کہ لوگ آ گئے ہیں جاؤ تم کچھ بیان کردو یہ سنکر احقر کچھ دیر خاموش کھڑا رہا فرمایا کہ جاکر ان ہی لوگوں سے پوچھو کہ آپ لوگ جامی صاحب سے کچھ سننا چاہتے ہیں یا مجھ سے، ظاہر یہی ہے کہ آپ مجھ ہی سے سننا چاہتے ہونگے اس لئے آپ سے پوچھتا ہوں کہ میں جو کچھ کہونگا آپ اسکو آنکھ سے سنئیے گا یا کان اور دل سے سنئیے گا۔ راقم نے حضرت کا یہ پیغام حاضرین سے جاکر عرض کیا اور کہا کہ آپ لوگ بہت دنوں سے حضرت کی مجالس میں تشریف لا رہے ہیں اور حضرت کے ارشادات سن رہے ہیں۔ حضرت والا کی باتیں آپ کے سمجھ میں آئی ہونگی۔ حضرت والا مسلمانوں کو جو سمجھانا چاہتے ہیں امید ہے کہ آپ حضرات نے بھی اسکو سمجھا ہوگا۔ اس وقت بھی حضرت والا کے ارشاد کا مطلب میں نے یہی سمجھا ہے کہ ہملوگوں نے دین کے سلسلہ میں بھی جن رسوم کو اختیار کر رکھا ہے حضرت والا ہمیں ان سے نکالکر حقیقت کی جانب لانا چاہتے ہیں۔ جلسہ اور مجمع تو علماء و مشائخ کے پاس ہوا ہی کرتا ہے۔ وعظ و تقریر بھی ہوتی ہی رہتی ہے۔ لیکن جس اجتماع کا اختتام کسی عمل پر نہ ہو اور جس وعظ و بیان سے لوگ اثر نہ قبول کریں اس سے کیا حاصل۔ آپ لوگ جب یہاں تشریف لاتے ہیں اور اپنے اس آنے جانے سے اپنی طلب کا ثبوت دیتے ہیں تو چاہیئے کہ صرف ظاہری آنے جانے پر اکتفانہ کریں بلکہ حضرت والا کے ارشادات کو گوش دل سے سنیں اور حضرت والا کی نصائح کو حرز جان بنائیں۔ اسوقت حضرت والا یہی معلوم فرمانا چاہتے ہیں کہ آپ کا یہاں آنا جانا صرف رسمی ہے یا کسی مقصدِ صحیح کے پیش نظر ہے۔ حضرت والا نے خفگی کے ساتھ فرمایا ہے کہ لوگوں سے پوچھو کہ جو کہونگا اسے سنیں گے کہ نہیں، ورنہ تو میں مجلس ہی بند کردوں گا۔

اس کے بعد فرمایا کہ ...... فلاں مولوی صاحب سے کہو کہ آپ نے میرے اس

پیغام سے کیا سمجھا۔ مولوی صاحب کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ حضرت والا جو کچھ ارشاد فرماتے ہیں اسے آپ صحیح طور پر سنتے اور سمجھنے اور عمل کرنے کی کوشش کریں اور اس کا وعدہ فرمائیں تو حضرت سے مجلس میں آنے کی درخواست کیجائے۔ حضرت والا کا یہ منشاء تھا کہ مولانا صاحب ذرا تفصیل سے بیان فرماتے اسلئے پھر فرمایا کہ آپ نے جو کچھ سمجھا ہو وہ بیان فرمائیے میرے آنے کی سفارش نہ کیجئے۔ ان مولانا صاحب نے پھر وہی دہرایا جو پہلے کہا تھا۔ اس کے بعد حضرت والا مجلس میں تشریف لائے اور

فرمایا کہ ہر آدمی اپنے تجربہ اور دیانت کا مکلف ہے۔ میں دیانت سے کہتا ہوں کہ اس زمانہ میں سبھی لوگوں کی نیت بزرگوں کے پاس آنے جانے سے دین ہو اس میں مجھے کلام ہے لیکن آپ لوگ اسکو سنیئے گا نہیں اور یہ بھی کہتا ہوں کہ آج جو عوام خراب ہوئے ہیں تو خواص سے جب ہمارے خواص اچھے تھے تو عوام بھی اچھے تھے۔ صاف کہتا ہوں کہ عوام کو ان کے علماء نے خراب کیا ہے۔ میرے سوا اور کسی سے تم اسکو نہ سنو گے۔ ہم لوگوں کا تم نے بہت امتحان کیا ایک تماشہ بنا لیا ہے۔ اسکو کہتا ہوں کہ سنتے ہو تو سنو اور یہ بھی کہتا ہوں کہ یہ باتیں تم کو سخت لگیں گی لیکن مجھے اس کی پرواہ نہیں بہت نرم نرم کہہ کر دیکھ لیا جب سخت بات کہی جاوے گی تو سخت معلوم ہی ہوگی۔ اسی لئے تو سخت کہہ رہا ہوں کہ آپ اثر لیں اور میں عوام کو نہیں بلکہ علماء کو کہہ رہا ہوں اور انھیں یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ یہ مدرسہ نہیں ہے۔ اس کا نام تربیت ہے۔ سمجھتے ہو تو سمجھو اور راہ سے رہتے ہو تو رہو اور اگر مقابلہ کروگے تو میں بھی تیار ہوں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ہے۔ ہم جیسے لوگ بھی رہیں گے گو قلیل ہی ہوں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ عالم اور جاہل برابر نہیں ہے۔ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝ اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتے ہیں کہ جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں برابر نہیں ہیں۔ لیکن اس زمانہ میں دیکھتا ہوں کہ جاہل بھی عالم کی جگہ لینے کے لئے تیار ہے اور ان سے مقابلہ کے لئے آمادہ ہے۔ عالم کا مقابلہ کروگے تو منہ کے بل گر پڑوگے۔ بادشاہوں نے علماء کا مقابلہ کیا ہے اور چل نہیں سکے۔ شاہجہاں ریشم پہنتا تھا درباری علماء نے خوشامد میں آکر جواز کا فتویٰ دیدیا تھا۔ ملا جیون رح سے کسی نے کہدیا کہ بادشاہ نے استفتاء کیا تھا علماء نے فتویٰ دیدیا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟۔

ملا جیون نے فرمایا کہ یہ سوال مجھ سے جامع مسجد میں کرنا چنانچہ جمعہ کے دن سب لوگ مسجد میں موجود تھے بادشاہ بھی موجود تھا کہ سائل نے ملا صاحب سے یہ مسئلہ پوچھا انھوں نے کہا کہ مفتی و مستفتی ہر دو کافر اند۔ یعنی مردوں کے لئے ریشم حرام ہے۔ جس نے اس کو جانتے ہوئے پھر سوال کیا اور جس نے اس کے جواز کا فتوی دیا وہ دونوں کافر ہیں۔ مستفتی چونکہ شاہ جہاں تھا ملّا صاحب کی یہ بات اسے ناگوار گذری ان کے قتل کا حکم دیدیا۔ لوگوں نے ملا جیون کو اس کی اطلاع کی کہ آپ کے قتل کے لئے شاہی حکم ہو گیا ہے۔ فرمایا کہ اچھا! بادشاہ نے میرے قتل کا حکم دیا ہے؟ تو لاؤ میرا لوٹا میں بھی وضو کر کے مسلح ہو جاؤں اسلئے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ الوضوء سلاح المؤمن وضو مومن کا ہتھیار ہے۔ یہ خبر بادشاہ کو پہنچی کہ ملا صاحب وضو کر رہے ہیں پس بادشاہ ڈر گیا اور اپنے صاحبزادہ عالمگیرؒ کو بلوایا اور ان کے ہاتھ ملّا صاحب کیخدمت میں خلعت بھجوائی ملا صاحب خوش ہو گئے۔

دیکھا آپ نے بزرگوں سے مقابلہ کا نتیجہ، یہ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ اگر تم بھی مقابلہ کرو گے تو پھر ہم بھی تیار ہیں۔ کسی آدمی کو پہچانو۔ مقابلہ کیا کرتے ہو۔ سمجھانے کے لئے یہ کہدیا ہے ورنہ یہ باتیں کہنے کی نہیں ہیں۔

کئی دن سے میں نیت پر گفتگو کر رہا ہوں کہ انما الاعمال بالنیات اپنی نیت کو درست کرو اور یہ سب کے لئے ہے۔ عالم کے لئے بھی ہے اور عامی کے لئے بھی ہے۔ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ ہر آدمی کو وہی ملیگا جو اس کی نیت ہوگی اس حدیث کی بڑی شان ہے اب یہ حال ہو گیا ہے کہ حج کو جانے کی تیاری ہے مگر نیت کی درستگی کا اہتمام بالکل نہیں ہے بلکہ ظاہری انتظام تک نہیں کرتے۔ نہ خود یہاں آتے ہیں اور نہ کوئی کوشش کر رہے ہیں کہتے ہیں کہ یہ راستہ عشق سے طے کیا جاتا ہے اس میں انتظام کی کیا ضرورت ہے۔ ایک صاحب نے مجھے لکھ کر بھیجا کہ، سنا ہے کہ تم ذاکرین کی ایک جماعت کو لیکر حج کرنے کے لئے جا رہے ہو تو مجھے یہ لکھو کہ میں درخواست تمہارے پاس بھیجوں یا حج کمیٹی کے نام بھیجوں۔ دیکھتے ہیں آپ۔ جب دین چلا جاتا ہے اور اخلاص ختم ہو جاتا ہے تو دنیا کی بھی عقل رخصت ہو جاتی ہے۔

یہ حدیث جس طرح ہجرت کے بارے میں ہے اسی طرح سے علم کے بارے میں بھی ہے

مصنف نے شروع کتاب میں اسے لاکر اس امر کی جانب اشارہ کیا ہے کہ پہلی چیز نیت ہے، جس درجہ کی نیت ہوگی اسی درجہ کا عمل ہوگا۔ عمل کا تحقق اور وجود تو بغیر نیت کے ہو سکتا ہے لیکن صحت اور کمال اور قبول نیت کی وجہ سے ہوتا ہے چنانچہ تصوف کی پہلی چیز بھی یہی نیت ہے۔ نیت کے متعلق علماء نے بڑا زبردست کلام کیا ہے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اہل فلسفہ جس چیز کو نیت سے تعبیر کرتے ہیں یعنی کسی کام کے کرنے کا اولاً جو داعیہ اور ارادہ پیدا ہوتا ہے اسے وہ لوگ نیت کہتے ہیں۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ شرعی نیت نہیں ہے بلکہ شریعت میں نیت اسے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی تحصیل کے خیال سے کسی کام کے کرنیکا داعیہ قلب میں پیدا ہو چنانچہ یہ عمل سے پہلے کی جاتی ہے لیکن تحقق اور ظہور اس کا عمل کے بعد ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی ایک حدیث کے ذریعہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ تک پہنچا دیا لیکن ہملوگ اس حدیث کو پڑھا کر اور سنا کر اپنے لوگوں کو اور طلباء کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچا سکتے ہماری مثال بس ملّا سنین کی سی ہے کہ انھوں نے ایک کتاب (غالبًا ہدایہ) کے ساٹھ حواشی یاد کر رکھے تھے۔ اور طلبہ کے سامنے بیان کرتے تھے۔ لیکن خود کہتے تھے کہ ہمارا علم ہمارے مصلے سے تجاوز نہیں کرتا مطلب ان کا یہ تھا کہ اتنے علم کے باوجود اس کا نفع مسند درس سے آگے متجاوز نہیں ہوتا۔ یہی آج ہمارا حال ہے کہ اتنی زبردست حدیث ہے اس پر تقریر بھی ہم بہت کر لیتے ہیں لیکن اثر کا یہ حال ہے کہ خود ہمارے ہی قلوب اس سے خالی ہیں تو سامعین پر اس کا کیا اثر ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ فرما رہے ہیں کہ بدون نیت کے اعمال صحیح اور مقبول نہیں ہیں لیکن ہمارا یہ حال ہے کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ بسیار کردیم و شد یعنی ہم نے کتنے ہی بار کیا اور ہو گیا۔

بات یہ ہے کہ نیت کے تصحیح کی فکر نہیں ہے ہمارا عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول بھی ہے یا نہیں اس کا کچھ اندیشہ نہیں بس ظاہری اور سرسری عمل کو کافی سمجھتے ہیں بلکہ دنیا کی نیت کر کے دین کا ثواب لینا چاہتے ہیں ہمارے اسلاف کا یہ حال نہیں تھا۔ وہ حضرات تو دین کے لئے اور خدا کے لئے عمل کرتے تھے لیکن اپنی نیت کو متہم سمجھتے تھے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ستر بدری صحابیوں سے ملاقات کی۔ سب کے سب اپنے اوپر نفاق کا اندیشہ کرتے تھے صحابہ کرام کے اس حال کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے عمل سے پھیلانا چاہتے تھے چنانچہ آپ نے انھیں دیکھا

اس ٹکڑے ہی کو حدیث سے حذف کردیا جس میں تزکیہ کا ایہام تھا بلکہ اپنی نیت کو عالم سرائر سے حوالہ کردیا کہ اللہ تعالیٰ ہی میری نیت سے خوب واقف ہیں۔ جیسی میری نیت ہوگی ویسا ہی مجھے بدلہ دے گا۔ اس سے اپنے نفس کو ڈرایا ہے تاکہ وہ عُجب میں مبتلا کر کے ایسی عظیم الشان خدمت پر پانی نہ پھیر دے۔ یہ چیز ہے بخاری سے حاصل کرنے کی اور طلباء کو سمجھانے اور بتلانے کی۔ اہل اللہ نے اسی حدیث کے پیش نظر اپنی نیتوں کو درست کیا۔ ایک جگہ لوگوں نے ایک بزرگ سے مذاق کرنے کیلئے یہ کیا کہ ایک زندہ شخص کو تابوت میں لٹا کر ایک جنازہ تیار کر کے ان کے پاس لائے اور کہا کہ حضرت اس کی نماز پڑھا دیں اور اس سے یہ طے کر رکھا تھا کہ جیسے ہی یہ اللہ اکبر کہیں تم زور سے چیخنا اور اٹھ بیٹھنا جس سے یہ ڈر جائیں گے اور ہم لوگ خوب تالیاں بجائیں گے۔ یہ اسکیم بنا کر جنازہ ان کے پاس لے گئے انھوں نے کہا کہ کیا جنازہ کی نماز پڑھادوں؟ اس کو وہ لوگ نہیں سمجھے کہا ہاں۔ انھوں نے نماز شروع کردی۔ ایک تکبیر کہی دو تکبیر کہی مگر وہ اٹھا نہیں اس کے ساتھیوں کو سخت تشویش ہوئی کہ آخر یہ کیا بات ہے انھوں نے چاروں تکبیر ختم کر کے سلام پھیر دیا مگر وہ اب بھی نہ اٹھا اس کے بعد لوگوں نے جو کپڑا اٹھا کر دیکھا تو وہ مردہ تھا تہلکہ مچ گیا مگر اب کیا ہوتا ہے جو ہونا تھا ہو گیا۔ بزرگوں سے اس قسم کی گستاخی ہلاکت کی بات ہے۔ علماء و مشائخ قرآن و حدیث سنائیں اور تم ان ہی کا مذاق اڑاؤ، انتہائی بے ادبی اور شقاوت کی بات ہے۔ دیکھئے اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بیان فرما رہے ہیں کہ ایک ہجرت دنیا کے لئے اور عورت کے لئے ہوا کرتی ہے اور ایک ہجرت خدا کے لئے ہوتی ہے ان دونوں میں بڑا فرق ہے حدیث شریف کے اس جملہ میں کہ من کانت ھجرتہ الی اللہ و رسولہ فھجرتہ الی اللہ و رسولہ۔ اخلاص کا بیان ہے۔ چنانچہ انسان جب اللہ تعالیٰ کے لئے کام کرتا ہے تو اسکو اللہ تعالیٰ کی رضا بھی ملتی ہے اور دنیا بھی ملتی ہے جیسا کہ مخلصین صحابہ کے حالات میں آتا ہے کہ انھوں نے ہجرت تو کی تھی خدا تعالیٰ کے لئے مگر ان کو دنیا بھی ملی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مہاجرین کی انصار مدینہ کے ساتھ مواخاۃ کرادی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر ہر انصاری نے اپنا آدھا مال اپنے مہاجر بھائی کو دیدیا حتیٰ کہ کسی کے دو بیبیاں ہوئیں تو ایک کو طلاق دیکر اپنے مہاجر بھائی سے اس کا نکاح کرادیا۔

برخلاف اس کے جس نے عورت ہی کے لئے ہجرت کی تھی اس کو اس فعل میں اللہ اور رسول کی رضا نہیں حاصل ہوئی۔ ایک شخص نے کسی عالم سے یہ حدیث سنی کہ من اخلص اللہ اربعین صباحاً ظہرت ینابیع الحکمۃ من قلبہ علی لسانہ۔ یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے چالیس دن اخلاص کے ساتھ عبادت کریگا تو اللہ تعالیٰ اس کے قلب سے اس کی زبان پر حکمت کے چشمے جاری فرمادینگے۔ یہ سنکر اس نے عبادت کرنا شروع کی چالیس دن پورے ہوگئے مگر حکمت کے چشمے نہیں جاری ہوئے۔ اس نے کسی صاحب دل سے اسکو بیان کیا انھوں نے کہا کہ یہ حدیث تو صحیح ہے باقی تمہارے قلب سے جو چشمے نہیں جاری ہوئے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ من اخلص للہ یعنی جو خلوص دل سے محض اللہ تعالیٰ کے لئے ایسا کرے اس کے لئے وعدہ ہے اور تم نے تو حکمت کے چشمے جاری کرانے کے لئے عبادت کی تھی اسلئے وہ جاری نہیں ہوئے اس کا حاصل یہ تھا کہ حکمت کے چشمے جو جاری نہیں ہوئے تو اس لئے کہ وہ مخلص نہیں تھا۔ مخلص کا اور حکم ہے اور غیر مخلص کا اور۔ آپ لوگ جو یہ چاہتے ہیں کہ جلدی سے دیدیں تو ہم ایسے نہیں دینگے بہت دنوں تک دوڑائیں گے تاکہ دیکھیں کہ کچھ اخلاص بھی پیدا ہوا یا نہیں جن لوگوں نے اخلاص اختیار کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے کام کیا ہے ان کے لئے وعدہ ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ :۔

من جعل ھمہ ھما واحداً ھم الاٰخرۃ جعل اللہ غناءہ فی قلبہ وجمع شملہ واتتہ الدنیا وھی راغمۃ ومن جعل ھمہ ھم الدنیا جعل فقرہٗ بین عینہ وشتت امرہٗ ولا یاتیہ الا ما کتب لہٗ۔

یعنی جس شخص نے اپنا سارا غم ایک غم کو بنالیا اور وہ غم غمِ آخرت ہے تو اللہ تعالیٰ اسکے قلب میں غنیٰ ڈال دیں گے اور اس کی پراگندگیوں کو مجتمع فرمادینگے۔ رہی دنیا تو وہ تو اس کے پاس ناک رگڑتی ہوئی آئے گی اور جس نے اپنا سارا غم دنیا ہی کو بنالیا تو اللہ تعالیٰ اس کی آنکھوں کے سامنے فقر کو کردیں گے اور اس کے سب کاموں میں انتشار اور تشتت پیدا فرمادیں گے رہا رزق کا معاملہ تو وہ تو جتنا مقدر ہے بس اتنا ہی ملیگا۔ اس سے زیادہ تو ملنے سے رہا۔ علماء نے لکھا ہے کہ رزق کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک رزق مضمون ہوتا ہے یعنی حق تعالےٰ

کی رحمت عامہ ہر جاندار کے لئے اپنے فضل سے جسکی ضامن ہے۔ آیۃ وَمَا مِنْ دَابَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا میں اسی کی جانب اشارہ ہے اور ایک رزق موعود ہوتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے متقیوں کے لئے جس کا وعدہ فرمایا ہے جو کہ ان کے پاس بگمان اور بدون مشقت کے پہنچتا ہے ویرزقہ من حیث لا یحتسب میں اسی کا بیان ہے۔ اور ایک رزق مقسوم یعنی مضمون یا موعود جسکے لئے جتنا مقدر فرما چکا ہے اسکو وہ مقدار پہنچکر رہے گی۔ اس سے نہ زیادہ ہوگا نہ کم اللہ تعالیٰ اپنے متقی بندوں کو اپنے وعدہ کے مطابق رزق عطا فرماتے ہیں۔

حذیفہ مرعشی سے جو کہ حضرت ابراہیم بن ادھم رح کے خادم خاص تھے کسی نے پوچھا کہ کہ ان کا عجیب ترین واقعہ جو تم نے دیکھا ہو بیان کرو انھوں نے کہا سنو۔ ایک دفعہ ہم لوگ مکہ شریف جا رہے تھے چند دن گذر گئے راستہ میں کوئی چیز کھانے کو نہیں ملی۔ بالآخر ہم لوگ کوفہ پہنچے اور بستی کے کنارے ایک ویران مسجد میں قیام کیا تھوڑی دیر کے بعد ابراہیم بن ادھم نے مجھے دیکھا اور فرمایا کہ حذیفہ میں تو تم پر بھوک کے آثار دیکھ رہا ہوں۔ میں نے کہا حضرت صحیح فرماتے ہیں فرمایا کہ اچھا قلم دوات اور کاغذ لاؤ۔ میں نے حاضر خدمت کر دیا تو اس پرچہ پر تحریر فرمایا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ انت المقصود الیہ بکل حال والمشار الیہ بکل معنی۔ یعنی ہر حال میں آپ ہی مقصود ہیں اور ہر معنیٰ میں آپ ہی کارفرما ہیں۔ اور اس کے نیچے یہ اشعار لکھے ؎

انا حامدٌ انا شاکر انا ذاکر	انا جائع انا ئع انا عاری
ھی ستۃٌ وانا الضمین لنصفھا	فکن الضمین لنصفھا یا باری
مدحی لغیرك لھب نار خضتھا	فاجر عبیدك من دخول النار
والنار عندی کالسؤال فھل تری	ان لا تکلفنی دخول النار

یعنی میں آپ کی حمد کرنے والا ہوں۔ آپ کا شکر کرنے والا ہوں۔ آپ کی یاد کرنے والا ہوں اور میں بھوکا ہوں پیاسا ہوں۔ ننگا ہوں۔ یہ کل چھ چیزیں ہیں جن میں سے تین کا میں ضامن ہوتا ہوں۔ بس اے میرے باری بقیہ تین کے آپ ضامن ہو جایئے اور آپ کے علاوہ کسی دوسرے

کی تعریف کرنا میرے لئے آگ میں گھسنے کے مرادف ہے۔ پس آپ اپنے اس غلام کو آگ میں داخل ہونے سے بچا لیجئے اور کسی مخلوق سے سوال کرنا یہ میرے نزدیک گویا آگ میں جانا ہے تو کیا آپ ایسا کرینگے کہ مجھے آگ میں داخلہ سے بچالیں۔ یہ لکھ کر وہ رقعہ مجھے دیا اور فرمایا کہ جاؤ دیکھو خبردار اپنے قلب کو غیر اللہ سے متعلق نہ کرنا اور جو شخص تمہیں سب سے پہلے ملے اس کو یہ رقعہ دیدینا۔ حذیفہ کہتے ہیں کہ میں گیا تو مجھے سب سے پہلے جو شخص ملا وہ ایک خچر سوار تھا۔ میں نے اسکو وہ پرچہ دیدیا اس نے اسے لیا پڑھا اور رونے لگا اور پوچھا کہ جن بزرگ نے یہ پرچہ لکھا ہے وہ کہاں ہیں؟ میں نے کہا کہ فلاں جگہ مسجد میں مقیم ہیں۔ اس نے مجھے ایک تھیلی دی جس میں چھ سو دینار تھے اور چل دیا۔ پھر میری ملاقات ایک دوسرے شخص سے ہوئی میں نے اس سے پوچھا کہ وہ جو خچر سوار جا رہا تھا تم بتا سکتے ہو وہ کون ہے اس نے کہا کہ ہاں وہ ایک عیسائی ہے۔ حذیفہ کہتے ہیں کہ میں پھر ابراہیم ابن ادھم کے پاس آیا اور ان سے سارا قصہ بیان کیا انہوں نے فرمایا کہ اس تھیلی کو یوں ہی رکھدو، ابھی وہ شخص خود آتا ہے۔ تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ وہ نصرانی آیا اور ابراہیم ابن ادھم سے دوڑ کر ملا۔ ان کے قدموں پر سر رکھدیا اور مشرف باسلام ہوا۔ دیکھا آپ نے اللہ تعالیٰ اپنے مخلص کی اس طرح مدد فرماتے ہیں۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے حضرت والا کے سفر فرمانے کے دن چونکہ قریب تھے اس لئے جاتے جاتے اہل بمبئی کا ایک بار پھر امتحان لیا یعنی یہ دریافت فرمایا کہ آپلوگ مجھ سے کچھ سننا چاہتے ہیں یا حاجی سے اور راقم سے فرمایا کہ اسکا مطلب کیا ہے بیان کرو۔ احقر کے بیان کرنے کے بعد ایک مولوی صاحب سے فرمایا کہ آپ نے اس سے کیا سمجھا آپ بیان کیجئے اور انکے بیان کو پسند نہ فرما کر فرمایا کہ آپ نے اس سے کیا سمجھا ہے وہ کہئے میرے آنے کی سفارش نہ سمجھئے۔

بالآخر خود ہی ارشاد فرمایا کہ کسی مصلح کی بات سننا اور سمجھنا چاہیئے اس سے مقابلہ ٹھیک نہیں اس سے کسی کے خاص واقعہ کیطرف اشارہ مقصود ہوگا۔ اسکے بعد ملا جیونؒ کا واقعہ سنایا پھر تصحیح نیت کے متعلق حدیث انما الاعمال بالنیات سنا کر اسکی تشریح فرمائی اور اخلاص حاصل کرنے کی ترغیب فرمائی اور چونکہ بالعموم اس سے مانع فکر معاش ہوا کرتی ہے لہٰذا توکل کی

ترغیب فرمائی اور اس سلسلہ کے متعدد واقعات سنائے آخر میں مذیفہ مرعشی کا عبرت انگیز واقعہ بیان فرماکر مجلس ختم فرمائی۔ راقم عرض کرتا ہے کہ دیکھئے لوگوں کو کس کس طرح سے ہدایت فرماتے رہے اور آخر دم تک ہماری اصلاح اور درستگی کی فکر دامن گیر رہی۔

گذارش از ناقل الاحقر راقم عرض کرتا ہے کہ ان سطور میں ناظرین کے سامنے صرف حضرت والا کی مجلس کی باتیں عرض کرنے کا ارادہ تھا لیکن آخری چند ایام میں چونکہ مجلس کا انداز بدل گیا تھا یعنی حضرت والا اپنے کمرے ہی میں تشریف رکھتے تھے باہر لوگوں کے اجتماع میں مسند پر تشریف نہیں لے جاتے تھے کمرے ہی سے کبھی راقم سے کبھی کسی اور کے توسط سے اہل مجلس سے کچھ فرمادیتے اور مجلس ختم کردیتے اور اسوقت کا فرمان شفقت اور محبت سے پُر لیکن بشکل عتاب اور مواخذہ ہوتا تھا۔ اس میں دخل ان حالات کو تھا جو اس وقت رونما ہوئے تھے۔ اسلئے ارشادات مجلس اور منشاء کلام سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اسوقت کے حالات کا کچھ نقشہ پیش کردیا جائے تاکہ حضرت والا کے ارشادات کا سمجھنا آسان ہوجائے اور غلط فہمی نہ پیدا ہو۔ اس سلسلہ میں چند باتیں عرض ہیں۔

(۱) حضرت والا کو حق تعالیٰ کی جانب سے جو منصب عطا ہوا تھا اس میں شک نہیں کہ اس کا تقاضا یہی تھا کہ حضرت والا چند سال اور چند ماہ کے لئے تو کیا چند یوم کے لئے بھی ہند کو نہ چھوڑیں اس لئے کہ نفس سے بحث اور اصلاح نفس پر گفتگو اور عبد کو معبود سے جوڑنے کی باتیں جس طرح حضرت کے یہاں بیان ہوتی تھیں شاید ہی کہیں ہوتی ہوں۔ الا ماشاء اللہ یہی وجہ ہے کہ سالکین راہ حق اور طالبین اصلاح نفس اطراف واکناف ہند و بیرون ہند سے خدمت والا میں حاضر ہوتے تھے اور حضرت کی صحبتوں میں رہ کر نفس اور خالق نفس کی معرفت حاصل کرتے تھے اس چیز نے اور حضرت والا کی اس خدمت نے حضرت کو لوگوں کے قلوب میں محبوب بنادیا تھا۔ چنانچہ فتحپور کے خمول اور گمنامی کے بعد گورکھپور پھر الہ آباد، لکھنؤ اور علیگڈھ اور پھر آخر میں بمبئی کے قیام نے حضرت کو بہت ہی مشہور کردیا تھا۔ چنانچہ لوگوں میں عام طور سے دین کی طلب اور اپنی اصلاح کا خیال پیدا ہورہا تھا جس کا اندازہ نہ صرف بمبئی بلکہ سارے ہندوستان کے مسلمانوں اور نہ صرف عوام بلکہ ہمعصر علماء کے مرجوعہ اور توجہات سے لگتا تھا۔ چنانچہ دیکھا جاتا تھا کہ جو حضرات کہ اپنی جگہ خود مستقل شیخ اور مرجع خلائق ہیں وہ حضرت والا کی ملاقات کے لئے بیتاب رہتے تھے۔

ان امور سے اندازہ ہوتا تھا کہ انشاء اللہ تعالیٰ حضرت والا سے بہت بڑا کام ہونے والا ہے جس کی ابتدا ہو چکی ہے۔

ان حالات میں یہ صحیح ہے کہ حضرت والا کا چند دنوں کے لئے بھی کہیں تشریف لیجانا اہل ہند کے لئے بڑے حرمان اور خسران کا سبب تھا چنانچہ اسی خیال سے حضرت والا نے کبھی بھی ہندوستان چھوڑ کر کسی دوسری جگہ جانے کا ارادہ نہیں فرمایا بلکہ یہی فرماتے تھے کہ یہاں ہزاروں ہزار اللہ کے بندے مجھ سے محبت کرتے ہیں میں اگر کسی دوسری جگہ چلا جاؤں گا تو نہ معلوم کتنے میرے احباب مارے غم کے ختم ہو جائیں گے۔ چنانچہ بڑھتی ہوئی توجہ اور ہندوستان میں دینی کام کی ضرورت کا احساس کر کے آپ نے اس درمیان میں مکرم قاری محمد مبین صاحب سے متعدد بار فرمایا کہ تم لوگوں پر حج فرض ہے جاؤ میں تو اپنا فریضۂ حج ادا ہی کر چکا ہوں مجھے یہیں رہنے دو کہ کچھ کام کر لوں لیکن ان کا کچھ اصرار جس کے وجوہ معقول تھے اور کچھ بعض اور امور ایسے سامنے آئے کہ حضرت والا نے بھی سفر حج کا ارادہ فرما ہی لیا۔

مثلاً یہ کہ بمبئی کے ایک مشہور سیٹھ صاحب نے اپنے ایک سفر میں حرمین شریفین سے یہ خط لکھا کہ مرشدی و مولائی حضرت مولانا صاحب ادام اللہ فیوضکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

میں بال بچوں سمیت آپ سے رخصت ہو کر بغداد پہنچا۔ حضرت جنید بغدادیؒ کے مزار پر حاضری دی۔ اسی طرح مکہ مکرمہ پہنچا۔ عمرہ سے فراغت حاصل کی اور مقامات مخصوصہ پر آپ کی صحت اور حاضری کے لئے خوب خوب دعائیں مانگیں، مدینہ طیبہ کی زیارت نصیب ہوئی پہلے آقا کی خدمت میں سلام پیش کیا پھر شیخین کی خدمت میں اپنی طرف سے اور جناب پیر و مرشد کی طرف سے بھی، پھر بقیع پاک میں ہر جگہ اپنی اور حضرت کی طرف سے سلام پیش کیا۔ ہر جگہ آپ کی یاد آتی تھی اور دعائیہ کلمات زبان پر جاری ہوتے تھے۔

جدہ میں مولوی احمد اور وہاں کے مشہور اور معروف تاجر ٹین والے سے ملاقات ہوئی، دو گھنٹہ تک آپ کا ذکر خیر رہا، ان کی حضرت سے خط و کتابت بھی ہے۔ مجھے ان دونوں نے زور دے کر کہا ہے کہ حضرت کو رمضان میں عمرہ کے لئے رضامند کر لیجئے تاکہ ویزہ وغیرہ کا بندوبست ہم یہیں سے کر کے بھیج دیں۔ امید کہ حضرت اس پر غور فرمائیں گے۔ والسلام۔

اسی طرح سے اور بھی بعض حضرات کے خطوط آئے جن سے اندازہ ہوا کہ وہاں بھی ایک خاص جماعت حضرت والا کے زیارت کی مشتاق ہے اسلئے ان کی محبت اور دعوت کا حضرت والا کے قلب پر اثر پڑا۔

ظاہری وجوہ عزم سفر کے تو یہی تھے جو مذکور ہوئے لیکن اصل یہ ہے کہ اہل اللہ اپنے ہر حرکت و سکون میں ادھر ہی سے یعنی منجانب اللہ اجازت اور حکم کے منتظر رہتے ہیں چنانچہ باطنی طور پر جب کسی کام پر مامور ہوتے ہیں تب ہی اسکو عمل میں لاتے ہیں۔ بہرحال ان حالات میں حضرت والا نے عزم سفر فرمایا۔

(۲) ارادۂ سفر کے بعد ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں سفر حج ایسا نہیں رہا کہ آدمی ارادہ کرے اٹھے اور بس چلا جائے بلکہ درخواست دینی پڑتی ہے جگہ کم اور عازمین حج زیادہ ہونیکی وجہ سے قرعہ اندازی ہوتی ہے پھر جس کا نام قرعہ میں نکلتا ہے وہی جاتا ہے لیکن بعض افسروں کے پاس کچھ کوٹہ محفوظ رہتا ہے جس پر انہیں اختیار ہوتا ہے اسلئے اس کے بعد بھی کوشش کا ایک موقعہ باقی رہتا ہے۔ چنانچہ حضرت والا کے قافلہ میں انیس ۱۹ آدمی تھے جنکی درخواستیں تین لفافوں میں دی گئیں۔ حضرت والا کے نام والا لفافہ درخواست کے مطابق قبل رمضان کے جہاز سے منظور ہو گیا اور قاری صاحب کے نام والا بعد رمضان کے قرعہ نکلا اور ذکی اللہ سلمہ کے نام کا لفافہ خانۂ امیدواری میں آ گیا۔ ظاہر ہے کہ اس تشتت سے حضرت کو فکر لاحق ہوئی کہ یہ الگ الگ سفر کیسے کیا جائے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت والا نے خود ہی دوڑ دھوپ شروع کی اور یہ فرمایا کہ اگر قاری صاحب کی درخواست قبل رمضان والے جہاز میں نہ منتقل ہوئی تب بھی میں نہیں جاؤں گا۔ اور اگر ذکی اللہ و ممتاز ہم لوگوں کے ہمراہ نہ جا سکے تب بھی میں کیسے سفر کر سکتا ہوں میں بوڑھا آدمی ہوں مجھے اقامت کی حالت میں تو اعانت کی ضرورت ہوتی ہی ہے۔ چہ جائیکہ اتنا طویل سفر بغیر کسی خادم کے میں کیسے کر سکتا ہوں چنانچہ حضرت کی اس کوشش اور کاوش کا اتنا نفع تو چند ہی دنوں میں سامنے آ گیا کہ قاری صاحب کی درخواست بھی قبل رمضان منتقل ہو کر انکا بی فارم آ گیا۔ تیسری درخواست کا معاملہ ذرا مشکل تھا اس لئے کہ اس امر کا انتظار تھا کہ جن حجاج کی درخواستیں منظور ہو چکی ہیں ان میں سے کچھ لوگ انکار کر دیں اور جگہ خالی ہو تب نمبر وار امیدواروں کو جگہ دی جائے چنانچہ ذمہ دار حضرات بھی یہی کہتے تھے کہ سالہا سال کا تجربہ ہے کہ آخر آخر کچھ سیٹیں ضرور خالی ہو جاتی ہیں چنانچہ

اکثر اتنی خالی ہو جاتی ہیں کہ امیدوار بھی سب لے لئے جاتے ہیں پھر بھی جہاز کچھ خالی ہی جاتا ہے اس لئے حضرت والا بالکل اطمینان رکھیں۔ جگہ تو انشاء اللہ تعالیٰ ضرور ملے گی۔ مگر قانونی کارروائی روانگی سے دو تین دن ہی قبل مکمل ہو سکے گی۔ مگر چونکہ یہ بات یقینی نہ تھی اس لئے حضرت والا کو تردد و تشویش باقی ہی رہی کہ معلوم نہیں کیا صورت ہو اس لئے راقم سے فرمایا کہ تم فلاں صاحب کو لکھو کہ :-

"میں بوڑھا آدمی ہوں بدون بچوں اور خادموں کے میرا سفر کرنا تقریباً ناممکن سا ہے اور سب درخواستوں کو ایک ساتھ منظور کرانا آپ کے اختیار میں نہیں لہذا میں ہی اپنی درخواست واپس لئے لیتا ہوں۔ آپ لوگ میری سیٹیں بھی جسکو چاہیں دیدیں۔"

حضرت والا کا مزاج چونکہ سیدھا سادا اسلامی مزاج تھا اور مذاق بالکل صاف اور خالص تھا اسلئے چاہتے تھے کہ درخواستوں کے سلسلہ میں ہاں یا نہیں ہو کر معاملہ ایک طرف ہو جائے تاکہ قلب فارغ اور یکسو ہو جائے مگر زمانۂ حال کا نظام چونکہ کچھ دوسرے ہی ڈھنگ کا چل رہا ہے اسلئے ظاہر ہے کہ اس کے ساتھ ایک مومن کے لئے ہم آہنگی مشکل تھی اسلئے تعویق کیوجہ سے اس معاملہ کی جانب سے بھی حضرت کو ایک ضیق اور خلجان سا رہتا تھا۔

(۳) علاوہ اس کے حضرت والا چونکہ نہایت ہی رحمدل اور اپنے لوگوں پر بہت ہی شفیق تھے اسلئے چاہتے تھے کہ جتنے زیادہ سے زیادہ میرے احباب میرے ساتھ چل سکتے ہوں چلیں (اور بعد کے حالات نے تو بتایا کہ اس چیز میں کوئی اور چیز کارفرما تھی)۔

چنانچہ راقم سے فرمایا کہ اپنے والد کو لکھدو کہ میں نے حج کا ارادہ کر لیا ہے آپ کو بھی ہمراہ لے چلتا لیکن قافلہ بڑا ہو گیا ہے مصارف زیادہ ہو گئے اس لئے مجبوری ہے۔ یوں کوئی شخص اگر آپ کو حج بدل کو بھیجنا چاہے تو منظور کر لیجئے اور ساتھ ہی چلئے۔

اسی طرح سے ڈاکٹر صلاح الدین صاحب اور مولوی عبدالمجید صاحب سے فرمایا کہ آپ لوگ بھی چلئے تیاری کر لیجئے۔

اسی طرح ڈاکٹر ظفر صاحب کو لکھوایا کہ ڈاکٹر تم کو بھی اس سفر میں ساتھ لے چلتا مگر تمہاری

اہلیہ ابھی طویل علالت سے اٹھی ہیں۔ کمزور ہیں مارے غم کے مرجائینگی اس لئے تم کو نہیں لے چلتا۔
اسی طرح مولوی عبد الحلیم صاحب جونپوری کو لکھوایا کہ میرے ساتھ تم کو بھی حج میں چلنا ہے۔ تیاری کرکے فوراً آجاؤ۔

اسی طرح سے محمد قاسم کٹکی طالب علم جوان دنوں بمبئی میں مقیم تھے ان سے فرمایا کہ اپنے والد کو لکھدو کہ میں نے حج کا ارادہ کرلیا۔ وہ بھی ہمراہ چلیں۔

اسی طرح سے امام صدیق صاحب کٹکی نے بھی اجازت چاہی کہ میں بھی حضرت کے ہمراہ حج کے لئے چلنا چاہتا ہوں۔ فرمایا کہ چلو۔

حضرت والا کا حکم پاکر ان سب حضرات نے درخواستیں دیدیں بلکہ ان کے علاوہ اور بہت سے حضرات مثلاً قاری عبد السلام صاحب حافظ شمس الدین صاحب۔ ثناء اللہ صاحب عبد الکریم لی ٹی امتیاز الکریم صاحب انصاری، بھائی داؤد صاحب سورتی، انیس بھائی اور عاشق احمد صاحب بستوی نے بھی فارم بھردیا لیکن قرعہ اندازی کے بعد نتیجہ یہ نکلا کہ سوا حضرت کے قافلۂ خاص کی درخواستوں کے اور ہدایت محمد شاہ جی (والد محمد قاسم سلمہٗ) کے اور امام صدیق اور حکیم مولوی نثار احمد صاحب اعظم گڈھی کی درخواستوں کے اور کسی کی درخواست منظور نہیں ہوئی۔ معاملہ اگرچہ اپنے اختیار میں نہ تھا تاہم جتنا غم ان سب حضرات کو اپنی درخواستوں کی عدم منظوری کا الگ الگ تھا ان سب کا مجموعہ حضرت والا کو تھا۔ اسلئے ان حضرات میں سے جو بھی سامنے سے گذرتا فرماتے تھے کہ ارے تم یہاں بیٹھے ہو بمبئی جاؤ اپنی درخواست کیلئے کوشش کرو۔ لوگ مثنیٰ مثنیٰ اور فرادیٰ فرادیٰ روزانہ شہر جاتے اور شام کو آکر کارگذاری بیان کردیتے کہ فلاں سے ملا انھوں نے یہ کہا ہے اور فلاں صاحب نے یہ صورت بتائی ہے وغیرہ وغیرہ۔

یہ واقعہ تھا کہ کسی شخص نے کسی کے لئے بھی نہ صرف یہ کہ وعدہ نہیں کیا بلکہ ناامیدی ظاہر کی کہ اب کچھ نہیں ہوسکتا مگر حضرت کسی کو بیٹھنے نہیں دیتے تھے بلکہ ان کو بھیجتے اور خود بھی اس سلسلہ میں بہت دوڑ دھوپ کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت والا نے خود بنفس نفیس اس بوڑھاپے میں جسقدر مشقت برداشت فرمائی ہے میرا تو یہ خیال ہے کہ اس سے ہم جیسے کاہلوں کو تعلیم ہی دینی مقصود تھی کہ یہ دنیا عالم اسباب ہے یہاں اسباب وتدابیر اختیاریہ میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیئے اور یہ سب

دین ہے۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ رہنے کا نام توکل نہیں ہے۔
اپنی درخواستوں کے علاوہ ان سب لوگوں کی ناکامی کا غم الگ حضرت کو پریشان کئے ہوئے تھا۔

اب ان حالات میں آپ خود اندازہ فرما سکتے ہیں کہ درخواست دینے کے بعد بھی یہ چند ایام کن دشواریوں میں گذر رہے تھے ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں حضرت والا کیا کسی کو اپنے عزم سفر کی اطلاع فرماتے مگر ہوا یہ کہ بعض خواص کے شکایتی خطوط بھی آئے کہ آپ نے پہلے سے اپنے اس ارادہ کی اطلاع نہ فرمائی ورنہ شاید ہم بھی ہمراہ ہوتے۔

اس قسم کے خطوط کے جواب میں حضرت نے یہ لکھوا دیا کہ

"اس زمانہ میں حج کے سفر میں جو دشواریاں پیدا ہو گئی ہیں وہ آپ حضرات پر مخفی نہیں اسلئے درخواست دینے کے بعد بھی جبکہ معاملہ خطرہ ہی میں ہو کیسے کہہ سکتا تھا کہ حج کو جا رہا ہوں۔ بالخصوص اپنی منظوری کے بعد اور رفقاء کی درخواست کی تعلیق کی بنا پر تو اب بھی یقین نہیں کہ سفر کر سکونگا اسلئے کیسے اعلان کرتا۔ پھر یہ کہ وہ جگہ خوف و خشیت اور عاجزی کے ساتھ جانیکی ہے نہ کہ اعلان اور تشہیر کے ساتھ۔"

(۴) ایک طرف تو درخواستوں کے سلسلہ میں اپنی اور پرائی پریشانیاں دوسری جانب جوں جوں وقت قریب آتا گیا آنے والوں کا ہجوم بڑھتا گیا۔ جن کے قیام اور طعام کا انتظام ایک مستقل مسئلہ بن گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے سلیمان کھتری کو کہ انھوں نے پورا کمیاؤنڈ ہی خالی کر دیا مگر آنے والوں کی تعداد اس قدر کثیر تھی کہ چند کمروں سے کیا کام چلتا۔ اس لئے بھائی سلیمان صاحب میمن بھیمڑی والے اور بھائی عبدالرحمٰن صاحب ایاگنی نے حضرت والا سے اجازت لیکر نیچے میدان میں اور اوپر کھلی چھت پر بیترے کا سائبان ڈلوا دیا۔

حضرت والا کی طبیعت یوں الحمدللہ اچھی تھی لیکن لوگوں کا ہجوم اور وہ بھی بدنظمی کے ساتھ جسکو حضرت بدنظمی کے بجائے بد ہڑ کرنے سے تعبیر فرمایا کرتے تھے اور پھر بے عقلی اور بدفہمی کے واقعات نے حضرت

کا رہا سہا انشراح بھی ختم کر دیا تھا چنانچہ مجلس کے بعد فوراً آدھ گھنٹہ پون گھنٹہ کے لئے روزانہ باہر جانا شروع کر دیا تھا۔

نیز ان آنے والوں میں سے بہت سے ایسے حضرات بھی تھے جو درخواست دیئے ہوئے تھے اور درخواست ان کی نامنظور ہو چکی تھی۔ گو ان کی جانب سے حضرت سے کوشش سفارش وغیرہ کی کوئی فرمائش نہ تھی مگر حضرت پر اثر کچھ ایسا ہی پڑا فرمایا کہ دیکھو یہ لوگ درخواست دیکر اب میرے پاس آگئے ہیں یہاں اپنی ہی درخواستوں میں رکاوٹیں ہو رہی ہیں اب میں ان لوگوں کے لئے کیا کوشش کر سکتا ہوں۔ ان لوگوں سے کہدو کہ یہاں رہنے کے بجائے جائیں اپنی اپنی درخواستوں کی کوشش کریں۔ ان حضرات نے عرض بھی کیا کہ حضرت ہمارا مقصد اسوقت حاضری سے تو صرف حضرت کی ملاقات ہے اور درخواست جو دی ہے تو اس خیال سے کہ اگر منظور ہو گئی تو زہے قسمت حضرت کا ساتھ ہو جائیگا اور اگر نہ ہوئی تو خیر ہمکو اس کی کوئی پریشانی نہیں ہے مگر جس شیخ کی شفقت اپنے مریدین پر والدین سے بھی زیادہ ہو اسکو یہ کہنا تسکین نہیں دے سکتا تھا۔ بہر حال لوگ یہی کہتے رہے اور حضرت ان سب خدام پر تشفقتاً غصہ بھی فرماتے رہے ۔

حالات کچھ اس نہج پر چل رہے تھے کہ بہار سے ایک صاحب کا خط آیا جسکے مضمون نے مزاج والا میں سخت تکدر پیدا کر دیا۔ اس اللہ کے بندے نے لکھا کہ :۔

"سنا ہے کہ آپ ذاکرین کی ایک جماعت کے ساتھ حج بیت اللہ کو تشریف لے جا رہے ہیں مجھے بھی اولاً ذاکرین میں داخل کر لیجئے اور پھر مجھے یہ مشورہ دیجئے کہ میں بھی آپ کے ہمراہ حج کو چلنا چاہتا ہوں تو اسکے لئے حج کمیٹی کے پاس درخواست دوں یا آپ کے پاس بھیجدینا کافی ہوگا"

اس خط کو سنا کر فرمایا کہ دیکھئے ایسے ایسے بدفہم بھی اس دنیا میں بستے ہیں ان لوگوں کو عقل اور سمجھ سے کچھ مناسبت نہیں ہوئی مجھ سے پوچھتے ہیں کہ درخواست کس کو دوں تمہارے پاس بھیجدوں یا حج کمیٹی کے دفتر میں اور ایسے وقت میں دریافت کر رہے ہیں جبکہ درخواست کی آخری تاریخ بھی گذر گئی اب ان کو کیا کہا جائے یا تو انتہائی احمق لوگ ہیں اور حالات زمانہ سے بالکل معقل ہیں اور یا

بہت ہی ہوشیار ہیں چاہتے ہیں کہ اپنا سارا بوجھ پیر کے سر پر رکھ دیں۔ اور ایک یہی نہیں اس زمانہ میں ایسے بہت سے لوگ ہیں، بہت سے لوگ یہاں بھی موجود ہیں جو حج کی درخواست دیکر یہاں آگئے ہیں اور زبان حال سے ہم سے گویا مطالبہ ہے کہ جب پیر ہو تو ہمارا یہ کام بھی تم ہی کراؤ چنانچہ اس زمانہ میں پیر وہی کامیاب ہے جو مرید کے پیر دبائے اسکی خوب خدمت اور خاطر مدارات کرے یہ پہلے زمانہ کا طریقہ تھا کہ لوگ شیخ پر کسی قسم کا بار ڈالنا خلاف ادب سمجھتے تھے۔ اب اس زمانہ میں ادب یہی ہے کہ پیر مرید کی خدمت کرے، بلکہ مرید اگر کوئی بڑا آدمی ہے تو اسکو ڈنڈوت کرے۔

اس خط کے آنے کے بعد سے سب کا معاملہ پھر از سر نو تازہ ہو گیا اور مواخذہ نے شدت اختیار کر لی اور عجیب لطف کی ایک بات یہ ہو گئی کہ حاضرین میں سے ایک صاحب جو دنیوی اعتبار سے بڑے آدمی تھے انھوں نے حضرت سے سفر حج کی اجازت چاہی حضرت نے بخوشی منظور کر لیا اور حضرت کے ذہن میں یہ تھا کہ یہ خود بڑے آدمی ہیں اپنے طور پر کوشش کر ہی لینگے۔ ان صاحب نے حضرت سے اجازت لی کہ دہلی جانا چاہتا ہوں تاکہ اپنے لئے اور اگر ہو سکے تو اور دیگر احباب کے لئے وہاں سے کچھ کوشش کروں، حضرت بہت مسرور ہوئے فرمایا کہ ہاں ہاں جائیے ضرور کوشش کیجئے چند دنوں کے بعد وہ اپنے ایک عزیز کے ہمراہ جنکے ذریعہ کوشش ہو سکتی تھی بمبئی واپس آئے حضرت نے ان کے ان عزیز صاحب سے پوچھا کہ کہئے ان کا کام ہو گیا، انھوں نے عرض کیا کہ حضرت کام ضرور ہو جاتا ان کا تو ہو ہی جاتا لیکن مجھے بھی اطلاع نہیں تھی دفتر میں جب متعلقہ افسر نے واپس شدہ درخواست مانگی تب انھوں نے کہا کہ انہوں نے تو ابھی کوئی درخواست ہی نہیں دی ہے وہ بھی مجبور ہو کر رہ گئے اور میں بھی شرمندہ ہوا۔

اب جو حضرات حضرت والا کے مزاج سے واقف ہیں وہ سمجھ سکتے ہیں کہ اس قسم کی باتوں سے حضرت کو کس قدر تکلیف ہوتی ہے۔ تکدر مزاج والا کیلئے مستقل یہی سبب کافی تھا کہ اسی درمیان میں ایک تکلیف دہ واقعہ اور پیش آگیا۔

وہ یہ کہ الہ آباد سے حضرت کے لوگوں میں سے ایک صاحب بہت سارے ساز و سامان سے اہلیہ اور ایک چھوٹے بچہ کے ہمراہ تشریف لائے حضرت ہی کے یہاں اُترے اور یہ معلوم ہوا کہ یہ صاحب بھی مع اپنی اہلیہ کے حج کا ارادہ رکھتے ہیں درخواست دی تھی مگر منظور نہیں ہوئی

معلوم نہیں کس نے ان سے یہ کہدیا کہ بمبئی چلے جاؤ بہت سے حاجیوں کا عین وقت پر انتظام ہوجاتا ہے بس انھوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ پورے قبیلہ کے ساتھ بمبئی تشریف لے آئے ملاقات کے بعد حضرت کو یہ معلوم ہوا کہ یہ بھی حج کو جارہے ہیں لیکن یہ نہیں معلوم ہوا کہ ان کی بھی درخواست منظور نہیں ہوئی ہے بلکہ حضرت نے ان کی تیاری سے یہ سمجھا کہ ان کی درخواست منظور ہوگئی ہوگی اسی لئے تیار ہوکر آگئے ہیں۔ حضرت والا تو مطمئن تھے لیکن ہم لوگوں کو یہ فکر ہوئی کہ یہاں تو مردوں ہی کے قیام میں تنگی ہورہی ہے اور یہ صاحب زنانی سواری ساتھ لائے ہیں ان کو ٹھہرایا کہاں جائے۔ علیحدہ کوئی کمرہ خالی نہیں ہے اور اگر بہنوں کے ساتھ کردیا جائے تو سفر قریب ہے سب سامان سمیٹنا ہے درست کرنا ہے قاری صاحب وغیرہ کو اندر آنے جانے میں تنگی ہوگی مگر اس کے متعلق انھوں نے کہا کہ ہمارے ایک عزیز بمبئی میں ہیں ہم ان کو بلائے جاتے ہیں بچوں کو وہیں پہنچا دینگے۔

اس میں شک نہیں کہ ان کے قیام کی وجہ سے سب لوگوں کو ایک پریشانی ہوگئی۔ غالباً اس کا اثر حضرت والا کے قلب مبارک پر پڑا ہوگا ہر شخص کی اور ہر چیز کی فکر رکھتے تھے۔ شب کو بعد عشاء راقم سے ان ہی صاحب کے متعلق دریافت فرمایا کہ فلاں صاحب کہاں ہیں۔ راقم نے عرض کیا کہ حضرت وہ اپنے کسی عزیز کے یہاں بمبئی گئے ہوئے ہیں فرمایا کہ ان کے بچے ہیں؟ احقر نے عرض کیا، جی ہاں۔ حضرت یہ سنتے ہی متغیر ہوگئے جگہ کی تنگی۔ کام کا وقت قاری صاحب وغیرہ کے ضیق کا خیال آیا ہوگا۔ راقم نے حضرت کے تکدر کو کم کرنے کے خیال سے دوبارہ عرض کیا کہ حضرت وہ ابھی آکر بچوں کو لیجائیں گے اسی کے انتظام کے لئے گئے ہیں لیکن میری یہ گذارش حضرت کو پسند نہیں آئی۔ راقم پر مواخذہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تم یہاں اسی لئے رہتے ہو کہ سب کی تاویل کرتے رہو، یو تو یہاں کس طرح سے رہوگے۔ تاویل کرنا ہو تو جاؤ اپنے گھر، احقر نے معذرت چاہی اور معافی طلب کی اور عرض کیا کہ حضرت تاویل نہیں کرونگا۔ فرمایا کہ وہ عورتوں اور بچوں کو یہاں اتار کر بھاگ گیا ہے۔ اب وہ اس وقت نہیں آویگا۔ یہ لوگ ہم لوگوں کے اخلاق سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں جانتا ہے کہ گھر سے تو نکال نہ دینگے۔ لہٰذا آسان صورت یہی ہے کہ ان کو یہیں چھوڑ کر چلدو یہ احمق لوگ ہیں مگر اپنے معاملہ میں ہوشیار ہیں۔ چنانچہ جیسا حضرت نے فرمایا تھا ویسا ہی ہوا جب تک کہ ہم لوگ جاگ رہے تھے وہ صاحب نہ آئے۔ مگر ایک صاحب کہتے تھے کہ گیارہ بارہ بجے

رات کے قریب آئے تھے مگر پھر فوراً ہی چلے گئے۔ ظاہر ہے کہ جن حالات سے ہم لوگ دوچار تھے ان میں اس واقعہ نے مزید اضافہ کر دیا۔ بار بار حضرت کو ہم آنے جانے والوں کی بدفہمیاں اور بدعقلیاں یاد آتی تھیں اور تکدر میں اضافہ ہی ہوتا جاتا تھا۔

(۵) ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مصلح الامت کا زمانۂ قیام ہمارے درمیان میں چونکہ قلیل ہی رہ گیا تھا اسلئے خواہی نہ خواہی ایسی چیزیں ہر چھوٹے بڑے غریب امیر عالم جاہل سب سے پیش آتی تھیں کہ حضرت والا کو ان کی اصلاح کرنی پڑتی تھی چنانچہ یوں تو چھوٹے بڑے بے شمار واقعات اس اثناء میں پیش آئے جن کا احاطہ تو ممکن ہے اور نہ ان کی ضرورت تاہم ایک واقعہ اور عرض کرتا ہوں جس کا حضرت والا پر اثر ہوا اور جس کا تذکرہ بعد تک مختلف مجالس میں حضرت فرماتے رہے۔ ہوا یہ کہ ایک صاحب جو پرانے خدام میں سے تھے حضرت والا کے مزاج سے بھی واقف تھے سفر سے چند دنوں پہلے سے بمبئی میں مقیم تھے، ایک دن انھوں نے جب حضرت سے ملاقات کی تو حضرت والا کے اضطراب و فکر اور پے در پے مواخذات کو دیکھ کر یہ کہدیا کہ حضرت والا زیادہ فکر اور غصہ وغیرہ نہ فرمائیں۔ بڑا سفر در پیش ہے۔ حضرت کو تعب ہوگا اور صحت پر اس کا اثر پڑے گا۔

بات تو اپنی جگہ صحیح تھی لیکن حضرت پر ان کے اس کہنے کا اثر اچھا نہیں پڑا ان سے سخت مواخذہ فرمایا کہ آپ نے اصلاح و تربیت کے باب میں مجھے مشورہ کیوں دیا۔ ایک مولوی صاحب کے توسط سے گفتگو ہوئی، معاملہ نرم ہونے پر جب پیشی ہوئی تو حضرت والا نے فرمایا کہ ان سے کہو کہ جلدی اپنے مرض کا اقرار کرلیں اور توبہ کریں نہیں تو کچھ اور کہدوں گا۔ ان صاحب نے فوراً ہاتھ جوڑ کر معافی مانگی اور اس مرض سے نکلنے کے لئے حضرت والا ہی سے دعا اور توجہ چاہی حضرت نے فرمایا کہ لوگ حضرت مولانا کے یہاں بھی مشورہ دیتے تھے اس پر حضرت بہت ہی خفا ہوتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ میں تعلیم و تربیت کا کام ہی چھوڑ دوں گا۔ لیکن مشورہ نہیں گوارا کروں گا۔ کام میں کروں اور مشورہ آپ لوگ دیں۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ حضرت والا کا معمول تو یہ دیکھا کہ ذرا ذرا سی بات میں بھی حاضرین سے بلکہ اپنے چھوٹوں سے خود ہی مشورہ لیتے تھے لیکن اسوقت جو اسکو ناپسند فرمایا تو حضرت ہی کے سمجھانے سے سمجھ میں یہ بات آئی کہ تعلیم و تربیت کے باب میں کسی مرید کا اپنے شیخ کو مشورہ دینا

یہ بہت ہی بے ادبی کی بات ہے اور آئین طریق کے بالکل خلاف ہے اس لئے کہ ہم لوگوں کا تو آج یہ حال ہے کہ دو چار معاملات میں اگر شیخ کو مشورہ دینے کی نوبت آ ئی تو خود کو عاقل اور اپنی فہم کو معاذ اللہ شیخ سے زیادہ تصور کرنے لگ جائیں گے جو کہ ہمارے لئے سراسر حرمان اور خسران کا موجب ہوگا اسی لئے یہ حضرات مریدین سے ترک معمولات پر اس قدر ناراض نہیں ہوتے جتنا کہ اس قسم کے واقعات سے ہوتے ہیں کیونکہ ترک معمولات ایک عملی کوتاہی ہے اور اس کا تعلق تو بداعتقادی سے ہے اور ظاہر ہے کہ عمل کی اصلاح اعتقاد کی اصلاح سے آسان ہے ۔

پھر ان صاحب معاملہ سے فرمایا کہ آپ نے اس سے پہلے بھی اسی طرح سے مجھے مشورہ دیا تھا اور اس وقت بھی میں نے آپ کو تنبیہ کی تھی پھر آپ نے دوبارہ وہی کام کیوں کیا انھوں نے پھر معذرت چاہتے ہوئے عرض کیا کہ میں نے حضرت کو مشورہ نہیں دیا تھا بھلا میری کیا مجال کہ میں حضرت کو مشورہ دوں، میں نے صرف حضرت کی تکلیف کو دیکھ کر عرض کیا تھا۔ فرمایا کہ اور مشورہ کسے کہتے ہیں ؟

اسکے بعد حضرت نے ان صاحب سے فرمایا جو واسطہ تھے کہ تم بتاؤ جی کیا بات ہے ؟ انھوں نے عرض کیا کہ حضرت بات یہ ہے کہ ہم لوگ اور دوسرے لوگوں کیساتھ اسی قسم کی باتوں کے کرنے کے عادی ہوتے ہیں اور وہاں یہ کچھ عیب بھی نہیں شمار ہوتا چنانچہ اسی عادت کے بموجب حضرت والا کے یہاں بھی اسی قسم کی بات زبان سے بے اختیار نکل جاتی ہے۔ نہ ارادہ ہی ہوتا ہے اور نہ احساس ہی ہوتا ہے کہ یہاں اس کی حیثیت دوسری ہو جائیگی بس ایک عادت پڑی ہوئی ہوتی ہے فرمایا کہ ہاں یہی بات ہے اور ان سے تو پوچھو کہ اپنی اس عادت کو نکالیں گے یا نہیں، نہیں تو میں انکو نکال دیتا ہوں ان صاحب نے پھر نہایت ہی لجاجت سے عرض کیا کہ حضرت والا معاف فرمائیں اور توجہ فرماویں انشاء اللہ تعالیٰ اب ایسی غلطی نہیں ہوگی ۔

ان سب حالات کا اثر یہ ہوا کہ حضرت والا نے پانچ چھ دن قبل ہی مجلس میں تشریف لانا موقوف فرما دیا لوگ حاضر ہوتے تھے اور ان کی تعداد روز افزوں تھی مگر ان خیالات نے مجلس کا انداز بدل دیا۔

ان تمہیدی گذارشات کے بعد اب ارشادات مجلس عرض ہیں ۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے انھیں سب حالات نے حضرت اقدس کے ذہن کو مشوش اور قلب کو پریشان کر رکھا تھا اپنی فکر، اپنے متعلقین کا غم، رفقاء سفر اور احباب کی درخواست حج کی منظوری کیلئے کہنا سننا اسکے ساتھ کم فہم حضرات کی جانب سے پیش آنے والے تکلیف دہ معاملات، پھر روزانہ ورود مجمع انکے ٹھہرانے اور کھانے کا انتظام فرمانا ان سب چیزوں کے بیک وقت اجتماع کیوجہ سے نہ دماغ ہی کو سکون تھا نہ قلب ہی کو چین نصیب تھا اسلئے باوجودیکہ وقت سفر قریب تھا احباب سے نہ معلوم کیا کیا باتیں کہنی تھیں مگر حالات کی ناسازگاری نے کچھ موقع ہی نہیں دیا اور آج کی مجلس بھی سابق انداز پر گذری۔

۹ آج بھی حضرت والا مجلس میں تشریف نہیں لائے۔ راقم سے فرمایا کہ میری طبیعت پر کچھ اثر ہے۔ جو واقعات ان دنوں پیش آئے ہیں لوگوں سے اس کو بیان کرو۔

احقر نے عرض کیا کہ:۔

حضرات! آپ حضرات بہت دنوں سے حضرت کی مجلس میں تشریف لا رہے ہیں، حضرت والا کے ارشادات اور حضرت کی تعلیمات آپ برابر سُن رہے ہیں ان سے آپ کو کچھ اندازہ ہوا ہوگا اور ہونا چاہیئے کہ حضرت والا ہم سے کیا چاہتے ہیں اور اگر ہم حضرت کی باتوں کو نہیں سمجھ رہے ہیں اور ان پر کوئی توجہ نہیں دے رہے ہیں تو نہایت افسوس کی بات ہے اور اگر آپ لوگ صرف زبان سے کہیں کہ ہم سن رہے ہیں اور سمجھ رہے ہیں تو آپ کے حالات سے اس کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت والا کو بھی اندازہ ہو رہا ہے کہ ہماری طرف سے سننے اور سمجھنے کے جیسے کچھ آثار ظاہر ہونے چاہئیں وہ نہیں ہو رہے ہیں اس لئے حضرت والا ایسے موقع پر یہی فرماتے ہیں کہ جب سننا سمجھنا اور کچھ کرنا نہیں ہے تو ہماری جگہوں کو لوگ کیوں فاسد کرتے ہیں یہاں آنے سے، رہنے سے اور بیٹھنے سے کیا فائدہ جب یہاں کی باتیں سیکھی ہی نہ جائیں۔ آپ لوگوں سے کہتا ہوں کہ یہاں کے آنے جانیوالے لوگوں کی بے سمجھی بدعقلی اور بیوقوفی سے حضرت والا کو بہت تکلیف پہنچتی ہے۔ دین تو خیر بڑی چیز ہے ہملوگ دنیا کا کام بھی ٹھیک سے نہیں کر سکتے اور یہاں یہی سکھلایا جاتا ہے کہ دین بھی سیکھو اور دنیا بھی سیکھو اور جب یہ نہیں ہے تو آنے سے کیا فائدہ؟ حضرت والا ارشاد فرماتے

ہیں کہ آپ لوگ اس کے متعلق کچھ فرمائیے۔

مجمع پر سکوت طاری تھا حضرت والا نے مولانا محمد ایوب صاحب اعظمی شیخ الحدیث سے (جو ڈابھیل سے تشریف لائے ہوئے تھے) فرمایا کہ مولوی صاحب کچھ آپ فرمائیے۔ مولانا ایوب صاحب نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ:۔

حضرات! یہاں ہم لوگ حضرت والا کے ملفوظات اور تعلیمات کو سننے اور سمجھنے کے لئے حاضر ہوئے ہیں لیکن حضرت والا کے مضامین عالیہ چونکہ بیحد دقیق ہوتے ہیں اسلئے سمجھدار لوگ بھی حضرت والا کی مراد کو پوری طرح نہیں سمجھ پاتے اور یقیناً منشاء کے سمجھنے میں کوتاہی ہو جاتی ہے اور حضرت کی مجلس میں سب طرح کے لوگ آتے ہیں کم فہم بھی اور صاحبِ عقل بھی۔ اور جب فہیم لوگ نہ سمجھ پائیں گے تو کم فہم لوگوں کو بھی سمجھنے میں دقت ہوگی۔

آج بھی مجلس نہیں ہوئی، احقر سے فرمایا کہ لوگ آکر بیٹھے ہوئے ہیں۔ جاؤ تم ہی کچھ کہدو۔

(۲۰/ نومبر ۱۹۶۶ء)

راقم نے عرض کیا کہ حضرت والا نے فرمایا ہے کہ لوگوں سے کچھ باتیں کرو، سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا عرض کروں۔ آپ حضرات کو تو معلوم ہی ہے کہ حضرت والا کا سفر حجاز قریب آگیا ہے۔ ۲۲/ نومبر کو روانگی ہے حضرت والا کی یہ خواہش تھی کہ یہ آخری چند ایام اچھی طرح سے گذریں، خوش خوش یہاں سے جائیں لیکن حالات کچھ ایسے ہوئے جا رہے ہیں کہ حضرت والا کو برابر تکلیف ہی پہنچ رہی ہے۔ لوگوں کو بمبئی کا حال معلوم ہے کہ یہاں جگہ کی قلت ہے قیام میں دقت ہے لیکن بلا کچھ سوچے سمجھے باہر سے چلے آرہے ہیں۔ نیز جو لوگ حج کو جانا چاہتے ہیں انکا طرزِ عمل بھی کچھ ایسا ہے کہ حضرت والا یہ سمجھ رہے ہیں کہ گویا ان کے تمام انتظام کی ذمہ داری میرے ہی سر ہے۔ یہ سب نہایت تکلیف کی باتیں ہیں۔

کل ایک صاحب معہ بال بچوں کے تشریف لے آئے۔ بچوں اور عورتوں کو گھر میں اتار دیا اور جب کہا گیا کہ ان کو کہیں اور پہنچا دو تو اسی وقت سے جو غائب ہوئے تو ابتک واپس نہیں آئے، اپنے بیوی بچوں کی بھی خبر نہیں لی کہ کس حال میں ہیں۔ یہ چند نمونے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ دین تو بہت بڑی چیز ہے ہم لوگوں کو دنیا کی بھی عقل نہیں ہے۔ ہم کو اپنے اس نقصان کا بھی کچھ غم نہیں اور حضرت والا کے قلب پر قوم کی اس بدحالی کی وجہ سے گذر جاتی ہو جو گذرتی ہے۔

حضرت والا نے یہ بھی فرمایا ہے کہ مجھے آپ لوگوں کی کسی اعانت کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اپنا سب کام خود کر لوں گا۔ سفر کا بھی انتظام کر لوں گا اور جب جہاز کی روانگی کا وقت آئے گا چلا جاؤں گا چند ایام باقی رہ گئے ہیں۔ چاہتا ہوں کہ ان کو سکون سے گذار لوں۔

فرمایا کہ لوگوں سے کہدو کہ اب آپ لوگ تشریف لے جائیں اور مجمع چونکہ بہت زیادہ ہے اس لئے مصافحہ کی کوشش نہ کریں۔ میں کسی سے نہ ملوں گا۔

آج اتوار کا دن تھا اور اس قیام کا یہ آخری یکشنبہ تھا اس لئے بہت زیادہ لوگ مجلس میں آئے تھے۔ جہانوں کی تعداد بھی اچھی خاصی ہو چکی تھی جس میدان میں مجلس ہوا کرتی تھی وہ بالکل بھرا ہوا تھا۔ خیال تھا کہ شاید آج حضرت والا خود تشریف لائیں اور بہ نفس نفیس کچھ ارشاد فرمائیں کیونکہ مقامی و بیرونی سب ہی لوگ حضرت والا کی زبان فیض ترجمان سے ارشادات سننے کے لئے بیچین تھے اور بہ زبان حال سارا مجمع گویا یہ کہہ رہا تھا کہ ؎

بنمائے رخ کہ عالم شیدا شود و حیران
بکشائے لب کہ فریاد از مرد و زن برآید

لیکن آہ یہ کسے خبر تھی کہ یہ مجالس چونکہ اب ہمیشہ ہمیش کے لئے بند ہونیوالی تھیں اسلئے جدائی اور صبر کی مشق کرائی جا رہی تھی، چنانچہ کئی دنوں سے مصافحہ اور مجلس کے بعد عام ملاقات کا سلسلہ بند ہو چکا تھا (اور کسے خبر تھی کہ چند ہی دنوں کے بعد ایسا وقت آنے والا ہے کہ لوگ زیارت کو اور آنکھیں دیدار کو بھی ترسیں گی۔ اس لئے تدریجاً بعد مجلس مصافحہ اور ملاقات کو بھی بند کر دیا گیا تھا تاکہ قلب کو اس کوہ غم کے اٹھانے کی طاقت ہو جائے جو آج سے چند دنوں بعد متوسلین پر ٹوٹ کر گرنے والا تھا چنانچہ آج بھی حضرت والا مجلس میں تشریف نہیں لائے اور راقم ہی کو کچھ کہنے کے لئے فرمایا، احقر نے حضرت والا کے کمرہ اور اہل مجلس کے درمیان والے برآمدہ میں کھڑے ہو کر (جہاں حضرت نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے) مجمع کو مخاطب کر کے کہا کہ :۔

"حضرات آپ لوگ یہ دیکھ رہے ہیں کہ آج کئی دن سے مسلسل مجلس بند ہے اس کے وجوہ بھی میں نے مختلف طور پر بیان کئے ہیں آج پھر ان ہی کو بیان کرتا ہوں تاکہ جو لوگ نئے آئے ہیں وہ بھی سن لیں اور آپ لوگ مکرر سن لیں

وہ یہ کہ حضرت والا کو بارہا یہ فرماتے ہوئے سنا آپ حضرات نے بھی سنا ہوگا کہ میں اپنے پاس کے آنے جانے والوں میں یہی دیکھتا ہوں کہ میرے یہاں آنے جانے سے اس کے اندر فہم کتنی پیدا ہوئی اور یہ اس لئے کہ سمجھ چکا ہوں کہ اصل چیز فہم ہے۔ آدمی کے اندر جب فہم نہ ہوگی اور اس کی عقل ہی درست نہ ہوگی تو اس سے نہ دین کا کچھ کام ہوسکے گا نہ دنیا کا۔

دین میں سب سے ضروری چیز عقل اور فہم ہے اگر عقل ہوگی تو آدمی دین کے کام کو بھی سمجھے گا اور دنیا کے کام کو بھی سمجھ کر کرے گا حضرت والا یہ فرمایا کرتے ہیں کہ آپ لوگ یہ خیال کرتے ہوں گے کہ ہم تو یہاں دین کی باتیں سننے کے لئے آئے تھے آپ یہ عقل کی بحث کیا لے بیٹھے، تو اسی کو سمجھانا چاہتا ہوں کہ عقل اور فہم کی بحث جسے آپ لوگوں نے دین سے خارج کر رکھا ہے وہ بھی دین ہے۔

اب سفر میں دو تین دن باقی رہ گئے چاہتا تھا کہ کام کام کی باتیں آپ لوگوں سے کروں لیکن پے در پے ایسے واقعات کا سلسلہ رہا جنکی وجہ سے طبیعت پریشان ہوگئی، آپ لوگ دور دور سے آئے ہیں اور ہم اپنے اندر گفتگو کی طاقت نہیں پاتے۔ بعض واقعات آپ کو سناتا ہوں تاکہ آپ حضرات بھی حضرت والا کو معذور سمجھیں۔

(۱) ایک صاحب کا خط بہار سے آیا ہے لکھا ہے کہ "سنا ہے کہ آپ ذاکرین کی جماعت کے ساتھ حج کو جا رہے ہیں میں بھی حج کو جانا چاہتا ہوں لہذا پہلے تو یہ کیجئے کہ مجھے بھی ذاکرین کی جماعت میں داخل فرمالیجئے اور پھر یہ بھی فرمائیے کہ ہم اس کے لئے درخواست حج کمیٹی کو بھیجیں یا آپ کے پاس بھیج دیں۔"

ان صاحب کی اس بے عقلی سے حضرت والا کو بیحد تکلیف ہوئی کہ مسلمانوں کا یہ حال ہوگیا ہے۔ ان کو دنیا کے کسی کام کا سلیقہ نہیں معلوم۔

(۲) اسی طرح سے ایک اور صاحب دہلی کوشش کرنے کے لئے گئے افسر نے جب ان سے درخواست مانگی تو کہا کہ درخواست تو میں نے ابھی دی ہی نہیں ہے اس نے کہا پھر آپ میرے پاس کیوں

تشریف لائے میں سفارش لکھوں تو کس پر لکھوں۔ اس قسم کے متعدد واقعات پیش آچکے ہیں اور روزانہ پیش آرہے ہیں ظاہر ہے کہ یہ واقعات کس قدر تکلیف دہ ہیں حضرت کو ہم لوگوں کی ان ہی بدعقلیوں اور بے اصولیوں کی وجہ سے ایک ضیق سی رہتی ہے اسی لئے حضرت والا کئی دنوں سے مجلس میں تشریف نہیں لارہے ہیں اور آج بھی شاید تشریف نہ لاویں حضرت فرماتے ہیں کہ ان حالات میں میں لوگوں سے اب کیا کہوں ممکن ہے کہ مجلس میں آؤں اور ان لوگوں کو سامنے دیکھ کر ان کی بے عقلی اور بدفہمی کی تصویر سامنے آکر اور زیادہ مکدر اور اذیت ہو۔ راقم نے عرض کیا کہ یہ بھی حضرت والا کی عین شفقت ہے کہ وہ ہمارے معاملات کو بالکل اپنا معاملہ خیال فرماتے ہیں اسی لئے ہمارے نقصان پر جس قدر رنج حضرت والا کو ہوتا ہے شاید صاحب معاملہ کو بھی نہ ہوتا ہو۔ حضرت والا کو اس کا قلق ہے کہ اتنے دنوں کی تعلیم و تربیت کا کوئی نتیجہ نہیں دیکھا اور یہ فرماتے ہیں کہ جب میری باتوں پر کان نہیں رکھتے اور یہاں آکر سننا سمجھنا اور عمل کرنا نہیں چاہتے تو پھر میرے پاس آنے جانے اور یہاں ایک بھیڑ لگانے سے آخر کیا فائدہ یہ تو اندھی محبت اور بلا کچھ سوچے سمجھے بدن پر گرنا ہوا۔ میں اس کا قائل نہیں، ساتھ ہی ساتھ اسکا بھی افسوس ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی اتنی بڑی جماعت دور و دراز سے وقت نکالکر ہمارے پاس آئی ہے اور ہم کچھ کہہ نہیں سکتے۔ یعنی آپ کے سامنے کچھ بیان نہیں کرسکتے اس کی ایک مستقل گھٹن اور ضیق ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ چہار باب سے عقل و کیاست کے متعلق جو مضمون سنایا کرتا ہوں لاکر انھیں سناؤ۔

احقر نے عرض کیا کہ حضرات میں نے جو ابھی عرض کیا ہے کہ حضرت کو اس کا غم ہے کہ قوم سے عقل رخصت ہوچکی ہے اور ہم لوگ عقل سے کورے ہوگئے ہیں اس کی تباہیاں سامنے آتی ہیں لیکن ہم متنبہ نہیں ہوتے عقل کیسی چیز ہے یعنی جسکے پاس عقل کی کمی ہو وہ اپنی عقل کو بڑھا سکتا ہے علماء نے اس کا طریقہ لکھا ہے چنانچہ حضرت شاہ اہل اللہ صاحب جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحؒ کے بھائی ہیں وہ اپنی مشہور کتاب چہار باب میں فرماتے ہیں کہ:-

(نصیحت) عقل و کیاست و فہم و فراست ہر چند امر جبلی است
اما بکثرت تجربہ و صحبت عقلاء، و کسب علوم عقلیہ و استماع قصص و

نصائح می افزاید پس باید کہ چناں کوشند کہ ہر روز قوائے عقلیہ خود را قوی
می کردہ باشند و خود را بتکلف و فکر از عقلا گردانند و در زمرۂ سفہار
نگذارند۔

یعنی عقل و دانائی اور سمجھ اور فراست اگرچہ پیدائشی چیزیں ہیں تاہم کثرت تجربہ عقلاء کی صحبت۔
علوم عقلیہ کے پڑھنے اور گذرے ہوئے لوگوں کے نصائح اور حالات کے سننے سے اسمیں اضافہ
ہوجاتا ہے لہذا چاہیئے کہ ہر روز کوشش کرکے اپنے قوائے عقلیہ کو قوی کریں اور اپنے کو تکلف اور
فکر کے ساتھ عقلاء کی جماعت میں رکھیں اور احمقوں کے زمرہ سے بچائیں۔

دیکھئے شاہ اہل اللہ صاحب نے فہم و عقل بڑھانیکی کیسی تدبیر بیان کی اس میں اور تدبیروں
کے ساتھ ساتھ ایک اسکو بھی فرمایا کہ اپنے آپ کو عقلمند سمجھیں یعنی اپنی قوت عقلیہ کو حرکت دیں اور اپنی
قوت فکریہ کو کام میں لائیں ورنہ اگر اپنے آپ کو بیوقوف سمجھ کر امور میں دخل دینے سے پیچھے رہیئے گا تو
آہستہ آہستہ قوائے عقلیہ اور قوت فکریہ ہی معطل ہوجائیگی اور جب اس سے کام لیجئیگا تھوڑی تھوڑی
عقل بڑھتی رہے گی آپ کی مجلس میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جو ہماری ان باتوں کو ناپسند کرتے
ہونگے یعنی خود بھی عقل نہیں رکھتے اور جو کوئی عقل کی باتیں انھیں سکھلائے تو اس کو ناگوار
لگتے ہیں ؎

ناصحا مت کر نصیحت دل مرا گھبراوے ہے
میں اسے سمجھوں ہوں دشمن جو مجھے سمجھاوے ہے

ظاہر ہے کہ ان لوگوں کی اصلاح کی کیا صورت ہوسکتی ہے۔

(جیسا کہ عرض کیا گیا کہ آج سفر سے پہلے کا آخری اتوار تھا اس لئے شہر بمبئی سے بھی بہت
لوگ تشریف لائے تھے چنانچہ جامع مسجد کے امام صاحب اور ان کے ہمراہ مولوی شوکت صاحب
بھی آئے تھے مولوی شوکت صاحب نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کی دوسری جلد حضرت والا کی
خدمت میں ہدیۃً پیش کی جو ان دنوں بمبئی میں چھپ رہی تھی، حضرت والا نے راقم کو بلایا اور
فرمایا کہ لو یہ حدیث کی کتاب ہے آج ہی آئی ہے اس کی پہلی حدیث لوگوں کو سنا دو کیونکہ لوگ
دور دور سے آئے ہیں کچھ دین کی بات سنکر جائیں۔

احقر نے عرض کیا کہ حضرات یہ مشکوٰۃ شریف کی شرح مرقاۃ ہے۔ اس میں جلد ثانی کی ابتداء باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کی گئی ہے۔ صاحب مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ عبد الرحمٰن ابن ابی لیلیٰ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے کعب بن عجرہ ملے اور یہ کہا کہ کیا میں تمہاری خدمت میں وہ ہدیہ نہ پیش کروں جسے میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ میں نے کہا کہ ضرور اس ہدیہ سے مجھے نوازیئے، انھوں نے کہا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر سلام کا طریقہ تو ہمیں سکھا دیا ہے (یعنی یہ کہ ہم یوں کہا کریں کہ السلام علیك ایها النبی ورحمة الله وبرکاته) لیکن آپ پر اور آپ کے اہلبیت پر ہم صلوٰۃ کس طرح بھیجا کریں آپ نے ارشاد فرمایا کہ یوں کہا کرو کہ اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انك حمید مجید + اللھم بارك علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انك حمید مجید یہ حدیث متفق علیہ ہی مگر یہ کہ مسلم شریف میں دونوں جگہ ابراھیم کا لفظ نہیں آیا۔

یہ تو مشکوٰۃ شریف کی حدیث کا ترجمہ ہوا اس پر صاحب مرقاۃ تحریر فرماتے ہیں کہ باب الصلوٰۃ علی النبی سے مراد یہ ہے کہ درود شریف کا حکم کیا ہے اور اس کا ثواب کیا ہے اسکا بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد یا ایها الذین آمنوا صلوا علیه وسلموا تسلیما میں درود پڑھنے کا جو حکم ہے تو یہ امر آیا استحبابی ہے یا وجوب کے لئے ہے۔ پھر یہ اختلاف ہے کہ آپ پر درود بھیجنا فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟ پھر اس امر میں اختلاف ہے کہ آپ کا نام نامی اسم گرامی جب جب لیا جائے تو ہر بار درود شریف پڑھنا چاہیئے یا نہیں اور ایک مجلس میں تداخل ہو جاتا ہے یا نہیں یعنی ایک مرتبہ کا پڑھا ہوا درود شریف دوسری بار کے لئے بھی کافی ہو جائے گا یا نہیں۔ چنانچہ امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ نماز کے قعدۂ اخیرہ میں درود شریف پڑھنا فرض ہے اور جمہور علماء کے نزدیک سنت ہے اور علامہ سخاویؒ نے اس بحث کو اپنے رسالہ القول البدیع فی الصلوٰۃ علی الشفیع میں مفصل بیان کیا ہے اور صاحب مرقاۃ فرماتے ہیں کہ معتمد ہمارے نزدیک وجوب ہے اور تداخل ہے یعنی جب نام نامی سنے یا زبان سے کہے تو درود شریف پڑھنا واجب ہے اور ایک مجلس میں ایک دفعہ پڑھ لینا

کفایت کر جائیگا۔

حضرت والا نے فرمایا کہ یہ حدیث بھی سنادو۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی علیّ واحدۃ صلی اللہ علیہ عشراً۔ یعنی جس شخص نے مجھ پر ایک بار درود بھیجا اللہ تعالیٰ اس پر دس بار رحمتیں نازل فرماتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَۃِ فَلَہٗ عَشْرُ اَمْثَالِھَا۔ یعنی جو شخص ایک نیکی کرے اس کا اجر اسے دس گُنا ملے گا، اور علماء نے فرمایا ہے کہ یہ دس گُنا کم سے کم ہے یوں اللہ تعالیٰ جسکے لئے چاہیں گے اس سے بھی زیادہ عطا فرمائیں گے۔ سوگُنا عطا فرمادیں اور زیادہ عطا فرمادیں یہ بندہ کے خلوص اور حق تعالیٰ کے فضل پر موقوف ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ بس لوگوں سے کہدیجئے کہ جائیں۔ حدیث شریف کے مضمون اور کچھ آخر آخر حضرت والا کے انشراح سے لوگ بہت ہی متأثر اور محظوظ تھے۔ لوگوں نے مصافحہ کی خواہش کی فرمایا کہ سب لوگوں سے میرا سلام کہدو بہت زیادہ مجمع ہے سب سے مصافحہ کرونگا تو تھک جاؤں گا آپ لوگ جانتے ہیں کہ مجھے سفر کرنا ہے اس لئے آپ لوگوں کو میری راحت کا لحاظ کرنا چاہیئے یہ سن کر لوگ سلام کر کے خوشی خوشی واپس ہو گئے۔

(۲۰ نومبر ۵۴ء)

آج بھی حضرت والا مجلس میں تشریف نہیں لائے راقم سے فرمایا کہ گلستاں لاؤ اور دیباچہ کا ایک مضمون نکالکر فرمایا کہ لو یہاں سے لیکر یہاں تک لوگوں کو پڑھ کر سنادو اور اس کا ترجمہ کردو اور کہہ دو کہ بس لوگ جائیں مجھے سفر کے سلسلے میں انتظامات کرنے ہیں۔ راقم نے گلستاں کی وہ عبارت سنائی۔ وھو ھذا

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب گلستاں کے دیباچہ میں امیر کبیر فخرالدین ابی بکر ابی نصر کے ذکر میں کچھ دور چلکر فرماتے ہیں کہ:-

"بر ہر یک از سائر بندگان وحواشی خدمتے معین است کہ اگر در ادائے
برخے ازاں تہاون وتکاسل روا دارند در معرض خطاب آیند و در محل عتاب
مگر براں طائفۂ درویشاں کہ شکر نعمت بزرگان برایشاں واجب است و

ذکر جمیل و دعائے خیر، و ادائے چنیں خدمت در حد غیبت اولی ترست کہ
در حضور ایں بہ تصنع نزدیک ست و آں از تکلف دور و بہ اجابت مقرون۔

یعنی فرماتے ہیں کہ بادشاہوں اور امیروں کا یہ معاملہ ہوتا ہے کہ ان کے غلاموں اور پاس اٹھنے بیٹھنے والوں میں سے ہر ایک کے لئے ایک خدمت مقرر ہوتی ہے ایسی کہ اگر وہ لوگ اس کی ادائیگی میں ذرا سستی اور کسل سے کام لیں تو ان سے جواب طلب ہو جائے اور عجب نہیں کہ پتہ ہی کٹ جائے۔ لیکن بادشاہوں کا تعلق درویشوں کے گروہ سے جو ہوتا ہے تو اس سلسلہ میں ان کا وظیفہ یہ ہے کہ ان کے لئے دعائے خیر کریں اور ان کی نعمت کا شکریہ ادا کریں اور ان کا ذکر جمیل کریں لیکن درویشوں کو اپنا یہ وظیفہ ادا کرنے کے لئے بادشاہوں سے دور ہی رہنا مناسب ہے اور غائبانہ دعا اولیٰ ہے اس لئے کہ موجودگی میں اور بادشاہوں کے سامنے ان کی تعریف اور ان کے لئے دعا کرنا اس میں تصنع و تملق کا اندیشہ ہے اور دعائے غائبانہ تکلف سے محفوظ اور اجابت کے زیادہ قریب ہوتی ہے۔
اس کے بعد شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک قطعہ ان کی مدح میں تحریر فرمایا ہے۔

وھو ھذا ؎

پشت دوتائے فلک راست شد از خرمی
تا چو تو فرزند زاد مادرِ ایام را

یعنی مصائب کی وجہ سے آسمان کی دوہری ہو جانے والی کمر اس وقت مارے خوشی کے سیدھی ہو گئی جبکہ مادرِ ایام (یعنی زمانے) نے تجھ جیسے (ہونہار) فرزند کو پیدا کیا۔

حکمتِ محض ست گر لطفِ جہاں آفریں
خاص کند بندۂ مصلحت عام را

یعنی اس دنیا کے پیدا کرنے والے کی حکمتِ محض سے یہ بات ہے اگر وہ اپنے لطف و کرم سے اپنے کسی بندے کو عام لوگوں کی مصالح کے لئے خاص کر دے اور خدمت خلق کا کام اس سے لے۔

دولتِ جاوید یافت ہر کہ نکو نام زیست
کز عقبش ذکر خیر زندہ کند نام را

جس شخص نے نیک نامی کی زندگی گذاری اس نے دولتِ جاوید پائی کیونکہ اس کے اس دنیا سے

جانے کے بعد بھی اس کا ذکر خیر اس کے نام کو زندہ رکھے گا

وصف ترا گر کنند ور نہ کنند اہل فضل

حاجتِ مشاطہ نیست روئے دلآرام را

اہل فضل اور اہل کمال آپ کی تعریف کریں یا نہ کریں آپ کا شرف اس پر موقوف نہیں ہے اسلئے کہ خوبصورت عورت کے رخ میں حسن پیدا کرنے کے لئے کسی سنگار کرنے والی عورت کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ وہ تو حسن خدا داد سے خود ہی آراستہ ہے۔

دیکھئے حضرت سعدیؒ نے امیر ابوبکر کی کیسی عمدہ مدح کی۔ یہ فرمایا کہ آپ کی دنیا میں تشریف آوری سے آسمان کو بیحد مسرت ہوئی۔ یہاں تک کہ رنج وافکار کی وجہ سے اس کی پشت جو دوہری ہوگئی تھی آپ کے آمد کی مسرت سے وہ سیدھی ہوگئی۔ نیز اللہ تعالیٰ عام مخلوق کی اصلاح کے لئے اپنے کسی کسی بندے کا انتخاب فرماتے ہیں۔ جس قوم میں اللہ کا کوئی ایسا بندہ موجود ہو اسے اپنی قسمت پر ناز کرنا چاہیئے اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیئے اور جو شخص اس منصب پر فائز ہو کر عامۃ الناس کی خدمت کر کے نیک نامی کی زندگی بسر کرتا ہے اسکو حیات جاویدہ نصیب ہو جاتی ہے اس لئے کہ جسم کے اعتبار سے دنیا سے ختم ہو جانے کے باوجود اس کا ذکر خیر اور اس کی خدمات اس کے نام کو زندہ رکھتی ہیں۔ پھر جو شخص اللہ کے بندوں کی خدمت پر مامور ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف سے اس منصب پر فائز کیا جاتا ہے اور حق تعالیٰ کی مرضی کے مطابق وہ اپنے فرائض منصبی کو ادا کرتا ہے تو اس کے کمال اور خوبی کے لئے کسی مخلوق کا تعریف کرنا ضروری نہیں اس لئے کہ جو عورت خدا داد حُسن رکھتی ہو اسے خارجی بناؤ سنگار کے ذریعہ تحصیل حُسن کی حاجت نہیں ہے۔

یہ حاصل ہے ان اشعار کا جو شیخ سعدیؒ نے اس امیر کبیر کی شان میں کہے ہے۔ حضرت والا نے اس مضمون کو آپ لوگوں کو جو سنایا ہے تو اس کا کوئی مقصد ہو گا۔ امید ہے کہ آپ حضرات نے اسے سمجھ لیا ہو گا۔ میرے خیال ناقص میں یہ آتا ہے کہ بس یہی حال اہل اللہ کا بھی ہوتا ہے۔ کہ وہ حق تعالیٰ کی جانب سے اس کی مخلوق کی خدمت کے لئے مامور ہوتے ہیں اور یہ منصب انکھیں حق تعالیٰ کی جانب سے ملا ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا

حاصل کرنے کے لئے اسکی مخلوق سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کی دینی خدمت اور تعلیم و تربیت فرماتے ہیں۔ پس ان حضرات کے پیش نظر یہی اللہ تعالیٰ کی رضا رہتی ہے۔ مخلوق سے نہ انھیں کچھ لینا ہوتا ہے اور نہ انکی خوشی ناخوشی کی ان حضرات کو کچھ پرواہ ہی ہوتی ہے۔

اسکے بعد حضرت والا نے فرمایا کہ ٹھیک کہدیا وہ شعر بھی انھیں سنادو کہ ؎

ندارند چشم از خلائق پسند کہ ایشاں پسندیدۂ حق بس اند

یعنی یہ حضرات مخلوق سے پسندیدگی کی توقع ہی نہیں رکھتے کیونکہ خالق کے نزدیک پسند ہونا ان کے لئے کافی ہے۔

راقم عرض کرتا ہے کہ دیکھئے حضرت والا نے اپنی روانگی سے قبل کتنا موقع کے مناسب مقام سنایا اور کسقدر حسن خاتمہ کے مناسب مضمون تجویز کیا چنانچہ راقم نے اسکی جو تشریح کی اسکی تصویب فرمائی اور تائید کے طور پر یہ شعر بھی سنا دیا کہ ؎ ندارند چشم از خلائق پسند الخ یعنی اہل اللہ کے پیش نظر صرف رضائے مولیٰ رہتی ہے اور وہ اپنی کسی ضرورت کا صلہ مخلوق سے نہیں چاہتے بس خدا انھیں پسند کرلے ان سے راضی اور خوش ہوجائے یہی ان کے لئے بس ہے اسکے ذریعہ چلتے چلتے حضرت والا نے ہم سب کو اخلاص کی تعلیم فرمائی کہ اللہ والوں سے یہ سبق ملنا چاہئے یعنی اخلاص کا۔

(مجلس اور تقریر و تبلیغ کا حسن خاتمہ)

آج مجلس کا آخری دن تھا اس لئے کہ کل روانگی ہونی تھی مجمع بہت زائد تھا۔ باہر کے مہمان بھی کافی آچکے تھے اور اہل بمبئی بھی خاصی تعداد میں موجود تھے۔ حضرت والا باہر آج بھی تشریف نہیں لائے۔ راقم کے توسط سے اہل مجلس کو یہ پیغام کہلایا۔

فرمایا کہ کل شاید موقع گفتگو کا نہ ملے اس لئے آج ہی آپ لوگوں سے کہتا ہوں کہ مجھکو آپ کے یہاں رہتے ہوئے بہت دن ہوگئے۔ آپ لوگ بھی برابر تشریف لاتے رہے اور جب کوئی شخص کہیں رہتا سہتا ہے تو پھر ہر ایک کے دوسرے پر کچھ حقوق ہوجاتے ہیں اس لئے کہتا ہوں کہ ممکن ہے کہ اس درمیان میں میری کوئی بات آپ کو ناگوار ہوئی ہو یا میرے کسی فعل سے آپ لوگوں کو کچھ ایذا پہونچی ہو تو میں اس کی آپ لوگوں سے معافی چاہتا ہوں۔ میں نے کبھی کبھی کچھ سخت ضرور کہا ہے مگر اس کا منشا محض اصلاح اور آپ حضرات کی شفقت

اور خیر خواہی تھی۔ تاہم بربنائے بشریت اگر کسی صاحب کو کچھ تکلیف پہونچی ہو تو مجھ کو معاف فرما دیں۔ ؎۵

؎۵ سبحان اللہ! حضرت والا نے اپنے اس عمل سے امت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر وقت کی ایک خاص سنت کی جانب متوجہ فرمایا ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آپ کے مرض وفات کی حالت میں حاضر ہوا حضور اقدس سر مبارک پر ایک زرد پٹی باندھے ہوئے تھے۔ میں نے سلام کیا۔ آپ نے جواب کے بعد ارشاد فرمایا کہ اے فضل! ذرا اس پٹی کو اور زور سے کس دو۔ میں نے تعمیل ارشاد کر دیا۔ پھر حضور بیٹھے اور میرے مونڈھے پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے اور مسجد کو تشریف لے گئے۔ اس کا حدیث میں ایک مفصل قصہ ہے۔ (شمائل ترمذی)

امام ترمذیؒ نے جس قصہ کی طرف اشارہ کیا ہے وہ مجمع الزوائد میں مفصل مذکور ہے۔ اس میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد تشریف لے گئے اور منبر پر بیٹھ کر مجھ سے (یعنی فضل بن عباسؓ) فرمایا کہ آواز دے کر لوگوں کو جمع کر لو فضل کہتے ہیں کہ میں سب کو بلا لایا اسکے بعد حضورؐ نے اللہ کی حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا کہ:۔

"اے لوگو! میرا اب تمہارے پاس سے چلے جانے کا زمانہ قریب آگیا ہے اس لئے میں اعلان کرتا ہوں کہ میں نے جس کی کمر پر مارا ہو تو میری کمر موجود ہے وہ مجھ سے بدلہ لے لے اور میں نے جسکی آبرو پر کوئی حملہ کیا ہو تو وہ میری آبرو سے بدلہ لے لے۔ اسی طرح سے جس کا مجھ پر کوئی مالی مطالبہ ہو تو وہ مجھ سے وصول کرے اور کوئی شخص یہ شبہہ نہ کرے کہ بدلہ لینے سے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دل میں بغض پیدا ہونے کا اندیشہ ہے اس لئے کہ بغض رکھنا نہ میری طبیعت ہے نہ ہی میرے لئے یہ زیب دیتا ہے کہ کسی مسلمان سے بغض رکھوں۔ خوب سمجھ لو کہ میں اس شخص سے بہت خوش ہونگا جو اپنا حق مجھ سے وصول کر لے یا معاف کر دے تاکہ میں اللہ تعالیٰ کے یہاں بشاشت نفس کے ساتھ جاؤں۔

میں اپنے اس ایک دفعہ کے اعلان پر اکتفا نہیں کروں گا بلکہ پھر اس کا اعلان کرونگا۔
اس کے بعد آپ منبر سے اتر آئے اور ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد پھر منبر پر تشریف لے گئے اور وہی اعلان فرمایا۔ اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اسی طرح سے جس شخص کے ذمہ کوئی

حق ہو وہ بھی ادا کرے اور دنیا کی رسوائی کا خیال نہ کرے کہ دنیا کی رسوائی آخرت کی رسوائی سے بہت کم ہے۔"

یہ سن کر ایک صحابی کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے تین درہم آپ کے ذمہ ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں کسی مطالبہ کرنے والے کی نہ تکذیب کرتا ہوں نہ اسکو قسم دینا چاہتا ہوں لیکن صرف اتنا پوچھنا چاہتا ہوں کہ وہ درہم کیسے ہیں (یعنی اس وقت مجھے یاد نہیں آئے کچھ اتا پتا بتلاؤ تو شاید یاد آجائے) انھوں نے عرض کیا کہ ایک دن آپ کے پاس ایک سائل آیا تھا تو آپ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ اسکو تین درہم دیدو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فضل سے فرمایا کہ ان کے تین درہم ادا کردو۔

اس کے بعد ایک اور صحابی اٹھے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے ذمہ تین درہم بیت المال کے ہیں میں نے خیانت سے لے لئے تھے۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ کیوں خیانت کی تھی؟ عرض کیا کہ میں اس وقت بہت محتاج تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فضل سے فرمایا کہ ان سے وصول کرلو۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اعلان فرمایا کہ کسی کو اپنی کسی حالت کا اندیشہ ہو تو وہ بھی دعا کرالے۔ (کہ اب روانگی کا وقت ہے) یہ سنکر ایک مخلص صحابی اٹھے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں جھوٹا ہوں منافق ہوں اور بہت سونے کا مریض ہوں میرے لئے دعا فرما دیجئے۔ آپ نے دعا فرمائی یا اللہ ان کو سچائی عطا فرما ایمان کامل نصیب فرما اور زیادتی نیند کے مرض سے صحت بخش۔

اس کے بعد ایک اور صحابی کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ میں جھوٹا ہوں۔ منافق ہوں، کوئی گناہ ایسا نہیں ہے جو میں نے نہ کیا ہو۔ میرے لئے دعا فرما دیجئے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے ان کو زجر کیا کہ اپنے گناہوں کا اظہار کرتے ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے فرمایا کہ چپ رہو، دنیا کی رسوائی آخرت کی رسوائی سے بہت ہلکی ہے۔ اس کے بعد حضورؐ نے دعا فرمائی کہ یا اللہ اسکو سچائی اور ایمان کامل نصیب فرما اور اس کے احوال کو بہتر فرما دے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک اور صحابی اٹھے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں بزدل ہوں اور سونے کا مریض ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے بھی دعا فرما دی۔ حضرت فضل کہتے ہیں کہ اس کے بعد سے ہم دیکھتے تھے کہ ان کے برابر کوئی بہادر ہی نہ تھا۔

اس کے بعد آپ حضرت عائشہؓ کے مکان پر تشریف لے گئے اور اسی طرح عورتوں کے مجمع میں بھی اعلان فرمایا۔ ایک صحابیہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں اپنی زبان سے عاجز ہوں۔ آپ نے ان کے لئے دعا فرمائی۔

ابن ابی ملیکہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے تیس صحابہ کرام کو پایا ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے اوپر نفاق کا اندیشہ کرتا تھا۔

حضرت حسن بصری رح فرماتے ہیں کہ جو شخص نفاق سے نہ ڈرتا ہو وہ منافق ہے بشائخ نے فرمایا ہے کہ لا یخافہ الا مومن ولا یأمنہ الا منافق۔ یعنی نفاق سے مومن ڈرتا ہے اور منافق اس سے مامون رہتا ہے

ہمارے حضرت رح فرمایا کرتے تھے کہ عجب بات ہے کہ مومن منافق نہیں ہوتا مگر نفاق کا اپنے اوپر اندیشہ کرتا ہے اور منافق کے اندر نفاق بھرا ہوتا ہے مگر اس کو اپنے متعلق اس کا کبھی خیال بھی نہیں ہوتا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ دوزخ میں منافق کو جانا ہے مگر دنیا میں اس سے مؤمن ڈرتا ہے اور منافق کو کبھی بھول کر بھی دوزخ یاد نہیں آتی۔

ف۔ حضرات صحابہؓ کا اپنے کو منافق فرمانا محض اللہ تعالی کے خوف کی وجہ سے تھا کہ باوجود ایمان و عمل کے اپنے آپ کو قصوروار ہی سمجھتے تھے۔ چنانچہ ہر زمانہ میں صالحین کا یہی شعار رہا ہے کہ انھوں نے اپنی طاعت پر نظر نہیں کی، بلکہ ہمیشہ اپنے کو وظائف عبودیت کی ادائیگی میں قاصر ہی سمجھا ؎

عاصیاں از گناہ توبہ کنند ۔۔۔ عارفاں از عبادت استغفار

حضرت والا کے ان کلمات کو احقر نے جب اہل مجلس کے سامنے نقل کیا تو سارا مجمع بلبلا گیا لوگ رونے لگے۔ حتی کہ بعضوں کی چیخ نکل پڑی۔ چند منٹ کی خاموشی کے بعد جب ذرا سکون ہوا تو لوگوں نے کہا کہ ہم لوگوں کی طرف سے حضرت والا سے بھی عرض کر دیجئے کہ ہم لوگوں سے حضرت والا کو جو ایذاء اور تکلیف پہونچی ہو اسکو حضرت والا دل سے معاف فرمادیں۔ اور ہم لوگوں کے لئے دعا فرمائیں اور حضرت والا نے جو کچھ فرمایا وہ حضرت والا کی عین شفقت ہے اس سے ہمیں ناگواری تو کیا ہوتی بلکہ ہم خوش ہیں کہ الحمد للہ حضرت والا کو ہماری اصلاح کا اس درجہ خیال ہے۔ اسکے لئے بھی طالب دعا ہیں کہ اللہ تعالی ہماری اصلاح فرمادیں۔ اور حضرت والا کے منشاء کے مطابق ہم سبکو بنادیں۔

احقر نے حاضرین کی یہ درخواست حضرت والا سے آکر عرض کی فرمایا کہ ہاں سب کے لئے دعا کرتا ہوں۔ لوگوں سے کہدو کہ میرے لئے بھی دعا کریں۔ سفر طویل ہے اللہ تعالی صحت اور عافیت کے

ساتھ لیجائے اور وہاں کی دولتوں سے مالا مال فرمائے۔
راقم نے عرض کیا کہ آپ حضرات حضرت والا کی صحت کے لئے خصوصی طور سے دعا فرمائیں کہ صحت اچھی رہے قوت میں اضافہ ہو اور نہایت ہی خیر و خوبی کے ساتھ واپس تشریف لائیں۔

اس کے بعد حکیم اجمیری صاحب نے حضرت والا کے حکم سے یہ اعلان فرمایا کہ میں آپ حضرات سے نہایت لجاجت سے استدعا کرتا ہوں کہ آج بھی آپ حضرات مصافحہ نہ کریں، محض زیارت پر اکتفا فرمائیں۔ اس لئے کہ مجمع بے انتہا ہے حضرت کو کل سفر کرنا ہے مصافحہ کرنے میں تعب بھی بہت ہوگا اور وقت بھی بہت لگے گا۔ اسی طرح سے ایک گذارش یہ بھی ہے کہ حضرت والا جب باہر تشریف لیجاتے ہوتے ہیں یا باہر سے تشریف لاتے ہیں تو آپ حضرات موٹر کو گھیر لیتے ہیں۔ حضرت والا کے لئے یہ سخت تکلیف کا باعث ہوتا ہے۔ اس لئے کہ خلاف سنت ہے۔ ایسی تعظیم جو اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے مساوی ہو شرک ہے۔ یہ اہل کتاب کا عمل ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں نکیر فرمائی ہے۔ اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ لہذا ہم لوگوں کو اس سے بچنا چاہیئے۔

حضرت والا نے آپ حضرات کو مکرر سلام فرمایا ہے اور دعا کی درخواست کی ہے۔

اس گفتگو پر آج کی مجلس ختم ہوئی۔

افسوس! کیا خبر تھی کہ یہ مجلس آخری مجلس تھی اور حضرت والا کے مسند ارشاد سے فیضان کا آخری دن تھا ؎

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم بہار آخر شد

۲۲ر نومبر ۱۹۶۶ء ۔ آج سفر حج کے لئے روانگی کا دن تھا اسلئے آج مجلس ہونے کا تو کچھ سوال ہی نہ تھا نیز حضرت والا نے کل ہی لوگوں کو رخصت فرمادیا تھا اور اطلاع دیدی تھی کہ کل روانگی ہے سامان سفر وغیرہ درست کرنا ہے لہذا آپ حضرات یہاں مجمع نہ کریں لیکن اس اعلان کے باوجود باہر کے مقیمین حضرات نیز مقامی خدام کے آجانے کی وجہ سے اچھا خاصا مجمع ہوگیا تھا ۔ حضرت والا کو نیز حضرت کے متعلقین کو بندرگاہ لے جانے کے لئے اہل بمبئی میں سے بہت سے حضرات اپنی کار لئے حاضر تھے ۔ حضرت اقدس نے جناب قاری محمد مبین صاحب مدظلہٗ کو اور بھائی ذکی اللہ صاحب کو بلا کر ہدایت فرمائی کہ آپ دونوں صاحبان اور مولوی ارشاد صاحب گھر کی عورتوں اور بچوں کے ساتھ رہیں گے اور انھیں یہاں سے لیکر بندرگاہ جائیں گے ۔ حاجی محمد الیاس صاحب سے فرمایا کہ جو لوگ میرے قافلے کے ہمراہ ہیں انھیں آپ اپنے ساتھ لیکر بندرگاہ پہونچئے گا اور میرے ساتھ ڈاکٹر صلاح الدین صاحب، ممتاز (بھائی) اور وطن کے کچھ لوگ اور بعض بمبئی کے حضرات رہیں گے میں انکے ساتھ بندرگاہ پہونچ جاؤں گا ۔ جہاز شام کو چار بجے جانے والا تھا اسلئے اول وقت ظہر پڑھکر سب لوگوں نے جانے کی تیاری کی ۔ بعض حضرات کو سامان کی فہرست دیکر ٹرک پر سامان لیجانے کا حکم فرمایا ۔ اُدھر قاری صاحب مدظلہٗ اور ذکی اللہ صاحب عورتوں کے ہمراہ بندرگاہ پہونچے اِدھر حاجی الیاس صاحب مردوں کے قافلے کے گویا امیر ہوئے اور انکی نگرانی میں ہم سب لوگ بھی بندرگاہ روانہ ہوئے حاجی صاحب کے ہمراہ یہ حضرات تھے ۔ مولوی حکیم نثار احمد صاحب کوپاگنج ۔ ہدایت علی شاہ کٹک ۔ امام صدیق صاحب کٹک ۔ احقر عبد الرحمن جامی ۔

اور حضرت اقدسؒ کے ہمراہ ممتاز بھائی اور بمبئی کے خاص خاص حضرات تھے ۔ وہاں کے میمن حضرات میں سے حاجی سلیمان صاحب حج کے لئے چل رہے تھے اور ایک بااثر اور سلیقہ مند شخص تھے اسلئے دفتری کارروائی

کے لئے حضرت والا نے حاجی صاحب موصوف اور بھائی ذکی اللہ صاحب کو مقرر فرمادیا چنانچہ سب لوگوں کے پاسپورٹ پر ان حضرات نے کارروائی مکمل کی اور بعد میں ہم سب سے کہا گیا کہ اب جہاز پر چلئے۔ یہاں بندرگاہ پر حضرت کے متوسلین کے علاوہ وطن کے بہت سے لوگوں اور اہل بمبئی کا ایک خاصا مجمع موجود تھا ہم نے بھی دور سے دیکھا کہ حضرت والا موٹر سے اتر کر ایک مجمع کثیر کے جلو میں پلیٹ فارم کی طرف تشریف لے جارہے ہیں غلبۂ محبت اور شدت اشتیاق کی وجہ سے ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ حضرت والا سے مصافحہ کرلے لیکن بندرگاہ پر ہر ہر حاجی کو پہونچانے والے کچھ لوگ آئے تھے ان سب نے جب حضرت والا کو دیکھا تو وہ بھی مصافحہ کی جانب راغب ہوئے نتیجہ یہ ہوا کہ موٹر سے اتر کر دو چار قدم چلنا بھی حضرت کے لئے دشوار ہوگیا، بعض حضرات نے یہ دیکھکر بالخصوص وطن کے نوجوانوں نے حضرت کے اردگرد حلقہ بنایا اور پھر حضرت آگے بڑھے بعض لوگ تو یہ کہتے تھے کہ موٹر کے پاس اسقدر ہجوم بڑھا کہ مقامی پولیس کو دخل دینا پڑا اور اس نے مجمع پر کنٹرول کیا۔ بہرحال اسی طرح حضرت کو حلقے میں لئے ہوئے لوگ جہاز تک پہونچے اور حضرت والا جہاز پر تشریف لے گئے لوگوں کے جذبۂ شوق کا یہ عالم تھا کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سبھی لوگ جہاز پر چڑھ جائینگے لیکن انکو سمجھا بجھا کر روکا گیا چنانچہ سب لوگ پلیٹ فارم ہی پر کھڑے رہے حضرت اقدسؒ اور حضرت کے گھر کے سب متعلقین کا ٹکٹ ڈیلکس کلاس کا تھا اسلئے حضرتؒ کو پہونچانے کے لئے حضرت کے قافلے کے سبھی لوگ اوپر کے کلاس میں چڑھ گئے جہاز میں کمرے سے باہر ایک چوڑا برانڈا تھا جہاں سے پلیٹ فارم کا مجمع صاف نظر آرہا تھا لوگوں کو مسلسل تکتا ہوا دیکھکر حضرت والا بھی یہیں باہر کھڑے ہوگئے اور لوگوں میں سے کسی نے ہاتھ سے کسی نے رومال کے اشارے سے سلام کرنا شروع کردیا حضرت سب کا جواب دیتے رہے اتنے میں کسی نے جہاز کے ہال میں پڑی ہوئی کرسیوں میں سے ایک کرسی لاکر رکھدی جس پر حضرت والا بیٹھ گئے

اور لوگ حضرت کی زیارت سسکیوں اور آنسوؤں کے ذریعے کرنے لگے خود حضرت والا بھی مسکراتے ہوئے انکو برابر دیکھتے رہے، کرسی کے قریب بھائی ذکی اللہ مولوی حکیم نثار احمد صاحب اور بائیں جانب احقر اور حاجی وکیل احمد صاحب الہ آبادی کھڑے تھے اور بہت سے حضرات پیچھے موجود تھے اب قبنا بکلی وقفہ رہا ہو بات کی بات میں ختم ہوگیا، جہاز نے سیٹی دی لوگوں نے حضرت سے عرض کیا کہ اپنے کمرے میں تشریف لے چلئے بالآخر جہاز ۴ بجے کے قریب روانہ ہوا اور دیکھتے دیکھتے تقریباً سولہ سو کی آبادی کا یہ حصہ ایک جزیرہ بن گیا۔

قیام بمبئی کے آخری زمانے میں جبکہ حج کا ارادہ ہوچکا تھا اور تیاریاں ہو رہی تھیں ایک دقت یہ پیش آئی کہ حضرت والا کے ہمراہ قافلے میں چند بچے بھی تھے جنکی عمریں جہاز کے قانون سے کم تھیں اسلئے انکا پاسپورٹ نہ بن سکتا تھا کسی واسطے حضرت والا نے جناب مدحت قدوائی صاحب کے پاس جو سعودیہ میں سفیر ہند تھے یہ کہلوایا کہ سفر میں یہ دقت ہورہی ہے اس سلسلے میں آپ کچھ کوشش کرسکتے ہوں تو کردیں چنانچہ مدحت قدوائی صاحب نے سید حمد شبیلی (عرب) جو دہلی میں سفیر سعودیہ تھے ان کے نام یہ سفارشی خط لکھا:۔

از مدحت کامل قدوائی (سفیر) هندوستانی سفارتخانہ

التاریخ ۱۰ تشرین الاول ۱۹۶۷ء پوسٹ ۹۵۲ جدہ

سعودی عربیہ

الی صاحب السعادۃ السید حمد الشبیلی الموقر سفیر المملکۃ العربیۃ السعودیہ

(نیو دلهی)

صاحب السعادۃ

تحیۃ طیبۃ وبعدُ ارجوان تکون سعادتکم بتمام الصحۃ والعافیۃ

احیط سعادتکم علما بان فضیلۃ الشیخ شاہ وصی اللہ المحترم

احد کبار الشخصیات الهندیۃ فی العلوم الدینیۃ والارشاد الدینی

يعتزم السفر لاداء مناسك الحج والزيارة هذا العام والمعروف انه تلميذ و خليفة الشيخ محمد اشرف على التهانوى الذى كرس حياته لاجل نشر الثقافة الاسلامية فى شبه القارة الهندية والف اكثر من الف كتاب فى مختلف موضوعات الدينية ويبلغ عدد تلاميذه الروحيين اكثر من ثلاث مائة الف شخص - منهم يعتبر فضيلة الشيخ شاه وصى الله من اجل تلاميذه واقرب الناس اليه -

ومن حسن حظنا ان يقوم مثل هذه الشخصيات الكبيرة بسفر حج المبارك ونبذل قصاوى جهودنا فى سبيل راحتهم وتقديم كافة التسهيلات الممكنة اليهم - وقد تعرضت مشكلة ارجو التكرم بايجاد حل لها وتكون ذلك مكرمة شخصية على وهو ان الشيخ ترافقه ثلاثة من حفيداته اللائى لم يبلغن من العمر بحيث يمكن للحكومة الهندية ان تمنح لهن جواز الحج - فلذلك تتخذ الترتيبات لكى تشمل اسمائهن جوازات السفر العادية فارجو التكريم بمنح تاشيرة الحج والزيارة على جوازهن وتفضلوا بقبول فائق الاحترام والتقدير

المخلص

مدحت كامل قدوائى - سفير الهند

بالمملكة

(ترجمہ) :-

منجانب مدحت قدوائی (سفیر ہند برائے سعودیہ)

بخدمت جناب محترم سید حمد شبیلی سفیر سعودیہ - برائے ھند -

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ___ بعدہٗ عرض ہے کہ امید کہ آپ

خیریت سے ہوں گے۔ میں آنمحترم کو مطلع کرنا چاہتا ہوں کہ حضرت مخدومنا المحترم مولانا شاہ وصی اللہ صاحب جو ہند کے ایک بڑے عالم اور شیخ شمار ہوتے ہیں جنکا مشغلہ دینی علوم کی اشاعت اور پند ونصیحت اور وعظ وارشاد فرمانا ہے وہ امسال سفر حج کا ارادہ رکھتے ہیں اور یہ ایک مشہور حقیقت اور صحیح امر ہے کہ آپ شیخ اشرف علی التھانوی کے مسترشدین میں سے ہیں جنھوں نے اپنی زندگی ہند میں اسلامی تعلیمات کی اشاعت میں وقف کر رکھی تھی، اور تقریباً ایک ہزار کتابیں آپ کی تصنیف کردہ ہیں جنھیں آپ نے مختلف موضوعات پر لکھا ہے اور آپ کے مسترشدین کی تعداد تین لاکھ سے زیادہ ہے انھیں میں سے ایک شیخ موصوف مولانا شاہ وصی اللہ صاحب بھی ہیں جو آپ کے اجل خلفاء میں سے ہیں۔

ہماری خوش قسمتی ہے کہ ایسے مقدس حضرات کی خدمت کریں اور ان کے سفر حج کے سلسلہ میں ہر قسم کی آسانیاں پیدا ہونے کی سبیل مہیا کریں اس وقت یہ عرض کرنا ہے کہ حضرت موصوف کو اپنے سفر حج میں ایک دقت یہ پیش آرہی ہے کہ آپ کے قافلے میں تین چھوٹے بچے جو آپ کے نواسے ہیں وہ بھی موجود ہیں مجھے امید ہے کہ آپ اُسے دور فرما کر مجھ پر کرم فرمائینگے اور یہ آپکا مجھ پر ذاتی احسان ہوگا وہ یہ کہ ایسی کوئی صورت نکالیئے جسکی وجہ سے حکومت ہند انھیں سفر کی اجازت دیدے اور انکا نام پاسپورٹ میں شامل ہوجائے اور مجھے آپکے کرم سے امید ہے کہ آپ بھی انھیں حج میں شرکت کی اجازت عطا فرمائینگے

میری جانب سے غایت ادب واحترام قبول فرما کر ممنون فرمایا جائے

آپکا مخلص

مدحت کامل قدوائی

بہرحال مدحت قدوائی صاحب کی سفارش منظور ہوئی اور ان بچوں کو بھی پاسپورٹ مل گیا اس تعلق کے بعد خود جناب مدحت صاحب کو حضرت والا سے ملاقات کا بیحد اشتیاق ہوگیا اور نہ صرف قدوائی صاحب بلکہ مکہ مکرمہ میں برادرم عبدالغفار صاحب الہ آبادی کے مقیم ہونے اور مدینہ منورہ میں مولوی امجد اللہ صاحب گورکھپوری کے موجود ہونے کیوجہ سے بہت سے لوگ حضرت کے غائبانہ شیدائی اور ملاقات وزیارت کے مشتاق ہوگئے تھے چنانچہ مکہ مکرمہ کے مدرسہ صولتیہ عربیہ کے ناظم جناب مولانا سلیم صاحب مدظلہٗ بھی حضرتؒ کی زیارت کے متمنی ہوگئے تھے بلکہ انھوں نے وہاں سے ایک خط بھی ارسال فرمایا جس میں اپنے شوق ملاقات کا اظہار کیا اور حضرت والا سے یہ درخواست کی کہ مدرسہ صولتیہ حاضر ہے حضرت والا اگر اس میں ہی آکر قیام فرمائیں تو زہے نصیب - اور یہ بھی لکھا کہ اپنے سلسلہ کے اکابر بالخصوص حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی یہاں تشریف لاچکے ہیں انکا خط ملاحظہ ہو:-

بملاحظۂ گرامی

مخدوم ومحترم حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب متع اللہ المسلمین

بطول حیاتہ العالیہ۔ آمین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دلی دعا ہے کہ جناب عالی کے مزاج گرامی ہرطرح بخیر وعافیت ہونگے یہ معلوم کرکے دلی مسرت ہوئی کہ آپ عنقریب عازم حرم محترم ہیں۔ اللہ بخیر وعافیت اور قبولیت کے ساتھ اس مبارک ارادہ اور مقدس سفر کی تکمیل فرمائے۔

اس زمانہ میں بزرگوں اور اسلاف کرام کے طرز عمل پر چلنے والے یا اسکی قدر وقیمت سے واقف اصحاب حال وقال کمیاب ہوتے جارہے ہیں مگر پھر بھی آپ جیسی بقیۃ السلف ہستیوں کا وجود الحمدللہ باعث خیر وبرکت ہے۔

دارالعلوم حرم مدرسہ صولتیہ چھیانوے سال سے مکہ معظمہ میں آپ کے بزرگوں

کی دینی علمی و روحانی برکات و توجہات کی واحد یادگار ہے اور حضرت اقدس مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ المشائخ حضرت اقدس حاجی امداد اللہ صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ کی مساعی اور قربانیوں کا ثمرہ ہے اسلئے میرا فرض ہے کہ اس تاریخی تعلق اور بابرکت سلسلہ کو باقی رکھنے کے لئے ۔میں جناب والا کو مدرسہ صولتیہ میں قیام کی دعوت دوں، خاص طور پر مدرسہ صولتیہ کی سب سے پہلی عمارت میں جہاں حضرت حاجی صاحب قبلہ نور اللہ مرقدہ کے درس مثنوی اور مجالس ذکر و تربیت کا سلسلہ قائم ہوا اور جہاں حضرتؒ کے چند "تبرکات" اور کتب خانہ "فیوض امدادیہ" اب تک الحمدللہ محفوظ ہے۔ اسی یادگار زمانہ عمارت سے متصل مدرسہ کی وہ مسجد ہے جہاں حکیم الامت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ ۔ حضرت مولانا صادق الیقین صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا احمد حسن صاحب کانپوری رحمۃ اللہ علیہ اور بہت سے متوسلین نے حضرت اقدس حاجی صاحب قبلہ کے حکم سے اپنی روحانی تربیت کے مبارک اوقات و ایام گذارے ہیں ۔ اسی لئے حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائپوری ۔ اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ ۔ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب دامت برکاتہ ۔ مولانا قاری محمد طیب صاحب دام مجدہٗ اور وہ سب بزرگان طریقت جنکا روحانی سلسلہ اور تعلق حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہ اور حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ سے ہے انھوں نے ہمیشہ مدرسہ صولتیہ میں قیام کو پسند فرمایا۔

جناب والا کے لئے بھی قیام و طعام کے وسائل مہیا کرنے والے الحمدللہ بہت ہیں مگر مکہ معظمہ میں اپنے بزرگوں کی اس یادگار سے قدیم قلبی و روحانی تعلق کے بقا کے لئے یہ درخواست اگر منظور فرمائیں تو آپ کیلئے مدرسہ صولتیہ کی تمام عمارتیں اور بزرگوں کا یہ گھر آپ کے لئے حاضر ہے۔ الحمدللہ مدرسہ کی عمارتوں اور متعلقہ مکانات میں تمام رفقائے سفر کے

قیام و رہائش کا انتظام ہو سکتا ہے ۔ مدرسہ حرم پاک تک کا فاصلہ چھ سات منٹ کا ہے مگر جناب کے لئے آرام دہ گاڑی یا موٹر سے آمد و رفت کا وہی نظم موجود ہے جو حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہٗ کے لئے ہوتا رہا ہے ۔ امید ہے کہ بحالت مسرت و اطمینان اس دعوت نامہ اور ان بے ربط سطور کو ملاحظہ فرمائیں گے ۔ حسب طریقہ سلف جواب کیلئے ایروگرام مرسل خدمت ہے ۔ والسلام مع الاحترام

خاکسار محمد سلیم (ناظم مدرسہ صولتیہ ۔ مکہ معظمہ)

(حضرت اقدسؒ کا جواب)

عنایت فرمائے بندہ دام عنایتکم ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ ۔

محبت نامہ ملا الحمد للہ بخیریت ہوں ۔ یہ خبر صحیح ہے کہ امسال حاضری کا قصد ہے ۲۴ نومبر کو مظفری سے انشاء اللہ روانہ ہوں گا ۔

آپ نے میرے متعلق جو کلمات تحریر فرمائے ہیں اللہ تعالیٰ مجھے آپکے حسن ظن کے مطابق فرمادے میرے قیام کے بارے میں آپ نے مدرسہ کا تذکرہ فرمایا ہے اور اس سلسلہ میں بعض اکابر اور اسلاف کا ذکر بھی فرمایا ہے تو اسکے متعلق یہ عرض ہے کہ میں مدرسہ سے بھی واقف ہوں اور اپنے ان اسلاف و اکابر کے حالات سے بھی واقف ہوں، لیکن مکہ مکرمہ میں قیام کی بابت بعض اور حضرات سے بہت پہلے گفتگو ہو چکی ہے اور انکے یہاں قیام کرنا طے کر کے انکو مطلع بھی کر چکا ہوں ۔

اسلئے اب جائے قیام تو نہ بدلوں گا مگر اسلاف کے معمولات میرے لئے بھی باعث سعادت ہیں لہٰذا مدرسہ صولتیہ میں بھی حاضری دونگا اور ان مقامات کی بھی زیارت کروں گا ۔ آپ سب حضرات سے بھی ملاقات کرونگا ۔ آپ حضرات نے اس سلسلہ میں جو زحمت گوارا فرمائی اسکا تہ دل سے ممنون ہوں ۔ والسلام

۲۲ر نومبر ۱۹۶۶ء کو مظفری جہاز سے ۴ بجے شام کی روانگی کا ذکر کر رہا تھا درمیان میں مذکورہ بالا دونوں مکاتیب کا ذکر مناسب معلوم ہوا اسلئے کہ آئندہ ان حضرات کا نام آئیگا اسوقت صورت حال کے سمجھنے میں دقت نہوگی جناب مدحت قدوائی صاحب ہند کے سفیر برائے سعودیہ تھے اور مکہ مکرمہ میں قیام پذیر تھے حضرت اقدس سے غائبانہ تعارف ہو جانے کے سبب ملاقات وزیارت کے مشتاق تھے اور دوسرے بزرگ مولانا سلیم صاحب مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کے مہتمم تھے اور انھوں نے بھی حضرت والا رحمہ کو خط لکھکر اپنے مدرسہ ہی میں قیام فرمانے کی درخواست کی تھی اسلئے یہ بھی شدت کے ساتھ حضرت کی آمد کے مشتاق تھے اور شوق زیارت وملاقات رکھتے تھے۔ اب پھر سفر حج سے بات شروع کرتا ہوں۔

الغرض حضرت والا جہاز کے برآمدے سے اٹھکر اپنے کمرے میں تشریف لے گئے لیکن وہاں سے بھی کمرے کی کھڑکی کے پاس بیٹھکر برابر مجمع کو دیکھتے ہی رہے دیکھتے ہی دیکھتے مجمع کیا سارا شہر بمبئی لہروں کی اوٹ میں ہوگیا اوپر آسمان اور نیچے سمندر کا پانی ہمرنگ ہوگیا درمیان میں ایک چھوٹی سی بستی انسانوں کی جہاز پر موجود تھی واقعی اس وقت ہر منکر کو خدا یاد آتا ہوگا۔ ذرا ہی دیر میں جہاز کے ایک گوشہ سے اذان کی آواز آئی ہم لوگوں کے علاوہ چند اور حضرات نے اوپر ہی کے ہال میں جماعت سے نماز ادا کی جہاز والوں کے لئے سب سے ضروری چیز یہ ہوتی ہے کہ انھیں میں سے کسی ایک شخص کو امیر حج بنا دیا جائے یہ شخص جہاز کے انتظامیہ اور مسافر حاجیوں کے درمیان واسطہ ہوا کرتا ہے لوگ اپنی تکالیف اور ضروریات کا اس سے اظہار کرتے ہیں اور وہ ملازمین کے ذریعہ اسکا انتظام کرتا ہے۔ چنانچہ جہاز والوں کی نظر ہمارے رفیق سفر حاجی محمد سلیمان صاحب میمن بھیونڈی والے پر پڑی اور اس میں شک نہیں کہ بہت مناسب پڑی چنانچہ انکو امیر حج مقرر کردیا گیا انھوں نے حضرت والا سے اسکا ذکر کیا اور عرض کیا کہ مناسب ہے کہ جہاز میں نمازوں کی اذان صرف ایک ہو اور دفتر کے لاؤڈ اسپیکر سے ہو جماعت کے متعلق لوگوں کو اختیار ہے کہ چند جگہ الگ الگ کرلیں کیونکہ جہاز میں ایسی کوئی جگہ نہیں جہاں سارے حاجی بیک وقت جمع ہو سکیں لہذا حضرت والا

کی اجازت ہو تو مولوی جامی صاحب کو یہاں کبھی اذان کے لئے مقرر کردیا جائے۔
حضرت نے اجازت دیدی اور انھوں نے اپنے ہمراہ مجھے دفتر لیجاکر وہاں کے لوگوں سے کہدیا کہ اذان دینے کے لئے یہ صاحب آیا کریں گے لاؤڈ اسپیکر درست کردیا جایا کرے۔ نماز عصر کے بعد حضرت والا کوئی دوا استعمال فرمایا کرتے تھے اسکے لئے بھی مجھے حکم دیا کہ تم کھلا دیا کرو۔ اس طرح سے اذان کا جماعت کا وقت وقت دوا کھلانے کا سب نظم درست ہوگیا جہاز کے اوپری حصے یعنی عرشے میں اجازت ہوتی ہے کہ نیچے والے لوگ اگر اوپر جاکر سونا چاہیں تو سو سکتے ہیں چنانچہ راقم نے اپنی چٹائی حضرت والا کے کمرے کے قریب ہی دالان میں بچھالی جس پر شب کو سویا کرتا تھا اور دن میں کسی کسی وقت اپنے سیٹ پر جو نیچے باقی تھی چلا جایا کرتا تھا۔ عصر کے بعد جہاز کے دفتر سے جناب عبدالحمید صاحب کشمیری نے جو حاجیوں کی راحت اور آرام کے لئے مقرر تھے اعلان کیا کہ اسوقت چائے تقسیم ہوگی سب حاجی صاحبان اپنی اپنی سیٹ پر موجود رہیں اور یہی نظم فجر کے بعد ناشتہ کا اور دوپہر کے بعد کھانے کا اور مغرب کے بعد رات کے کھانے کا رہا کرے گا۔ جہاز سے بذریعہ سائرن اعلان ہوگا اُس وقت سب لوگ اپنی اپنی سیٹ پر موجود رہیں۔ حضرت والا کبھی مقررہ اوقات کے علاوہ راقم کو طلب نہ فرماتے تھے۔ دوسرے دن صبح یا تیسرے دن بھائی وکیل احمد صاحب الہ آبادی نے مجھ سے کہا کہ حضرت والا سے مجھے بیعت کرا دیجئے چنانچہ انھیں لیکر حضرت کیخدمت میں حاضر ہوا اولاً انکا تعارف کرایا کہ مولانا عبیدالرحمٰن صاحب مدظلہٗ نے حضرت والا کو خط لکھا تھا کہ ایک جوان صالح جو میرے شاگرد ہیں وہ بھی مظفری جہاز سے حج کو جارہے ہیں حضرت والا سے ان کے لئے سفارش کرتا ہوں کہ انھیں بیعت فرمالیا جائے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ اچھا یہ وہی صاحب ہیں یہ کہکر انکا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ تم اپنے کو بیعت ہی سمجھو تم کو داخل سلسلہ کرلیا اور رسم بیعت ادا کرنے کے لئے بعد مغرب آجانا بیعت بھی کرلوں گا۔ اسی درمیان میں

حاجی محمد الیاس صاحب کھڑکی کے پاس سے گذرے۔ حضرت والاؒ نے فرمایا کہ
حاجی صاحب کہاں جا رہے ہو؟ انھوں نے اپنی کسی ضرورت کا تذکرہ کیا۔ فرمایا کہ
اسکو نہیں کہہ رہا ہوں یہ پوچھتا ہوں کہ کہاں چل رہے ہو؟ تب حاجی صاحب سمجھے
اور کہنے لگے کہ جی ہاں بڑی جگہ کی حاضری ہے حضرت دعا فرمائیں کہ اللہ تعالےٰ
وہاں کے آداب سے مشرف فرمائے۔ حضرت والا نے حاجی صاحب کو متوجہ کیا کہ
محض چاٹ پھرت اور سیر و تفریح مقصد نہونا چاہیئے بلکہ ہر وقت تصحیح نیت کا لحاظ
پیش نظر رہنا چاہئے اور جگہ کی عظمت کا دھیان ہوکر قلب میں خوف و خشیت پیدا
کرنا چاہیئے تب تو ہے یہ سفر سفر حج ورنہ بہت سے لوگ اس مقصد سے غافل
ہوکر اپنے سفر کو غارت کر لیتے ہیں۔

اسی دن حاجی صاحب موصوف نے یا اور کسی نے حضرت والا سے
عرض کیا کہ کسی وقت کچھ فرمائیں گے لوگ دریافت کرتے ہیں ان کو بتا دیجئے۔ انکا مقصد
مجلس کا وقت دریافت کرنا تھا۔ حضرت نے فرمایا خیر اس کے متعلق پھر کچھ کہونگا
لوگوں سے کہیئے کام پر لگے رہیں وقت کو بیکار ضائع نہ کریں آج ۲۳ نومبر ۷۶ء پنجشنبہ
کا دن تھا وہ بھی الحمد للہ سارے معمولات کے ساتھ پورا ہوگیا۔

اگلے دن یعنی ۲۴ نومبر کو جمعہ تھا صبح کی نماز کے بعد ہی اپنے قافلہ
کے علاوہ دوسرے لوگوں نے دریافت کیا کہ جمعہ کی نماز کتنے بجے ہوگی؟ کہدیا
گیا کہ ہم لوگ مسافر ہیں اور مسافر پر جمعہ واجب نہیں اسلئے آج بھی اپنے وقت
پر ظہر ہی کی نماز ہوگی۔ نیز حضرت والا نے راقم سے فرمایا کہ لوگ مسائل سے کم
واقف ہوتے ہیں لہٰذا آج ظہر کے بعد بھی اور روزانہ کسی وقت مقررہ پر حج کے
مسائل معلم الحجاج وغیرہ سے سنا کر لوگوں کو سمجھا دیا کرو نیز اہل ہند کے احرام
کے متعلق مولانا شبیر محمد خاں صاحب نے جو تحقیق کی ہے اسکو بھی لوگوں کو سمجھا
اور بتا دینا اور یہ بھی کہہ دینا کہ ہم کسی کو مجبور نہیں کرتے کہ وہ یلملم سے احرام نہ باندھے
بلکہ بتانا یہ چاہتے ہیں کہ اب یلملم ہمارا میقات نہیں رہ گیا بلکہ جدہ اترنے کے

بعد مکہ شریف جانے وقت راستہ میں جو میقات پڑتا ہے وہی اب اہل ہند کے راستے میں ہونے کی وجہ سے انکا میقات قرار پاگیا ہے چنانچہ ہم لوگ نشاءاللہ جدہ سے احرام باندھیں گے۔ آپ کو اختیار ہے جہاں سے چاہئے احرام باندھیئے آخر میقات سے تقدم بالاحرام جائز تو ہے ہی۔ جمعہ کے دن کلمی سارے معمولات اپنے وقت پر ادا کئے گئے چنانچہ مغرب کی نماز کے لئے کلمی حضرت والا ہال کمرے میں تشریف لے گئے اور فرض سے فارغ ہوکر اپنے کمرے میں آکر سنت پڑھی اسکے بعد استنجے تشریف لے گئے وہاں سے کیفیت کے ساتھ واپس آئے۔ ممتاز سے کہا مجھے کیسا دیکھتے ہو؟ ایک صاحب بمبئی میں کہتے تھے غصہ نہ کیجئے طویل سفر کرنا ہے، یہ کیسا ہے؟ اسی اثنا میں جہاز کے مطبخ کے ایک مسلمان آفیسر عبدالحمید خاں صاحب آگئے جہوری الصوت تھے کہا حضرت میں نے دنیا کا عیش بہت کرلیا اب دعا کردیجئے کہ میری آخرت درست ہوجائے انکے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا بہت اچھا۔ دعا کرتے ہیں۔ اسی اثنا میں کھانا آگیا۔ انھوں نے پوچھا حضرت! کھانا اچھا ہوتا ہے؟ فرمایا نہایت اچھا ہوتا ہے۔ کہا کچھ اور ضرورت ہے؟ فرمایا کہ کچھ چپاتی بھجوادیجئے گا۔ یہ فرماکر ان سے تو فرمایا کہ اچھا اب جائیے پھر آئیے گا۔ ممتاز نے کہا حضرت کھانا آگیا ہے لاؤں۔ ممتاز کہتے ہیں کہ حضرت کے چہرے پر تغیر کے آثار دیکھکر میں ڈرگیا اور کمرہ سے باہر جاکر ارشاد میاں سے کہا کہ کھانا آج تم کھلادو۔ ارشاد میاں آئے حضرت خاموش ایک طرف دیکھ رہے تھے وہ اور زیادہ ڈرے واپس جاکر کہا کہ نہیں تم ہی جاکر کھلاؤ

پھر ممتاز اندر گئے تب اندازہ ہوا کہ حضرت پر دورے کے آثار ہیں گھبراکر قاری صاحب کو آواز دی اور ہال کمرے سے بلاکر لائے قاری صاحب آئے تو فرماتے ہیں کہ حضرت نے مجھے دیکھ تو لیا مگر بولے نہیں اسلئے میں ڈرا کہ کیا ہوا بھاگے ہوئے ہم لوگوں کے درجہ میں آئے کہ چلئے حضرت کی طبیعت اچھی نہیں ہے

ہم لوگ بھاگے ہوئے گئے تو بیٹھے تھے مگر آنکھیں چڑھی ہوئی اور ہوش غائب ہوچکے تھے لٹا دیا گیا۔ ڈاکٹر (جہاز) کا بلایا گیا اس نے ذرا ذرا وقفہ سے دو سوئیاں دیں حضرت کو متلی اور قے ہونے لگی اور کافی قے ہوئی، معلوم ہوتا ہے معدہ میں آہستہ آہستہ کچھ جمع ہوگیا تھا جس کا اندازہ نہ ہوسکا بالآخر اسی حالت میں ہم لوگوں نے عشا کی نماز پڑھی نماز کے بعد تک قے کا سلسلہ وقفہ وقفہ سے رہا مگر اٹھتے نہیں تھے بس لیٹے ہی لیٹے بے ہوشی میں قے ہو رہی تھی مگر تھوڑی ہی دیر میں سانس برابر آنے لگی جس سے اندازہ ہوا کہ کچھ آرام ہوگیا ہے اور اب شاید حضرت سو گئے ہیں کچھ لوگ پاس رہے ہم لوگ باہر ہی سو رہے ۱۱½ بجے لوگوں نے جگایا کہ حضرت کو ہچکی آرہی ہے۔

میں جس وقت پہونچا حضرت تشریف لیجا چکے تھے (انا للہ وانا الیہ راجعون) زندگی کی ملاقات بعد عصر اور زیارت نماز مغرب پڑھکر آتے وقت ہوئی تھی اب اسکے بعد کیا ہوا ہوگا۔

ہم لوگ گویا سکتہ کے عالم میں ہوگئے کہ یہ کیا ہوا، ماشاء اللہ قاری صاحب سنبھلے ہوئے تھے، اوروں کو سنبھالا، ہم لوگ تو اپنی عقل اور اپنا ہوش کھو چکے تھے، بہرحال مل کر سوچا کہ کیا کیا جائے۔ رائے ہوئی کہ سفیر عرب کو جدہ۔ امجد اللہ صاحب کو مدینہ اور سیٹھ ستار صاحب کو بمبئی تار دیا جائے۔ دیا گیا کہ کیا کیا جائے قدوائی صاحب کا جواب آیا کہ جدہ تک لاسکئے تو لائیے ہم حکومت میں کوشش کر رہے ہیں۔ ادھر جہاز کے افسران مہربان ہوگئے سب انتظام کا وعدہ کیا اس لئے جسد والا کو برف میں محفوظ کر دیا گیا۔

سانحۂ فاجعہ کی خبر جب جہاز کے افسران کو ہوئی تو عبد الحمید صاحب کشمیری تشریف لائے اور ہم لوگوں سے کہا کہ اجازت ہو تو لاؤڈ اسپیکر سے سب مسافروں کو اطلاع کر دی جائے اسکے بعد انھوں نے بعض حضرات سے کچھ معلومات کر کے مائک سے یہ اعلان کر دیا کہ :-

(ایک ضروری اور اہم اعلان)

آپ سے عبد الحمید کشمیری مخاطب ہے ہم نہایت رنج و افسوس اور دکھ کے ساتھ یہ اعلان کر رہے ہیں کہ حاجی حضرت شاہ وصی اللہ صاحب رات کو وفات پا گئے۔ حضرت شاہ صاحب کی عمر شریف ۸۷ سال تھی اور آپکی جائے پیدائش تال نرجا فتح پور ضلع اعظم گڈھ تھی اور آپ بخشی بازار الہ آباد میں مقیم تھے۔ وہیں سے آپ بغرض حج بیت اللہ بمبئی کے قریب کرلا میں آکر مقیم ہوئے اور اجتماع کرتے رہے کرلا ہی سے آپ بمبئی آکر جہاز ایس۔ ایس مظفری میں سوار ہوئے آپ کے ہمراہ آپکی صاحبزادیاں اور نواسے اور نواسیاں بھی اور داماد جناب حاجی مولوی محمد مبین صاحب اور حاجی مولوی ارشاد احمد صاحب بھی جہاز میں سوار ہوئے اور جہاز میں رنجیدہ بیٹھے ہوئے ہیں۔

میں کل شام کو آخری آدمی تھا جو حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا مغرب کی نماز آپ نے بڑی اچھی طرح سے ادا کی تھی اور صحت مند تھے مجھ سے گفتگو کی اور میرے لئے دعا کا وعدہ کیا اور مصافحہ کیا میں نیچے آیا اور خبر آئی کہ طبیعت خراب ہے جہاز کے ڈاکٹروں نے بڑی کوشش کی مگر حکم ربی کے سامنے کیا کر سکتے تھے رات ساڑھے گیارہ بجے اللہ کو پیارے ہو گئے۔ خدا کی مرضی۔

حضرت کی وفات کی اطلاع بمبئی اور سعودی عرب میں ہندوستانی سفیر کو دے دی گئی ہے اور ان سے دریافت کیا گیا ہے کہ حضرت کی وفات کے بعد کیا کیا جائے، جواب کا انتظار ہے جواب آجانے پر آپ لوگوں کو مطلع کیا جائے گا خدا سے دعا کیجئے کہ حضرت کو مدینہ منورہ میں دفن کیا جائے۔ دوسرے اعلان کا انتظار کریں۔

بمبئی اطلاع پہونچ جانے کے بعد وہاں بھی ایک دوسرے کے ذریعہ

سبھی حضرات کو علم ہوگیا۔ غالباً بعض حضرات نے علی زینل صاحب (تاجر جواہرات) سے بھی کہا کہ وہ اپنے ذاتی تعلقات کی بنا پر شاہ فیصل کو ایک سفارشی تار دیدیں کہ وہ حضرت مولانا کی لاش کو جدہ اترنے کی اجازت مرحمت فرما دیں یہ خبر جہاز پر ہم لوگوں کو بھی ملی تھی کہ شاہ فیصل کے پاس تار گیا ہے اس لئے امید سے بڑھکر اس امر کا یقین تھا کہ بذریعہ وائرلیس جہاز کے کپتان کو اجازت دیدی جائے گی اسی لئے ہم لوگ تجہیز و تکفین میں توقف کرتے رہے تا آنکہ جب نوبت یہاں تک پہونچی کہ جدہ کا ساحل دور سے نظر آرہا تھا اور وہاں تک کے لئے صرف ایک گھنٹہ کی مسافت رہ گئی تھی کہ کپتان نے جہاز روک دیا سعودیہ کا پائلٹ بھی آچکا تھا اس سے ہم لوگوں نے خود دریافت کیا کہ جدہ میں لاش اتارنے کی بابت حکومت سعودیہ کی اجازت یا عدم اجازت کے بارے میں آپ کی کیا معلومات ہیں اس نے لاعلمی ظاہر کی اس کے بعد ہم لوگ مایوس سے ہوگئے اور اب یہیں سمندر ہی میں تجہیز و تکفین اور تدفین طے پائی۔ اس سے فراغت کے چند ہی منٹ بعد سفیر ہند جناب مدحت قدوائی صاحب ایک کشتی سے آتے نظر آئے جو ہمارے ہی جہاز کی جانب آرہی تھی قریب آنے پر معلوم ہوا کہ اس میں ایک فوجی افسر ہے اور چند ملازمین۔ مدحت قدوائی صاحب ہیں اور جنازے والی چارپائی رکھی ہے۔ کشتی جہاز کے قریب آگئی جہاز پر آنے کے لئے سیڑھی لٹکی ہوئی تھی ہی فوجی افسر اور قدوائی صاحب جہاز پر آئے اور جب انکو یہ معلوم ہوا کہ سب کام ختم ہوچکا ہے تو انھوں نے اپنا سر پیٹ لیا۔ جب تفصیل بتلائی گئی تو انکی زبان سے یہی نکلا کہ اللہ تعالیٰ کو منظور یہی تھا۔

ساحل سمندر پر مکہ کے لوگ خصوصاً علماء مکہ کافی تعداد میں موجود تھے اور حکومت نے جنت المعلیٰ میں دفن کرنے کی اجازت بھی دیدی تھی مگر مشیت الٰہی کہ سب کچھ ہونے کے باوجود ہم لوگوں کو اطلاع نہ ہوسکی اگرچہ قدوائی صاحب نے ہمارے تار کا جواب بھی دیا مگر مرضئ الٰہی وہ تار ہم لوگوں کو نہیں ملا۔

اس موقع پر کپتان میں اور دونوں صاحبان میں ذرا تیز تیز گفتگو بھی ہوگئی فوجی افسر نے جہاز پر قدم رکھتے ہی کہا " این المیّت " لاش کہاں ہے؟ کپتان نے جواب دیا اسے تو سمندر میں دفن کر دیا گیا۔ اس نے ذرا تیز لہجہ میں کہا کہ فیصل نے ہمیں لانے کا حکم دیا ہے۔ قدوائی صاحب نے کہا کہ ہم نے دو وائرلیس کئے ہیں۔ کپتان نے کہا کہ ہمیں ایک بھی نہیں ملا، اسلئے قانوناً ہم مجبور تھے۔ حتیٰ کہ سعودی پائلٹ نے بھی اس سے لاعلمی ظاہر کی، اس کے بعد یہ دونوں حضرات بھی خاموش ہوگئے اور قدوائی صاحب ہم لوگوں سے گفتگو کرنے لگے واقعہ پر اپنے افسوس کا اظہار کیا۔ اتنے میں جہاز ساحل جدہ پر پہونچا دیکھا کہ وہاں مولوی امجداللہ صاحب، مولوی محمد سلیم صاحب اور بعض علماء کے علاوہ اچھا خاصا مجمع استقبال کے لئے موجود تھا لیکن جب لوگوں کو صورت حال کی اطلاع ہوئی تو سب کی خوشی مبدل بہ غم ہوگئی اور مسرت کی لہر کی جگہ لوگوں میں صف ماتم بچھ گئی۔

بہرحال ہم لوگ جدہ اترے اور وہاں کے قانونی رسوم سے فارغ ہوکر مسافرخانہ پہونچے۔ یہ غالباً چہارشنبہ کا دن تھا یعنی روانگی سے ٹھیک ایک ہفتہ بعد۔ پنجشنبہ کی شب کو مسافرخانہ میں ہی قیام رہا اگلے روز سفر کی بقیہ کارروائی یعنی تبدیل زر اور پاسپورٹ کے اندراجات مکمل کرا لئے گئے اسکے بعد بھائی نورمحمد عبدالولی سورتی صاحب ہم سب لوگوں کو اپنے گھر لے گئے اور درخواست کی کہ آج کے دن کا بقیہ حصہ اور شب جمعہ میرے غریب خانہ ہی پر گذاریں۔ جمعہ کو ناشتہ وغیرہ سے فراغت کے بعد غسل وغیرہ سے فارغ ہوکر میرے غریب خانہ ہی پر احرام باندھیں اور اسکے بعد موٹر آجانے پر مکہ شریف روانہ ہوجائیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا یہ بھائی نورولی سورتی صاحب حال ہی میں حضرت والا سے بمبئی آکر بیعت ہوئے تھے اور درخواست کی تھی کہ سفر حجاز کے وقت جدہ میں میرے ہی غریب خانہ پر قیام فرمائیں تو میرے لئے سبب مسرت ہوگا۔

اب ہمارے ساتھ قافلہ میں مولوی امجد اللہ صاحب کا اضافہ ہو گیا تھا آٹھ نو بجے کے قریب ہم لوگ جدہ سے مکہ شریف کے لئے روانہ ہو گئے۔ ہم سب کا تقریباً ایک ہی سا یہ حال رہا کہ ایک طرف تو حضرت اقدسؒ کا ساتھ چھوٹ جانے کا غم ہم سفر رہا دوسری جانب دیار مقدس کی حاضری کی مسرت دامن گیر رہی یگر کعبہ کی زیارت کا شوق غالب رہا اور سنا تھا کہ کعبہ شریف دور ہی سے نظر آتا ہے اسلئے نظر شوق مسلسل اسے تلاش کرتی رہی مگر یہ پہلے زمانہ کی بات تھی جبکہ نیا حرم اور اونچے مکانات تعمیر نہ ہوئے تھے۔ بہرحال چالیس میل کا یہ سفر ذرا سی دیر میں طے ہو گیا اور شہر میں داخل ہونے کے باوجود کعبہ شریف نظر نہ آیا ذرا ہی دیر میں سنگ مرمر کی ایک فصیل سی نظر آئی ڈرائیور نے کہا ''ھٰذا حرمٌ'' کہ یہ حرم شریف ہے اسکے دو ہی چار منٹ کے بعد محلہ جیاد میں موٹر رکا اور معلوم ہوا کہ یہیں معلم صاحب کے مکان پر ہم لوگوں کو اترنا ہے ہم لوگ اترے زنانی سواریاں ایک مکان میں ٹھیرا دی گئیں دوسری جانب ہم لوگوں کو کمرے ملے سب نے اپنا اپنا سامان سہیج لیا اسی اثناء میں حرم شریف سے جمعہ کی اذان کی آواز آئی ہم سب تیار تو تھے ہی سیدھے مسجد پہونچے نیا حرم عبور کیا اس کے بعد ترکی حرم میں قدم رکھا دہیں سے کعبہ شریف پر نظر پڑی ہر شخص اپنے اپنے خلوص کے بقدر متاثر ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے نہ معلوم کیسی کشش اسکے اندر رکھی ہے کہ کیسا ہی سنگدل انسان ہو کعبہ شریف پر پہلی نظر پڑنے کے وقت روئے بغیر نہیں رہتا۔ سچ فرمایا ہے کہ ؎

کعبہ راہر دم تجلی می فزود   این ز اخلاصات ابراہیم بود

یعنی کعبہ پر جو ہر گھڑی ایک نئی تجلی ہوتی رہتی ہے یہ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اخلاصات کی برکت ہے۔

نماز جمعہ کے بعد معلم عبدالقادر راہین کے فرستادہ ایک رہبر کی معیت میں ہم سب نے طوافِ قدوم ادا کیا اور طواف وسعی سے فارغ ہو کر سب نے حلق کرایا اور اس طرح احرام ختم کر کے جائے قیام پر آ کر اپنے سلے کپڑے پہن لئے چند دن تو

یہیں قیام رہا اس کے بعد حرم کے قریب ہی ایک مکان مل گیا۔ حضرت مولانا رح کے گھر کے سبھی لوگ بھائی ذکی اللہ اور ممتاز بھی وہیں چلے گئے اور ہم لوگ معلم ہی کے مکان پر رہ گئے اس درمیان میں حسب توفیق و موقع طواف و عمرہ ادا ہوتا رہا، تاآنکہ اگلا جمعہ آگیا بھائی نور ولی صاحب جدہ سے ہر جمعہ آیا کرتے تھے ان سے میں نے ذکر کیا کہ یہاں کوئی عالم علوی مالکی ہیں؟ والد صاحب انکی بہت تعریف کیا کرتے تھے اور ان سے گہرے تعلقات تھے۔ انھوں نے کہا کہ ہاں نماز جمعہ کے کچھ دیر بعد حرم کے ایک گوشہ میں وہ تقریر کرتے ہیں میں بھی ان کے وعظ میں شرکت کرتا ہوں چلو میں آج ان سے تمھیں ملا دوں۔ چنانچہ حسب معمول وہ تشریف لائے اور ایک اونچے ممبر پر بیٹھ گئے، حدیث شریف کی کسی مطبوعہ کتاب کا ایک جزو ہاتھ میں لئے ہوئے تھے اسی کو دیکھکر حدیث پڑھتے اور پھر مختصر سی شرح فرماتے اسی طرح ایک دوسری حدیث، پھر وقت مقررہ کے بعد دعا مانگ کر ممبر سے نیچے تشریف لائے سب لوگ انسے مصافحہ کیلئے بڑھے کچھ دیر توٹھیر کر، کچھ دور چلتے چلتے وہ مصافحہ کرتے رہے اور جب اپنے حجرہ کے قریب پہونچے جو حرم شریف کے اندر ہی تھا تو بھائی نور ولی صاحب نے بڑھکر ان سے مصافحہ کیا اور اس کے بعد میرا تعارف کرایا کہ یہ سراج الحق الھندی الالہ آبادی جو آپ سے متعدد بار مل چکے ہیں ان کے صاحبزادے ہیں یہ سنکر انھوں نے مجھے لپٹا لیا اور کہا ای واہ انت ابن سراج الحق؟ وھو حبیبی وانت حبیبہ حبیب عندنا حبیب حبیبی یعنی اخاہ تم سراج الحق کے بیٹے ہو وہ تو ہمارے دوست ہیں اور تم انکے محبوب ہو لہذا تم میرے محبوب کے محبوب ہوا سلئے میرے بھی محبوب ہو۔ اس گفتگو کے بعد وہ اپنے کمرے کے اندر چلے گئے ہم لوگ بھی واپس چلے آئے۔

اب رمضان المبارک شروع ہو چکا تھا مکہ شریف کے قیام اور حرم شریف کے افطار صیام نے ان ایام کو بڑا ہی خوشگوار بنا رکھا تھا۔ ہمارا قافلہ ایک جگہ بیٹھکر افطار کرتا اور حرم شریف کی صراحیوں کا ٹھنڈا پانی سونے پر سہاگہ کا کام کر رہا تھا۔ اہل عرب کی بے تکلفی اور اخوت اسلامی کا عجیب منظر نظر آیا وہاں کسی

عرب کو اپنے ساتھ افطار کرنے کی دعوت دینے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ دیکھا گیا کہ ایک روٹی پر تقریباً آدھ کیلو کھجور رکھے ہوئے وہ آتا اور آپکی جماعت میں بیٹھ جاتا بہر حال اسی طرح حرم شریف کی تراویح بھی پر لطف رہی۔ بیس رکعات تراویح امام پڑھاتا اسکے بعد جب وتر کی نوبت آتی تو حنفی حضرات صفوں سے نکل کر ایک دوسری جانب جمع ہو جاتے اور وہاں حنفی امام کے پیچھے تین رکعت ایک سلام سے پڑھتے۔

ناظرین سے گذارش ہے کہ میں مرشدی مولانا فتحپوری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات بیان کر رہا تھا اور بیان میں سفر حج شروع ہو چکا تھا لیکن حضرت مولانا باقی نہ رہے اسلئے حالات کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس سلسلہ کو یہیں ختم کر دیا جائے لیکن جذبات اس کے متقاضی ہیں کہ دیار مقدس میں قیام کے بعض وہ حالات جو میرے ساتھ پیش آئے یا میرے علم میں ہیں انکو بھی بیان کر دوں کیونکہ کہیں نہ کہیں اس میں حضرت اقدس کا ذکر بھی آجائیگا چنانچہ عرض ہے کہ

ہم سب کی یہ رائے ہوئی کہ نصف رمضان مکہ شریف میں گذرا ہے تو بقیہ مدینہ شریف میں گذرتا تو اچھا تھا، لہٰذا مدینہ شریف جانے کی تیاری کی گئی نیز یہ تجویز ہوا کہ سفر دن میں کیا جائے چنانچہ دس بجے دن کو روانہ ہو کر دن بھر چلتے رہے ایک جگہ عصر پڑھی، آگے چل کر مغرب پڑھی اب اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا اور دونوں جانب کالے کالے پہاڑ کے علاوہ کچھ نظر نہ آتا تھا کہیں کہیں تو سامنے ایسے پہاڑ نظر آتے تھے کہ دور سے ایسا لگتا تھا کہ آگے راستہ بند ہے لیکن دو پہاڑوں کے بیچ میں وادی اور کچھ میدان ایسا پڑتا تھا کہ اسی کے درمیان سے سڑک گذری تھی اور پہاڑ پر چڑھنا نہ پڑتا تھا یہ سلسلہ ختم ہوا تو کہیں کہیں کھجور کے باغات نظر آجاتے جس سے اندازہ ہوتا کہ مدینہ شریف قریب ہو رہا ہے۔ ہم سب کی نگاہ شوق اب گنبد خضرا کو دیکھنے کی منتظر ہوئی کچھ دور اسی انتظار میں ادھر ادھر دیکھتے چلتے رہے کہ اچانک سامنے ایک نور کا مینار نظر آیا معلوم ہوا کہ یہی مسجد نبوی

کا مینار ہے جیسے جیسے وہ قریب آتا رہا دل کی دھڑکن تیز ہوتی گئی اپنی قسمت
پر ناز ہوکر ایک جانب خوشی تھی تو دوسری جانب حضرت والا کا ساتھ کھو کر
غم اور افسردگی بھی طاری تھی۔ اب مدینہ کی آبادی شروع ہوگئی آہستہ آہستہ
مکانوں کی تعداد زیادہ ہوتی گئی یہاں تک کہ بازار میں ہوکر موٹر گذرنے لگا مختلف
سڑکوں سے ہوتا ہوا مسجد نبوی کے پاس رباط بھوپال کے متصل موٹر جاکر رکا فٹ پاتھ
پر سامان اتار دیا گیا اور ہم لوگ سامان کے پاس کھڑے رہے اور ذرا اوسان
درست ہوئے۔ مسجد نبوی میں تراویح پڑھے جانے کی آواز آئی لیکن ہم لوگ
ابھی یہاں بالکل نووارد تھے اس وقت مسجد نہیں پہونچ سکے ذکی بھائی نے کسی
ذریعہ سے معلوم کیا کہ رباط بھوپال میں اسوقت صرف عورتیں موجود ہیں مرد سارے
نماز پڑھنے گئے ہیں انھوں نے اپنے قافلے کی سب عورتوں کو رباط میں پہونچا دیا
وہیں ذرا فاصلہ پر مولوی امجد اللہ صاحب کا مکان تھا مگر معلوم ہوا کہ وہ بھی نماز
میں ہیں لہذا اب سوائے اسکے کہ وہیں سامان کے پاس بیٹھکر ہم سب نماز ختم ہونیکا
انتظار کریں اور کوئی صورت نہ تھی۔ تھوڑی دیر میں نماز ختم ہوئی اور سامنے سے مولوی
امجد اللہ صاحب آتے نظر پڑے جو اپنی جسامت اور رفتار سے دور ہی سے پہچان لئے
جاتے تھے انکے آنے سے ہم سب کو اطمینان ہوگیا' پریشانی ختم ہوئی۔ انھیں نے مزدور
بلوائے اور اجرت وغیرہ طے کرکے سب سامان کے ساتھ ہم لوگوں کو اپنے گھر لے گئے
اسکے بعد ہم سب سے فرمایا کہ چلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیخدمت میں سلام
پڑھ لیجئے اور یہ بھی کہا کہ آپ لوگ جس غم میں مبتلا ہوگئے ہیں اسکا اندازہ تو ہم کو بھی
نہیں ہوسکتا تاہم اتنا ضرور کہتے ہیں کہ جیسے ہی آپ لوگ مسجد نبوی میں قدم رکھیں گے
انشاء اللہ غم غلط ہوجائے گا اور آپ لوگ محسوس کریں گے جیسے کسی نے قلب پر
برف رکھدی ہو۔ چنانچہ ویسا ہی ہوا' مسجد نبوی میں قدم ڈرتے ڈرتے رکھا سیدھے
روضۂ اقدس پر مواجہ کی جانب پہونچے اور لڑکھڑاتی زبان اور بہتے ہوئے آنسو سے
صلوٰۃ وسلام عرض کیا پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیخدمت میں پھر حضرات

شیخین رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حسب مراتب۔

رمضان شریف میں مسجد نبوی رات بھر کھلی رہتی ہے اسلئے کچھ دیر ٹھہر کر گھر واپس آگئے۔ مکہ شریف میں قیام تقریباً ڈھائی ہفتہ رہ چکا تھا اب یہاں مدینہ شریف تقریباً نصف ذیقعدہ تک ٹھیرنے کاارادہ ہے۔ اس زمانہ میں الحمدللہ ہر نماز مسجد نبوی میں اداکرنے کی توفیق ہوئی اور چند ہی یوم کے بعد رمضان شریف کا عشرۂ اخیرہ آنے والا تھا۔ مولوی امجد اللہ صاحب نے مجھ سے فرمایاکہ میرا معمول تو یہاں اس عشرہ میں اعتکاف کرنے کا ہے میں نے عرض کیاکہ مجھے یہاں اور کوئی کام نہیں اسس لئے میرا بھی جی چاہتا ہے کہ اعتکاف ہی کروں۔ قاری محمد مبین صاحب مدظلہٗ سے کہا انھوں نے مجھے بخوشی اجازت دیدی اور میں معتکف ہوگیا۔ اب مسجد میں بس افطار کرنا، سحری کھانا، نماز با جماعت کی شرکت، صلوٰۃ و سلام پڑھنا، مسجد کے مقاماتِ مقدسہ پر نمازیں پڑھنا اور تلاوتِ قرآن یہی سب رات و دن کے مشغلے تھے۔ تراویح ختم ہوجانے کے بعد صلوٰۃ و سلام کے لئے حاضری دیتا اس سے فارغ ہوکر پوری مسجد کا گشت لگاتا۔ جگہ جگہ کوئی حافظ نفل میں قرآن پڑھتا ہوتا اس کے پیچھے ایک جماعت ہوتی جس کی تلاوت دل کو بھا جاتی دو چار رکعت اسکے پیچھے پڑھ لیتا، کسی کے صرف پیچھے بیٹھکر قرآن سنتا ہوتا۔ غرض بڑی بہار کی راتیں تھیں جو بات کی بات میں گذر گئیں عید کے دن صبح نماز فجر سے فارغ ہونے کے بعد تقریباً سبھی لوگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہے مولوی امجد اللہ صاحب نے مجھ سے فرما دیا تھاکہ تم بھی اپنی جگہ پر بیٹھے رہنا ورنہ پھر جگہ نہیں ملیگی۔ غرض تلاوت و ذکر میں مشغول تھاکہ دور سے صلوٰۃ و سلام پڑھنے کی آواز آئی کچھ دیر تک وہ جماعت پڑھتی رہی اسکے بعد قریب سے ایک جماعت کے پڑھنے کی آواز آئی، غرض جب یہ خاموش ہوتے تو وہ شروع کر دیتے اور وہ خاموش ہوتے تو یہ شروع کر دیتے اس طرح نوبت بہ نوبت پڑھنے سے ایک سماں سا بندھ گیا اور سب لوگ ادب کے ساتھ خاموشی سے سنتے رہے اب آفتاب نکلکر کچھ بلند ہوگیا تو فوراً عید کی نماز شروع ہوگئی بعد نماز امام نے نہایت بلیغ خطبہ دیا اور مسلمانوں

کے لئے دعا کی اور اس میں شک نہیں کہ یہ خطبہ اور دعا اہل عرب ہی کا حصہ ہے۔ بعد ختم رمضان شریف آس پاس کے مقامات مقدسہ پر حاضری کا خیال پیدا ہوا چنانچہ مسجد قبا میں کئی بار حاضری ہوئی جنت البقیع بھی چند بار گیا ایک بار تو موٹر پر سبھی لوگ بہت سی جگہ زیارت کے لئے گئے، مدینہ شریف میں جناب والد ی مولوی سراج الحق صاحب، مولوی عبدالحلیم صاحب جونپوری نیز بھائی ثناء اللہ صاحب فتحپوری بھی ہوائی جہاز سے چل کر آملے ایک دن اہل قافلہ کی رائے ہوئی کہ مدینہ یونیورسٹی دیکھنا چاہئے اتفاق سے کوئی طالب علم یو پی ہی کے اس زمانے میں وہاں زیر تعلیم تھے مولوی امجد اللہ صاحب سے کبھی کبھی ملا کرتے تھے دن مقرر ہوا اور ان طالبعلم نے اپنے مہتمم صاحب سے ہم لوگوں کی حاضری کی اطلاع کرکے غائبانہ تعارف کرادیا تھا کہ ہندوستان سے ایک شیخ حج کو تشریف لا رہے تھے جنکا جہاز ہی میں انتقال ہوگیا تھا ان کے قافلے کے کچھ لوگ آج مدرسہ دیکھنے آرہے ہیں آپ سے بھی ملنا چاہتے ہیں۔

چونکہ حضرت والا کے لئے مکہ معظمہ میں دفن ہونے کی سفارش فیصل سے کیجا چکی تھی اسلئے حضرت کے لائے جانے کی اطلاع اور فیصل کی اجازت کچھ مقامی اخباروں میں بھی شایع ہوچکی تھی جس سے وہاں کے لوگ خود حیرت میں تھے کہ یہ کون بزرگ ہیں جنکی سفارش فیصل سے کی گئی ہے اور فیصل نے انھیں جنت البقیع میں باوجود اسکے پر ہوجانے کے دفن ہونے کی اجازت دیدی ہے اسلئے یہ مہتمم صاحب اجمالاً اور غائبانہ طور پر حضرت اقدس سے واقف ہوچکے تھے۔ مدرسہ پہونچکر ہم لوگوں نے سب سے پہلے حضرت مہتمم صاحب سے ملاقات کی، وسیع کمرے میں سامنے کی جانب ذرا بلندی پر انکی میز اور کرسی تھی اور ان کے سامنے دورویہ متعدد کرسیاں بچھی ہوئی تھیں اطلاع دینے پر مہتمم صاحب کمرے سے باہر آگئے اور ہم لوگوں سے مصافحہ کرتے ہوئے کرسیوں کی جانب بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی اپنی کرسی پر جاکر بیٹھ گئے ان طالب علم نے جناب قاری صاحب کا اُنسے تعارف کرایا اور

مہتمم صاحب نے مولوی امجد اللہ صاحب سے فرمایا کہ آپ کو تو میں نے یہاں اکثر دیکھا ہے۔ انھوں نے کہا جی ہاں میں ہر سال کچھ دنوں کے لئے یہاں چلا آتا ہوں۔ ہم سب کی مجموعی شکل اور وضع ولباس دیکھکر فرمایا کہ کیا ہند کے سب مسلمان اسی طرح ہوتے ہیں طالب علم نے جواب دیا کہ نہیں وہاں ہر قسم کے لوگ موجود ہیں ان سب لوگوں میں جو یکسانیت اور شرعی وضع ولباس آپ دیکھ رہے ہیں وہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات اور صحبت کا نتیجہ ہے اسکو سنکر وہ بہت خوش ہوئے اور پھر مختلف باتیں ہوتی رہیں اسی اثنار میں انکا خادم ٹرے میں کافی کی پیالیاں لے آیا اور ایک جانب سے سب کے سامنے سے گذرتا ہوا اور ایک ایک پیالی سب کو دیتا ہوا دوسری جانب سے چلا گیا۔ پھر ہم سب نے اس طالب علم سے کہا کہ حضرت مہتمم صاحب کے اب مدرسہ کے مشاغل ہیں اس لئے ہم لوگ جانے کی اجازت چاہتے ہیں۔ جناب مہتمم صاحب سے ملاقات پر ہم لوگوں نے آپس میں کہا کہ یہ تو وہی بزرگ معلوم ہوتے ہیں جو مسجد نبوی میں ایک ستون سے لگ کر روزانہ طلبہ کو حدیث کا درس دیتے تھے اور اسکے بعد ہر شخص کو اجازت ہوتی تھی کہ وہ جو مسئلہ چاہے آپ سے دریافت کرلے۔ چنانچہ کبھی طلبہ اور کبھی سامعین آپ سے مسئلہ پوچھتے اور وہ نہایت خندہ پیشانی سے اسکا جواب دیتے۔ بہرحال ان کے کمرے سے نکل کر ہم لوگوں نے سرسری طور پر درس گاہیں دیکھیں اور اسکے بعد واپس آگئے اور ظہر کی نماز اطمینان سے مسجد نبوی میں آکر پڑھی۔ مدینہ منورہ میں ایک زیارت گاہ تو مسجد قبا تھی اسکے متعلق قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے کہ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ۚ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ۚ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ۔

کبھی کبھی یہاں حاضری ہو جاتی تھی جس کا ذکر کر چکا ہوں یا دوسری زیارت گاہ جبل احد تھی جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبل احد

مجھ سے محبت کرتا ہے اور میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ اسی کے دامن میں وہ میدان ہے جہاں جنگ احد ہوئی تھی اور اب وہاں شہداء احدؓ بالخصوص حضرت حمزہؓ کے مزارات ہیں ایک آدھ بار یہاں بھی جانا ہوا بس علاوہ اسکے مسجد نبوی ہی میں قیام رہتا تھا شب کو یا دن کو کھانے کے لئے گھر چلے آئے ورنہ زیادہ وقت وہیں گذرتا کبھی صلوٰۃ وقیام میں کبھی صلوٰۃ وسلام میں بہرحال دیکھتے ہی دیکھتے یہ دن گذر گئے اور تقریبًا وسط ذیقعدہ میں مکہ شریف واپسی کا ارادہ ہوا۔ یہاں آکر حضرت کی مستورات سنے حرم شریف کے قریب ایک مکان میں قیام کیا اور ہم لوگوں نے برادرم عبدالغفار صاحب الہ آبادی جو حضرت سے مرید تھے اور مکہ شریف ہی میں مقیم تھے۔ حرم شریف سے ذرا دور ایک پہاڑی پر انکا ذاتی مکان تھا اسمیں قیام کیا۔ کچھ دنوں تک یہ سلسلہ چلتا رہا لیکن حج کے قریب حرم شریف ہی میں رہنے کا داعیہ پیدا ہوا اور اب صرف رات کو وہاں سونے کے لئے جانے لگے بلکہ حج سے چند یوم قبل بالکل ہی مہمان حرم ہو گئے وہیں کے مشاغل ادا ہوتے شب کو کبھی وہیں اوپر کی منزل میں جاکر سو جاتے الغرض جب حج کو ہفتہ عشرہ باقی رہ گیا تو ہم لوگوں نے طے کیا کہ جبل نور (غار حرا) کی بھی زیارت ہو جائے تو بہتر ہے چنانچہ ایک موٹر پر وہاں کی زیارت کے لئے روانہ ہو گئے لوگوں نے ڈرا رکھا تھا کہ چڑھائی بہت بلند ہے پانی وغیرہ کا انتظام کر لیجئے گا۔ بہرحال جبل نور پر پہونچے ایک ہوٹل میں قیام کر کے کھانے پینے سے فارغ ہو کر اوپر چڑھنے کے لئے آمادہ ہوئے تھوڑی دیر تک تو قدم شوق تیز اٹھا لیکن اسکے بعد پیر جیسے بھر گیا ہو قدم اٹھائے نہیں اٹھتا تھا لہٰذا رفتار سست کرنی پڑی اور اطمینان سے آہستہ آہستہ آگے چڑھنے لگے قافلوں کے آنے جانے کا سلسلہ جاری تھا۔ ہمارے لئے واپس آنے والوں کی تسلی موجب تقویت تھی وہ لوگ یہی کہتے رہے کہ حاجی صاحب بس آدھا راستہ طے ہو چکا ہے۔ غرض تین چوتھائی سفر طے ہوا اور پیاس کی شدت شروع ہوئی پسینے سے تر ہو گئے، ہمت جواب دینے لگی کہ ایک آنیوالے نے کہا بس تھوڑا چلنا اور رہ گیا ہے

الغرض آہستہ آہستہ چلتے ہی رہے یہانتک کہ تھوڑی دیر میں ہم ایسی کھلی فضا میں پہونچے جس کے اوپر پہاڑ کی چوٹی نہ تھی، تیز ہوا نے پسینہ خشک کیا بیٹھکر تھوڑی دیر آرام کیا احباب ادھر ادھر منتشر ہوگئے جگہ وسیع تھی جب سارے رفقاء سستا چکے تو پھر یکجا جمع ہوئے اور کہا کہ اب غار حرا میں چلنا چاہئے جو اس چوٹی سے کچھ نیچے واقع تھا۔ غرض ایک جانب سے ہم لوگ نیچے اترے اور راستہ میں دبتے سمٹتے ایک کھلی جگہ پہونچے اس سے قبل تو ایک ایسی جگہ آئی تھی کہ آدمی پیچھے ٹیک لگا کر دایاں بازو آگے نکالے اور اسکے بعد پھر بایاں ہاتھ نکالے یہاں پہونچکر کسی نے کہا کہ یہ راستہ تو تنگ ہر زمانہ میں رہا ہوگا اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بارہا گذرے ہوں گے تنگی کیوجہ سے آپ کی پشت مبارک یا سینۂ اقدس کا پتھر سے رگڑ جانا اور مس کر جانا یقینی ہے اس تصور کے ساتھ نہایت لطف لیتا رہا اسکے بعد ایک کھلی ہوئی جگہ ملی اس کھلی ہوئی جگہ کے بعد بائیں طرف ایک سیڑھی جاتی تھی نیچے ایک چھوٹا سا غار تھا جس میں کھڑے ہوکر چار پانچ آدمی دو صف میں نماز پڑھ سکتے تھے اور اسکے سامنے ایک پتلا سا شگاف کھلا ہوا تھا جسکی وجہ سے اس تاریک غار میں روشنی پیدا ہوگئی تھی اور اس درّہ میں سے ٹھیک سامنے بیت اللہ شریف نظر آرہا تھا۔ جی تو چاہتا تھا کہ یہاں کچھ دیر ذکر و صلوٰۃ اور دعاء میں گذارتے لیکن پیچھے آنے والی ٹولیوں کے تقاضے شروع ہوگئے کہ جلدی باہر آئیے صاحب دوسروں کو بھی موقع دیجئے چنانچہ جلد ہی جگہ خالی کرنی پڑی اور ہم لوگ پھر وہاں سے پہاڑی کے کچھ اوپر کھلی سطح پر آگئے۔ تھوڑی دیر وہیں آرام کرتے رہے۔ پہاڑی پر سے نیچے گذرنے والی بسیں بس ایسی معلوم ہوتی تھیں جیسے بچوں کے کھلونے کی بسیں جن میں چابی بھر دی جائے اور وہ دوڑنے لگے اسی طرح سے اونٹ کے ریوڑ مانند بکریوں کے معلوم ہوتے تھے۔ غرض تھوڑی دیر ٹھیر کر ہم لوگ اسی گئے ہوئے راستہ سے واپس آئے اوپر سے نیچے کا سفر بڑی سہولت سے اور جلد طے ہوگیا۔

احباب میں ذکر آیا کہ اگر ہمت ہو تو کسی دن غار ثور کی بھی زیارت کر لی جائے مگر لوگوں نے یہ بھی بتایا کہ اسکی بلندی غار حرا کی دُگنی ہے۔ چونکہ موسم حج قریب تھا اس لئے ہمت نہیں پڑی یہ خیال ہوا کہ مبادا اتنی بلند چڑھائی پر چڑھنے کی وجہ سے ہم میں سے کسی کو کوئی تکلیف نہ ہو جاوے اور اسکی وجہ سے روحِ سفر یعنی ارکان حج ہی میں کوئی فتور نہ واقع ہو جائے اسلئے ہم لوگ وہاں نہ جا سکے۔ بس مکہ شریف کے زمانہ قیام میں حرم شریف کی نمازیں چھوٹے بڑے عمرے، طواف، کبھی کبھی جنت البقیع کی حاضری بس یہی امور کافی تھے۔

اب حج کا عشرہ شروع ہو چکا تھا۔ حرم شریف حجاج سے بھر چکا تھا بسہولت طواف کرنا بھی ممکن نہ تھا دیکھتے دیکھتے یہ ہفتہ بھی گذر گیا اور ۸ ذی الحجہ سے حج کے اعمال شروع ہو گئے۔ منیٰ، مزدلفہ، عرفات کی حاضری اور مساجد متعلقہ میں بھی حاضری کی توفیق ہوئی۔ وہاں سے واپسی پر قیام مزدلفہ اور رمی جمار وغیرہ سے فارغ ہو کر پھر منیٰ میں آکر مقیم ہوئے اور یہاں کے ارکان سے فراغت کے بعد مکہ شریف واپسی ہوئی اور حج کے جملہ احکام سے فارغ ہو کر مکہ شریف میں مقیم ہو گئے اور واپسیٔ وطن کے انتظامات سوچے جانے لگے حج کے بعد جناب والد (مولوی سراج الحق) صاحبؒ کا اضافہ ہمارے قافلہ میں ہو گیا انھوں نے اپنے ہوائی جہاز کی سیٹ پانی کے جہاز سے بدلوا دی۔ جب واپسی کے کاغذات مکمل ہو گئے تو بیت اللہ کا طواف وداع کر کے ہم لوگ پھر جدہ واپس آگئے مسافر خانہ ہی میں قیام رہا اور پاسپورٹ کے اندراجات کی تکمیل کے بعد مظفری جہاز سے واپس ہو گئے۔ اس موقع پر حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی یاد پھر آئی اور نہایت افسردگی کے ساتھ ہم لوگوں نے جہاز پر قدم رکھا حضرتؒ کو نہ پانے کی وجہ سے بمبئی تک یہ افسردگی قائم رہی۔

بندرگاہ پر اتر کر کسٹم روم میں داخل ہوئے اور ہر شخص اپنے اپنے

سامان کے پاس کھڑا کردیا گیا۔ میرے ساتھ بھی بکس و بستر کے علاوہ کھجور اور زمزم کا ٹین تھا اور بس کسٹم افسر نے مجھ سے بھی پوچھا کہ بکس و بستر میں کیا چیزیں ہیں؟ میں نے کہا صرف پہننے کے کپڑے یا کچھ تسبیحیں۔ اس نے کہا کہ فارن کا کوئی نیا کپڑا ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ کہا گھڑیاں کتنی ہیں؟ میں نے کہا ایک بھی نہیں۔ کہا ٹرانسسٹر یا ایرگن ہے؟ میں نے کہا یہ بھی نہیں ہے سامان تو رکھا ہوا ہے کھول کر دیکھ لیجئے۔ اس نے کہا نہیں میرا مطلب یہ ہے کہ ایک گھڑی لانے کی اجازت ہے ایک آدھ گھڑی تو لائے ہوں گے۔ میں نے کہا نہیں ان چیزوں میں سے ایک چیز بھی نہیں ہے۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ دیکھئے حج اسطرح کرنا چاہئے۔ بہرحال ہمارے قافلے کے سبھی لوگوں کے پاس اجازت کے مطابق ہی سامان تھا اسلئے جلدی فراغت ہوگئی۔

بندرگاہ سے چل کر جائے قیام کرلا پر پہونچے بمبئی کے سبھی رفقاء سے ملاقات ہوئی لیکن وہی تاسف ہم سب کے شامل حال رہا بلکہ ملاقات کے لئے آنے والے حضرات بھی سب مغموم ہی دیکھے گئے لیکن تقدیر الٰہی میں چارۂ کار ہی کیا تھا اللہ کو جو منظور تھا ہو کر رہا۔ واللہ غالبٌ علیٰ امرہ۔

چاک کے تقدیر کو ممکن نہیں کرنا رفو
سوزن تدبیر چاہے عمر بھر سیتی رہے

اب تو ہم سب کے لئے حضرت کی تعلیمات، ارشادات، نصائح اور وصایا پر عمل کرنے کی ضرورت ہے اسی میں ہماری سلامتی اور حضرت اقدس کی خوشی مضمر ہے باقی ظاہر ہے کہ بقول حضرت رحمۃ اللہ علیہ کہ اہل اللہ جس بستی میں ہوتے ہیں وہاں کے گویا قلب ہوتے ہیں اور جب وہاں سے چلے جاتے ہیں تو گویا انسان کا قلب ہی اس سے رخصت ہو جاتا ہے۔ اسکے متعلق شہیدیؔ نے کہا ہے کہ ؎

دل کے جانے کا شہیدیؔ حادثہ ایسا نہیں
کچھ نہ روئے آہ گر ہم عمر بھر رویا کئے

یہ بالکل صحیح ہے کہ حضرت اقدسؒ کی جدائی ہم سب کے لئے اسی نوع کی ہے لیکن یہ بھی کہا گیا ہے کہ ؎

عرفی اگر بگریہ میسر شدے وصال
صد سال میتواں بتمنا گریستن

لہٰذا دل تو روئے گا اور ساری عمر روئے گا لیکن اسی کو مقصد بنا لینا یہ کوئی سمجھ کی بات نہ ہوگی جبکہ شریعت نے ہمکو ایسے مواقع پر صبر کی تلقین فرمائی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اور اس سے پیدا ہونے والے اپنے غم کے متعلق فرماتے ہیں کہ "اسمیں شک نہیں کہ آپؐ کی جدائی کی وجہ سے رنج وغم کا جو پہاڑ ہم پر ٹوٹا ہے تو آپ سے محبت کا تو یہی تقاضا ہے کہ ہم اتنا روئیں اتنا روئیں کہ ہمارا سارا بدن چربی بنکر ہماری آنکھوں کے راستہ بہکر نکلے لیکن آپکی لائی شریعت کا حکم یہ ہے کہ ہم صبر کریں، بس ہم آپ کی شرع کو اپنی طبع پر مقدم کرتے ہوئے صبر کرتے ہیں۔

ہمارے نزدیک حضرت اقدس نور اللہ مرقدہٗ ان ہستیوں میں سے ایک تھے جسے حق تعالےٰ کبھی کبھی اپنے بندوں کو عنایت فرمایا کرتے ہیں ؎

کہیں مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستور میخانہ

یا یوں سمجھئے کہ ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

یا یوں کہئے کہ حیات مصلح الامۃ وہ حیات تھی جس کے متعلق علامہ اقبالؒ نے یوں فرمایا ہے ؎

سالہا در کعبہ و بتخانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

بہر حال اپنے فیوض و برکات کے اعتبار سے حضرت آج بھی گویا جسم میں موجود ہیں لیکن نگاہوں سے مخفی ضرور ہیں اور زبان حال سے آج بھی گویا فرما رہے ہیں کہ ؎

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل
ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

اللہ تعالےٰ نے حضرت اقدس کی موت فی البحر فرما کر ہم لوگوں کو یہ سبق دیا کہ جن مشائخ اور اللہ والوں کی قبریں زمین پر موجود ہیں لوگ پتہ پوچھتے پوچھتے ڈھونڈھتے ہوئے وہاں تک پہونچ جاتے ہیں لیکن حضرت والا سمندر میں جو مدفون ہوئے تو گویا ہم سب سے بزبان حال یہ فرما رہے ہیں کہ ؎

بعد از وفات تربت من در زمین مجو
در سینہ ہائے مردم عارف مزار ما

یعنی اب وفات کے بعد میری قبر کو زمین میں کہیں مت تلاش کرو بلکہ وہ لوگ جو عارف باللہ ہیں انکے سینہ میں میری مزار موجود ہے۔ یعنی جن حضرات کو اللہ تعالےٰ سے نسبت حاصل ہے انکی صحبت اختیار کروگے انکی باتیں سنوگے، سمجھوگے عمل کروگے تو یہ چیز فیض میں میرے قبر کی زیارت سے کم نہوگی۔ اگر کرنا ہے تو یہ کام کرو ورنہ صرف قبر ہی تلاش کر کے کیا کروگے

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب (مفتی ہند و پاک) سے سفر حج کے موقع پر ہم لوگوں نے ملاقات کی تو فرماتے تھے کہ بھائی مولانا وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تو ہمارا بچپن کا ساتھ تھا دیوبند میں ہم دونوں ہم درس رہے پھر تھانہ بھون میں ہم مشرب و ہم مسلک۔ مولانا کے حالات شروع ہی سے کچھ عجیب نوع کے مشاہدے میں آتے رہے سب سے الگ تھلگ مخلوق سے منقطع۔ رہنے کا ایک رنگ جداگانہ رہا کرتا تھا۔ تھانہ بھون میں بھی انھیں اکثر یہ شعر گنگناتے سنا گیا کہ ؎

ہوئے مرکے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا
نہ کہیں جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

ان کے اس حال پر مجھے رشک بھی ہوتا اور تعجب بھی ہوتا لیکن اس وقت تو کچھ بات سمجھ میں آئی نہیں بلکہ اسکو مولانا کا ایک حال سمجھا لیکن بعد کے پیش آنیوالے واقعات نے یہ ظاہر کردیا کہ وہ صرف ایک حال ہی نہ تھا بلکہ مخصوص فنائیت کی تمنا تھی جس کا تعلق محض حق تعالے سے محبت کا تھا۔

چنانچہ آپ لوگوں سے کہتا ہوں کہ میں نے جس وقت ریڈیو پاکستان سے مولانا کے موت فی البحر کی خبر سنی ایک دھکا تو ضرور لگا لیکن کچھ استعجاب نہیں ہوا بلکہ مولانا کی وہ دل سے چاہی ہوئی تمنا یاد آکر بات یہ سمجھ میں آئی کہ یہ تو اللہ تعالے نے اپنے محبوب بندے کی مخصوص تمنا کو شرف قبول بخشا ہے اور معًا پھر یہ شعر بھی میرے ورد زباں ہوگیا کہ ہوا تو ویسا ہی جیسا کہ مولاناؒ کی خواہش تھی کہ ؎

ہوئے مرکے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا
نہ کہیں جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

اور ایک یہی کیا مولاناؒ کے اور دوسرے حالات جو ہم لوگوں کے سامنے تھے انھیں دیکھکر یہ خیال ہوتا تھا کہ دیکھا چاہیئے کہ جبکی ابتدا یہ ہے اسکی انتہاء کیا سامنے آتی ہے۔

راقم عرض کرتا ہے کہ حضرت اقدس جب کبھی مسترشدین پر خفا ہوتے تو اکثر فرماتے کہ میں اس مزاج کا انسان نہیں تھا یعنی تم لوگوں میں رہنے والا تھا ہی نہیں طبیعت ایسی تھی کہ کسی جانب اٹھتا اور جنگل کی راہ لیتا۔ وہ تو حضرت کے مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی عنایت تھی کہ انھوں نے مجھے سنبھال لیا اور آپلوگوں مجمع میں مقید کردیا۔ اب بھی اگر بات نہیں سنوگے تو جوتا پہنوں گا اور کہیں چلدونگا مجھے کچھ تمھاری ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت کا یہ مزاج حضرت کے معاملات میں نمایاں دیکھا گیا کہ لوگوں سے استغناء کی کیفیت ہمیشہ رہی اور اسی کا یہ اثر تھا کہ

کبھی کبھی اپنی مجلس میں یہ اشعار بھی انتہائی جوش کے ساتھ پڑھا کرتے تھے ؎

آنیوالی کس سے ٹالی جائیگی
جان ٹھیری جانے والی جائیگی
پھول کیا ڈالوگے تربت پر مری
خاک بھی تم سے نہ ڈالی جائیگی

اللہ تعالےٰ کا یہاں بھی کچھ ایسا کرنا ہوا کہ اس تصور نے بھی تصدیق کی شکل اختیار کرلی یعنی یہ کہ آنیوالی چیز ایسے وقت میں آئی جو واقعی ٹالی نہ جاسکی اور تربت بھی ایسے مقام پر بنی کہ لوگ اس پر ایک مٹھی خاک ڈالنے سے بھی محروم ہوگئے۔

غرض جیسا کہ مشہور ہے کہ انسان جس جگہ کی خمیر سے بنتا ہے اسی سرزمین میں دفن بھی ہوتا ہے اللہ تعالےٰ نے حضرت اقدس کو بھی جس بحر سے موتی بناکر نکالا تھا بالآخر اسی میں غرق بھی فرمادیا۔ چنانچہ کسی کا یہ شعر اس موقع پر کسقدر صادق آیا کہ ؎

دل اپنی طلب میں صادق تھا گھبرا کے سوئے مطلوب گیا
دریا سے جو موتی نکلا تھا دریا ہی میں جاکر ڈوب گیا

فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ ۔ لَہُ الْحُکْمُ وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ○

یہ دنیا عالم فانی ہے ہر چیز یہاں کی آنی جانی ہے بقا صرف حق تعالےٰ کے لئے ثابت ہے یا پھر کسی درجہ میں صرف اسکے لئے ہے جس نے اپنے دل کو حق تعالےٰ کے عشق و محبت کے ساتھ زندہ کرلیا ہو

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

یعنی جس شخص نے اپنے دل کو عشق الٰہی کے ساتھ زندہ و تابندہ کر رکھا ہے اسکے لئے موت نہیں ہے بلکہ اس عالم کے لوح پر دوام کے ساتھ

اسکا ذکر باقی رہتا ہے۔

چنانچہ اللہ والے اس دنیا سے رخصت ہوجاتے ہیں لیکن انکی روحانی خدمات اور دینی تعلیمات عرصۂ دراز تک باقی رہتی ہیں اسلئے امید ہے کہ اسی طرح سے ہمارے حضرت مصلح الامت نور اللہ مرقدہٗ کی تعلیمات وخدمات کو بھی زمانہ عرصۂ دراز تک بھلا نہ سکے گا اور اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی اکثر وبیشتر تعلیمات، ہدایات، ملفوظات نیز مواعظ وحالات کو جمع کرنے کی اس ہیچمداں کو توفیق عطا فرمائی۔ چنانچہ حضرت والا کے تفصیلی حالات جو میرے علم میں آسکے ناظرین کیخدمت میں پیش ہیں۔ اللہ تعالیٰ بھول چوک کو معاف فرمائے اور مجھے نیز حضرت کے جملہ منتسبین کو اور عامہ مومنین کو ان سے مستفید فرماکر نیک راہ چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔

آج جبکہ ماہ ربیع الثانی کی پانچویں تاریخ ۱۴۱۰ھ مطابق ۵ نومبر ۱۹۸۹ء ہے حالات کا یہ سلسلہ اختتام کو پہونچا۔

نوٹ: اس کے بعد ان چند خطوط کا اضافہ کیا جاتا ہے جو مرتب حالات مولانا جامی نور اللہ مرقدہٗ اور حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم نے الٰہ آباد لکھے تھے۔ چونکہ ان خطوط میں حالاتِ وفات کی تفصیل بھی ہے، واقعات کا تجزیہ بھی ہے اور جذبات قلبی کی عکاسی بھی اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ درمیان میں انکا اضافہ بھی کر دیا جائے ــــ یہ خطوط "حالاتِ وفاتِ مصلح الامتؒ" کے نام سے الگ ایک کتابچہ کی شکل میں بھی شائع ہوچکے ہیں) اسی کا عکس شامل کیا جاتا ہے۔ فقط

سعادت علی قاسمی

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ

(ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے)

حالاتِ وفاتِ مصلحُ الاُمّۃؒ

مرتبہ

عبدالرحمان جامی یکے از خدّام خانقاہ وصی اللّٰہی

بانتظام

دفتر وصیۃ العرفان ۔ ۲۳ بخشی بازار الٰہ آباد ۳

نشاط آفسٹ پریس ٹانڈہ امبیڈکر نگر یو۔ پی

نقل مکتوب گرامی جناب مولوی عبدالرحمن صاحب جامی مدظلہ

صدیق حزیں اسکن اللہ نار حزنکم بنور نسبتہ و محبتہ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

تمنا اگرچہ محال کی بھی جائز ہے تاہم اپنے بارے میں حج کی تمنا کیا تصور میں بھی کبھی اس کا خیال نہیں کر سکا تھا۔ مگر بقول قائل ؎

بود مورے ہوسے داشت کہ در کعبہ رسد
دست برپائے کبوتر زد و ناگاہ رسید

(ترجمہ) ایک چیونٹی کو یہ خواہش ہوئی کہ کعبہ شریف میں پہونچ جائے تو اس نے کبوتر کا پاؤں پکڑ لیا اور بیت اللہ تک پہونچ گئی

اللہ تعالیٰ کے فضل اور حضرت والا کے کرم سے وہ دن آیا کہ آپ لوگوں کو ساحل پر غرق حسرت کئے ہوئے ہم لوگ روانہ ہوئے اور حاجیوں کے جہاز نے لنگر اٹھا دیا۔ عجب منظر تھا۔ حضرت والا کرسی پر باہر جلوہ افروز تھے اور سب لوگ ٹکٹکی باندھے حضرت کو دیکھ رہے تھے۔ حضرت بھی مغموم تو تھے مگر محبین کے مجمع اور ان کی محبت کے مظاہرے سے مسرور بھی تھے۔ میں بھی محو حیرت بنا کرسی کے پاس کھڑا تھا کہ یا اللہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ غم و سرور کا ایسا سخت مقابلہ تھا کہ دونوں ہی قسم کے آنسو خشک تھے۔

بہر حال ایک گوشہ میں آپ بھی نظر پڑے۔ ساکت و صامت آپ کی بھی ہیئت کذائی بزبان حال کہہ رہی تھی کہ یا اللہ یہ کیا ہو رہا ہے ؎

ھوای مع الرکب الیمانین مصعد جنیبٌ و جثمانی بمکۃ موثقٌ

میرا محبوب تو یمن کے قافلہ کے ساتھ دور چلا جا رہا ہے اور میرا جسم مکہ میں بیڑیوں سے بندھا ہوا ہے۔

عجبت لمسراھا وانی تخلصت ، الی و باب السجن دونی مغلق

مجھکو اس بات سے تعجب ہے کہ آخر وہ میرے پاس یعنی میرے خیال میں کیسے پہونچا جبکہ قیدخانہ کا دروازہ مجھ پر بند رکھا گیا ہے۔

المت فحیت ثم قامت فودعت ، فلما تولت، کادت النفس تزھق

میرا محبوب میرے پاس آیا اور تھوڑی دیر ٹھہرا پھر کھڑا ہوا اور سلام کر کے رخصت ہو گیا پس جب وہ چلا گیا تو ایسا معلوم ہونے لگا کہ ابھی دم نکل جائیگا

جہاز چھوٹا یا حضرت چھوٹے۔ جہاز گھوما تو کمرہ کی کھڑکی سے پھر ساحل کا مجمع نظر آیا۔ آپ لوگ جس طرح سے دیکھتے تھے حضرت بھی دیکھتے رہے۔ فرماتے تھے، اب کیا نظر آتا ہوگا۔ اور یہاں سے بھی بھیڑ ہی نظر آرہی ہے۔ تشخصات تو غائب ہو گئے۔ اور ذرا آگے بڑھے تو بس اس کا مصداق تھا کہ ؎

مڑکر جو میں نے دیکھا امید مرچکی تھی
پٹری چمک رہی تھی گاڑی گذر چکی تھی

تھوڑی دیر میں ساحل پانی کی اوٹ میں تھا۔ اور ایک ساحل کیا سارے آسمان کا یہی حال تھا۔

بھائی سلیمان صاحب امیر الحج مقرر ہوئے۔ کسی نے عصر کی اذان دی۔ چار چھ جگہ جماعتیں ہوئیں۔ ہم لوگوں نے ڈی لکس کے ہال میں حضرت والا کے ساتھ نماز پڑھی۔ ہم لوگوں کی سیٹوں سے حضرت کے جائے قیام کا فاصلہ بس یہ سمجھئے کہ ڈاکٹر صلاح الدین صاحب اپنے مکان مچھلی کوٹھی سے حضرت کے پاس جلد آجائیں اور ہم لوگ اپنی سیٹ سے حضرت تک شاید دیر میں ہی پہونچیں۔

امیر الحج صاحب نے حضرت سے فرمایا کہ مائک پر اذان ایک ہوگی جماعتیں لوگ الگ الگ کرینگے۔ اس کے لئے موذن کے تعین کا مجھے اختیار ہے، اجازت ہو تو جامی صاحب سے کہدوں وہی اذان دیا کریں۔ اب سمجھ میں آیا کہ ٹرک اور موٹر کے شور میں اتنے دنوں اذان کی مشق اس لئے کرائی گئی تھی کہ سمندر کی ساکن اور خاموش فضا میں اللہ تعالیٰ کی زیادہ سے زیادہ مخلوق اللہ کا نام چلتے چلاتے اس قافلہ سے سن لے، خدا معلوم اس سے قبل کب یہاں کس نے اذان دی ہوگی۔

مغرب پڑھی۔ عشاء پڑھی۔ دوا۔ تیل سب معمول پر آگئے۔ صبح حاضر ہوا یعنی پنجشنبہ کی صبح کو (۲۳ر نومبر ۷۶ء) فرمایا نیند خوب آئی۔ طبیعت اچھی ہے۔ سفر حج کا تھا۔ ذکر و تلاوت

نماز و دعا مشغلہ ہونا چاہیئے۔ چنانچہ دیکھا کہ اللہ کے بندے رات بھر پڑھتے رہے۔ عورتیں بھی ہاتھ میں تسبیح لئے نظر آئیں۔ نماز کے وقت پر وضو کی ہما ہمی خوب رہتی۔

سمندر جو ملا تو اوپر ہی جہاں حضرت کرسی پر بیٹھے تھے، کرسی رکھ کر ہاتھ میں تسبیح لیکر اکثر بیٹھا رہتا، کبھی وہیں تلاوت کرتا۔ حضرت نے لوگوں کو بلایا نہیں۔ دوا کے لئے جاتا تھا ذرا دیر بیٹھ کر چلا آتا تھا۔ کبھی کبھی حاجی جی سے فرمانے، کہاں جا رہے ہو حاجی جی؟ انھوں نے کہا کمرے میں جا رہا ہوں۔ فرمایا نہیں یہ نہیں کہہ رہا ہوں؛ کہاں چل رہے ہو سمجھے؟ کہا جی ہاں سمجھا۔

ہاں پنجشنبہ کو دوپہر کو مجھے بلوایا اور دو بات فرمائی۔ (۱) فرمایا کہ تم نے بمبئی میں کیا دیکھا اور یہاں کیا دیکھ رہے ہو ان سب باتوں کو لکھو شاید کسی اللہ کے بندے کو کچھ نفع ہو تم کو اسی لئے ساتھ لایا ہوں۔

اس کے بعد فرمایا کہ لوگوں کے سامنے کتاب سے حج کے مسائل بیان کرو، کچھ وقت اس میں گذرے۔ لوگوں کو علم ہو جائیگا۔ میں نے عرض کیا بہت اچھا۔ کل سے اسی وقت بیان کرونگا۔

چند اوقات نماز ہونے کے بعد لوگوں کو حضرت کا۔ اور جماعت ہونے کا پھر قاری صاحب کی قرأت کا جوں جوں علم ہوتا گیا۔ یہاں کی جماعت کا مجمع بہت بڑا ہو گیا۔

عشاء میں ایک صاحب نے پوچھا کل جمعہ کی نماز کے بجے ہوگی۔ کہدیا گیا کہ ہم لوگ سفر میں ہیں مسافر پر جمعہ نہیں ہوتا، ظہر ہی کی نماز ہوگی۔

آج بھی حضرت بالکل اچھے رہے۔ شب جمعہ بھی اچھی گذری۔ جمعہ کو ظہر سے ذرا پہلے مجھے بلوایا فرمایا کہ احرام وغیرہ کا مسئلہ ذرا ٹھیک سے بیان کرنا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت معلم الحجاج سے سنانے کا خیال ہے اول تو اس میں جدہ سے احرام کا مسئلہ ہے ہی نہیں دوسرے ابتدا میں آداب وغیرہ کا ذکر ہے۔

اور میں نے یہ سوچا ہے کہ یوں کہدوں گا کہ مولانا شبیر محمد صاحبؒ کی یہ تحقیق ہے۔ اور حضرت کو اس پر اطمینان ہے۔ باقی جسکو تردد ہو وہ شبہ میں نہ پڑے یلملم ہی سے باندھے کیونکہ احرام کی تقدیم تو بہرحال جائز ہے اور جو آسانی چاہتا ہے اور ہم پر اعتماد کرتا ہے تو مسئلہ یہی صحیح ہے۔ چنانچہ ہم بھی احرام جدہ ہی سے باندھیں گے۔ فرمایا کہ ہاں ٹھیک ہے

بس اس کے علاوہ مجھے نہیں بلایا۔ اور شاید کسی کو بھی نہیں بلایا۔ بس کھڑکی سے سمندر اور پانی ہی کو برابر دیکھتے رہے۔ کبھی کبھی ادھر سے کوئی آدمی گذرتا تو کھڑکی ہی سے مصافحہ کر لیتے۔

جمعہ (۲۴ر نومبر) کو عصر کے بعد حسب معمول دوا کھلانے آیا۔ اس وقت ایک صاحب وکیل احمد نامی مولانا عبید الرحمن صاحب کے شاگرد۔ بعد میں تو ان سے میں بھی واقف ہو گیا، دوندی پور میں رہتے ہیں۔ سی۔ او۔ ڈی میں لازم ہیں۔ یہ صاحب آئے یہی وہ صاحب ہیں جو جہاز پر بوقت روانگی حضرت کے بائیں جانب کھڑے تھے یا بیٹھے تھے۔ داہنی جانب مولوی نثار صاحب پیچھے احقر تھا، اس وقت بھی میں نے دیکھا کہ ایک اجنبی حضرت سے اتنا قریب کیوں ہے۔ ان کو اشارہ سے پیچھے بلا کر پوچھا۔ آپ کون ہیں۔ کہا میں بھی الہ آباد کا ہوں۔ دوندی پور میں رہتا ہوں، میری بابت مولوی عبید الرحمن صاحب نے حضرت کو لکھا تھا۔ مجھے یاد آیا کہ ہاں کسی کے لئے لکھا تھا کہ جوان صالح ہیں حج کو جا رہے ہیں۔ مجھے ان کے حالات پر رشک آتا ہے۔

بہر حال یہ صاحب حاضر ہوئے اور بیعت کی درخواست کی۔ میں نے سفارشاً عرض کیا حضرت یہ بھی الہ آباد کے ہیں۔ مولوی عبید الرحمن صاحب نے آپ ہی کی بابت لکھا تھا۔ فرمایا اچھا۔ میں نے کہا کسی دن شام کو ہو جائیں گے۔ فرمایا ہاں یہ بیعت ہی ہیں۔ یہ فرما کر ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا کہ تم کو سلسلہ میں داخل کر لیا۔ سبحان اللہ!

یہ جوان حضرت والا کے سب سے آخری مرید ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر اور ہم سب پر رحم فرماوے۔ اس کے بعد میں چلا آیا۔ حسب معمول مغرب کے لئے ہال میں تشریف لے گئے۔ نماز کے بعد کمرہ میں آکر سنت پڑھی۔ اس کے بعد استنجے گئے۔ وہاں سے کیفیت کے ساتھ واپس آئے۔ ممتاز سے کہا۔ مجھے کیسا دیکھتے ہو۔ ایک صاحب بمبئی میں کہتے تھے غصہ نہ کیجئے۔ طویل سفر کرنا ہے۔ یہ کیسا ہے؟ اسی اثنا میں جہاز کے مطبخ کے ایک مسلمان آفیسر عبد الحمید خاں صاحب آ گئے جہوری الصوت تھے۔ کہا حضرت میں نے دنیا کا عیش بہت کر لیا۔ اب دعا کر دیجئے کہ میری آخرت درست ہو جائے ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا۔ بہت اچھا۔ دعا کرتے ہیں۔ اسی اثنا میں کھانا آ گیا اس نے کہا حضرت کھانا اچھا ہوتا ہے۔ فرمایا کہ نہایت اچھا ہوتا ہے کہا کچھ اور ضرورت ہے۔ فرمایا کہ کچھ چپاتی بھجوا دیجئےگا۔ یہ فرما کر ان سے تو فرمایا کہ اچھا اب جائیے پھر آئیےگا۔ ممتاز نے کہا حضرت

کھانا آگیا ہے۔ لاؤں۔ ممتاز کہتے ہیں کہ حضرت کے چہرہ پر تغیر کے آثار دیکھ کر میں ڈر گیا اور کمرہ سے باہر جاکر ارشاد سے کہا کہ کھانا آج تم کھلادو۔ ارشاد آئے۔ حضرت خاموش ایک طرف دیکھ رہے تھے وہ اور زیادہ ڈرے واپس جاکر کہا کہ نہیں تم ہی جاکر کھلاؤ۔

پھر ممتاز اندر گئے تب اندازہ ہوا کہ حضرت پر دورے کے آثار ہیں۔ گھبرا کر قاری صاحب کو آواز دی اور ہال کمرے سے بلا کر لائے۔ قاری صاحب آئے۔ تو فرماتے ہیں کہ حضرت نے مجھے دیکھ تو لیا مگر بولے نہیں۔ اس سے میں ڈرا کہ کیا ہوا۔ بھاگے ہوئے ہم لوگوں کے درجہ میں آئے کہ چلئے حضرت کی طبیعت اچھی نہیں ہے ہم لوگ بھاگے ہوئے گئے تو بیٹھے تھے مگر آنکھیں چڑھی ہوئی اور ہوش غائب ہو چکے تھے۔ لٹا دیا گیا۔ ڈاکٹر (جہاز) کا بلایا گیا۔ اس نے ذرا ذرا وقفہ سے دو سوئیاں دیں۔ حضرت کو متلی اور قے ہونے لگی اور کافی قے ہوئی۔ معلوم ہوتا ہے معدہ میں آہستہ آہستہ کچھ جمع ہو گیا تھا جس کا اندازہ نہ ہو سکا۔ بالآخر اسی حالت میں ہم لوگوں نے عشاء کی نماز پڑھی۔ نماز کے بعد تک قے کا سلسلہ وقفہ سے رہا مگر اٹھتے نہیں تھے۔ بس لیٹے ہی لیٹے بے ہوشی میں قے ہو رہی تھی مگر تھوڑی ہی دیر میں سانس برابر آنے لگی جس سے اندازہ ہوا کہ کچھ آرام ہو گیا ہے اور اب شاید حضرت سو گئے ہیں۔ کچھ لوگ پاس رہے ہم لوگ باہر ہی سو رہے کہ ۱۱½ بجے لوگوں نے جگایا کہ حضرت کو ہچکی آ رہی ہے۔

میں جس وقت پہونچا حضرت تشریف لیجا چکے تھے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

زندگی کی ملاقات بعد عصر اور زیارت نماز مغرب پڑھ کر آتے وقت ہوئی تھی۔ اب اس کے بعد کیا ہوا ہوگا۔

ہم لوگ گویا سکتہ کے عالم میں ہو گئے کہ یہ کیا ہوا۔ ماشاءاللہ قاری صاحب سنبھلے ہوئے تھے۔ اوروں کو سنبھالا۔ ہم لوگ تو اپنی عقل اور اپنا ہوش کھو چکے تھے بہرحال مل کر سوچا کہ کیا کیا جائے۔ رائے ہوئی کہ سفیر عرب کو جدہ۔ امجد اللہ صاحب کو مدینہ، اور سیٹھ ستار صاحب کو بمبئی تار دیا جائے۔ دیا گیا۔ کہ کیا کیا جائے؟ قدوائی صاحب کا جواب آیا کہ جدہ تک لاسکئے تو لائیے ہم حکومت میں کوشش کر رہے ہیں۔ ادھر جہاز کے افسران مہربان ہو گئے سب انتظام کا وعدہ کیا۔ اس لئے جسد والا کو محفوظ کر دیا گیا۔

حاصل یہ کہ جس صبح کو جدہ اترنا تھا۔ اس رات تک پھر قدوائی صاحب کا دوسرا تار نہیں ملا کہ آیا انتظام ہوا یا نہیں۔ اور میت کے بارے میں سعودی حکومت کے قوانین سخت ہیں۔ نیز کپتان کے لئے بھی کسی ساحل پر لاش لیجانا جرم ہے۔ اس لئے اس نے کہا کہ اب دو ہی صورت ہے۔ (۱) یا تو آپ لوگ آج رات کے کسی حصے میں تجہیز و تکفین کر لیں یا

(۲) ہم جدہ تک چل سکتے ہیں۔ مگر اجازت نہ ہوئی تو پھر آپ سب کو اتر جانا ہوگا اور لاش ہمارے حوالے کر دیجئے گا۔ ہم سواری اتار کر پیچھے لوٹ کر سمندر میں اپنے مسلمان لازمین سے تجہیز و تکفین کرا دینگے۔ اس ثانی صورت کے تصور سے ہم لوگ کانپ گئے۔ میں نے کہا کہ ہم لوگوں کو بھی واپس لانا پھر پہونچا دینا۔ اس نے کہا نہیں، پھر کہا گیا کہ اچھا ہم غسل و کفن دیکر نماز جنازہ پڑھ کر جدہ چلیں اگر وہاں اجازت نہ ہوئی تو پھر تم اور مسلمانوں سے دفن کرا دینا اتنا ہم مان سکتے ہیں۔ اس نے کہا کہ نہیں اب ہم لاش نکال کر پھر نہیں رکھیں گے۔

یہ وقت ہم لوگوں کے لئے بڑا صبر آزما گذرا۔ مگر میں نے کہا کہ زکی بھائی ثانی صورت تو گوارا نہیں۔ اب لیکر اس نے صرف ایک گھنٹہ کا موقع دیا ہے تو بسم اللہ کیجئے۔ حج کے سفر میں بہت سے اللہ والوں کی قبر سمندر میں بنی ہے۔ چنانچہ زکی کی بھی رائے ہوئی اور قاری صاحب کی بھی ہوگئی۔ شاید عورتوں سے پوچھا انھوں نے بھی یہی کہا کہ پھر تو اپنے ہاتھ سے کرنا زیادہ مناسب ہے۔

صبح نو دس کا وقت رہا ہوگا۔ سامنے جدہ نظر آرہا تھا کہ جہاز ہی پر ایک طرف کونے میں ہم لوگوں نے حضرتؒ کو غسل دیا اور اس سے ذرا نیچے جہاں سیڑھی لگتی ہے ذرا سا میدان سا ہوتا ہے وہاں نماز جنازہ ادا ہوئی۔ جگہ کی کمی تھی ورنہ آدمی بہت تھے۔ اس کے بعد ایک دروازہ سے اس طبقہ کے نیچے طبقے میں جنازہ لے گئے۔ ہم لوگ کنارہ پر جھک کر دیکھ رہے تھے۔ مجمع کی کثرت سے مجھے جگہ ایسی ملی کہ کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ بہرحال ایک بکس میں رکھ کر کسی وزنی چیز کے ساتھ سمندر میں اتار دیا۔

چنانچہ یہ بحر علوم کتاب و سنت بحر عرب میں جا ملا۔ اور آفتاب تصوف بحر عرب میں ہمیشہ ہمیش کے لئے غروب ہوگیا۔ اور یہ عالم ہمارے لئے تاریک ہوگیا۔ (انا للہ)

قاری صاحب نے فرمایا کہ بس حضرت ہم لوگوں کو پہونچانے ہی تشریف لائے تھے۔ بیچوں بیچ تک تو جسم و روح دونوں سے پہونچایا اور جدہ تک صرف جسم سے پہونچا کر چلدیئے۔

میں نے عرض کیا کہ جن کا حج زیارت کردن کعبہ تھا ان کو دور ہی سے اس کا راستہ بتادیا اور اپنا حج چونکہ حج رب البیت تھا اس لئے خود وہ راستہ اختیار فرمایا۔ ع

ایں رہ بسوئے کعبہ برد واں بسوئے دوست

(اضافہ از مکتوب زکی اللہ صاحب)

(اس کے آدھ گھنٹہ بعد سفیر ہند قدوائی صاحب کشتی کے ذریعہ آئے اور جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ سب کام ختم ہو چکا ہے تو انھوں نے اپنا سر پیٹ لیا۔ جب تفصیل بتلائی گئی تو ان کی زبان سے یہی نکلا کہ اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا۔

ساحل سمندر پر مکہ کے لوگ خصوصاً علماء مکہ کافی تعداد میں موجود تھے اور حکومت نے جنت المعلیٰ میں دفن کرنے کی اجازت بھی دے دی تھی۔ مگر مشیت الٰہی کہ سب کچھ ہونے کے باوجود ہم لوگوں کو اطلاع نہ ہو سکی۔ اگرچہ قدوائی صاحب نے ہمارے تار کا جواب بھی دیا مگر مرضی الٰہی وہ تار ہم لوگوں کو نہیں ملا۔ بہرحال اب صبر کے سوا چارہ نہیں۔)

اتنا بڑی ہی مشکل سے لکھا اور اتنے دنوں میں لکھا۔ طبیعت لکھنے پر آتی ہی نہیں تھی۔

بہرحال حادثہ عظیم ہو گیا۔ اور سب لوگوں کا تو ایک وقت دوسرے کام میں ایک وقت حضرتؒ کے پاس گذرتا تھا اور جس کا شب و روز کا مشغلہ ہی حضرت کا قرب رہا ہو اس کے لئے یہ بعد کیسا گذرا ہوگا۔ مگر تقدیر ایزدی میں دم مارنے کی کس کی مجال۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ مقدر فرمایا ہم اس پر راضی ہیں اور جس طرح مقدر فرمایا اس میں ہزاروں حکمتیں ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صبر دے اور حضرت والاؒ کے طریقہ کو مضبوطی سے پکڑنے اور اس پر چلنے کی توفیق دے تاکہ حضرت اقدسؒ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کا ذریعہ بنادے۔

اپنے لئے طالب دعا ہوں، اللہ تعالیٰ نے جس طرح سے اپنے فضل و کرم سے یہاں پہونچایا ہے تو یہاں کی برکتیں بھی عطا فرمائیں۔ اس وقت مسجد نبوی میں معتکف ہوں، آپ لوگوں کے لئے زار زار دعا کرتا ہوں) والسلام

دعا جو جامی غفرلہ

یکشنبہ، ۲۳ رمضان ۱۳۸۵ھ

نقل مکتوب گرامی محترمی جناب قاری محمد مبین صاحب مدظلہ العالی

از مدینہ منورہ

از بندہ محمد مبین عفی عنہ

بتاریخ ۲۲ر شوال ۱۳۸۷ھ

برادرم عزیزم مولوی قمر الزماں و نور الہدی سلمہم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بہت دنوں سے لکھنے کا ارادہ کر رہا ہوں مگر ادھر تو سانحۂ عظیمہ کیوجہ سے دل چور چور اور پھر سفر کی ہما ہمی نصف رمضان مکہ شریف میں تو یوں گذرا۔ اور الحمد للہ بہت بہتر گذرا۔ پھر مدینہ شریف آنے کے بعد ذکیہ مرض پیچش و بخار میں مبتلا ہوئی۔ خیر وہ صحتیاب ہوئی۔ اسکے بعد معاً ہی عطیہ خسرہ چیچک میں مع کھانسی وغیرہ کے مبتلا ہوئی۔ اور سردی سخت اپنے شباب پر نمونیہ وغیرہ ہو جانیکا پورا خطرہ اور اس کے اسباب جمع۔ طبیعت گھبرانے لگی۔ یا اللہ اب کیا کریں اور کہاں جائیں اس در کے علاوہ اب کوئی در ہے کہاں امان ملیگی اور اب کون ہمارا دردی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل ہی سے وہ بھی صحتیاب ہوئی اسکے بعد احمد عظیم اور احمد مکین اسی مرض کے شکار ہوئے رمضان شریف تو یوں گذرا اسکے بعد میں خود خونی بواسیر میں مبتلا ہوا۔ اور خلاف معمول خون بھی آیا۔۔ اس کی ترکیب کی تو کچھ سکون ہونے لگا۔ تو معدہ کا مریض ہو گیا۔ اور پریشان کن بات تو یہ کہ فم معدہ پر ایک قسم کی ٹیک اور چلک اور اٹھتے بیٹھتے تکلیف۔ پھر تو اپنی جان کے لالے پڑ گئے اس کا اپنی طبیعت پر اور اہل خانہ کی طبیعت پر جیسا کچھ اثر ہے اسکو کیا کہوں۔ بہرحال انگریزی دوائیں کھا رہا ہوں۔ ٹیک تو کم ہو گئی۔ مگر بوجھ سا رہتا ہے۔ جو دوا کہ میں ساتھ لایا ہوں وہ بالکل کام نہیں کرتی۔ فی الحال بواسیر اور تکلیف فم معدہ دونوں میں مبتلا ہوں۔ دعائے صحت آپ سب حضرات سے چاہتا ہوں۔ خیر جتنے ایام اس مقدس سرزمین پر گذر گئے یا گذر رہے ہیں اچھے گذرے اور گذر رہے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے ان کا کرم ہے۔

عزیزم! اس سانحۂ عظیمہ کے متعلق کیا لکھوں۔ جتنا کچھ بھی لکھوں وہ کم ہے مگر لکھا نہیں جاتا اور لکھوں تو کس دل سے لکھوں نہ تو اب وہ دل ہی رہا اور نہ وہ جذبات وولولہ ہی رہے۔ دل شکستہ۔ ہمت و حوصلہ پست۔ دل ودماغ حیران وپریشان آہ آہ! گھر سے چلے تھے تو کس شہنشاہی حالت میں چلے تھے۔ کیا دل ودماغ لے کر چلے تھے۔ دل میں کیسے کیسے جذبات وولولے کھیل رہے تھے اچھل رہے تھے۔ دل کی کلی کلی کھلی تھی۔ بہار ہی بہار تھی۔ یکایک ایسی بادِ خزاں چلی کہ اپنا سارا گلستاں اجڑا ہی نہیں بلکہ جل بھن گیا۔ نہ تو اس کے نشانات ہی رہے اور نہ کوئی علامات ہی باقی رہی۔

عزیزم! وہ بھی ایک وقت تھا اور یہ بھی ایک وقت ہے کہ اب اپنے آپ کو کس بیکسی اور کس مپرسی کی حالت میں پا رہا ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ میں ہی ہوں یا میں کوئی اور ہوں۔ اللہ اللہ خواب میں اپنے آپ کو دیکھ رہا ہوں یا حالت بیداری میں۔ بھائی جب گھر سے نکلے تھے تو کیا دولت لیکر نکلے تھے۔ ایک محی السنتہ۔ عالم ربّانی۔ محبوب عالم کی معیت میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تاجدار مدینہ کے روضۂ اطہر کی زیارت کے لئے نکلے تھے۔ عاشق نائب رسول ؐ کی گرویدگی کا کیا عالم تھا جیسے شمع پر پروانے ٹوٹے پڑتے ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں کسی نے خوب کہا ہے جسکو حضرت ہی سے سنا تھا ؎

دشت یثرب میں تیرے ناقہ کے پیچھے پیچھے
دھجیاں جیب وگریباں کی اڑاتے جاتے

چونکہ حضرت والا کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت کاملہ حاصل تھی اسلئے حضورؐ کا پورا پرتو حضرت پر تھا۔ عوام وخواص کی یہ ساری فدائیت اسی نسبت وتعلق کا ثمرہ تھی اللہ اللہ کیسے کیسے لوگ گرے پڑتے تھے۔ اور کس آن بان سے حضرت کی سواری بوری بندر سے چلی تھی اور کس حالت میں جہاز پر سوار ہوئے تھے ؎

محبوبِ خوباں می رود گردش ہجومِ عاشقاں
چابک سواراں یک طرف مسکیں گدایاں یک طرف

عزیزم! ہم لوگوں کو اپنی قسمت پر ناز تھا اور حضرت والا کی معیت کی وجہ سے اپنی

کامیابی اور کامرانی کا یقین تھا۔ نہ تو کسی قسم کا فکر و غم۔ اور نہ سمندر کے تھپیڑوں کا خوف والم۔ اور نہ ہی کسی قسم کے حوادثات زمانہ کا وہم۔ جی جی میں بار بار گنگناتا تھا بلکہ حضرت والا سے کہنے والا تھا مگر ہمت و جرأت نہ ہوئی۔ اور کہہ نہ سکا۔ وہ کیا ؎

چہ غم دیوار امت را کہ دارد چوں تو پشتیباں
چہ باک از موج بحر آنرا کہ باشد نوح کشتیباں

یہ سب کچھ تھا مگر اللہ جل شانہٗ کی مرضی ہی کچھ اور تھی جسکو ہم تم اور کوئی نہیں جانتا تھا ؎

ما در چہ خیالیم و فلک در چہ خیال

برادر! خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ آہ۔ جہاز پر سوار ہونے کے بعد چہارشنبہ۔ پنجشنبہ اور جمعہ صرف تین ہی دن حضرت والا کا ساتھ رہا۔ بھائی! کوئی بات نہ تھی۔ نہ تو کسی قسم کی نقاہت اور نہ کھانے پینے سونے میں کچھ فرق۔ جملہ معمولات اپنے اپنے وقت پر ادا فرماتے رہے۔ نماز پنج وقتی کچھ دور چلکر ادا فرماتے رہے۔ مشی بھی جاری رہی۔ بہت ہی خوش و خرم۔ ہاں البتہ عورتوں سے بمبئی میں بھی اور جہاز پر بھی فرماتے تھے کہ بیٹی بہت مشکل وقت ہے بہت سخت وقت ہے اور بہت ایمان کا وقت ہے اور بہت گھبرا گھبرا کر پریشان ہوکر فرماتے تھے کہ دعا کرو اللہ تعالیٰ آسان فرمائے۔ اور فرماتے بیٹی دیکھو جدّہ میں کیا ہوتا ہے۔ اہلیہ کہتی ہیں کہ ابّا فرماتے تھے کہ بیٹی خوشی خوشی تو جاتی ہو مگر دیکھو کیا ہوتا ہے ایمان کا وقت ہے۔ خدا کی طرف متوجہ ہوؤ۔ اور کہتی ہیں کہ یہ سب باتیں ایک خاص جذب و کیفیت کی حالت میں فرماتے تھے۔ جب یہ کیفیت جاتی رہتی تو پھر محبت کی اور دوسری قسم کی باتیں کرنے لگتے تھے۔ اور پہلے تو کھانا کھانے کے بعد فوراً ہملوگوں کو ہٹا دیتے تھے کہ جاؤ جاؤ۔ کچھ دنوں سے ادھر یہ کیفیت ہوگئی تھی کہ جب ہملوگ دروازے تک جاتے تو پھر بلا لیتے کہ آؤ اور بیٹھا کر محبت و پیار کی باتیں کرتے۔ بمبئی میں یہ بھی فرماتے تھے کہ بیٹی دیکھو یہ سب کے سب میرے بدن پر ایسا گر رہے ہیں جیسے کسی مردہ پر اور یہ بھی فرماتے تھے کہ بیٹی دیکھو یہ سب بیوقوف جانتے وانتے تو ہیں نہیں اور وہاں سے لکھ لکھ کر بھیجتے ہیں کہ یہاں ٹھہریئے گا وہاں ٹھہریئے گا۔ یہ سب بیوقوف ہیں۔ جہاز میں بھی جمعہ کے دن اسی جذب و کیفیت میں فرمایا کہ بیٹی ایمان کا وقت ہے۔ سخت وقت ہے۔ پہلے جب میں حج کرنے حاضر ہوا تھا تو اتنا خوف نہیں

معلوم ہوتا تھا. اب اس مرتبہ تو بہت خوف معلوم ہوتا ہے طبیعت گھبراتی ہے دعا کرو اللہ تعالےٰ آسان فرمائے. یہ بھی فرمایا کہ دیکھو جدہ میں کیا ہوتا ہے. اہلیہ نے کہا ابا کیا فکر کرتے ہیں ہوگا کیا؟ لوگ آرام سے لے جائیں گے. کھانے پینے کا عمدہ انتظام کریں گے. اس پر ناراض ہوکر فرمایا کہ بس تم کو تو ایک لے دے کر کھانا اور پینا ہی ہے. بس یہی رہ گیا ہے. حضرت والا تو اپنی باطنی نگاہوں سے کچھ اور ہی دیکھ رہے تھے. اور حضرت کے یہ تمام افعال و اقوال اسکی طرف غمازی کر رہے تھے. مگر ہم بد فہم لوگ سمجھ نہ سکے. جہاز میں سوار ہوا اور ذرا دیر میں سوار ہوا تو جب کمرہ میں حضرت سے ملنے گیا تو حضرت مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور میں پاسپورٹ کا جھولا وغیرہ گردن میں لٹکائے ہوئے داخل ہوا تھا. یہ دیکھ کر کسی اور ہی انداز میں فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ میں نے فوراً اسے گردن سے نکال کر رکھدیا اور عرض کیا کہ اس میں پاسپورٹ وغیرہ ہے. اسی اثناء میں چہرہ کی طرف میں نے اس خیال سے دیکھا کہ اس کی وجہ سے کچھ ناگواری تو نہیں ہے. تو دیکھتا کیا ہوں کہ آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی تھیں جیسے آنسو نکل آئیں گے. آہ. آہ افسوس! افسوس حضرت کی اس محبت وشفقت پر قربان جاؤں اور ان کی جدائی پر کیسا ماتم کروں. اور کتنا کروں. خیر۔

اس وقت میں حیرت میں تھا کہ یہ بات یعنی اس حالت میں میری حاضری اسقدر متاثر کرنیوالی کیوں ہوئی. پھر سوچا کہ ممکن ہے کہ لوگوں اور بچوں کی جدائی اور فراق کا یہ اثر ہو رہا ہو. لیکن اب خیال ہو رہا ہے کہ شاید حضرت والا کو اس وقت خیال ہوا ہو دیکھو کیسے خوشی خوشی اور ذوق وشوق سے جا رہے ہیں کہ اس شوق میں ہر ناگوار چیز خوشگوار اور آسان ہے مگر آنے والے مراحل جو کہ صعب تر ہیں جہاں کہ پیر پھسلنے کا خطرہ ہے. ثابت قدمی دشوار اور مشکل ہے جہاں کہ صبر و استقلال کی آزمائش ہے اور ایمان و یقین کی جانچ ہے. اس سے بے خبر ہیں. اور وہ وقت قریب تر ہے اور وہ گھڑی وہ گھڑی ہوگی جبکہ نیچے پانی ہی پانی ہوگا اور اوپر آسمان ہوگا اور وہ بے بسی کا عالم ہوگا اور وہی کٹھن اور مشکل وقت ان لوگوں سے جدائی کا اور اپنے محبوب حقیقی سے ملاقات کا وقت مقرر ہے اسوقت یہ سب لوگ ہوں گے اور میں نہ رہوں گا. ان لوگوں کی میقات ابھی دور دراز ہے اور میری میقات قریب در قریب ہے. یہ لوگ لبیک اللھم لبیک. ۷ یا ۸ دن کے بعد کہیں گے. اور میں جمعہ گذار کر شب میں کہونگا. ان لوگوں کی لبیک زبانی ہوگی اور میری لبیک حقیقی اور معنوی

ہو گی۔ ان لوگوں کا احرام بیت الرب کی زیارت کیلئے ہوگا اور میرا احرام رب البیت کی زیارت کے لئے ہوگا۔ میرا کچھ اور ڈھنگ کا احرام بندھے گا۔ نیز اور ہی قسم کا میرا جانا ہوگا۔ اسوقت یہ لوگ کیا کریں گے اور کیسے اور کس طرح اپنے کو سنبھالیں گے۔ الاماں والحفیظ۔ جو بچیاں کہ زندگی بھر کبھی بھی نظروں سے اوجھل نہ ہوئی تھیں۔ ان کی نظروں سے اوجھل ہونگا اور ایسی پُرخطر جگہ اوجھل ہوں گا۔ عنقریب ہی ان سے جدا ہونگا۔ ان کی اس مختصر سی زندگی میں کتنے اور کیسے کیسے غموم کے ہجوم ان پر ہوئے۔ مگر میری وجہ سے سب غلط ہوتے گئے۔ ماں کا غم اور پیاری بہنوں کا غم میں نے غلط کیا۔ ان کی گود سے ان کے کتنے اور کیسے کیسے لخت جگر دور ہوئے۔ ان کا تمام غم میری وجہ سے غلط ہوتا گیا مگر میری جدائی کا جو بھیانک منظر ان لوگوں کے سامنے آنے والا ہے ان لوگوں کے اس غم کو کون غلط کریگا۔ کیسے برداشت کریں گی اور کیا کریں گی۔

عزیزم! بھائی حضرت والا کی ذات والاصفات کیا تھی ہم کیا سمجھیں پھر بھی ہم کہتے ہیں کہ وہ ذات لطف عمیم اور جود وکرم کی ایک مجسمہ تھی۔ ارے بھائی وہ ذات عنایات اور بخششوں کی ایک بحر عمیق تھی جو بہ رہی تھی اور جاری وساری تھی۔ وہ ذات فیضان الٰہی کی نسیم صبح تھی وہ ذات مہر ووفا کی شمس وقمر تھی۔ برادر! وہ ذات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی ایک زندہ مثال تھی۔ اور وہ ذات قال اللہ تعالی ولا تستوی الحسنۃ ولا السیئۃ ادفع بالتی ھی احسن کی چلتی پھرتی ایک تصویر تھی۔ وہ ذات حضرت صدیقؓ اور حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہما کے صفات و کمالات کی عکس تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اصلاح وتربیت کے معاملہ میں شیر دل تھے اور جہاں معاملہ ہمدردی اور اخوت کا ہوتا وہاں متواضع اور بچھ جانے والے۔ لوگوں کے غموں میں شریک ہونے والے اور اصلاح وتربیت واخوت اور مساویانہ برتاؤ کو ایک دسترخوان پر چن رکھا تھا۔ بھائی دیکھو ہم لوگوں کی کیسی کیسی نازبرداریاں بھی فرمائیں۔ اور کس کس طرح اصلاح وتربیت بھی فرمائی وہی یہ کرنا جانتے تھے اور کوئی کر نہیں سکتا۔ ان کی عنایتیں اور ان کے احسانات کیسے بھلائے جا سکتے ہیں۔ بھلا ان کی یہ سب ادائیں کیسے دل سے مٹ سکتی ہیں۔ یہ کہتا ہوں اور روتا ہوں ؎

اب کوئی بات بھی میری انا کی ہوش کی نہیں
آپ کو بھول جاؤں میں ایسی تو بے خودی نہیں

بھائی! یہ جو اتنا طویل خط اناپ شناپ لکھ رہا ہوں انھیں کی محبت میں لکھ رہا ہوں، گویا ان کے پاس ہوں اور یہ راگ اور درد بھری کہانی انھیں کو سنا رہا ہوں اور مختصر سنا رہا ہوں۔ بہرحال جو ذات کی ایسی رحمدل اور نرم دل تھی جس کا دل کسی کی مصیبت اور غم والم دُکھ اور بیماری برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا تھا تو پھر ایسے مشفق اور شفیق از صد پدر باپ کے دل میں اپنی دو لخت جگروں کے متعلق اگر ایسا خیال آیا تو پھر اس خیال کا آنا کوئی معمولی بات نہ تھی مگر قربان جایئے حضرت بھی صبر و استقلال کے ایک پہاڑ تھے۔ امنڈتے ہوئے آنسوؤں کو حد سے باہر آنے نہیں دیا۔ پلکوں نے انھیں ایسا چھپا لیا جیسے صدف موتیوں کو۔ اور حضرت کے ایمان و یقین نے چہرہ پر پھر اسکے بعد افسردگی کو بھی گوارا نہیں کیا۔

بھائی! دو روز نہیں بلکہ تینوں دن بڑے مزے سے گذرے۔ کوئی بات نہ تھی۔ ہاں اتنی بات تھی کہ حضرت نے کچھ خاموشی سی اختیار فرمائی تھی۔ جہاز کے لوگوں نے تقریر کی بھی فرمائش کی مگر کچھ جواب دیکر ٹال دیا کرتے تھے۔ ایک روز غالباً جمعرات کو مولوی جامی صاحب اور ڈاکٹر صاحب اور اس خادم کو بلا کر فرمایا۔ بھائی! سفرنامہ لکھتے ہو تو ایسا لکھو جس سے لوگوں کو فائدہ پہونچے اچھی طرح لکھو۔ پھر اسی سفرنامہ ہی کے سلسلہ میں ایک خاص آدمی کے ساتھ جو معاملہ ہوا تھا اور حضرت نے ان کی جس بات پر گرفت فرمائی تھی۔ اور حضرت نے نفس کے جس چور اور اس کی چال کو پکڑ کر ان کو تنبیہ فرمائی تھی اس کا ذکر فرمایا! پھر اس کے بعد کچھ اور باتیں بیان فرمائیں۔ یہ بھی فرمایا اسی سلسلۂ گفتگو میں کہ بھائی میں وہاں تقریر وغیرہ نہیں کروں گا۔ میں وہاں بڑا بنکر تھوڑے ہی جا رہا ہوں ہاں البتہ جب اللہ کی طرف سے حکم ہوگا تو پھر کہونگا۔ کچھ اسی قسم کی اور باتیں ہوئیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ اب جاؤ۔ کام کرو۔ اور جس دن سے جہاز پر سوار ہوئے اسی دن سے تنہائی میں زیادہ رہتے اور ہاتھ میں تسبیح لئے پڑھا کرتے تھے۔ اور بیٹھے بیٹھے کھڑکی سے بس سمندر ہی کی طرف مستقل نظر رہتی تھی معلوم نہیں کیا دیکھتے تھے۔ اس میں کیا کشش تھی۔ نہ تو اس میں کسی قسم کے مناظر ہی تھے اور نہ مچھلیوں کا کودنا اچھلنا ہی تھا اور نہ چڑیاں ہی اڑتی بیٹھتی نظر آتی تھیں اور نہ جہازوں ہی کی آمد و رفت تھی۔ صرف پانی ہی پانی تھا اور اس کی لہریں اور موجیں کسی مرد مومن کی آمد کی منتظر اور ہنس کھیل رہی تھیں۔ موجیں مارتی رہتی تھیں اسلئے سمندر اور اس کی لہروں سے مناسبت

تھی اور مزا آتا تھا۔ یا غالباً اس مرد کامل اور مرد دانا کی دور بین نگاہیں دنیاوی قانونی بندشوں سے گھبرا کر اور لوگوں کی غیر شرعی روشوں سے اکتا کر قیامت تک کے لئے ایک مناسب اور عمدہ خوابگاہ تلاش کر رہی تھیں۔ بھائی جمعہ کا دن تھا جو کہ بہلوگوں کے لئے قیامت صغریٰ کا دن تھا پورا دن ہنستے کھیلتے گذرا۔ بعد مغرب حضرت والا معمولات سے فارغ ہو کر استنجے تشریف لے گئے اور وہاں سے واپس تشریف لا کر سامنے ہی ایک شیشہ تھا اس میں اپنا چہرہ دیکھنے لگے۔ اور ممتاز سے کہا کہ ممتاز دیکھو میری صحت کیسی ہے ؟

ممتاز نے کہا حضرت ماشاء اللہ بہت عمدہ صحت ہے۔ آپ ایسے ہیں اور آپ ایسے ہیں۔ اس پر فرمایا کہ ہاں جی۔ صحیح کہتے ہو۔ وہاں بمبئی میں ایک صاحب کہتے تھے کہ آپ کے چہرہ پر کچھ کلال و ملال کا اثر ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس کے بعد پوری قوت سے ممتاز احمد کا سر ہلایا اور اچھی طرح ہلایا۔ اسی اثناء میں جہاز کے ایک آدمی عبدالحمید صاحب کشمیری ملنے آ گئے۔ ان سے ملاقات کی اور مصافحہ کیا ان کو دعائیں دیں۔ جب تک کھانا بھی آ گیا۔ عبدالحمید صاحب جب ملکر کمرے سے باہر نکل آئے تو ممتاز احمد نے کہا حضرت کھانا رکھوں۔ حضرت والا نے فرمایا ہاں رکھو۔ یہ کہتے کہتے کچھ حالت بدل گئی اور عجیب و غریب ہو گئی۔ ان کا کہنا ہے کہ چہرہ سرخ آنکھیں سرخ ہو گئیں اور چڑھ گئیں۔ ممتاز جس انداز سے گردن اور سینہ تان کر بتاتے ہیں۔ وہ کیفیت نقوش میں بھلا کیسے آ سکتی ہے یوں سمجھئے گویا حضرت والا معشوقانہ انداز میں تن کر بیٹھ گئے۔ ممتاز نے یہ حالت دیکھ کر سمجھا کہ حضرت والا پر کوئی کیفیت طاری ہوئی ہے۔ اور گھبرا کر کمرے سے باہر نکلا۔ دروازہ ہی پر عزیزم ارشاد احمد سے ملاقات ہو گئی۔ اس سے کہا کہ بھائی آج تم کھانا کھلاؤ۔ حضرت کسی کیفیت میں ہیں مجھے ڈر معلوم ہوتا ہے۔ ارشاد میاں نے دروازہ کھول کر دیکھا تو وہ یہ حالت دیکھ کر ڈر گئے۔ سمجھا کہ بہت جلال میں ہیں اسلئے ممتاز احمد سے کہا کہ بھائی تمھیں کھلاؤ۔ خیر ممتاز اندر گئے اور حضرت والا کو پکڑ کر کہا کہ حضرت حضرت۔ حضرت والا کچھ بولے نہیں غالباً زبان بند ہو چکی تھی۔

عزیزم! کیا کہوں جتنا بھی روؤں کم ہے اور جس قدر بھی لکھوں تھوڑا ہے۔ اس دن اتفاق سے آٹھ، نو، دن کے بعد مجھے خیال ہوا تھا کہ اتنے دنوں سے معمولات بعد مغرب کے ترک ہو رہے ہیں۔ اب اس مقدس سرزمین میں پہونچنے کے دن بھی قریب آ رہے ہیں۔ تین دن ہو گیا۔ پانچ یا

چھ روز اور باقی ہیں۔ خدارا معمولات شروع کردوں۔ اطمینان وسکون بھی ہوگیا۔ یوں ہم سبھی لوگ کمرہ ہی کے ارد گرد رہتے سہتے تھے جن لوگوں کی مثلاً جامی صاحب وغیرہ کی سیٹیں نیچے درجہ کی تھیں وہ کھانا کے وقت چلے جاتے تھے۔ وہ سب لوگ اس دن بھی کھانا کھانے چلے گئے اور میں پانچ چھ کمرہ کے بعد ایک ہال تھا وہاں پڑھنے لگا۔ برادر! اللہ اللہ کی دو تین تسبیحیں پڑھنے کے بعد طبیعت گھبرانے لگی۔ اور بار بار تقاضا ہوتا تھا کہ چلو چلو۔ مگر مجھے خیال ہوتا تھا کہ چونکہ اتنے دنوں سے پڑھ نہیں رہا ہوں اسلئے نفس کو شاق گذر رہا ہے۔ لہذا اب تو اور پڑھنا چاہیئے اسی کشمکش میں تھا کہ ممتاز احمد تیزی سے آئے اور کہا حضرت کی طبیعت معلوم نہیں کیسی ہے کچھ خراب معلوم ہوتی ہے۔ میں فوراً ہی اٹھا اور دوڑا ہوا گیا۔ اور دل دل میں خیال کرتا جاتا تھا کہ ریاح وغیرہ کا کچھ غلبہ ہوگیا ہوگا۔ ٹھیک ہو جائیں گے۔ جب اندر داخل ہوا ہوں تو حضرت نے ایک نظر مجھ پر ڈالی اور لب پر لب سلے ہوئے تھے بالکل خاموش۔ بھائی! وہ نظر نہیں بھولتی۔ وہ نظر کیسی تھی۔ وہ نگاہ کیسی تھی۔ نہ اس کی مثال دے سکتا ہوں اور نہ اس کی تعبیر ہی تحریر میں لا سکتا ہوں۔ اور چہرہ دیکھا حضرت کا سفید چمکدار۔ پسینے پسینے۔ اور بایاں ہاتھ اوپر بے اختیار حرکت میں۔ میں نے جاتے ہی اپنے ہاتھ سے حضرت کے ہاتھ کو گٹوں سے کہنیوں تک مس کیا پسینہ سے تر پایا۔ دیکھ کر گھبرا گیا، اور سمجھ گیا کہ یہ معاملہ صرف ریاحی نہیں بلکہ کچھ اور ہی ہے۔ اور ہماری خرابی کا وقت آگیا ہے۔ میں فوراً کمرہ سے باہر نکلا کہ ڈاکٹر صاحب اور لوگوں کو بلا لاؤں اور تنہا ممتاز حضرت کو پکڑے ہوئے تھے۔ کاش کہ کوئی اپنا آدمی مل گیا ہوتا تو میں اس سے کہہ کر فوراً حضرت کے پاس چلا آتا تو شاید کچھ بولے ہوتے کچھ کہتے مگر سب لوگ نیچے جا چکے تھے۔ میں نے محمودہ کو لیا کہ بیٹی چلو نیچے جہاں لوگ رہتے ہیں اس کا راستہ دکھاؤ میں بھول جاؤنگا۔ وہ کبھی آگے ہوتی اور میں پیچھے رہتا اور کبھی وہ پیچھے رہ جاتی اور میں آگے نکل جاتا۔ خیر پہونچا۔ بیچارے جامی صاحب ڈاکٹر صاحب وغیرہ کھانا لیکر بیٹھے تھے کوئی ہاتھ دھو رہا تھا اور کوئی دھو چکا تھا۔ صرف اتنا کہہ کر کہ بھائی جلدی چلو حضرت کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ فوراً بھاگا ہوا آگیا عزیزم! اس واقعہ کے لکھنے اور پڑھنے میں دیر لگ رہی ہے ورنہ یوں میرا آنا جانا پانچ، چھ منٹ کے اندر اندر ہوگیا۔ اور جب وہاں سے واپس آیا ہوں تو وہ کیفیت بھی بدل چکی

تھی۔ حالت سرعت سے غیر ہوتی گئی۔ خیر سب لوگ جمع ہو گئے۔ جہاز کے دو ڈاکٹر بلائے گئے ان لوگوں نے انجکشن لگایا۔ قے پر قے ہو رہی تھی۔ لوگ کہہ رہے تھے کہ قے کا ہو جانا اچھا ہے طبیعت ٹھیک ہو جائے گی اور اس کے ساتھ تشویش کا بھی اظہار کرتے جاتے تھے۔ بھائی ذکی وغیرہ سے میں نے کہا کہ حضرت والا کو اب لٹا دو، ذکی بھائی وغیرہ نے یہ کہہ کر کہ حضرت لیٹ جائیے لٹا دیا مگر حضرت والا اس عالم میں تھے ہی نہیں کسی اور عالم میں تھے۔ بھائی! وہ عالم کیا تھا اسکو کیا لکھوں وہ یہ تھا کہ ایک عالم ربانی اس دار فانی سے رحلت کر رہا تھا۔ اور ہم لوگ مجبور و معذور صرف جہاز کے دو ڈاکٹروں پر اکتفا کئے ہوئے اپنی حسرت بھری آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کس کے پاس جائیں اور دل کی بھڑاس کیسے مٹائیں دوڑ کر کہاں جائیں ایک محدود جگہ میں محبوس اور خدا پر بھروسہ تھا۔ انجکشن وغیرہ سے نبض کچھ قوی ہونے لگی، اور ہاتھ و پیر کی رگیں کچھ پھڑکنے لگیں۔ اس پر لوگوں نے کہا کہ اب حالت بہتر ہے۔ خیر اطمینان کیا ہوتا مگر انسانی فطرت ہی کچھ ایسی ہے کہ لوگوں کے بہلانے میں آ ہی جاتا ہے پھر گیارہ۔ پونے بارہ بجے شب میں ایک ہچکی لی، کلمہ پڑھا اور اللہ کے پیارے ہو گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

بیشک جو کہی وہ سچی کہی، اللہ نے قبول فرمائی اس وقت فوراً ارشاد سے میں نے کہا کہ کمرہ سے باہر کھڑکی کی طرف عورتیں ہیں اس طرف تم فوراً چلے جاؤ، حضرت کا وصال ہو گیا۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی بے خبری میں سمندر میں کود جائے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ ہی نے عورتوں کو صبر و استقلال عطا فرمایا۔ اور سنبھالا۔ اور یہ بھی حضرت ہی کی کرامت ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ بیٹیاں بھی کس باپ کی ہیں اور ٹکڑے کس جگر کی ہیں۔ صبر و توکل کا سبق بھی حضرت نے ایسا پڑھایا ہے کہ ان لوگوں کے رگ و ریشہ میں سرایت کئے ہوئے ہے اور قضاء و قدر پر رضا تو ان لوگوں کی خو بنا کر حضرت گئے ہیں۔ ماشاء اللہ مکرمی جناب حکیم مسعود احمد صاحب اجمیری نے اس کا اظہار اپنے تعزیت نامہ میں کیا خوب فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں کہ:۔

شیروں جیسا دل اور خیر القرون جیسا ایمان رکھنے والی صاحبزادیوں کی خدمت میں بندہ محمد مسعود عرض گذار ہے کہ اللہ تعالیٰ سے آپ سب لوگوں کی حاضری کی مقبولیت دلوں کی

قوت اور دماغوں کی سلامتی کے لئے دست بدعا ہوں بلاشک وشبہ آپ نے وہ تکلیف اٹھائی ہے کہ شاید ہی پہلے اس کی کوئی نظیر ملے۔ یہ وہ مرحلہ ہے کہ پہاڑ پانی بن جائے۔ اور برف کھول جائے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا وہ شعر مجھے یاد آتا ہے ؎

صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبُ لَوْ اَنَّهَا   صُبَّتْ عَلَى الْاَيَّامِ صِرْنَ لَيَالِيَا

حضرت فاطمہؓ کے روحانی بچو! خدا تمہارے ساتھ ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر خصوصی تم پر ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

الغرض! یہ متبرک سایہ ہمارے سروں سے اٹھ گیا۔ ہم لوگ یتیم ہو گئے۔ ہمارا ہمدرد اور ہمارا غمخوار ہم سے دیکھتے دیکھتے رخصت ہو گیا۔ بھائی آن کی آن میں اپنے مشفق ومحسن کو ہم کھو بیٹھے۔ ہم بے بال وپر ہو گئے۔ اب بلندی پر پرواز کیا کریں گے۔ دین وایمان کو سلامت رکھ لیں یہی بہت ہے۔ آہ! آہ! اپنے اس ایاز کو نوازنے والا محمود اس دار فانی سے دار بقا کو کوچ کر گیا۔ اس ناکارہ کو شرف امامت اور گوناگوں نوازشوں سے نوازنے والا ہم سے جدا ہو گیا۔ بھائی! جسقدر بھی غم والم منایا جائے کم ہے۔ جس قدر بھی خون کے آنسو بہائیں تھوڑا ہے۔ بلکہ جان بھی دے دی جائے تو وہ بھی کم ہے۔ ع

متاع جان جاناں جان دینے پر بھی سستی ہے

مگر حقیقت تو یہ ہے کہ سب بے سود ہے ؎

عرفی اگر بگریہ میسر شدے وصال
صد سال می تواں بہ تمنا گریستن

حضرت والا انگلیوں پر دنوں کو شمار فرماتے تھے کہ ابھی اتنے دن اور ہیں جدہ پہونچنے کیلئے بیتاب تھے۔ برادرم جلدی پہونچنے کی یہی صورت تھی جو پیش آئی۔ عزیزم! حضرت والا کے سینہ مبارک میں اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت ومحبت کا لبریز کاسہ رکھا تھا جس سے اللہ تعالیٰ کے بندوں کے مردہ قلوب زندہ ہوتے تھے، ایمان تروتازہ ہوتا تھا۔ بھائی۔ حضرت والا پر کیسے کیسے حوادث آئے اور اور کیسے کیسے امراض مہلکہ کا حملہ ہوا مگر صحت اور جان بری ہوتی گئی۔ قضا وقدر اسی دن کی منتظر تھی کہ جب قافلہ ملک کی طرف روانہ ہو تو ہم اسکے امیر اور اپنی وا اسرار کے امین کو اپنے پاس یہ کہہ کر بلالیں کہ: اِنَّكَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ

از بندہ محمد مبین عفی عنہ
مدینہ منورہ
۳ر ذی تعدہ ۱۳۸۷ھ

برادرم مولوی قمر الزماں و نور الہدیٰ سلمہم اللہ تعالیٰ سلام مسنون

بھائی قسط اول بھیج چکا ہوں وہ خط ملا ہوگا۔ اب قسط ثانی میں میری درد بھری کہانی سنیئے ؂

بشنواز نے چوں حکایت می کند
از جدائیہا شکایت می کند

برادرم اب جبکہ ہم گھر واپس ہوں گے تو حضرت والا کے ان بقیہ نواسوں کو جو کہ ہندوستان میں ہیں اگر وہ اپنے جد امجد کو پوچھیں گے تو کیا جواب دیں گے ان کی دلجوئی کیسے کرینگے۔ ان کی اشک شوئی کس طرح ہوگی۔ پھر اگر اپنی قوم نے سوال کیا کہ وہ بے بہا ذات جو کہ ہمارے لئے نعمت عظمیٰ تھی وہ کہاں ہے؟ اور ہمارا وہ سید جو کہ ہمارا ہادی اور رشد و ہدایت کا بدر منیر تھا وہ کہاں ہے؟ اور وہ ذات جو ہماری قوم میں مثل نبی کے تھی جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے العالم فی قومہ کالنبی فی امتہ۔ وہ کیا ہوئی؟ تو اس کا کیا جواب دوں گا۔ اے بھائی اس کا جواب ہی کیا ہوسکتا ہے سوائے اس کے کہ فصبرٌ جمیل واللہ المستعان علی ما تصفون

برادرم اتفاق سے اسی دن ہم نے عورتوں سے کہا کہ چلو دیکھو آفتاب کس طرح غروب ہوتا ہے۔ اور اس کا منظر کیسا بھلا معلوم ہوتا ہے۔ لہذا ہم لوگوں نے بھی دیکھا اور عورتیں بھی دیکھ رہی تھیں مگر کیا معلوم تھا کہ آج ہی ہماری قسمت اور رشد و ہدایت کا آفتاب بھی اسی طرح دیکھتے دیکھتے غروب ہونے والا ہے۔

برادرم یہ آفتاب تو روزآنہ طلوع ہوتا ہے اور پھر غروب ہوتا ہے اور اسکے طلوع اور غروب کا سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا۔ مگر ہمارے رشد و ہدایت کا آفتاب طلوع نہیں ہوا

ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔

عزیزم! اب ہمارے اس آفتاب کا شفق احمر اس کے دو جگر پاروں (لڑکیاں) کا دل ہے اور اس کی شعائیں اس کا کلام ہے۔ چنانچہ حضرت والا نے اپنی کتابوں میں علامہ شعرانی کی کتاب الیواقیت سے اس کے متعلق نقل فرمایا ہے جس کا مختصر حصہ یہ ہے کہ فنابت عنھم رسائلھم بعد موتھم فی نصح المریدین اور اس کی تابش ہم لوگوں کے دل کی آہیں ہیں۔ خیر اس کے بعد اس کی فکر ہوئی کہ اب کیا کیا جائے واپسی ممکن نہیں اور نہ مناسب ہی ہے اور ہم سب کے دلوں میں محبت کا شدید تقاضا ہوا کہ کاش حضرت والا کا کہیں مزار ہوجاتا اور ان کی کچھ نشانی قائم ہوجاتی تو ہم لوگوں میں سے یا حضرت والا کے اور دیگر متوسلین و متعلقین میں سے کوئی بھی تو زندگی میں کبھی کبھی اس علامت کے سامنے کھڑا ہوجایا کرتا۔ اس جذبہ کے ماتحت فکر ہوئی کہ جسد مبارک کو مدینہ شریف یا مکہ شریف کسی صورت سے پہونچایا جائے۔

عزیزم! سنا ہے کہ اس پر ہمارے بعض محسنوں نے ہندوستان میں چہ می گوئیاں بھی کی ہیں افسوس کہ انھوں نے ہمارے جذبات کو نہیں دیکھا اور ان لوگوں نے اس کا خیال نہیں کیا کہ ہماری اس مہتم بالشان ذات سے کیا نسبت اور کیا تعلق ہے۔ اور افسوس کہ ان لوگوں نے یہ نہیں سوچا کہ ہم پر غم والم کا کیسا پہاڑ ٹوٹا ہے۔ افسوس کہ ان لوگوں نے ہم پر ترس نہیں کھایا کہ ان لوگوں کی متاع دین ودنیا کس طرح دیکھتے دیکھتے لٹ گئی۔ غیروں سے تو شکایت نہیں وہ غیر ہی ٹھہرے ان لوگوں سے اسکے خلاف کی توقع ہی نہیں۔ مگر اپنوں سے شکایت ہے کہ ان لوگوں نے بھی نہیں چھوڑا اور ان کے دلوں میں رحم نہیں آیا۔

خیر اسی جذبہ کے ماتحت حاجی سلیمان میمن بمبئی والے کی۔ اسی سلسلہ میں ایک بات حضرت کی نقل کردینا مناسب سمجھتا ہوں جو کہ حضرت والا نے جہاز پر ان سے فرمایا تھا۔ ایک روز فرمایا کہ حاجی صاحب تمہارا تو انتظام بہت اچھا ہے۔ کھانا بہت اچھا ملتا ہے۔ میں آپ سے بہت خوش ہوں۔ پھر دوسرے روز حضرت والا نے ان سے فرمایا کہ بھائی آپ تو میرے امیر ہیں۔ اسلئے فرمایا کہ یہ امیر حجاج منتخب کئے گئے تھے۔ اس پر حاجی سلیمان صاحب نے کہا کہ حضرت میں تو آپ کی جوتیاں سیدھی کرنے والے خادموں میں سے ہوں۔ اس پر حضرت نے فرمایا نہیں بھائی۔ سید القوم

خادمہم۔ اور اس کے بعد حضرت والا نے یہ حدیث بھی پڑھی کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ۔ ماشاء اللہ تعالیٰ حاجی صاحب نے لوگوں کی خوب خدمت کی کتنے لوگوں کے بگڑے ہوئے کام کو بنادیا لوگ ان سے بہت خوش تھے اور ان کو دعائیں دیتے تھے۔ بہرحال حاجی سلیمان صاحب اور زکی بھائی دونوں آدمی پرسر (جو کہ جہاز کا ایک افسر ہوتا ہے) اسکے پاس گئے اور حضرت والا کے سانحہ کی خبردی اور اس سے دریافت کیا کہ کیا جائے۔ اس نے کہا کہ جہاز کے قاعدہ کے مطابق لاش کو سمندر کے حوالہ کردینا ہوگا۔ پھر ان لوگوں نے اس سے کہا کہ اگر میرے ماں باپ ہوتے یا عزیز ہوتے تو ہم لوگوں کو اس پر عمل کرنے میں ذرا بھی تامل نہ ہوتا۔ لیکن حضرت والا کی ذات اس سے کہیں اعلیٰ وارفع ہے۔ یہ لاش صرف ہندوستان ہی کی نہیں بلکہ سارے مسلم ممالک کی امانت ہے اور ہر جگہ ان کے ماننے والے ہیں خواہ امریکہ ہو خواہ انگلینڈ۔ ایسی صورت میں وہ لوگ ہم لوگوں سے دریافت کریں گے کہ تم لوگوں نے یہ کیا کیا کہ حضرت کو سمندر کے حوالہ کردیا۔ کم ازکم جدہ تک لانے کی کوشش کی ہوتی۔ تاکہ ان کی نشانی ہوجاتی۔ اس گفتگو کا اس کے اوپر اثر ہوا۔ اس نے کہا کہ میں کپتان سے ملکر آتا ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس آیا اور کہا کہ کپتان راضی نہیں ہوتا ہے پھر ان لوگوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ بمبئی اور جدہ تار کے ذریعہ اطلاع کرنی چاہیئے۔ پھر ہم لوگوں کو بھی جمع کرکے مشورہ کیا۔ اور مشورہ میں یہ بات طے ہوئی کہ ضرور تار کے ذریعہ اطلاع دینی چاہیئے لہٰذا جدہ قدوائی صاحب سفیر ہند اور بمبئی میں عبدالستار صاحب کو تار دے دیا۔ پھر دوبارہ ۶ بجے زکی بھائی اور حاجی سلیمان صاحب اور ایک عبدالحکیم صاحب کپتان سے ملنے گئے اور اس سے تفصیلی گفتگو کی جو کہ اس سے قبل جہاز کے دوسرے افسروں سے ہوچکی تھی۔

کپتان نے کہا کہ میرے پاس برف کی کمی ہے اس کو معلوم کرلوں تو قطعی فیصلہ کروں آپ لوگ ۷ یا ۸ بجے ملئے۔ دوبارہ پھر وقت مقررہ پر میں بھی ان لوگوں کے ساتھ گیا۔ کپتان نے کہا کہ برف تو کم ہے لیکن پھر بھی ہم کوشش کرینگے کہ جہاں تک لیجا سکتے ہیں لے جائیں اور اس درمیان میں برف بنانے کی بھی کوشش کرینگے۔ آپ لوگ حضرت کی لاش تیار رکھئے تاکہ سامان سب ٹھیک ہوجانے کے بعد ان کو ایک مخصوص بکس میں رکھدیا جائے۔ آہ! آہ! جو ذات کہ کیسی کھلی فضا میں رہنے والی تھی اور کیسے اور کس طرح رہتی تھی۔ اسکو آج ایک مخصوص برفیلے بکس میں رکھنے کی تیاری

کی جارہی ہے۔

لہذا ہم رفقاء اور عورتیں جمع تو تھے ہی کرنا ہی کیا تھا۔ جب لیجانے کا وقت قریب آ گیا تو میں نے عورتوں سے کہا کہ بھائی حضرت والا سے یہ آخری ملاقات ہے اور اس چہرہ کا آخری دیدار ہے تم سب لوگ دیکھ لو۔ چنانچہ ہماری عورتوں نے بہت ہی صبر و استقلال سے کام لیا اور سبھوں نے اپنے اپنے دل پر پتھر رکھ کر۔ السلام علیکم اے ابا، السلام علیکم اے ابا۔ السلام علیکم اے نانا، السلام علیکم اے نانا، کہہ کر رخصت کیا۔ ہماری بیوہ ماں نے کہا کہ آپ ہی پر تو ہمیں تکیہ تھا آج آپ نے بھی ہمارا ساتھ چھوڑ دیا۔

جہاز پر کنارے آخری حصہ میں اپنے کمرہ کے سامنے ہی ایک اونچی جگہ تھی الگ تھلگ اسی پر ایک لوہے کے بکس میں ۱۰½ بجے برف کے ساتھ اسی کپڑے میں جو کہ پہلے ہی سے حضرت والا پہنے تھے لٹا دیا گیا۔ حضرت والا کے دونوں ہاتھوں کی تین انگلیاں بند تھیں اور کلمہ شہادت کی انگلی کھلی کھڑی کچھ جھکی اور اس کے دوسرے پور پر انگوٹھا ٹکا ہوا قریب قریب اس کیفیت میں تھی جو کیفیت کہ بعد تشہد کے ہوتی ہے اور اوپر سے بادامی چادر سلک کی ڈال دی گئی لٹانے کے بعد میں نے سوچا کہ اب معلوم نہیں کیا ہو۔ اور کیسا وقت آوے، زندگی میں تو کبھی ہاتھ کو بھی بوسہ دینے کی جرأت و ہمت نہ ہوئی تھی۔ اب یہ آخری ملاقات ہے اس دار فانی سے چلتے چلاتے وقت تو حضرت کی پیشانی کو بوسہ دے لوں۔ لہذا چادر کے اوپر سے پیشانی پر بوسہ دینے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت آرام سے بادامی چادر اوڑھے ہوئے سوتے رہے اس وقت حضرت خسرو کا یہ شعر یاد آیا ؎

گوری سوئے سیج پر مکھ پر ڈالے کیس
ہو گئی سنجھیا خسرو اب چل اپنے دیس

برادرم! اسی اثناء میں ایک روز میں نے اپنی بچیوں اور عورتوں سے کہا کہ دیکھو بھائی جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا۔ یہ چیز سب کے ساتھ پیش آنے والی ہے ؎

آنے والی کس سے ٹالی جائے گی
جان ٹھہری جانے والی جائے گی

حتیٰ کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ رحمۃ اللعالمین تھے ان کے ساتھ بھی یہ چیز پیش آئی۔
اس کے علاوہ ایک بات اور سنو! یہ دنیا فانی ہے اور اسکی ہر چیز فانی ہے اور اس دار فانی میں رہنے
والوں کے نہ تو دوستی کا بھروسہ ہے اور نہ ان کی محبت اور ہمدردی کا اعتبار ہے۔ معلوم نہیں کب
کیا ہو جائے۔ یہ صحیح ہے کہ حضرت والا کے احسانات ہم پر بہت ہیں بے شمار ہیں۔ ہم ان کے احسانات
زندگی بھر بھول نہیں سکتے۔ مگر دیکھو ہم سے جدا ہوئے تو کس جگہ جدا ہوئے اور ہمارا ساتھ چھوڑا تو کہاں
چھوڑا۔ اور سنو! جو کچھ ہوا ہے منجانب اللہ ہوا ہے اور ہم لوگوں کو اس سے عبرت حاصل کرنے کے
لئے ہوا ہے۔ اور ہمکو اس واقعہ سے تنبیہ کی گئی ہے کہ رزق کی طرف سے مرض و صحت کی جانب سے
آرام و تکلیف کی طرف سے سارا بھروسہ اور سارا اعتماد تم نے انھیں پر کر لیا تھا۔ اب بتاؤ اس وقت تم
سمندر کے لہروں میں ہچکولے کھا رہے ہو اور مدد اور امداد کے ہر قسم کے اسباب و ذرائع تم سے منقطع
ہو چکے ہیں اور جن پر تم کو تکیہ تھا وہ دیکھو بغیر روح و جان کے مجبور اور تم سے الگ تھلگ وہاں
سو رہا ہے۔ اب تم کیا کرو گے اب تم کو کون کھلائیگا پلائیگا۔ تمہاری کون مدد کرے گا اور ساحل تک
تم کو کون پہونچائیگا؟ بیشک اللہ تعالیٰ ہی ہمارا اور سب کا کارساز ہے اور وہی اپنے بندوں کی
پرورش کرنے والا ہے اور اپنے بندوں کی مصلحتوں کو خوب جانتا ہے اور وہی ہمارا حامی و مددگار ہے
لہٰذا ہمکو اور تم سبؔ لوگوں کو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہیئے اور اسکی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جانا چاہیئے
اور اللہ تعالیٰ سے اپنے تعلق و رشتہ کو مضبوط کرنا چاہیئے۔

عزیزم! اکثر حضرت والا فرماتے تھے کہ میں تو حج کر چکا ہوں میرا فرض ادا ہو چکا ہے تم
لوگ چلے جاؤ مگر ہم لوگ کہتے تھے کہ نہیں حضرت آپ بھی ساتھ تشریف لے چلیں آپ کو چھوڑ کر
ہملوگ نہیں جا سکتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت والا ہملوگوں کو صرف پہنچانے ہی آئے تھے۔ ۲۴ نومبر
تک تو جسم و روح دونوں کے ساتھ ہملوگوں کے ساتھ رہے۔ اس کے بعد جسم سے روح تو پرواز
کر گئی۔ ھٰذا فراق بینی بینک کہہ کر ہم سے رخصت ہوئے راستہ پر لگا دیا کہ اب چلے جاؤ
چوتھے دن عدن پہنچ جاؤ گے اور اس کے بعد جدہ دو روز کا راستہ ہے۔ مگر اللہ تعالےٰ نے کچھ ایسے
اسباب پیدا فرما دیئے کہ حضرت کے شفقت و محبت والے بے روح مجسمہ نے ۲۴ تاریخ کے بعد سے
ساحل جدہ تک پہونچایا۔ الکریم اذا وعد وفیٰ۔ بھائی اس جسم بے روح کی وجہ سے ایسی

تقویت تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا حضرت والا ساتھ ہی ساتھ چل رہے ہیں اور وہاں موجود ہیں۔
روزآنہ ڈاکٹر جسم کا معائنہ کرنے جاتا تھا اس سلسلہ میں ہملوگوں کو بھی زیارت نصیب ہوتی تھی۔ بھائی! اگر اسی دن تدفین ہوجاتی تو ہملوگ تو خیر برداشت کرجاتے مگر ممکن تھا کہ حضرت کی دو بچیوں کے ہاتھ سے صبر و استقلال کا دامن چھوٹ جاتا۔ یہ بھی اللہ تعالی کی بہت بڑی مصلحت تھی اور وہ جو کچھ کرتا ہے اپنے بندوں کے حق میں بہتر کرتا ہے۔ عزیزم وہ بھی ایک وقت تھا کہ ہملوگ ایک بحری قفس میں محبوس پھڑ پھڑا رہے تھے نہ تو کوئی سہارا تھا اور نہ کوئی ٹھکانا تھا۔ جو کچھ کہنا اور سننا ہوتا اللہ تعالے ہی سے کہتے اور انھیں سے فریاد کرتے تھے اور اب بھی اللہ تعالے ہی کا سہارا ہے۔ اور انھیں کے فضل و کرم پر بھروسہ ہے۔ بھائی! اب ہمارا دنیا میں کون ہے۔ ہمیں درد ہے۔ مگر دردی نہیں کس سے اپنا درد کہیں۔ ہمیں غم ہے افسوس ہمارا غمخوار نہیں اپنا غم کس کو سنائیں۔ کوئی سننے والا نہیں۔ اے بھائی معلوم نہیں یکایک یہ کیا ہوگیا کہ وہ ہمارا محسن مربی ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہوگیا۔ اب کہاں ملے گا۔
برادر! ایک مدت سے حضرت والا کے ساتھ رہتے رہتے ان کی شفقت و محبت نے طبیعت کو ایک مذاق کا عادی بنادیا ہے۔ اب بار بار طبیعت اسی شفقت و محبت کو ڈھونڈھتی ہے۔ آنکھیں وہ شفقت و محبت دیکھنے کو ترستی ہیں اور یہ دونوں کان اس پیار و محبت کے الفاظ مولوی مکین یا قاری صاحب نہیں سن سکتے۔ بھائی نہ کسی نے اس محبت و پیار سے بلایا اور نہ کسی نے اس شفقت سے اپنے پاس بٹھایا۔ قدم قدم پر دل پر چوٹ لگتی ہے۔ اور زخم تازہ ہوا کرتا ہے۔ اتنے دنوں تک کبھی حضرت سے جدائی بھی نہیں ہوئی تھی کبھی کبھی ملاقات کرنے کا تقاضا شدید ہوتا ہے اور بس اس وقت جو گذرتی ہے اسکو کیا لکھوں۔
برادر اپنا جسم مثل گھڑی کے ہے اور دل اس کا گھنٹہ ہے۔ بس رہ رہ کر ایک چوٹ ان کی جدائی کی دل پر لگا کرتی ہے اور دل بیقرار ہوجاتا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ کہیں بھاگ جائیں۔ اب یہ شعر پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔

اتنا پیغام درد کا کہنا — جب صبا کوئے یار میں گذرے
کون سی رات آپ آوینگے — دن بہت انتظار میں گذرے

برادر! اکثر مجلس میں فرماتے نہیں مانو گے تو اٹھوں گا اور جوتہ پہنوں گا اور چل دوں گا۔ پھر تم لوگ مجھ کو پاؤ گے نہیں۔ بھائی ویسا ہی ہوا۔ اس طرح اس دنیا سے آناً فاناً گئے ہیں کہ گویا چپکے سے اٹھے ہوں اور کہیں چلدیئے ہوں۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے اور ان کا فضل ہے کہ ہم سب لوگوں سے خوش خوش گئے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ حضرت والا کی تعلیمات پر عمل کی توفیق عطا فرمائے تاکہ حضرت کی روح بھی خوش رہے۔ آمین

اب اس کے بعد کیا ہوا اسکو سنو! بمبئی سے ۶ بجے شام کو تار کا جواب آیا کہ آپ لوگ حضرت والا رح کی لاش کو جدہ تک لیجانیکی کوشش کریں۔ ہم مغل لائن کے منیجر سے کوشش کر رہے ہیں کہ وہ جہاز کے کپتان کو تار دیں کہ وہ جدہ تک لے جائیں اور جدہ سے دوسرے دن قدوائی صاحب کا تار آیا کہ ۲۶ر نومبر ۷۶ء کو آپ لوگ حضرت والا کے جسد مبارک کو جدہ لائیں، میں سعودی حکومت سے کوشش کر رہا ہوں کہ وہ مدینہ منورہ میں تدفین کی اجازت دیدے۔ دو دن گذرنے کے بعد ۲۸ر نومبر ۷۶ء کو زکی بھائی نے دوبارہ تار دیا کہ سعودی حکومت نے اجازت دی یا نہیں؟ اس کا جواب دیں۔ ۲۹ر نومبر ۷۶ء کو کپتان نے بھی اسی مضمون کا تار قدوائی صاحب سفیر ہند کو دیا۔ لیکن مشیت الٰہی کچھ ایسی تھی کہ ۲۹ر نومبر ۷۶ء کو دس بجے رات تک کوئی اطلاع جدہ سے نہیں آئی۔ تو اس نے ہم لوگوں کو بلایا اور کہا کہ ابتک کوئی اطلاع نہیں آئی اور بغیر اجازت کے لاش کو گودی کے اندر لیجانا قانوناً جرم ہے۔ وہاں کی حکومت تمام مسافرین کا قرنطینہ کر سکتی ہے اور جہاز کے اوپر جرمانہ کر سکتی ہے۔ اب کیا کریں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

تھوڑی دیر خاموشی رہی۔ پھر اللہ تعالےٰ نے اس کے دل میں رحم ڈالدیا اور اس نے کہا کہ ایک موقعہ اور ہے وہ یہ کہ صبح ۶ بجے کے قریب جہاز جدہ پہنچ جائیگا اس وقت وہاں کا پائیلٹ آئے گا ممکن ہے کہ اسکی معرفت کوئی اطلاع آئے۔ لہٰذا وہاں تک لے چلتے ہیں لیکن آپ لوگ بالکل تیار رہیں اگر اسکی معرفت کوئی اطلاع نہیں آئی تو ہم جہاز کو واپس سمندر میں گہرائی کی جگہ لائیں گے اور آدھ گھنٹہ کا موقع مل سکتا ہے۔ اس درمیان میں آپ لوگ تجہیز و تکفین کرلیں۔ ہم لوگ اس پر مجبوراً راضی ہوگئے اور شب ہی میں کفن وغیرہ سب تیار کرلیا گیا کہ دیکھئے صبح کیا ہوتا ہے۔ آخر صبح ہوئی اور پائیلٹ صاحب بھی تشریف لائے ان سے دریافت

کیا گیا تو انھوں نے کہا کہ صرف اتنی خبر ہے کہ جہاز پر ایک لاش ہے اب اسکے متعلق حکومت
نے اجازت دی یا نہیں اسکے متعلق کوئی اطلاع نہیں۔
کپتان نے پھر ہملوگوں کو بلوایا۔ اور اس لاعلمی کے متعلق اطلاع دی اور کہا کہ ایک
موقع اور ہم دیتے ہیں وہ یہ کہ جہاز کو کنارے تک لیجاتے ہیں۔ ممکن ہے کہ وہاں اطلاع آگئی ہو
تو پھر لاش کو کنارے پر اُتار دیا جائیگا اور اگر نہ آئی ہوگی تو پھر آپ سب لوگ اتر جائیں گے، اور
لاش کا تمام کام تجہیز و تکفین کا جہاز کے عملہ کے مسلمان انجام دینگے۔ پھر آپ لوگوں سے مطلب
نہیں۔ اسکو سوچ لیجئے۔ اگر اس پر ان کے اعزا اور آپ لوگ راضی ہوں تو پھر جہاز لے چلوں۔
پھر ہملوگوں نے کہا کہ ہملوگ خود اپنے ہاتھوں غسل اور تجہیز و تکفین کر دیں اور نماز جنازہ پڑھ لیں
اسکے بعد پھر مجبوراً چھوڑ دینگے اس پر وہ راضی نہیں ہوا۔ پھر ہم سب لوگوں نے آپس میں مشورہ
کیا کہ اب کیا کیا جائے۔ اگر لوگ بندرگاہ پر ہونگے تو خیر اور اگر خدانخواستہ نہ ہوں تو پھر ہم لوگ
حضرت کو جہاز کے عملہ کے حوالے کیسے کر دینگے۔ بھائی اس پر کسی طرح طبیعت راضی ہی نہ ہوئی
بھائی بھلا کیسے اور کس دل سے حضرت والا کو جہاز کے عملہ کے حوالہ کر دیتے۔ لہٰذا مجبوراً
حضرت والا کو خلوت سے جلوت میں لایا گیا اور غسل و کفن سے حضرت آراستہ کئے گئے اور کافور و
عطر ملنے کے بعد وہاں سے نیچے اُتار کر کشادہ جگہ لائے گئے۔ جہاز کے مسافر ایک پر ایک گرے
جاتے تھے۔ اس درمیان میں جہاز بھی کچھ گہرائی میں واپس آیا۔ خیر میں نے نماز پڑھائی۔
برادرم! حضرت والا نے اس نالائق کو شرف امامت سے نوازا تھا۔ یہ جلیل القدر ہستی
مجھ کو آگے بڑھاتی اور خود پیچھے ہو لیتی۔ اللہ اللہ۔ کیا تواضع و مسکنت تھی ؎

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح تیری مہربانی

مگر یہ آخری نماز ایسی تھی کہ حضرت والا آگے لیٹے تھے اور میں سینۂ مبارک کے
سامنے کھڑا رہا۔ اور چار تکبیریں کہیں۔ بعد نماز لوگ اس طرح لے گئے کہ پتہ نہ چلا کہ کہاں لیگئے
نفسی نفسی کا عالم تھا کوئی کہیں کوئی کہیں۔ پھر ہر شخص ایک دوسرے سے بے خبر اپنی اپنی فکر
میں اور اپنے اپنے رنج و غم میں۔ پھر معلوم ہوا کہ جنازہ نیچے گیا اور وہاں بدن کے تین حصہ پر

سمنٹ کی خوب وزنی تین پٹیہ باندھی گئی اور ایک لکڑی کے بکس میں جسد مبارک کو رکھا گیا اور میں ادھر اُدھر دوڑتا رہا کہ کونسی جگہ جاؤں کہ تدفین کو دیکھ سکوں۔ خیر ایک شخص نے بتایا کہ وہاں جاؤ وہاں سے دیکھ سکوگے۔ لہذا برخورداران احمد متین اور احمد مکین کو ساتھ لیا اور بمشکل تمام ایک جگہ کھڑا ہوسکا پھر دیکھتا کیا ہوں کہ ایک لکڑی کا بکس آہستہ آہستہ لٹکایا جارہا ہے۔ یہاں تک کہ پانی کی سطح تک پہونچ گیا۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ اس بکس کو ہلایا جارہا ہے چند منٹ کے بعد حضرت کا جسد مبارک زبان حال سے یہ کہتا ہوا ؎

دریں دریائے بے پایاں دریں طوفان موج افزا
سر انگندیم بسم اللہ مجریہا و مرسٰہا

پانی پر آگیا اور سمندر نے فوراً ہی اپنی گود میں لے لیا۔ اور کچھ دور تک چمکتا ہوا جاتا نظر آتا رہا۔

عزیزم! بہت تیزی سے معلوم نہیں حضرت کہاں جارہے تھے اور چلے گئے پھر نظر نہ آئے وہ بھی تسلی کا ایک ذریعہ ختم ہوگیا ؎

مسیحا بن کے بیماروں کو کس پر چھوڑے جاتے ہو
فقط اک دل کا ساغر تھا اسے بھی توڑے جاتے ہو

اور سب لوگ اپنی اپنی زبان حال سے کہہ رہے تھے ؎

سر و سیمینا بصحرا می روی — سخت بے مہری کہ بے ما می روی
اے تماشا گاہ عالم روئے تو — تو کجا بہر تماشا می روی

عزیزم! مفتی نظام الدین صاحب نے اپنے تعزیت نامہ میں لکھا ہے کہ قیام فتحپور کے ابتدائی دور میں حضرت والا یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

ہوئے ہم جو مر کے رسوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا
نہ کہیں جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

بھائی! حضرت والا کی یہ آرزو اور تمنا آج پوری ہوگئی۔ وہی ہوا جو وہ چاہتے تھے پھر اس دور میں اکثر و بیشتر اپنی مجلسوں میں یہ شعر پڑھتے تھے ؎

آنے والی کس سے ٹالی جائیگی — جان ٹھیری جانیوالی جائیگی

آہ آہ یا حسرتا یا ویلاہ اس کے بعد یہ بھی پڑھتے تھے اور معلوم نہیں کس دل سے پڑھتے تھے ؎

پھول کیا ڈالو گے تربت پر مری　　　　خاک بھی تم سے نہ ڈالی جائے گی

بھائی یہ جو کچھ حضرت والا فرماتے تھے منجانب اللہ فرماتے تھے ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود　　　　گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

چنانچہ ویسا ہی ہوا۔ پھول کیا ایک مٹھی خاک بھی ڈالنے سے محروم رہے۔ اتنی تمنا تھی کہ کہیں مزار ہوتا تو کبھی اس کے سامنے کھڑے ہو کر یہ کچھ تسلی حاصل کر لیتے۔ افسوس کہ یہ اپنی ساری تمنا پانی میں مل گئی۔ بھائی حضرت والا نے اپنے آپ کو فنا کر دیا تھا اور شروع ہی سے حضرت والا کو فنائیت محبوب تھی اسلئے اللہ تعالےٰ نے دو گز کے نشان کو بھی باقی رکھنا پسند نہیں کیا۔ بھائی حضرت والا ہمیشہ کھلی فضا کو پسند فرماتے تھے۔ اس لئے ان کی تدفین دو گز زمین میں کیسے ہوتی۔ لہٰذا سمندر کے ایک وسیع گہوارے میں حضرت والا سلائے گئے۔

برادر حضرت والا جماعت صوفیا کرام کے ایک انمول موتی تھے۔ چنانچہ حضرت کیلئے سمندر ہی صدف بن گیا اور بحر محبت میں غرق ہو گئے۔ عزیز من! حضرت والا اکثر یہ شعر بھی پڑھتے تھے اور ادھر دو برس سے تو حال ہی ہو گیا تھا کہ کہیں طبیعت حضرت کی لگتی نہیں تھی۔ کہیں چین و سکون جیسے ان کو ملتا ہی نہیں تھا۔ آخر کار ایک مرتبہ مجبور ہو کر بمبئی میں یا الہ آباد میں حضرت والا نے ہم لوگوں سے فرمایا کہ بھائی کیا کروں میرا تو یہ حال ہے ؎

باغ میں لگتا نہیں صحرا سے گھبراتا ہے دل
اب کہاں لیجا کے بیٹھیں ایسے دیوانے کو ہم

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول بندے کی آواز کو سن لیا اور آرزو کو پورا فرما دیا اور ایک تیسری جگہ ان کے لئے منتخب فرما دی۔ حضرت والا کی پوری زندگی ہی مخلوق خدا کی خدمت کیلئے وقف تھی قدرت نے اسی لئے بنایا ہی تھا۔ امت محمدیہ کی بھلائی کے لئے دن و رات ایک کئے رہتے تھے۔ اور ساری زندگی اس روئے زمین پر بسنے والی مخلوق مستفید ہوتی رہی۔ اس کے بعد اس کا یہ فیض عام بند کیوں ہوتا۔ ان کے تبلیغ و لطف اور کرم عام کا دسترخوان لپیٹ کیوں دیا جاتا۔ اور پانی میں رہنے والی مخلوق خدا کیوں نہ مستفید ہوتی۔ چنانچہ سمندر کی دعوت کو بھی شرف قبولیت سے

نوازا گیا۔ یا حسرتاہ و یا ویلاہ۔

بھائی یہ مربی و محسن چلتے چلاتے اپنے اس حال سے ہم سب کو ایک سبق دے گئے کہ اگر تم واصل الی اللہ ہونا چاہتے ہو تو اپنے آپ کو کسی شیخ کے حوالہ اس طرح کرو جیسے مردہ غاسل کے حوالہ ہوتا ہے اور مخلوق سے الگ تھلگ ایسے رہو جیسے کہ میں رہا۔ اور اخلاق رذیلہ سے اس طرح نکل جاؤ جیسے میں نے اپنے بدن سے کپڑوں کو الگ کر دیا۔ اور پھر اخلاص و طلب کی چادر میں اس طرح لپٹ جاؤ جس طرح میں کفن میں لپیٹا گیا اور پھر اسکے بعد دریائے محبت میں اس طرح ڈوب جاؤ کہ نہ تو ساحل پر پہونچنے کی تمنا ہو اور نہ کسی کنارے لگنے کی آرزو ؎

عبث ہے آرزو بحر محبت کے کناروں کی

بس اس میں ڈوب مرنا ہی ہے اے دل پار ہو جانا

اور اپنے آپ کو ایسا فنا کر دو کہ نہ تو کوئی نشان ہی باقی رہ جائے اور نہ کوئی علامت ہی۔

برادر! جب تدفین سے فراغت ہو گئی تو جہاز پھر آگے چلا اور کچھ دور آگے چل کر حسب دستور رک گیا۔ اس انتظار میں کہ جدہ گودی سے کوئی اسٹیمر آئے اور اسے کھینچ کر ساحل پر لگائے اسی انتظار میں دیکھا گیا کہ ایک کشتی بہت تیزی سے آرہی ہے اور اس پر کچھ لوگ بیٹھے ہیں دیکھتے دیکھتے وہ کشتی جہاز سے لگ گئی۔ اس پر قدوائی صاحب اور ان کے ایک اور رفیق۔ اور کچھ مزدور قسم کے لوگ تھے اس نوجوان شیروانی پوش رفیق نے کھڑے ہو کر زور زور سے آواز دیا کہ نعش لاؤ۔ نعش کہاں ہے نعش کہاں ہے۔ جہاز پر سے لوگوں نے جواب دیا کہ اسے تو دفن کر دیا گیا۔ یہ سنتے ہی وہ بیچارے بہت برہم ہوئے اور اپنا سر پیٹنے لگے کہ یہ کیا غضب ہوا۔ اس کے بعد زینہ جہاز سے لٹکایا گیا اور قدوائی صاحب اور ان کے رفیق زینہ سے جہاز پر سوار ہوئے اور کپتان سے ملاقات کی اور اس سے کچھ تیز تیز گفتگو بھی ہوئی۔ کپتان نے سارے قصے سنائے اور اپنا عذر بیان کیا۔ اب سوا صبر کے کر ہی کیا سکتے تھے۔ بس بار بار قدوائی صاحب اور ان کے ساتھی اپنا اپنا سر پیٹتے تھے اور افسوس کرتے تھے کہ بنا بنایا کام کیسے بگڑ گیا۔ ہم نے دو دو تار اجازت کے متعلق دیلہے۔ پھر قدوائی صاحب نے کپتان سے پوچھا کہ اچھا بتائیے غوطہ خوروں کے ذریعہ یا بذریعہ جال لاش برآمد ہو سکتی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ نہیں اب نہیں مل سکتی۔

پھر انھوں نے امیر الحج حاجی سلیمان صاحب کو بلایا اور ان سے حضرت والا کے متعلق دریافت کرنے لگے اور پھر بعد میں ہملوگوں کو بھی بلایا اور افسوس کرنے لگے کہ خدا کو جو منظور ہوتا ہے وہی ہوتا ہے اسی سے صبر ہوتا ہے اور صبر کرنا پڑتا ہے اور ان سے معلوم ہوا کہ کنارے پر کافی احباب مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ سے آئے ہوئے ہیں اور حضرت والا کے تدفین کا انتظام مکہ شریف میں ہو چکا ہے۔ ایمبولنس اور لاش لیجانے کیلئے صندوق اور متعدد گاڑیاں موجود ہیں۔

بہرحال ہملوگ کنارے پہونچ گئے۔ مولوی امجد اللہ صاحب پر نظر پڑی جو کہ زور زور سے چلا رہے تھے کہ احرام باندھ لو، باندھ لو، فوراً مکہ مکرمہ چلنا ہے۔ ہملوگوں نے جواب دیا کہ اب جلدی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب اطمینان سے چلیں گے کیونکہ جسکی وجہ سے جلدی تھی وہ ہستی ہی نہیں رہی اسکو ہملوگ سمندر کے حوالے کر چکے ہیں۔ یہ خبر جب ان لوگوں کو معلوم ہوئی تو کافی احباب افسوس کرتے ہوئے سر جھکائے واپس ہو گئے۔ بعض احباب نے حضرت والا کو دیکھا تک نہیں تھا۔ لہٰذا ان لوگوں کی تمنا تھی کہ زندگی میں نہیں دیکھا تھا تو بعد مرنے کے ہی سہی اس مقدس ذات کے دیدار سے مشرف ہو جائیں۔ لیکن ان بیچاروں کی یہ تمنا پوری نہ ہو سکی قدوائی صاحب اور مولوی امجد اللہ صاحب سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں نے ہمارے دونوں تار کا جواب دیا تھا جو کہ کسی وجہ سے ہملوگوں کو نہیں مل سکا۔ اس کی وجہ ایک یہ سمجھ میں آئی ہے کہ وہی دن عدن کی آزادی کا تھا اور وہاں پر لوگ اپنے آزادی کی مسرت میں بہ شکل خوشی ہمارے غم میں شریک تھے اس میں ان لوگوں سے لاپرواہی ہوئی اور تار کے جواب کو جہاز تک نہ بھیج سکے۔

خیر یوں تو ارادہ تھا کہ جدہ سے مکہ اور مدینہ تک کے سفر کو بھی تفصیل سے لکھوں گا مگر اب چونکہ حضرت والا کے متعلق باتیں ختم ہو گئیں اسلئے اب جی نہیں چاہتا کہ اپنے خط کو طول دوں۔ مگر خیال ہوتا ہے کہ کم از کم ہملوگوں کی حاضری حرمین شریفین میں بخیر و عافیت آپ لوگوں کے مطالعہ میں آجائے تو بہتر ہے۔ اسلئے بہت مختصر لکھتا ہوں کہ جدہ میں فود ولی صاحب کے مکان پر ہملوگوں کا ایک شب قیام رہا۔ اور چونکہ حضرت والا نے فرمایا تھا کہ ہملوگ جدہ میں احرام باندھیں گے اسلئے جمعہ کی صبح کو نہا دھو کر احرام باندھ کر مکہ شریف چلدیئے۔

مکہ شریف پہونچنے کے بعد معلم عبد القادر حنبلی کے مکان پر سامان وغیرہ رکھتے رکھتے جمعہ کی اذان ہوئی معلم کے ساتھ حرم شریف میں داخل ہوئے اور بعد نماز جمعہ معلم کے ذریعہ طواف قدوم اور سعی اور حلق کے بعد احرام کھل گیا۔ خانہ کعبہ کی زیارت کے بعد سارا غم جاتا رہا۔ بہت ہی سکون نصیب ہوا۔ حرم شریف سے باہر ہوتے تو حضرت والا کی جدائی ستاتی اور جب حرم شریف میں داخل ہوتے تو بہت ہی سکون ہوتا۔ برادر یہ بھی اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا ہم لوگوں پر انعام واکرام ہے۔ یوں تو ہونے والی بات ہوتی ہی مگر دیکھئے ہم لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کس طرح معاملہ کیا کہ ادھر آپ لوگوں کو دو برس سے حضرت والا سے جدا رہنے کا کس بہانہ سے عادی بنایا کہ اکثر بمبئی ہی حضرت والا رہنے لگے۔ مگر ہم لوگ ساتھ ساتھ رہتے تو ہم لوگوں کی دلجوئی کے لئے کیسے اسباب فراہم فرمائے کہ سفر حج میں حضرت والا کو اپنے یہاں بلانا تھا۔ بلا لیا۔ اور ہم لوگوں کو خانہ کعبہ اور گنبد خضرا کے سایۂ رحمت میں جگہ دیکر تسلی وتشفی دل کو دی۔ مکہ شریف کے دوران قیام میں معلوم ہوا کہ بمبئی کے ایک رئیس زین العلی رضا جن کے تعلقات امیر فیصل سے خود ہیں ان کا تار آیا تھا کہ حضرت والا کے تدفین کا انتظام مکہ مکرمہ میں ہو۔ اس پر امیر فیصل والی سعودی حکومت نے ریاض سے مکہ مکرمہ تار بھیجا کہ ایک شیخ ہندی کا جہاز پر انتقال ہوگیا ہے۔ ان کے تدفین کا انتظام جنت المعلیٰ میں کیا جائے۔ اس اطلاع پر جنت المعلیٰ میں حضرت حاجی صاحب مہاجر مکی ؒ کی قبر کھولی گئی تھی۔ اور جب اپنے احباب متعلقہ حکام کے پاس جاتے تھے تو وہ تعجب سے دریافت کرتے تھے کہ یہ شیخ ہندی مولانا وصی اللہ صاحب کون ہیں جن کے متعلق امیر فیصل کا تار آیا ہے۔ کیونکہ سعودی حکومت کی تاریخ میں غالباً یہ پہلا واقعہ ہے کہ خود والی حکومت کی طرف سے اس قسم کا تار آیا ہو، اور وہ بھی جنت المعلیٰ کے لئے جس میں کہ دفن کرنا لوگوں کا بند کر دیا گیا ہے۔

خیر مکہ شریف سے مدینہ شریف ۱۶؍ رمضان کو ہم لوگ روانہ ہوکر بوقت عشاء پہونچے تراویح ہو رہی تھی۔ نہا دھو کر حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ گویا قافلہ منزل مقصود کو پہونچ گیا۔ دو رکعت نماز پڑھی گئی اسکے بعد مواجہ شریف میں حاضری ہوئی۔ نیچی نظر اور یا ابانا استغفر لنا ذنوبنا انا کنا خٰطئین کی کیفیت تھی۔ کیا پوچھنا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقتوں نے ان غمزدہ وشکستہ دل مسافروں کو ڈھانپ لیا اور ہم لوگوں کو سکون قلب اور کافی تقویت نصیب

ہوئی اور ہے۔ مگر پھر بھی کیسے کہوں کہ حضرت والا کا غم دل سے بالکل دُھل گیا۔ ان کے جدائی کا غم
آتا رہتا ہے اور دھلتا رہتا ہے جس نعمت عظمٰی کو کھو دیا اس کی کمی تو اپنی جگہ پر باقی ہی رہیگی۔
ابد الآباد تک کے لئے ان سے جدائی کے غم کی آگ دھکتی رہے گی۔ حضرت خوب شعر پڑھتے
تھے ؎

کعبہ بھی گئے پر نہ گیا عشق بتوں کا
زمزم بھی پیا پر نہ بجھی آگ جگر کی

بھائی! حضرت والا جب ہمارے ساتھ تھے تو اپنا سارا زمانہ ہی تھا۔ جنگل میں بھی منگل
رہتا تھا۔ ہمارے ساتھ ایک آدمی بھی رہتا تو معلوم ہوتا کہ ہمارے ساتھ ایک مجمع ہے۔ غیر بھی
اپنے عزیز معلوم ہوتے تھے اب وہ بات نہیں بہت سے احباب ورفقاء سفر جمع ہیں مگر دل
محسوس کرتا ہے کہ ہم تنہا ہی ہیں۔ ہمارا کوئی نہیں۔ اس ایک ذات کے نہ ہونے کی وجہ سے سب
سناٹا ہے۔ نظر وہی شکل ڈھونڈھتی ہے اور دل اسی دلربا کو چاہتا ہے۔ مگر اب وہ کہاں ملتا
ہے۔ برادرم! حرمین شریفین میں لاکھوں لاکھ کے مجمع میں بھی اپنے کو تنہا ہی محسوس کرتا ہوں
بھائی دونوں جگہ مکہ شریف اور مدینہ شریف کے حرم میں بھی اپنے کو تنہا مقدس گلیوں اور
صحراؤں میں بھی دیکھا مگر ہائے ؏

یوسف گم گشتہ کا میرے پتہ چلتا نہیں

اب اپنا حال یہ ہے کہ ؎

باغ میں لگتا نہیں صحرا سے گھبراتا ہے دل
اب کہاں لے جاکے بیٹھیں ایسے دیوانے کو ہم

بھائی حضرت والا کے جدائی کے دو مہینہ ہو گئے اور انھیں کی جدائی کی بات بھی
کر رہا ہوں پھر بھی جیسے یقین نہیں ہوتا کہ ایسا سانحہ ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ؕ
برادر! اس مقدس در پر بڑی ڈھارس اور تسلی ہے۔ اب ایک دن آنے والا ہے کہ یہ
در چھوٹ جائیگا۔ اس پرنور و پرسکون فضا سے نکل کر ملک بت کدہ کی طرف روانہ ہو جائیں گے
اللہ بخیر و عافیت ہم سب کو منزل تک پہونچائے اور جب الہ آباد میں اس پر رونق مقدس چہرہ کو

اپنے قبلہ وکعبہ کو نہیں دیکھیں گے تو ہم سب کا کیا حال ہوگا اور دل پر کیا گذرے گی. کس چیز سے تسلی ہوگی. کون سی چیز ہمارے زخمی دل کے لئے باعث مرہم بنے گی. حقیقت میں وہی دن ہمارے ماتم کا ہوگا. خیر جس خدا نے ابتک ہمیں تقویت پہونچائی اور صبر کی توفیق عطا فرمائی. وہی خدا وہاں بھی ہملوگوں کو سنبھالے گا اور دل کو قوت عطا فرمائیگا. برادرم ہم سب پر یہ سخت وقت ہے مگر گھبرانے کی ضرورت نہیں. تم لوگ گھبراؤ نہیں. ہمارا اللہ حافظ و مددگار ہے. اور ہمارے محسن و مقبول بندے کی دعائیں ہمارے شامل حال ہیں اور رہیں گی حضرت والا اللہ تعالیٰ کے مقبول و مخلص بندے تھے. اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کی دین و دنیا دونوں سے خوب خوب خدمت کی اور اپنے اخلاق کریمانہ سے خوب نوازا اس کا اجر اللہ تعالیٰ حضرت والا کو تو دینگے ہی ان کی اولاد کو بھی ملے گا. انشاء اللہ تعالیٰ. کیا وہ اب اس دنیا میں نہیں رہے تو ان کی اولاد ماری ماری پھرے گی ہرگز نہیں. ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین ہ

انشاء اللہ تعالیٰ ہملوگ ویسے ہی کھلیں گے پھولیں گے. لہٰذا صبر و استقلال کو نہ چھوڑیئے اور دیگر احباب اور حضرت کے متعلقین و متوسلین سے بھی یہ گذارش ہے یوں تو دنیا میں اموات ہوا ہی کرتی ہیں مگر ہر ایک کے تأثرات جدا جدا ہوا کرتے ہیں. اکثر و بیشتر اموات کا رنج و غم بس ایک محدود جگہ میں ان کے اعزا ذرا اقربا و پڑوس ہی میں رہ جاتا ہے مگر حضرت والا کا یہ سانحہ عظیمہ کوئی معمولی بات نہیں ہے اور بھلا دینے والا سانحہ نہیں ہے بلکہ ایک شیخ وقت عالم ربانی کا سانحہ ہے اور سارے عالم کو صرف متاثر ہی کرنے والا نہیں ہے. بلکہ سارے عالم ہی کی موت ہے موت العالم موت العالم. پھر بھی عرض ہے کہ اب زیادہ رنج و غم کرنے سے ہوتا کیا ہے. ہر حال میں صبر و استقلال ہی مفید ہے. حضرت والا نے بہت کام کیا اور الحمد للہ کام بھی حضرت والا کی ذات سے بہت ہوا. مگر یہ چیز سب کے ساتھ پیش آنے والی ہے. انبیاء اولیاء کے ساتھ پیش آئی. حضرت والا کے ساتھ بھی پیش آئی.

محترم حضرت والا کا سن بھی ۷۲ یا اس سے زیادہ کا ہوگیا تھا. ہمارے محترم سید حسین صاحب کمشنر نے اپنے تعزیت نامے میں بڑی تسلی بخش بات تحریر فرمائی کہ حضرت کا سن شریف ۷۵ ہوچکا تھا. نقاہت اور معذوری روز افزوں تھی. اللہ تعالیٰ کو پسند نہ تھا کہ اس کا محبوب بندہ معذوری

کے ساتھ اس عالم فانی میں رہے۔ بہت کام ہوا اور بہت خدمت دین کی۔ اس سے آپلوگوں کو بھی تسلی حاصل کرنی چاہیئے اور اپنے رنج وغم کو غلط کرنا چاہیئے اور وہ کام کرنا چاہیئے جس سے ان کی روح خوش ہو اور ان کے طریق تعلیم وتربیت کی خوب اشاعت ہو۔

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جناب حکیم خواجہ شمس الدین صاحب لکھنوی کے تعزیت نامہ کا ایک جزو نقل کر دوں جو کہ بہت ہی عمدہ اور کام کی بات ہے۔ لکھتے ہیں کہ جسد اطہر کے نذر سمندر ہونے سے اور نشان ظاہری کے باقی نہ رہنے سے تقرب الی اللہ اور مہبط رحمت خاصہ ہونے کے مدارج عالیہ حاصل ہوئے جو ہمارے فکر وخیال سے بالاتر ہیں۔ دنیا میں ہزاروں انبیاء اور ہزاروں اولیاء واصفیا گذرے جنکے مزاروں کا کہیں پتہ ہے نہ نشان ہے لیکن آخر میں ان کی لسان صدق باقی ہے اور ملاء اعلیٰ میں ان کو مقام کریم حاصل ہے اب ضرورت ہے کہ حضرت کا جو سرمایہ عمر تھا یعنی تبلیغ واشاعت دین واصلاح وایقاظ قلب مسلمین وترغیب اتباع نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اسکو پوری مستعدی سے جاری رکھا جائے اور ان کے مشن کو ترقی دی جائے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ ان کے روحانی برکات وفیوض اور تعلیمات سے ہمکو اور جملہ مسلمانوں کو نفع پہونچتا رہے۔

بہت عمدہ بات لکھی، جزاہ اللہ۔ محترم! اب یہ کام کرنیکا ہے اور کرنا چاہیئے۔ ؎

دل از ہجرت کباب تا کے — جاں ز طلبت خراب تا کے
در مصحف روئے او نظر کن — خسرو غزل وکتاب تا کے

محترم! ہم سب لوگوں کو چاہیئے کہ کام پر لگ جائیں اور کام کریں تاکہ ان کی روح کو اس کا ثواب ملتا رہے۔ اور پھر روزآنہ کم از کم تین بار سورۂ اخلاص ہی پڑھ کر ایصال ثواب اپنا وظیفہ بنالیں اور دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ ہمکو اور آپ لوگوں کو ان کی تعلیمات پر عمل کرنے کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائے۔ اور اللہ تعالیٰ ہمارے دین اور ایمان کو سلامت رکھے۔ روزافزوں اس میں ترقی عطا فرمائے۔ اور ہم سب لوگوں کو صبر جمیل عطا ہو۔ آمین بالنبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم۔ فقط

والسلام طالب دعا خادم محمد مبین عفی عنہ

از مدینہ منورہ شریف

چند تعزیت نامے

نقل مکتوب گرامی حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب مدظلہ العالی ناظم مدرسہ مظاہر العلوم (سہارنپور)

عالیجناب مکرم و محترم زید مجدکم و عظم اجرکم ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

پرسوں بمبئی کے ایک تار سے مظفری جہاز میں حضرت الحاج مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہٗ العزیز کے انتقال کی خبر کلفت اثر معلوم ہوکر قلوب پر رنج و غم کا ایک بادل چھا گیا حزن و ملال کی ایک لہر دوڑ گئی ۔ حضرت موصوف حکیم الامت حضرت تھانوی کے اجل خلفاء میں جس مقام رفیع کے حامل تھے وہ مستغنی عن الاظہار ہے ۔ وہ خدا رسیدہ بزرگ مصلح امت، علم و عرفان کے ماہتاب، دین و شریعت کے آفتاب، رشد و فیضان کا منبع اور خواص و عوام کا مرجع تھے ۔ ان کے فیوض و برکات عام و تام تھے اور وہ اس ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے کہ ؎

سالہا در کعبہ و بتخانہ می نالد حیات ۔۔۔ تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

افسوس ہے اس دور قحط الرجال میں اہل دل حضرات بہت تیزی سے اٹھتے جا رہے ہیں ۔ حضرت کی ذات سے دنیائے علم و احسان میں ایک زبردست خلا پیدا ہوگیا ہے

ارباب مدرسہ اس جانگسل حادثہ سے بہت زیادہ متاثر ہیں ۔ حضرت کے متعلقین اور متوسلین سے تعزیت و اظہار ہمدردی کرتے اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت اقدس کو جنت الفردوس میں درجات عالیہ عطا فرمائے اور جملہ پسماندگان متعلقین، متوسلین اور مسترشدین کو صبر جمیل اور اجر جزیل ارزانی فرمائے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی طرح مثالی زندگی گزارنے کی توفیق مرحمت فرمائے ۔

مدرسہ میں حضرت کے لئے بعد ختم خواجگان دعا کرائی گئی ہے اور قرآن شریف ختم کرا کے ایصال ثواب کرایا گیا ہے اور دعائے مغفرت کی گئی ہے ۔

(نقل مکتوب گرامی حضرت مولانا ظہور الحسن صاحبؒ)

برادرم عزیزم مولوی قاری محمد مبین صاحب سلمہ اللہ تعالےٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آج ۱۰ ذیقعدہ کو سرفراز نامہ نے دریار حبیب سے عین انتظار میں پہونچکر نور وسرور بخشا۔ جزاکم اللہ تعالیٰ کوائف معلوم ہوئے۔ امتحانی منزل آئی آپ حضرات ماشاء اللہ ثابت قدم رہے هَنِيئًا لَّكُمْ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۵ اللہ تعالیٰ ہر طرح کی راحتیں نصیب فرمائے۔ میری جانب سے ہر دو صاحبزادیوں اور حافظ ارشاد احمد صاحب سے سلام مسنون اور بچوں کو دعائیں۔ اور دعاؤں کی مزید درخواست پیش ہے بالخصوص بچوں کی صلاح اور علم وعمل کے لئے اور اپنے حسن خاتمہ اور حسن عمل کے لئے۔ ان دعاؤں کی صاحبزادیوں سے بھی استدعا کر دیجئے۔

آپ نے اس ناکارہ ناپاک کا سلام اس دربار میں پہونچایا اور دعائیں کیں اس احسان کا بدلہ کیا دے سکتا ہوں، جزاکم اللہ فی الدارین۔ اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتا ہوں کہ اس ناکارہ کیطرف سے اسکا بدلہ عطا فرمائیں۔ آپ کو آپ کے اہل وعیال کو صلاح وفلاح، صبرو استقلال، ثابت قدمی، حضرت قدس سرہٗ کے فیوض وعلوم سے سرفراز فرمائیں اور انکی اشاعت کی توفیق عطا فرمائیں۔ آنعزیز کے ذریعہ انکے تینوں مسکن اور خانقاہوں کو آباد فرمائیں۔ بمبئی۔ الہ آباد اور فتحپور سے آپ حضرات کے ذریعہ فیوض کے چشمے روز افزوں جاری رہیں اور قوی امید ہے کہ انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔

آپ حضرات نے شیخ کی خدمت کی ہے اور شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ لوگوں کو اپنی نظر شفقت سے تربیت دی ہے وہ انشاء اللہ ضایع نہ جائیگی ضرور رنگ لائیگی۔ اپنی کوتاہیوں پر نظر نہ کیجئے شیخ کی شفقتوں اور انکی تربیت کی خوبیوں پر نظر کیجئے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کے منظور نظر کو ضرور پروان چڑھائیں گے۔ پس ثابت قدمی سے ان کے اخلاق انکے اصول کو مضبوط پکڑے رہیئے ان کے خدام کو انکی عیال سمجھکر شفقت سے پیش آئیں انشاء اللہ دروازے

کھلتے چلے جائیں گے۔ توکل سے بڑی کوئی جائداد نہیں۔ اگر آپ نے اسکو مضبوطی سے سنبھالے رکھا ابتدائی امتحانات میں پاس ہو گئے تو سمجھئے کہ آپ حضرت کے صحیح وارث قرار پا گئے ہم سب کو اپنا خادم سمجھئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر قسم کی خدمت کی توفیق عطا فرمائیں۔ آپ سے ہمیں بہت توقعات وابستہ ہیں آپ کا اس نہایت اہم سخت موقعہ پر ثابت قدم رہنا جیسا کہ احباب کے مشاہدات اور خطوط سے معلوم ہوا آپ کے مستقبل کے لئے بشارت ہے۔

آپ شیخ کی امانت کے حامل ہیں شیخ کو آپ سے محبت تھی خالی نہیں چھوڑا کچھ دے گئے ہیں پھر گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں۔ والسلام

بندہ ظہور الحسن غفرلہٗ۔ تھانہ بھون

نقل مکتوب گرامی حکیم خواجہ شمس الدین صاحب۔ لکھنؤ

۲۷ رمضان المبارک ۱۳۸۰ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہٗ ونصلی رسولہ الکریم

عزیز مکرم جناب قاری محمد مبین صاحب سلمکم اللہ وابقاکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت قدس سرہٗ خود تو بحر رحمت الٰہی وانوار لاتنا ہی میں مستغرق ہو کر مَلِیکِ مُقْتَدِر کے قرب وجوار میں مَقْعَدِ صِدق پر پہنچ گئے مگر اخلاف کو غریق دریائے مصائب والم و رنج وغم بنا کر چھوڑ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت کی رحلت کا واقعہ ہائلہ وحادثہ فاجعہ مولمہ قیامت صغریٰ برپا کر گیا جس پر صبر وقرار دشوار اور جس کو دل سے فراموش کرنا خارج از اختیار ہے۔ وہ میرے سب سے بڑے مربی اور سب سے بڑے سرپرست اور قدر شناس تھے کیا عرض کروں کہ انکی وفات نے کتنی بڑی نعمت اور برکت سے مجھے محروم کر دیا اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَ

اَسْئَلُہٗ صَبْرًا جَمِیْلاً وَّ اَجْرًا جَزِیْلاً۔

آپ کا پتہ معلوم نہ تھا ورنہ تعزیت نامہ پہلے ہی لکھتا آج محبی اسحاق سلمہ سے معلوم ہوا تو یہ خط لکھ رہا ہوں جب سے واقعہ کا علم ہوا ہے معمول ہوگیا ہے کہ انکو ایصال ثواب کرنے کے بعد آپ سب حضرات کے لئے استقامت و صبر و سلامتی اور عافیت کی روزانہ دعا کرتا ہوں۔ بہرحال امور قضا و قدر پر کس کو اختیار ہے ہر بندہ بے بس و ناچار ہے اللہ کی حکمتوں اور مصلحتوں کو کون سمجھ سکتا ہے وہ جب کوئی مصیبت اتارتا ہے تو اسکو آسان بھی کردیتا ہے جتنی بڑی مصیبت ہوگی اس پر صبر کرنے کا اتنا ہی بڑا اجر ملے گا مخلوق سے عشق و محبت ناپائدار ہے۔ بقول شاعر ؎

عشق با مردہ نباشد پائیدار عشق را با حی و با قیوم دار

اللہ اپنی محبت پر ہمارے اور آپ کے دلوں کو استوار کرے اور ہماری بیکسی اور بے بسی پر رحم فرمائے۔

جسد اطہر کے نذر سمندر ہونے سے اور نشان ظاہری کے باقی نہ رہنے سے تقرب الی اللہ اور مہبط رحمت خاصہ ہونے کی وہ مدارج عالیہ حاصل ہوئے جو ہمارے وہم و خیال سے بالاتر ہیں۔ دنیا میں ہزاروں انبیاء اور ہزاروں اولیا و اصفیا گذرے جنکے مزاروں کا نہ کہیں پتہ ہے نہ نشان لیکن آخر میں انکی لسان صدق باقی ہے اور ملاء اعلیٰ میں انکو مقام کریم حاصل ہے اب ضرورت ہے کہ حضرت کا جو سرمایۂ عمر تھا یعنی تبلیغ و اشاعت دین و اصلاح و ایقاظ قلب مسلمین و ترغیب اتباع نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اسکو پوری مستعدی سے جاری رکھا جائے اور ان کے مشن کو ترقی دی جائے۔ اور اللہ سے دعا کیجئے کہ انکی روحانی برکات اور فیوض تعلیمات سے ہم کو اور مسلمانوں کو نفع پہونچائے۔ اپنے گھر میں اور مولانا جامی صاحب اور دیگر رفقا کو میرا اسلام عرض کریں اور سب سے میری طرف سے تعزیت کریں۔ اور آپ سے میری عاجزانہ درخواست ہے کہ جب مواجہ شریف میں حاضری ہو تو میری طرف سے صلوٰۃ و سلام عرض کریں اور اوقات اجابت اور مقامات استجابت میں میرے لئے

دعائے خیر کریں اور یہ دعار کریں کہ اللہ تعالےٰ میری دعاؤں کو قبول فرمائے ۔ واٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن

آپ کا شریک غم، دعا گو اور آپ سے دعار کا سائل
حکیم خواجہ شمس الدین عفا اللہ عنہٗ
۳۰ر دسمبر ۱۹۶۷ء ۔ لیلۃ الاحد

(نقل خط جناب مولوی محمد حنیف صاحب بستوی)

ذوالمجد والکرم زیدت معالیکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

یہ بندۂ عاصی پر معاصی جسم و جوارح کے ساتھ بعافیت ہے۔ قلب و جگر کو مجروح کہوں یا محزون ۔ جناب والا کی عافیت کا خواہاں ہوں ۔ دو مہینہ سے زائد گزرے نہ قلب کو سکون نہ طبیعت کو اطمینان معلوم ہوتا ہے کہ اس دار فانی میں کوئی مونس نہیں ہے کہ اس سے غم غلط کیا جائے ۔ خیال تھا کہ اس حادثہ (رحلت مرشدم) کے چند روز بعد صبر آجائیگا لیکن فرداؤش سے کم نہیں ہوتا خبر ملنے کے وقت سے تادم تحریر داغ ہرا ہی لگتا ہے نہ کوئی بات اچھی لگتی ہے نہ کسی سے ملنے کو جی چاہتا ہے ۔ وقت گذاری کے لئے انضباط اوقات سے کام لیتا ہوں، کوئی وقت فرصت کا چھوڑا ہی نہیں اسی طرح صبح و شام گزر رہے ہیں جس چیز کا رنج و قلق ہے وہ یہ ہے کہ جناب والا کی خدمت میں کوئی بھی عریضہ نہ لکھا اس پر افسوس بھی ہے اور شرمندگی بھی ۔ ادہر کچھ دنوں سے معمول سا ہوگیا ہے کہ آنجناب اور متعلقین کے لئے برابر دعار کررہا ہوں کہ اللہ تعالےٰ آپ سب لوگوں کو عافیت سے رکھیں اور ہر ہر لمحہ ارض مکرم کی برکات سے بہرہ مند کریں اور کعبہ کی تجلی کے طفیل نسبت مع اللہ میں اضافہ اور مکین گنبد خضرا کے طفیل میں اعتصام بالسنۃ میں مضبوطی عطا ہو۔

حج کے ایام قریب ہوتے جا رہے ہیں کشش بڑھ رہی ہے بعض اوقات تصور میں اپنے کو وہیں پاتا ہوں ؎

کجا ما و کجا زنجیر زلفش عجب دیوانگی اندر سر افتاد

اسکا غم ضرور ہے کہ عوام وخواص دونوں ہی گرد راہ جھاڑنے لگے حالانکہ سفر ختم نہیں ہوا تھا۔ ادنیٰ غفلت بھی برسوں کی راہ مار دے گی

خواہم کہ خار از پاکشم شد قافلہ دور از نظر یک لحظہ غافل گشتم صد سالہ راہم دور کرد

حتی الامکان بے راہی سے بچنے کی سعی رہتی ہے۔ خبر رحلت کے بعد پہلی دعا میں نے یہی کی کہ یا اللہ میرا کوئی نگراں نہیں رہ گیا اپنی حفاظت میں رکھئے ورنہ ہلاک ہوجاؤں گا دعا فرمائیے کہ اللہ تعالےٰ بہمہ حال فضل فرما دیں۔ وحشی طبیعت کا آدمی کہیں نہیں ملتا ہے

وَاِذَا صَفَالَکَ مِنْ زَمَانِکَ وَاحِدٌ فَھُوَ الْمُرَادُ وَاَیْنَ ذَاکَ الْوَاحِدٌ

(ترجمہ) اور اگر تمھارے جملہ اوقات میں سے ایک گھڑی بھی صفائے وقت کی تمھیں حاصل ہوجائے تو وہی عین مقصود ہے۔ مگر وہ ایک گھڑی بھی کب نصیب ہوتی ہے)

ہم خود کمزور ہیں کچھ اپنے اندر سکت نہیں پاتے۔ آپ حضرات سے بہت بہت توقعات ہیں آپ حضرات کی روشنی میں ہمیں بھی چلنے کی توفیق ہو۔

جب کوئی بات سامنے آتی ہے تو آپ یاد آتے ہیں کہ کہنا ہے۔ رنج وغم آپ ہی کو زیادہ ہوا ہوگا مگر رنجور کی دلداری بھی تو انھیں حالات میں کرتی ہے۔ سب کی نگاہیں آپ ہی کیطرف اٹھ رہی ہیں کتنے ہیں جو اپنے کو لاوارث سمجھ رہے ہیں اور کتنے ہی طالبین پیدا ہونگے اور اللہ تعالےٰ کتنوں کو اس گھر سے روشنی بخشیں گے

لفافہ جواب کے لئے جاتا نہیں لہٰذا جواب کے لئے کیسے عرض کروں ورنہ جی بہت چاہتا ہے کہ حالات آپ ہی کی تحریر سے معلوم ہوتے۔

آپ حضرات حج کے اہتمام میں ہوں گے اب توجہ رب البیت کیطرف بڑھ رہی ہوگی امید کہ ہم گنہگاروں کو کسی وقت دعا میں شامل کرلیں گے۔ ضعفاء کی دستگیری اتو یا ہی کرتے ہیں۔ فقط والسلام

محمد حنیف بستوی (۲۱ ذیقعدہ ۸ھ)

(نقل خط جناب مولانا محمد صفات اللہ صاحب مئوناتھ بھنجن)

محترم المقام۔ جناب قاری محمد مبین صاحب زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔
داعی الخیر مع الخیر۔ ۲۶ نومبر کی صبح کو حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سانحۂ ارتحال کی وحشتناک اطلاع ملی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ کے تحت مقام رضا بالقضاء والقدر، صبر وشکر ہے جسکے ہم سبھی مکلف ہیں بِعَوْنِ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ وَفَقَنَا اللّٰہُ وَاِیَّاکُمْ میری طرف سے حضرت نور اللہ مرقدہٗ کی بچیوں کو وجملہ متعلقین کو ہدیۂ سلام مسنون کے بعد ان ہی کلمات میں صبر وشکر کی تلقین فرما دیجئے۔ اللہ رب العزت مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائیں اور درجات علیا نصیب فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔ اور تا ابد فیض جاری رکھیں۔ آمین۔

مقام دکھ اور افسوس یہ ہے کہ آج ہر خاص وعام تہذیب جدید کا شکار ہو کر اپنے دین و مذہب سے بیزار ہو رہے ہیں اور اس نازک اور پرفتن دور میں ایک مصلح عالم دین کا دار بقاء کیطرف چل دینا اور انکے ظل گراں مایہ سے مخلوق کا محروم ہو جانا فی الحقیقۃ ایک حادثۂ عظیمہ ہے جسکی تلافی کی بجز اسکے کوئی شکل نہیں کہ خدام مرحوم کا نمونہ بنکر انکے مسلک اور مشن کو لوجہ اللہ باقی اور جاری رکھیں تاکہ حضرت مرحوم کے روحانی فیوض وبرکات کا سلسلہ ان خدام کے واسطے سے ابدالآباد تک جاری وباقی رہ سکے۔

محترم یہ شرف بیعت تادم حیات آپ کے لئے باعث سعادت ہے جس قدر آپ نفلی طواف شیخ و مرشد کیطرف سے کر سکیں کرتے رہیں تاکہ باطنی وروحانی تعلق میں اضافہ مستقلہ ہو۔

دعوات صالحہ میں اس ناچیز راقم سطور کو فراموش نہ فرمائیں۔ دربار رسالت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہدیۂ صلوٰۃ وسلام مسنون پیش فرما دیں کرم ہوگا۔ بچیوں کو بہت بہت سلام

خداوند کریم جملہ پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشیں اور ہم سبھی کو اپنی رضا و اتباع شریعت نبویہ کی بھی توفیق مرحمت فرما دیں۔ فقط۔ والسلام

مولانا محمد صفات اللہ صاحب بقلم مشتاق احمد غفرلہٗ

مئوناتھ بھنجن۔ یکم رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ

نقل مکتوب گرامی

مخدومنا جناب حضرت مولانا ظفر احمد تھانوی نور اللہ مرقدہٗ

مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مولانا وصی اللہ صاحب کے انتقال کی خبر صدق میں پڑھی بہت صدمہ اور ملال ہوا کہ ان سے ہندوستان میں بہت فیض تھا اللہ تعالیٰ مغفرت اور رحمت سے نوازیں اور درجات بلند فرمائیں۔ سفر حرمین میں یہ حادثہ ہوا یہ بھی انکی محبوبیت کی دلیل ہے ان کے پسماندگان میں کون کون لوگ ہیں؟ اطلاع دیں اور میری طرف سے انکو تعزیت لکھدیں۔ الٰہ آباد میں انکی جگہ پر کون ہے؟

نقل مکتوب گرامی

مخدومنا جناب حضرت مولانا شبیر علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

برادرم عزیزم سلمکم اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

طالب خیر بحمد اللہ مع الخیر ہے۔ ابھی وقت ایک صاحب کی زبانی برادرم مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی خبر سنکر دل کی جو حالت ہوئی انکو ان ہی الفاظ میں ظاہر کیا جا سکتا ہے کہ دل کو ایک دھکا لگا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجے بلند فرمائیں اور ان کے فیوض کو جاری رکھیں۔ آمین

نقل مکتوب گرامی

جناب مولانا زکریا صاحب شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہٗ

مخدوم ومحترم زاد مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آج دل کو حضرت والا الشیخ مولانا الحاج وصی اللہ صاحب کے وصال کی خبر جانکاہ سنکر سخت ترین صدمہ ہوا حق تعالےٰ شانہٗ انکو جنت الفردوس میں مقام عالی عنایت فرمائیں۔ آمین۔ حضرت کا وجود باجود دنیائے عالم کے لئے باعث خیر وبرکت بنا اور سالکین کے لئے خصوصًا ایک باب عالی۔ اللہ تعالیٰ پسماندگان ومتوسلین کو صبر جمیل مرحمت فرمائیں۔ آمین۔ بندہ کلی اس سانحۂ عظیم کے غم میں آپ کا شریک ہے۔ فقط۔ والسلام۔

نقل مکتوب گرامی

مخدومی جناب حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہٗ

مکرمی ومحترمی جناب قمر الزماں صاحب زید مجدہم

سلام مسنون، نیاز مقرون، مزاج گرامی!

کل بعد ظہر مجلس معارف القرآن کا جلسہ ہو رہا تھا کہ اچانک بمبئی سے عبد اللہ بھائی صاحب کا تار پہونچا جس میں حضرت اقدس مولانا شاہ وصی اللہ صاحب کے وصال کی خبر دی گئی تھی ایک دفعہ کو پوری مجلس پر سناٹا چھا گیا اور سب کے سب غم والم میں ڈوب گئے میری کیفیت تو یہ ہو گئی جیسے دل بیٹھ جاتا ہے۔ ساری بشاشت ختم ہو گئی اور مجلس میں مسائل کے بجائے مولانا ہی کا ذکر خیر شروع ہو گیا۔ مجلس ہی نہیں پورا دار العلوم ایک دم سوگوار ہو گیا۔ تار اجمالی تھا جس میں صرف یہ درج تھا کہ آج صبح ۲۵ نومبر کو مولانا کا وصال ہو گیا۔ دل ماننے کو تیار نہ تھا خیال یہ ہوا کہ شاید سفر حج ملتوی ہو گیا ہو گا لیکن مولانا حامد الانصاری غازی صاحب نے بتایا کہ وہ خود انھیں جہاز پر سوار کرا کر دیوبند پہونچے ہیں قیاسًا یہ سمجھا گیا کہ جہاز سے وائرلیس کے ذریعہ خبر حج کمیٹی میں آئی ہے اور وہاں سے لوگوں کو اطلاع ہوئی اسلئے تین تار بمبئی دیئے ایک صوفی عبد الرحمٰن کو ایک عبد اللہ بھائی کو اور ایک حکیم اجمیری نے

صاحب کو، اور یہ کہ تفصیل کی اطلاع دیں۔ اگلے دن عبدالستار احمد مل والوں کا اس مضمون کا تار ملا جس سے خبر کی توثیق ہوگئی اس خبر سے جو کیفیت ہم سب لوگوں کی ہوئی ہے الفاظ میں نہیں لایا جا سکتا۔ مولانا کی شخصیت فی زمانہ مرجع الکل ہوگئی تھی اور انکی شفقتیں اور محبتیں جو ہر ایک سے اسکے درجہ کے مطابق اسکے ساتھ ہوتی تھیں یاد کرکے دل غم والم سے بیٹھا جا رہا ہے۔ بمبئی کے حضرات کو انکی ذات سے کسقدر فائدہ پہونچا ہے وہ آپ سب حضرات جانتے ہیں۔ کیا خبر تھی کہ ۱۶ ر نومبر ۱۹۸۹ء کی میری روا روی کی ملاقات آخری تھی اسوقت بے حد شفقت سے مجھ سے فرمایا کہ مجھے تجھ سے دلی محبت ہے اور بہت کچھ الفاظ فرمائے ان کے جو متوسلین دیوبند میں ہیں ان سے فرمایا کہ دیوبند میں رہ کر اس کی (میری) مجلس میں جایا کرو اور اسے میری جگہ سمجھو۔ یہ ساری باتیں غیر معمولی تعلق اور محبت کی تھیں جنکا تصور کرکے دل بھر آتا ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے طریقہ کو انھوں نے مضبوط تھام رکھا تھا اور زندہ رکھا۔ طریقہ تربیت وہی تھا جو حضرتؒ کا تھا۔ افسوس کہ آج جماعت اس شفقت خاص، اور انداز خاص سے محروم ہوگئی۔ اہل اللہ کا اٹھ جانا دنیا کا اندھیر ہے لیل و نہار تاریک دکھائی دے رہے ہیں حق تعالے نے انھیں تو اس موت خاص سے بڑے بڑے مراتب اور درجات سے نواز دیا، موت غربت، موت سفر حج، موت شہادت سارے ہی مقامات عطا فرمائے، رونا ہمارا اور پسماندگان کا ہے جن کے سامنے دنیا اندھیر ہوگئی ہے۔ کبھی ان لوگوں کا خیال آکر دل روتا ہے جو حضرت کی معیت کی وجہ سے سفر حج میں ساتھ ہوئے تھے انکی کیا کیفیت ہوگی اور ان پر کیا گذری ہوگی نہ وہ لوٹ سکتے ہیں انکے جانے ہی میں کوئی لطف رہا بالخصوص حضرت کی صاحبزادیاں اور بچے جہاز میں ادہر ادہر دیکھتے ہوں گے کہ کیا تھا اور کیا ہوگیا؟ پھر حج کا زمانہ بعید۔ وہ تو رمضان شریف میں رہنے کے خیال سے گئے تھے وابستگان انکے ساتھ رہکر تو چاہے چھ ماہ گذار لیتے لیکن بلا ان کے چار ماہ

کا طویل عرصہ ان پر کیسا گذرے گا، گذارنا تو انھیں پڑے ہی گا مگر ہر وقت کے حزن واندوہ وحسرت کے ساتھ گذریگا ان تصورات اور احوال سے دل اور بھی بھر بھر آتا ہے، مگر مشیت خداوندی میں دم مارنے کی مجال نہیں جو ہوا وہ یونہی ہونا تھا اور اس میں حکمت حق پنہاں تھی اللہ تعالےٰ حضرت مرحوم کو اعلیٰ علیین میں مقام بلند عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل دے۔ حضرت کے متوسلین اور دوسرے حضرات کو جن کے ناموں سے میں واقف نہیں ہوں آپ سب کو یہ عریضۂ تعزیت سنا دیں میں خود بھی ابتو بہ نیت تعزیت بمبئی جا رہا ہوں۔ حق تعالےٰ ہمیں انکا بدل عطا فرماویں اور اس سلسلۂ دین کو اسی وتاب سے بمبئی میں قائم رکھیں۔ آمین ثم آمین۔ میں آپکی اور دوسرے حضرات متوسلین کیخدمت میں تعزیت عرض کرتا ہوں اور یہ کہ صبر و تحمل سے کام لیں تقدیر الہٰی پر راضی رہیں بلاشبہ حادثہ سخت ہے مگر منجانب اللہ سے وہ اتنی ہی عمر لیکر آئے تھے اور اسی میں سب کچھ کر گئے آپ حضرات انکی بتائی ہوئی تعلیمات کو حرز جاں بنا دیں اس سے انکی روح بھی خوش ہوگی اور ہمارا آپکا بھلا بھی دارین میں اسی میں ہے۔ جب احمد مرسل ؐ نہ رہے تو کون رہیگا۔ یہ دنیا فانی ہے یہاں جو بھی آیا ہے جانے کے لئے آیا ہے جب انبیاء علیہم السلام کو بھی اس دنیا سے جانا پڑا تو اور کون ہے جو یہاں عمر دوام پا سکتا ہے۔ حق تعالےٰ آپ سب بھائیوں اور عزیزوں کی دستگیری فرمائے اور ان کے فیوض و برکات سے آپ حضرات کو مالا مال رکھکر آپ کے ذریعہ انھیں پھیلا دے

مجلس معارف القرآن اور مجلس شوریٰ نے جو تجویزیں تعزیت میں پاس کی ہیں انکی نقلیں ارسال خدمت گرامی ہیں دارالعلوم میں تعطیل کر دی گئی اور ختم کلمہ طیبہ و قرآن شریف میں تمام طلبہ اساتذہ کارکنانِ دفاتر اور حضرات ممبران شوریٰ نے شرکت فرمائی احقر نے تعزیتی تقریر کی جس سے سب متاثر ہوئے۔ یہ عریضہ اور تجویزیں حضرت مرحوم کے مخصوصین کو جمع کر کے سنا دی جائیں جو پورے دارالعلوم کیطرف سے بطور تعزیت پیش کیا جا رہا ہے۔ والسلام

۲۳ شعبان ۱۳۸۷ھ

نقل مکتوب گرامی مخدومی جناب حضرت مولانا ابرار الحق صاحب مدظلہٗ

عزیز مکرم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

زادکم اللہ تعالےٰ علماً وکمالاً و وفقنا اللہ وایاکم صبراً جمیلاً ۔ میری واپسی ہردوئی شب دوشنبہ کو ۱۰ بجے مع الخیر ہوگئی مسلسل سفر کیوجہ سے تکان کافی ہے نیز بدن میں درد بھی ہے اس لئے مختصراً مسطور ہے

خبر جانکاہ حادثہ عظیمہ کی اخبار کے ذریعہ کل دوپہر کو تصدیق ہونے سے جو دلی صدمہ ہوا بیان نہیں کرسکتا ۔ آپ حضرات پر جو اثر ہوا ہوگا اسکو کوئی نہیں سمجھ سکتا اس حادثہ ناجعہ پر جس قدر غم ہو کم ہے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ فوراً ہی ہم سب خدام اور طلبہٗ مدرسہ کو دعائے مغفرت و رفع درجات و ایصال ثواب اور جملہ پسماندگان (جن میں ہم سب خدام بھی شامل ہیں) کے لئے دعائے صبر جمیل کی توفیق ہوئی، نیز دلی تقاضا ہوا کہ جلد سے جلد حاضری دوں چنانچہ اولاً کل ہی ۱ بجے دن پھر ۱۲ بجے شب پھر آج پنجاب میل پھر ۱۲ بجے کی بس سے روانگی تجویز کرتا رہا مگر متعدد نوع کے موانع رونما ہوتے رہے جسکی وجہ سے اب یہی مناسب معلوم ہوا کہ پنجشنبہ کو احقر سفر کرے ۔

فی الحال آپ جیسے حضرات کیخدمت میں محض تعمیلاً للحکم وتحصیلاً للثواب حسب ذیل معروضات ہیں

(۱) اِنَّ للہ مَا اعطی وَ للّٰہِ ما اخذ وکل عندہ باجل مسمّٰی فلتصبر ولتحتسب (بیشک جو کچھ اللہ تعالےٰ نے عطا فرمایا وہ سب انھیں کا ہے اور جو کہ لے لیا وہ بھی انھیں کا تھا اور ہر ایک کے لئے انکے نزدیک ایک وقت مقرر ہے پس ثواب کی نیت سے صبر کرنا چاہئے

(۲) اصبر نکن بك صابرین فانّما صبر الرعیہ بعد صبر الرأس (حضرت عباسؓ کے وصال پر انکے صاحبزادے سے تعزیت میں کہا گیا کہ) آپ

صبر کیجئے تو آپ کی وجہ سے ہم بھی صبر کرلیں اسلئے کہ متعلقین اور متبعین اسوقت صبر کرتے ہیں جبکہ انکا سردار اور پیشوا صبر کرے)

وَخیرٌ مِنَ العَبَّاسِ اَجْرُكَ بعدَهٗ   وَاللہُ خیرٌ منكَ لِلعبَّاس

(حضرت عباسؓ کی وفات پر صبر کا اجر آپ کے لئے ان کی ذات سے بہتر ہے اور ان کے لئے اللہ تعالےٰ آپ سے بہتر بدل ہیں)

(۳) ان اللہ تعالیٰ حاکم وحکیم و ناصرٌ و ولیٌ کا استحضار بار بار کیجئے۔

(۴) ایک پرچہ اکابر کی ہدایات کا طبع کرایا گیا ہے وہ بھی مرسل ہے بنام "علاج الغم والحزن"

بشرط موقع ومصالح حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ کے دیگر متعلقین کرام اور خدام ذوی الاحترام کیخدمت میں میری طرف سے مضمون سابق عرض کردیں۔

(پرچہ مطبوعہ مذکورہ کی نقل درج ذیل ھے)

دنیا ایک پریشانی وغم کا مقام ہے دنیا میں رہکر کسی نہ کسی طرح کی فکر اور پریشانی ضرور لاحق ہوتی ہے لہٰذا اسکی کوشش کرنا کہ کسی قسم کی تکلیف یا غم کی بات لاحق نہ ہو یہ بیکار ہے البتہ یہ ضرور ہوسکتا ہے کہ پریشانی وغم کی بات سے جو اثر ہوتا ہے اس سے انسان محفوظ ہوجائے یعنی پریشانی کی بات ظاہر ہو مگر اس کو پریشانی نہ ہو یہ بات صرف دو باتوں کے پیش نظر رکھنے سے حاصل ہوسکتی ہے۔

اول یہ کہ اللہ تعالےٰ حاکم ہیں ہر قسم کا تصرف بندہ پر فرما سکتے ہیں جو کچھ ہوتا ہے اسکے حکم سے ہوتا ہے بغیر اسکے حکم کے ذرہ بھی نہیں ہل سکتا۔

دوم یہ کہ اللہ تعالےٰ حکیم بھی ہیں یعنی انکا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا اس میں ضرور مصلحتیں ہوتی ہیں جن کے جاننے کا انسان مکلف ہوتا ہے نہ انکا جاننا ضروری ہے۔

ان دونوں چیزوں کو بار بار ذہن میں سوچنا چاہیئے کہ ہر وقت یا خیال کرنے پر

فوراً یہ دونوں باتیں سامنے آجائیں۔ اب جب کوئی ناگوار واقعہ پیش آئے تو فوراً سوچئے کہ بحکم خداوندی ہوا جیسا کہ پہلی بات میں کہا گیا' پھر یہ سوچئے کہ اس میں ضرور کوئی میری مصلحت ہے گو ہم کو علم نہ ہو اس طرح انشاء اللہ جسم کو تکلیف کے باوجود دلی پریشانی نہ ہوگی۔ اسکی مثال اس طرح پر ہے کہ عاقل شخص کے آپریشن ہوتا ہے ہاتھ کٹنے پر تکلیف ضرور ہوتی ہے مگر وہ سمجھتا ہے کہ اس میں میری مصلحت ہے اسلئے وہ ڈاکٹر سے خوش رہتا ہے اسکو فیس بھی دیتا ہے اور یہی آپریشن نافہم بچہ کے ہو وہ چونکہ مصلحت سے واقف نہیں اور یہ جانتا نہیں کہ اسمیں میری مصلحت ہے اسلئے گالی تک دیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مصلحت کا خیال سکون بخش ہوتا ہے۔ ان دونوں باتوں کا جتنا زیادہ خیال ہوگا اتنی ہی پریشانی کم ہوگی اور اسکے ساتھ ساتھ تکلیف کو دور کرنے کی جو تدابیر ہیں انکو بھی اختیار کریگا خصوصاً دعا خوب کرے کیونکہ یہ موثر چیز ہے۔ نیز امور ذیل کے اضافہ سے بفضلہ تعالےٰ بہت جلد سکون ہوجاتا ہے

(۱) نفل نماز کی کثرت کرنا۔ ذکر اللہ کی کثرت چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے کرنا کسی تعداد کی قید نہیں اور نہ کسی خاص ذکر کی پابندی ہے مثلاً سبحان اللہِ، الحمد للہ، اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ یا درود شریف جو جی چاہے پڑھنا۔

(۲) اجر آخرت کا تصور و خیال رکھنا۔ اگر کسی بچے کا انتقال ہوگیا ہو تو یہ سوچنا کہ یہ قیامت میں شفاعت کرے گا

(۴) زندوں میں سے جن سے انس ہو اسکا تصور و خیال انتقال کرنے والے کی یاد کے وقت رکھنا

(۵) یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ کا ورد کثرت سے رکھنا۔ کم از کم شب و روز میں پانچسو مرتبہ اور ایک نشست میں سو مرتبہ۔

(۶) حیوٰۃ المسلمین کے باب صبر و شکر کا مطالعہ کرنا۔ اسی طرح تبلیغ دین سے باب صبر و تفویض کو دیکھنا

(۷) اہل اللہ اور کاملین کی ورنہ صالحین کی صحبت میں بیٹھنا اس خیال سے کہ انکے قلبی برکات کا عکس میرے قلب پر پڑے۔ اگر صحبت کا موقع نہ ملے تو ان کے مواعظ و ملفوظات دیکھنا۔

نقل مکتوب گرامی جناب حکیم مسعود صاحب اجمیری
(ملخصاً)

بھائی قمرالزمان صاحب۔ السلام علیکم۔ تتنبہ کی صبح کو ٹیلیفون کے ذریعہ وائرلیس سے آمدہ یہ اطلاع ملی کہ حضرت اقدس جہاز میں رحلت فرما گئے۔ حواس درست ہو جانے کے بعد یہ اندازہ ہوا کہ یہ ساری تیاریاں اسی کے لئے تھیں ——— اچھا میاں، تم رہو شاد تم رہو آباد ہم کو ہونا تھا ہو گئے برباد۔ لیکن منظراب میرے سامنے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف بری کا ہے خدام حواس باختہ ہو گئے حضرت عمرؓ حجرۂ عالیہ کے سامنے تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے کہ کوئی شخص کہیگا کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم رحلت فرما گئے تو گردن اڑا دونگا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدبر اعظم کہیں باہر سے واپس آئے حالات کا جائزہ لیا اس کے بعد اس صدیقؓ نے جسکی عمر پروانگی میں گزری ہے، جس نے تن من دھن سے قربان و نثار ہونے کا مظاہرہ زندگی بھر کیا نہ صرف یہ کہ اپنے حواس کو باقی رکھا بلکہ خود کو حالاً قولاً اور عملاً نظیر و نمونہ بنا دیا۔ حجرۂ عالیہ سے باہر نکلے آنسو صاف کئے، اعتماد اور استقلال کے لہجہ میں ارشاد فرمایا من کان یعبد محمداً فانه قد مات ومن کان یعبد الله فانه حی لا یموت ——— وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ

(جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا تو انکی تو وفات ہو گئی اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو سن لے کہ اللہ زندہ ہے اسکو موت نہیں آویگی۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف رسول ہی تو ہیں (خدا تو نہیں جس پر موت یا قتل ممتنع ہو) آپ سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں (اسی طرح آپ بھی ایک روز گذر ہی جاویں گے) سو اگر آپکا انتقال ہو جاوے یا آپ شہید ہی ہو جاویں تو کیا تم لوگ (اسلام سے) الٹے پھر جاؤ گے)

ان کلمات عالیہ قدسیہ کا ان حق شناس لوگوں پر مکمل اثر ہوا۔ حضور کا مطمح نظر اور اللہ کی رضا سامنے آگئی اور ان صابرین، خاشعین، قانتین، ذاکرین حضرات نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کے سپرد کر کے ان کے منصوبہ اور راہ عمل کو اپنایا یہ انھیں کی جوتیوں کا طفیل ہے کہ ہم اور آپ اس دہلیز پاک سے وابستہ ہیں۔ صبر آجانا یہ فطرت ہے اور صبر کرنا یہ عزیمت ہے اِصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا خود سنبھلو دوسروں کو سنبھالو۔ تکلف سے صبر اور صبر کے مقتضیٰ پر عمل کرو انشاء اللہ یہ مرحلہ سر سے گذر جائے گا اور صبر حال بن جائے گا۔

اشکہائے غمی

۱۲ھ ۸۷

صوفیِ حق کیش وحق آگاہ آہ — یعنی مولانا وصی اللہ شاہ
خلفِ ارشد یادگار تھانویؒ — وقف کردہ عمر در حق گستری
سوئے ارض پاک جاری مرکبش — قابلِ صد رشک گشتہ رحلتش
بر قضائے دہر گسترد ابر غم — یک جہاں را قلب محزوں چشم نم
راست گفتہ رحمۃٌ للعالمیں — موتِ عالِم موتِ عالَم این چنیں
یک خلا در ملک گشتہ بعد او — کیست اکنوں پر کند آں جائے او

ہاتفم از غیب دادہ ایں خبر
جنت الفردوس راہ او مقر

۱۳ ھ ۸۷

حیف در بزم جہاں دورِ بہار آخر شد — طلعتِ طالع تسکیں و قرار آخر شد
گفتم ایں مصرعِ مشہور بتاریخ وفات — روئے گل سیر ندیدیم بہار آخر شد

۱۹ ۶ ۶۷

تاثرات

بر وفاتِ حسرت آیات حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

از عبد المالک صابر الحسینی بھوجپوری

آج کیوں ہے بزم میں رندوں کی آنکھیں اشکبار
روح کو ہے صدمۂ جانکاہ دل ہے سوگوار
ہر بشر کا ہے یہاں قلب و گریباں تار تار
تیرے جانے سے ہے کیوں محفل کی محفل بیقرار

کارناموں کو تیرے ہرگز بھلا سکتے نہیں
دل سے تیری یاد ہم ہرگز مٹا سکتے نہیں

تیرے دم سے آبروئے ملّتِ بیضا بھی تھی
جرأت رندانہ کی قائل تری دنیا بھی تھی
تیرے ماتھے پر کلاہِ اشرفی زیبا بھی تھی
تیری رفعت اس جگہ پنہاں بھی تھی پیدا بھی تھی

درحقیقت آج ہم سے دور ہے جانِ جہاں
یاد تیری غیر فانی اور ہے تو حرزِ جاں

وائے کتنا جلد بدلا میکدہ کا یہ نظام
وائے حسرت کیوں ہوئے یہ خون سے لبریز جام
آؤ رندو! خون ہے برسا فضا میں صبح و شام
داستانِ زندگانی رہ گئی ہے نا تمام

انجمن میں کیف پرور۔ وہ نظر باقی نہیں
ساغر و مینا سے کیا مطلب ہے جب ساقی نہیں

آسمانِ علم کا ایک نیّر تاباں بھی تھا
حُسنِ سیرت، حُسنِ صورت میں مہ کنعاں بھی تھا
ہر نظارہ جمال جلوۂ یزداں بھی تھا
آں زپُر نورِ خدا اور صاحبِ ایماں بھی تھا

حشر تک صابرؔ نہ ہوگا اس سا کوئی پاسباں
گل کرے پیدا کوئی ممکن نہیں ہے گلستاں

قطعہ

سکونِ زندگانی کی دوا لانے کہاں جائیں
جگر کے زخم دل کے داغ دکھلانے کہاں جائیں
ترے گیسوئے الفت سے جنوں کے جنکو نسبت تھی
بتا روحِ وصی اللہ وہ دیوانے کہاں جائیں

قطراتِ اشک

رُوئے گل سیر ندیدیم بہار آخر شد
۱۹ ۶ ۶۷

منجانب قاری عبدالسلام صاحب ہنسور ضلع فیض آباد

(۱)

زیست تیری وقف بہرِ خدمتِ دین میں
موت تیری حج ربِ البیت کی شکل حسیں
ایکہ ساری عمر تو بیتاب تھا بے خواب تھا
سو، بزیرِ سایۂ الطافِ ربِ العالمیں

(۲)

تجھ سے تھے ساماں الٰہ آباد میں بہبود کے
کیا رہا اب شہرِ اکبر میں سوا امرود کے
آفریں امراضِ روحانی کے اے حاذق طبیب
ٹوٹے رشتے تو نے جوڑے عبد اور معبود کے

(۳)

کیا ہوا مصباح گر پہونچا نہیں مشکوٰۃ تک
مکہ کیا اس کی رسائی تھی خدا کی ذات تک
شیخ کے اس مدفنِ آبی پہ کیوں گریاں ہے تو
یہ حرم ہے، کیا نہیں حدِ حرم میقات تک

(۴)

زندگی بھر تو دواں تھا صورتِ مہرِ منیر
فیض تھا دریا ترا دعوت تری آفاق گیر
کیسے خاکِ ہند پر جمتے بھلا تیرے قدم
جب حرم کی خاک سے ممزوج تھی تیری خمیر

(۵)

تیرا یہ بارِ امانت قبر سہہ سکتی نہ تھی
وہ زبانِ حال سے کہتی تھی کہہ سکتی نہ تھی
تھی مکینِ عالمِ انوار تیری روحِ پاک
نعش بھی تیری بقیدِ خاک رہ سکتی نہ تھی

(۶)

تیری دنیا تھی توکل سب سپردِ کردگار
اور تجھ کو موت بھی آئی براہِ کوئے یار
اس فنا فی اللہ کی شانِ فنائیت تو دیکھ
دفن بھی بابِ عرب کے سامنے ہے بے مزار

سرشکِ غم

منجانب محب مکرم جناب حفیظ الرحمٰن صاحب امین (اعظم گڈھی)

بروفات حسرت آیات مرشدنا و مولانا حضرت شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ

ذرّہ ذرہ ہے یہاں کا سوگوار　　وقف رنج و غم ہوئے لیل و نہار
شیخ کی فرقت میں ہم ہیں اشکبار　　تیرے پہلو میں ملا جس کو قرار
ہو نہ کچھ تقصیر خدمت زینہار
ہوشیار اے بحر قلزم ہوشیار

خواری اسلام اسے تڑپا گئی　　اس کی بدحالی سے جاں گھبرا گئی
اب سکون دائمی سا پا گئی　　تیرے پہلو میں اسے نیند آ گئی
حشر تک کرنا ہے تجھ کو انتظار
ہوشیار اے بحر قلزم ہوشیار

زندگی اس کی نہایت پاک تھی　　سر بسر مثل شہ لولاک تھی
پُر خلوص و بے ضرر بے باک تھی　　بے نیاز گردش افلاک تھی
جان و دل سے اس پہ ہوتا ہے نثار
ہوشیار اے بحر قلزم ہوشیار

اس کی فطرت تھی نہایت ہوشمند — حق پرست و حق شناس و حق پسند
تھا یہاں کے سربلندوں میں بلند — شہرتِ دنیا مگر تھی ناپسند
تیری آغوش اور یہ دُرِّ شاہوار
ہوشیار اے بحرِ قلزم ہوشیار

اس کی خفگی بھی سبق آموز تھی — خندہ پیشانی کدورت سوز تھی
ہر نصیحت جان و دل افروز تھی — دوستوں کی فکر غم اندوز تھی
کر لیا اب اس نے دوری اختیار
ہوشیار اے بحرِ قلزم ہوشیار

ایک بلبل تھی جوان و پیر میں — خاکِ طیبہ تھی الگ تدبیر میں
یہ امانت تھی تری تقدیر میں — ہونے والا تھا یہی آخیر میں
مرضیٔ مولا میں کس کو اختیار
ہوشیار اے بحرِ قلزم ہوشیار

تھا وہ اک امیدگاہ شیخ و شاب — ہو گئے کتنے ہی اس سے فیضیاب
اب تو دنیا میں نہیں اس کا جواب — چشمِ ایمن جسکے غم میں ہے پُرآب
ہو نہ کچھ تقصیرِ خدمت زینہار
ہوشیار اے بحرِ قلزم ہوشیار

رثاء الشیخ

منجانب محترم المقام جناب مولانا سراج الحق صاحب مدظلہٗ

نعوا الیّ وصیّ اللہ مرشدنا　　قلبی ھوی وجری سیل من اجفانی

لوگوں نے مجھے ہمارے مرشد روحانی حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب کی خبر مرگ سنائی تو میرا دل ڈوبنے لگا اور میری آنکھوں سے ایک سیلاب امنڈ پڑا

مضیٰ وعلّمنا معنی حدیث عمرؓ　　قولاً وفعلاً باسرار و اعلان

حضرت تشریف لے گئے اور ہمیں (ہفتہ عشرہ سے) حدیث سیدنا حضرت عمر فاروقؓ انما الاعمال بالنیات کا مطلب سمجھاتے تھے۔ اپنے قول سے تو اس کا مطلب علانیہ اور اپنے فعل سے پوشیدہ طور پر بتایا۔

فھاجر الھند ارض المشرکین ھما　　جراً الی اللہ بالصدق واحسان

اس طرح کہ انھوں نے صدق نیت اور حسن اعمال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف اس ہندوستان سے ہجرت کر ہی کے دکھا دی

اقام ضیفاً بقعر البحر معتکفا　　ملبیاً دعوۃ الرّوح وریحان

اب حضرت نے (بحکم حدیث الحجاج ضیوف اللہ) مہمان بنکر قعر سمندر میں اعتکاف کے ساتھ قیام کرلیا ہے۔ آپ نے (بجائے حج کی لبیک کے) جنت کے روح اور ریحان کی دعوت کو لبیک کہا۔

اقول قولی وقد حار الانام بہ　　لا تنسنا یوم ینسی الولد ابوان

لوگ تو حضرت کی وفات کے معاملہ میں متحیر ہو رہے ہیں اور میں (عالم تصور میں کہے جارہا ہوں کہ) یا حضرت جس دن ماں باپ بھی اپنے اولاد کو بھول جائیں گے اس دن آپ ہمیں نہ بھولئے گا۔

جزاک ربی جزاءً کاملاً حسنا　　من عندہ طیباً عنّی واخوانی

میرا رب آپ کو خود میری طرف سے بھی اور میرے اخوان طریق کی طرف سے بھی خاص اپنے پاس سے جزائے کامل احسن اور طیب عطا فرمائے

تاریخ وفات

منجانب محب مکرم جناب حفیظ الرحمن صاحب امین (اعظمگڈھی)

ہادی عصر رواں رحلت نمود — سوئے ملک جاوداں رحلت نمود
مصلح اعاصیاں رحلت نمود — رہنمائے گمرہاں رحلت نمود
پیشوائے مُقبلاں رحلت نمود — نکتہ دانِ کن فکاں رحلت نمود
عالمے براسوۂ پاک نبی — عالمے روشن بیاں رحلت نمود
میہمان شاہ در راہِ حجاز — نزد شاہ دوجہاں رحلت نمود
کارواں را با خدا بگذاشتہ — وائے میر کارواں رحلت نمود
خوابگہ در بحر سرخ آمد پسند — نافر شہرت جناں رحلت نمود
در سپردہ مایۂ خویش آب را — سوئے مکہ کارواں رحلت نمود
محفل میخانہ چوں ویران شد — دفعتہً پیر مغاں رحلت نمود
حالت خود را بکہ خواہیم گفت — مشفق ما ناگہاں رحلت نمود
باکہ ما گوئیم حال زار خویش — غمگسار عاجزاں رحلت نمود
اے خدا اورا بدہ جائے بلند — شیخ ما سوئے جناں رحلت نمود
یاخدا انجام امین کن بخیر — صدقۂ شیخے کہ آں رحلت نمود

سال تاریخ وفاتش ہاتفے
گفت "مشہورِ زماں" رحلت نمود

۱۳۸۷ھ

وائے غم شیخ

۱ ۹ ۴ ۶ ۷

منجانب محمد مسلم صاحب جونپوری رح

پرتو شمع نبوت اٹھ گیا عاشق صہبائے وحدت اٹھ گیا
عارف رمز طریقت اٹھ گیا کاشف سر حقیقت اٹھ گیا
ماحی شرک و ضلالت اٹھ گیا داعی احیاء سنت اٹھ گیا
نیک جلوت پاک خلوت اٹھ گیا وہ وقار آدمیت اٹھ گیا
ہاں بہار باغ عفت اٹھ گیا وہ گل تقویٰ کی نکہت اٹھ گیا
آہ! وہ غواص بحر معرفت وہ فنائے فی الحقیقت اٹھ گیا
قال سے بھی بڑھ کے جسکا حال تھا آہ! وہ پاکیزہ سیرت اٹھ گیا
سرگروہ اصفیا کہئے جسے پیکر زہد و ریاضت اٹھ گیا
مفخر امداد و محمود الحسن روح انور کی مسرت اٹھ گیا
یادگار حضرت اشرف علی مخزن رشد و ہدایت اٹھ گیا
شہ وصی اللہ وہ شیخ زماں فخر دیں و فخر ملت اٹھ گیا
مصلح الامت حقیقت میں جو تھا ہائے! وہ غمخوار امت اٹھ گیا
رونق بزم سلف جاتا رہا خانقہ کی روح زینت اٹھ گیا

وہ تصوف کا امین و ترجماں کرکے سب اتمام حجت اٹھ گیا
تشنگان جام حق جائیں کہاں قاسم جام شریعت اٹھ گیا
واقف و دانائے اسرار حیات صاحب چشم بصیرت اٹھ گیا
ہو گیا گل علم و عرفاں کا چراغ موجب کافور ظلمت اٹھ گیا
راہ حق پر گامزن رہتے ہوئے عازم حج و زیارت اٹھ گیا
ہو کے بحر عشق و الفت میں فنا وہ شہید راہ ملت اٹھ گیا
پھول کیا ڈالیں ہم اسکی قبر پر[٭] صاحب معدوم تربت اٹھ گیا
رحمت باری تھی جسکی منتظر وہ مکین باغ جنت اٹھ گیا
جسکے سینے میں تھا قلب دردمند وہ سراپا مہر و شفقت اٹھ گیا
زندگی بے کیف ہے اسکے بغیر باعث تسکین و راحت اٹھ گیا
ہم تڑپتے ہاتھ ملتے رہ گئے دیکھئے ہمکو داغ فرقت اٹھ گیا

مسلم مضطر یہ کہہ سال وفا
ہائے! اب پیر طریقت اٹھ گیا

۱۳۸۷ھ

٭ یہ اسی خاص شعر کی طرف اشارہ ہے جسکو حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ اپنی مجلس پاک میں گاہے گاہے ایک خاص انداز سے پڑھا کرتے تھے۔

پھول کیا ڈالوگے تربت پر مری خاک بھی تم سے نہ ڈالی جائے گی

واشیخاہ

از

محبی ومحترمی جناب ڈاکٹر محمد احمد صاحب صدیقی زید مجدہ

استاذ شعبۂ عربی وفارسی جامعۂ الٰہ آباد

اَلَا یَا عَیْنُ فَابْکِیْ   لِشَیْخٍ کَانَ اَتْقَانَا

خبردار ہوجا اے آنکھ اور رو چل   اس شیخ کے لئے جو ہمارے متقی ترین پیشوا تھے

وَلَا تَتَفَتَّرِیْ ثُمَّ اشْ   حَنِیْ بِالْحُزْنِ اَجْنَانَا

اور اس میں کمی نہ ہونے دے پھر دلوں کو   رنج و الم سے بھر دے

وَصِیُّ اللّٰہِ ذُو الْکَرَمِ   لَفَارَقَنَا فَاَشْجَانَا

صاحب کرم مولانا وصی اللہ نے ہم   سے مفارقت اختیار کیا اور ہم کو غمزدہ بنایا

فَلَمَّا صَارَ مُنْطَلِقًا   لِحَجِّ الْبَیْتِ فَرْحَانَا

جب آپ خوش خوش   حج بیت اللہ کے لئے چل پڑے تھے

رَجَوْنَا اللّٰہَ یُرْجِعُہٗ   اِلَی ہِنْدٍ لِلُقْیَانَا

تو ہم نے امید کی تھی کہ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کی   ملاقات کے لئے ہندوستان واپس لائے گا

فَاٰثَرَہٗ وَقَرَّبَہٗ   لِرَفْعِ الْقَدْرِ قُرْبَانَا

لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے لئے منتخب کرلیا   اور ان کے مراتب بلند کرنے کے لئے اپنا مقرب بنالیا

وَاَبْلَغَہٗ اِلَی الْفِرْدَوْ   سِ اِکْرَامًا وَّاِحْسَانًا

اور اکرام و احسان کرتے ہوئے   ان کو جنت الفردوس پہونچادیا

وَكَانَ مِنَ الْهُدَاةِ لَنَا ۔۔۔ فَأَرْشَدَنَا وَزَكَّانَا

اور وہ ہمارے ایک ہادی تھے تو ہماری رہنمائی کی اور ہمارے نفس کی صفائی کی

وَبَشَّرَنَا وَأَوْعَدَنَا ۔۔۔ فَأَضْحَكَنَا وَأَبْكَانَا

اور ہم کو جنت کی خوشخبری سنائی اور دوزخ سے ڈرایا اس طرح ہمکو بشارت سے ہنسایا اور وعید سے رُلایا

وَقَانَا عَنْ مَعَاصِيْنَا ۔۔۔ وَزَيَّنَنَا بِمَا زَانَا

ہم کو ہمارے گناہوں سے بچایا اور ان صفات سے مزین کیا جو زینت بخشتے ہیں

فَطَارَ إِلَيْهِ طُلَّابٌ ۔۔۔ زَرَافَاتٍ وَّوُحْدَانَا

طالبین حق آپ کے پاس تنہا اور جماعت بنکر اُڑ کر آئے

فَزَكَّاهُمْ وَحَرَّضَهُمْ ۔۔۔ عَلَى الْخَيْرَاتِ عَجْلَانَا

آپ نے ان کا تزکیہ نفس کیا اور جلد ان کو نیکیوں کی طرف برانگیختہ کیا

أَلَا يَا صَاحِ أَنَّ الْمَوْ ۔۔۔ تَ خَادَعَنَا وَعَادَانَا

خبردار ہو جا اے دوست بیشک موت نے ہم کو دھوکا دیا اور ہم سے عداوت کیا

فَأَفْنَى عَالِمًا وَرِعًا ۔۔۔ فَخَيَّبَنَا وَأَرْدَانَا

اور ایک متقی پرہیزگار عالم کو فنا کر دیا اور ان کی رشد و ہدایت سے ہمکو محروم کر دیا اور ہمکو موت کے گھاٹ پہنچادیا

وَأَنْتَ خَطَفْتَ يَا مَوْتُ الظْ ۔۔۔ ظَلُوْمُ الْآنَ أَهْدَانَا

اے ظالم موت تو نے ہم سے ہمارے بہترین ہادی اور رہبر کو اسوقت ہم سے جبراً و قہراً چھین لیا

لَقَدْ هَدَّمْتَ هٰذَا الْحِصْ ۔۔۔ نَ مَظْلِمَةً وَّعُدْوَانَا

بے شک تو نے اس قلعہ کو ظلم و ستم سے ڈھا دیا

جَزَاهُ اللّٰهُ أَحْسَنَهُ ۔۔۔ وَيَرْضَى عَنْهُ رِضْوَانَا

اللہ ان کو بہترین بدلہ دے اور ان سے راضی ہو جائے

فَأَحْمَدُ ظَلَّ يَسْئَلُهُ ۔۔۔ لَهُ كَرَمًا وَّغُفْرَانَا

اور احمد اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ ان کے لئے کرم و مغفرت کا سوال کرتا رہتا ہے

"نظم شام غم"

خطاب خاص

بخدمت الحاج الحافظ القاری محمد مبین صاحب سلمہٗ اللہ تعالیٰ
خویش اکبر دیکے از مجازین کرام قطب العالم حضرت الحاج
الحافظ الشاہ مولانا محمد وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ
علیہ برسانحۂ وفات حسرت آیات انجد و مرشدی و مولائی
علیہ الرحمۃ

از قلم

سراپا غم ناچیز سید محمد عبد الرب صوفی عفی عنہٗ
مقیم حال بنگلہ ایف ۴۴ روڑا بند پوسٹ سندری
ضلع دھنباد (بہار)
ساکن ۲۷ برھواری اُناؤ، یوپی، ۱۱ رجون ۱۹۶۸ء

تم وہاں ہو اور اتنی دور ہم قاری مبین
ہیں سفینے پر کھڑے با چشم نم قاری مبین
راہ غربت میں پھٹا یہ کوہِ غم قاری مبین
امتحاناً تم پہ رکھا بارِ غم قاری مبین
فرطِ غم سے گرچہ تھے صدیق اکبرؓ دردو غم

ہے ہماری چشم نم، اک جام غم قاری مبین
دیکھتے ہیں ہم کہ ہیں تصویر غم قاری مبین
واہ - یہ دم بھی رہے ثابت قدم قاری مبین
کھائی اور جہرے پہ یہ تیغ دو دم قاری مبین
پھر بھی وہ یکسر رہے ثابت قدم قاری مبین

جس نے ڈالا تم پہ غم دے دولتِ صبر و رضا — اک امانت کا خزانہ ہے یہ غم قادری مبین
ہم مبارکباد دیتے ہیں کہ یوں بخشا گیا — تم کو صدیقی خلافت کا قدم قادری مبین
تم کو قائم کر گئے قطبِ جہاں قائم رہو — استقامت کی دعا کرتے ہیں ہم قادری مبین
تم ہو غم خوردہ مگر حضرت تو ہیں انعام یاب — ضابطہ انصاف کا ہے ضبطِ غم قادری مبین
کوئی محوِ استراحت ہے کوئی زار و نزار — دیدنی ہے منظرِ شادی و غم قادری مبین
یہ ہیں بابائے حال خوابیدہ۔ یہ صاحبزادیاں — یہ سکوتِ تام۔ یہ کربِ اتم قادری مبین
آنسوؤں کے ساتھ ان کی بارگاہِ صبر میں — تعزیت یہ کر رہے ہیں بیکسِ ضم قادری مبین
ان کا گریہ گرچہ برحق۔ اشکِ غم لعل و گہر — عرض کردیں صبر ہے اس سے اہم قادری مبین
پیکرِ صبر و رضا بن جائیں صاحبزادیاں — اس قیامت میں ہیں ثابت قدم قادری مبین
شرع میں آنسو بہانے کی اجازت ہے مگر — کام ہے درپیش اس سے بھی اہم قادری مبین
یہ ہے تابوتِ سکینہ اور یہ محشر بپا — یہ جہاز۔ اور چار سو بحرِ الم قادری مبین
قطبِ عالم ہیں تبسم ریز باکیف و سرور — سب ہیں وقفِ گریہ زیر بارِ غم قادری مبین
شاہِ خوباں سو رہے ہیں موت کے سایہ تلے — عمر بھر جاگے بہت سوئے ہیں کم قادری مبین
نیند گہری ہے تھکے ماندے بھی ہیں بیمار بھی — خوب سونے دو جگانا ہے ستم قادری مبین
رات بھر سو لیں پریشاں کیوں ہیں صاحبزادیاں — صبح کو فرمائینگے سیرِ ارم قادری مبین
ہے شبِ برزخ نہایت خواب آور پُر فضا — اور فرحت بخش ہے صبحِ عدم قادری مبین
چہل قدمی کا کریں کچھ نظم جامی سے کہو — ساتھ ہوگا جیسے ہو چشمِ کرم قادری مبین
آنے والا ہے شہیدِ کوئے جانانِ حجاز — یہ کفن ہے یا ہے احرامِ حرم قادری مبین
ہم پر کوئی تغیر ہے نہ مرنے کا اثر — گرچہ پانچ ایام گذرے بیش و کم قادری مبین
درمیانی رات تھی چوبیس اور پچیس کی — مصلحِ اُمت نے جب توڑا ہے دم قادری مبین
نومبر عیسوی انیس سو ستّھ کا سال — کیا خبر تھی ہے یہ ماہ و سالِ غم قادری مبین
دس بجے انتیس کو نزدیک جدہ ہو گیا — جسمِ اطہر ہو جب تشریف یم قادری مبین
بحرِ قلزم امینِ لؤلوئے لالا ہوا — ہے یہ صحنِ پُرفضا باغِ ارم قادری مبین

اک شگفتہ پھول چہرہ شاخ گل جسم لطیف
زندگی کی تازگی ہوگی نہ کم قاری مبین

موت سے دو روز قبل انیسویں شعبان کو
بمبئی میں کیا سماں تھا محترم قاری مبین

حضرتِ والا کے گرداگرد جشن عیش تھا
خواب میں بھی تو نہ تھا رنج والم قاری مبین

بمبئی رشک چمن تھا اور وہ جانِ بہار
تھے ترانے اور ان کا زیر و بم قاری مبین

آگے آگے کار تھی سلطانِ خوباں کی رواں
پیچھے پیچھے عاشقانِ تیز دم قاری مبین

یہ ہجوم مضطرب پہونچا جو بندرگاہ تک
سب کی آنکھوں سے رواں تھے اشک غم قاری مبین

آہ یہ رشک جدائی اشک ماتم ہوگئے
آہ یہ رنج والم کیسے ہو کم قاری مبین

چھوڑ کر راہِ عرب حضرتؒ نے پکڑی راہ رب
کیا کریں ہم آہ اب جز رنج وغم قاری مبین

واقعی کیا حضرت والا کی رحلت ہوگئی
سوچکر حیران و سرگرداں ہیں ہم قاری مبین

دیکھتے ہی دیکھتے دو روز میں کیا ہوگیا
یک بیک وہ چلدیئے سوئے عدم قاری مبین

یاد ہے ان کا یہ کہنا ہم کو پاؤگے نہیں
جوتیاں پہنیں گے اور چل دینگے ہم قاری مبین

اس طرح رہ رہ کے یاد آتی ہیں انکی شفقتیں
دل ہے پُرخوں آنکھ جیحوں شق قلم قاری مبین

شاید آجائیں کسی جانب سے وہ ہنستے ہوئے
خواب میں ہوجائے شاید یہ کرم قاری مبین

ہوگیا خورشید خاور بحر قلزم میں غروب
چھاگئی آفاق پر اک شامِ غم قاری مبین

بجھ گیا اک نور تاباں ہوگیا عالم سیاہ
نیّرِ اعظم تھا انکا ایک دم قاری مبین

کھوگئے وہ اور ان کا نور بھی گم ہوگیا
انکا اٹھ جانا ہے غم بالائے غم قاری مبین

نور سے اپنے وہ روشن کرگئے ہیں جو چراغ
ہیں وہی قائمقام اب محترم قاری مبین

قطب عالم نے جو چھوڑا ہے گروہِ مصلحین
ہیں مجازین مکرم محترم قاری مبین

سعی پیہم سے کریں اہتمام اب اس نور کا
حال مہجورین پر ہو یہ کرم قاری مبین

نور باطن تمکو بخشا ہے خدائے پاک نے
دو ترقی تم بھی اسکو دم بدم قاری مبین

تم یقیناً اس ودیعت کے امانت دار ہو
ہیں تمہارے غاشیہ[علہ] بردار ہم قاری مبین

قطب عالم کا یہ گلشن پھولتا پھلتا رہے
ہے یہ صوفی کی دعا باچشم نم قاری مبین

علہ چادر

قطعۂ تاریخ وفات

حضرت مصلح الامت عارف باللہ مولانا حاجی شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ

زہے، حاجی وصی اللہ، مرحوم — رہِ حق تا دمِ آخر نمودی
بہ صد انوارِ توحید و رسالت — الٰہ آباد را رونق فزودی
چہ زنگ آلودہ، دُود آمود دلہا — بہ حکمت ہمچو آئینہ زدودی
دریں طوفانِ کفر و شرک و بدعت — مقامِ استقامت، مثلِ جودی
پئے اصلاحِ فرزندانِ تہذیب، — بسازِ عارفاں، نغمہ سرودی
"ھو اللہ احد — اللہ اکبر!" — خلافِ ایں، نہ گفتی، نے شنودی
خس و خاشاک، معبودانِ باطل، — جبیں بر آستانِ خس، نہ سودی
ترا بخشید حق، چشمِ بصیرت، — نقابِ مکرِ شیطاں، بر کشودی
بہ عشقِ اسوۂ پاکِ محمدؐ — ز اقراں، گوئے سبقت در ربودی
مثالِ مردِ غازی، وقتِ پیری — چہ زورِ بازوئے خود آزمودی
میانِ راہِ کعبہ جاں سپردی — شہیدِ حسرتِ دیدار بودی
زہے اے چشم بر راہِ پیامی — زخاکِ ہند تا آبِ سعودی
تبسم برلب و لبیک گویاں — بحق پیوستی، با شانِ درودی
ندا آمد، عالمِ اسرار برخاست — "بیا در رحمتِ ما، یا عبودی"
مزین بہرِ تو گلزارِ جنت — مہیا بہرِ تو عیشِ خلودی
بہ باغِ عدن، روحِ پاک فرحاں — بہ خاکِ عدن، نقشِ بے وجودی
بیا، عاصی، بگو، تاریخِ رحلت — چوں لختے از صفاتِ او، ستودی
"ز خاصانِ خدائے پاک"، بشمر — کہ دریابی سنِ ہجری بہ زودی

۱۳۸۷ ع

قطعۂ تاریخ

بہ ایمانِ کامل، بہ اعمالِ صالح
ہمی ارشد و داخلِ باغِ رضوان
بسالِ رحلت [illegible] ہمی خواند عاصی
فیضِ نازل [illegible] ز اعطیاتِ قرآن

۱۳۸۷

خادم
عبدالباری، عاصی، الٰہ آبادی
(ایم اے، سابق پرنسپل)

باسمہ سبحانہ

اخبار الطالبین باسماء المجازین

یعنی

اسماء گرامی خلفاء مجازین بیعت و مجازین صحبت

حضرت مصلح الامۃ مولانا الشاہ وصی اللہ صاحب اعظمگڈھی

ثم الہ آبادی نور اللہ مرقدہ

منجانب

حضرت مولانا ابرار الحق صاحب مدظلہم العالی

ناظم اعلی مجلس دعوت الحق ہردوئی

در مطبع اسرار کریمی پریس الہ آباد طبع گردید

تمہید

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

یکے از خدام بارگاہ وصی اللہی عرض پرداز ہے کہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ العزیز نے اپنے مجازین کی دو قسم فرمائی ہے۔ ایک مجاز بیعت۔ دوسرے مجاز صحبت ان دونوں میں فرق مجملاً یہ ہے کہ مجازین بیعت تو بیعت اور تعلیم وتلقین دونوں کے مجاز ہیں۔ اور مجازین صحبت صرف تعلیم وتلقین کے۔

بنا بریں ان کے خلیفہ مصلح الامت حضرت مرشدی ومولائی مولانا شاہ وصی اللہ صاحب اعظمگڈھی ثم الہ آبادی نے بھی اپنے مجازین کو دو قسم پر منقسم فرمایا۔ یعنی بعضوں کو تعلیم وتلقین کے علاوہ بیعت کرنے کی بھی اجازت دی اور بعضوں کو محض تعلیم وتربیت اور تلقین اذکار واشغال کی۔

مگر چونکہ حضرت قدس سرہٗ نے اپنی حیات مبارکہ میں کوئی فہرست اپنے خلفاء ومجازین کی مرتب نہ فرمائی اور نہ زبانی ہی علی الاعلان ہر خاص وعام کو مطلع فرمایا بلکہ بعضوں کو تو اس طرح اجازت دی کہ مقربین کو بھی اطلاع نہ ہوئی۔ اس کی وجہ جو بھی رہی ہو۔ مگر حضرت والارحؒ کی طبیعت ومزاج کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت والارحؒ اپنی حیات میں اپنے لئے کسی قسم کے اشتہار اور نام ونمود کو بالکل پسند نہ فرماتے تھے بلکہ ہمیشہ گمنامی وخمول ہی کو ترجیح دیتے تھے اور اپنے متعلقین کو خاص طور سے اس کی تعلیم فرماتے تھے اور برابر یہ شعر زبان زد رہتا تھا خاص طور سے اخیر عمر میں ؎

آئینہ ہستی چہ باشد نیستی　　　نیستی بگزیں گرابلہ نیستی

اس لئے اپنے مجازین وخلفاء کے لئے اخفا ہی کو پسند فرمایا۔ کہ جو اہل ہوگا خود ہی منجانب اللہ مشتہر ہوجائے گا اور اس کا مصداق ہوگا ؎

میں تو نام ونشاں مٹا بیٹھا　　　شہرہ میرا اڑا دیا کس نے

اسلئے بعد وفات حضرت مرشدی رحؒ متعلقین ومتوسلین کے کثرت سے خطوط آئے کہ حضرات خلفاء کے اسماء سے مطلع کیا جائے تاکہ حسب مناسبت رجوع ہوا جاسکے۔ نیز بعض اکابر کے بھی مکتوبات عالیہ آئے۔ چونکہ علی التعیین والتحدید ان کے اسماء معلوم نہ تھے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اس لئے ان حضرات کے استفسار وسوال کا جواب شافی نہ دیا جاسکا۔ اور یہاں اشاعت کے سلسلہ میں متعلقین کی دو رائیں ہوگئیں

ولکل وجھۃ۔ وللناس فیما یعشقون مذاھب

بعض لوگوں کی یہ رائے ہوئی کہ جس طرح حضرت مرشدنا رحؒ نے اس سلسلہ میں اخفاء کا اہتمام کیا اور اس راز کو کھولنا پسند نہ فرمایا اسی طرح ہملوگوں کو بھی کرنا چاہیئے اور اس معاملہ کو علی حالہ چھوڑ دینا چاہیئے۔ لوگوں کو بتدریج ہر ایک کے متعلق معلوم ہو ہی جائے گا نیز خدا کو جس سے خدمت خلق کا کام لینا منظور ہوگا خود ہی اسکو شہرت و قبولِ خلق عنایت فرمادیں گے۔ اور جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے مخصوص کرلیا ہے اس کا نام منصہ شہود پر نہ بھی آئے تو کیا مضائقہ ہے ؎

میان عاشق و معشوق رمزیست کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

اور بعض لوگوں کی یہ رائے ہوئی کہ اسماء خلفاء کی فہرست ضرور شائع ہونی چاہیئے۔ اس میں بہت سے منافع و مصالح ہیں عدم شیوع کی صورت میں ضرر کا اندیشہ ہے۔ چنانچہ اتنے دنوں میں اس کا تجربہ بھی ہوگیا۔ اس لئے ترجیح شائع کردینے ہی کی ہوئی۔

اب سوائے اسکے کوئی صورت نہ تھی کہ خود حضرت کے متعمدین سے فرداً فرداً دریافت کیا جائے کہ آپکو اجازت ہے کہ نہیں۔ اگر ہے تو کس قسم کی۔ اسلئے یہاں سے قریب قریب بھی لوگوں کے پاس اس مضمون کے خطوط گئے کہ اگر حضرت والا قدس سرہٗ نے آپ کو اجازت دی ہو یا آپ کے علم میں ہو کہ فلاں کو اجازت دی ہے تو اسکو بعینہٖ انھیں الفاظ میں تحریر فرمادیں جو حضرت مرشدی رحؒ نے ارشاد فرمائے ہیں۔

چنانچہ جوابات آئے مطالعہ کیا گیا۔ تاہم اشتباہ و اشکال باقی رہا۔ اسلئے کہ بعض الفاظ ایسے تھے جس سے فیصلہ کرنا دشوار تھا کہ یہ مجاز ہیں یا نہیں اور اگر ہیں تو کس قسم کے۔ لہٰذا حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحؒ کے خلیفہ مولانا سید ابرار الحق صاحب مدظلہ سے اس امر میں مشورہ طلب کیا گیا اور سب خطوط انکے سامنے پیش کئے گئے۔ انھوں نے خود پڑھ کر یا سنکر الفاظ و قرائن سے اپنے ذوق و وجدان سے جو سمجھا اسکو ظاہر فرمایا کہ فلاں کو اجازت بیعت کی ہے اور فلاں کو صحبت کی۔ اور بعضوں سے دونوں کی نفی فرمائی۔ بعینہٖ ہملوگوں نے اسکو درج کرلیا۔ اور ہملوگوں کو بھی اس فیصلہ پر کامل اطمینان و وثوق رہا اور ہے اسلئے توکلاً علی اللہ اسکو شائع کیا جاتا ہے چونکہ اصل میں حضرت مولانا ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم ہی ہیں اور انھیں کے فیصلہ پر اعتماد کیا گیا ہے اسلئے انھیں کی جانب سے اسکی اشاعت ہو رہی ہے حضرت مولانا مدظلہ نے فہرست سے پہلے کچھ ضروری باتیں اسی سلسلہ کی تحریر کی ہیں جو آگے درج ہیں ضرور ملاحظہ فرمادیں۔ فوائد جمہ پر مشتمل ہے۔

اب اخیر میں عرض ہے کہ اگر کوئی صاحب سمجھتے ہیں کہ مجھے اجازت ہے اور نام شائع نہ ہوا یا ان کے پاس خط ہی نہ گیا تو وہ بعینہٖ ان الفاظ کو لکھیں جو حضرت رحؒ نے فرمائے ہیں۔ اگر اس سے اجازت ثابت ہوئی تو پھر کبھی شائع کردیا جائیگا ورنہ تو اللہ تعالیٰ کو علم ہے ہی وہ کافی ہے کام خود ہی روشن کردیگا۔ اور اگر کسی نے جھوٹا دعویٰ کیا ہوگا تو معاملہ فیما بینہٖ و بین اللہ ہے جو دنیا و آخرت میں رسوا ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔ والسلام

یکے از خدام حضرت مصلح الامۃ قدس سرہٗ

(اَخبارُ الطَّالبین باَسمَاءِ المُجازین)

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اَمّا بعد:۔ حضرت اقدس مولانا الشاہ وصی اللہ صاحب (اعظمگڈھی ثم الہ آبادی) نور اللہ مرقدہٗ کے وصال کے بعد حضرت مولانا محمد ذکریا صاحب شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور نے حاضری سہارنپور پر نیز تحریراً بھی دریافت فرمایا کہ حضرت شاہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے خاص خاص خلفاء کرام کے اسماء گرامی اور پتے جو تجھ کو معلوم ہوں ان سے مجھے مطلع کردے تاکہ حضرت موصوف نور اللہ مرقدہٗ کے خدام جو مجھ سے رجوع کرتے ہیں ان کو مشورہ دے سکوں کہ ان حضرات میں سے کسی سے تعلقات اصلاحی قائم کریں کیونکہ میرا معمول ہے کہ جن بزرگ کے خدام مجھ سے تعلق قائم کرنا چاہتے ہیں اولاً ان کو ان بزرگ کے خلفاء ہی سے رجوع کرنے کا مشورہ دیا کرتا ہوں۔ اس لئے کہ ان سے زیادہ نفع کی توقع ہے۔ بوجہ مناسبت مذاق اصلاح وتربیت۔

احقر نے احتیاطاً عرض کردیا تھا کہ ایسے حضرات کے نام معلومات حاصل کرکے عرض کریگا گو کچھ حضرات کے نام سے احقر واقف بھی تھا۔ خیال تھا کہ چند حضرات کے نام وپتے معلوم ہوجاویں تو اچھا ہے۔ چنانچہ احقر نے اس سلسلہ میں حضرت اقدس (مولانا فتحپوری) نور اللہ مرقدہٗ کے بعض خدام سے رجوع کیا۔ انھوں نے جواب دیا کہ حضرت اقدس نور اللہ مرقدہٗ کے بعضے خاص خاص حضرات سفر حج میں تشریف لے گئے ہیں۔ ان کے آنے پر صحیح معلومات ہوسکیں گی۔

مولانا جامی صاحب اور جناب قاری محمد مبین صاحب وغیرہم کے حج سے واپس تشریف لانے پر احقر نے اس سلسلہ میں ایک تحریر بھی ارسال کی تھی کہ حضرت اقدس نور اللہ مرقدہٗ کے خاص خلفاء کرام کی فہرست بمصالح جلد شائع کرنا مناسب ہے تاکہ جدید حضرات کو استفادہ میں مدد ملے اور سلسلہ سے منسلک حضرات کو اپنی تکمیل میں اعانت حاصل ہو۔ میری یہ تحریر قاری صاحب کو نہ مل سکی۔ وہ راستہ سے ضائع ہوگئی۔

اسی درمیان میں جناب قاری محمد مبین صاحب مع بعض رفقاء بغرض ملاقات ہردوئی تشریف

لائے اور قاری صاحب نے فرمایا کہ الہ آباد میں میرے پاس و دیگر خصوصی حضرات کے پاس کبھی متعدد خطوط آئے کہ حضرت اقدس نور اللہ مرقدہٗ کے خلفاء کی فہرست شائع کی جاوے۔ ان خطوط کے آنے پر احباب کرام کے مشورہ پر حضرت اقدس سے تعلق رکھنے والے حضرات کے نام احقر نے خطوط ارسال کئے جس میں استفسار کیا گیا تھا کہ:-

"حضرت اقدس (مولانا فتحپوری) نور اللہ مرقدہٗ نے بیعت یا تلقین وارشاد کے سلسلہ میں جن حضرات کو اجازت دی ہو اور آپ کے علم میں ہوں ان سے مطلع کیجئے۔ اور آپ کو کبھی اگر زبانی یا تحریری اجازت دی ہو تو اس سے مطلع کیجئے۔"

ان خطوط میں سے اکثر کے جوابات آگئے ہیں جو بعینہٖ پیش ہیں۔ ان کو دیکھ کر مشورہ دو کہ میں کیا کروں؟

احقر نے متعدد خطوط دیکھے اور بوجہ مصروفیت و ناسازی طبع سارے خطوط جنکی تعداد ۳۸ تھی دیکھنے سے معذوری ظاہر کی اور وعدہ کیا کہ انشاء اللہ تعالیٰ اس کام کے لئے الہ آباد ہی حاضری دونگا اور یہ بھی مشورہ دیا گیا کہ آپ اشاعت اسماء خلفاء کرام میں جلدی نہ کیجئے بلکہ اب سکوت اختیار کیجئے۔ احقر بوجہ مصروفیت قبل رمضان شریف حاضر نہ ہو سکا اس لئے شوال المکرم ۱۴۰۸ھ میں الہ آباد حاضری دی اور دو شب قیام رہا۔ احقر کی حاضری پر حضرات ذیل سے ملاقات ہوئی۔

۱۔ جناب قاری محمد مبین صاحب
۲۔ مولوی قمر الزماں صاحب
۳۔ مولوی عبد الرحمٰن صاحب جامی
۴۔ مولوی عمار الحسن صاحب
۵۔ ڈاکٹر صلاح الدین صاحب
۶۔ زکی اللہ خانصاحب

سب نے کہا کہ ہم سب کو تیرا بہت ہی انتظار تھا۔ لوگوں کے تقاضے برابر آرہے ہیں اسماء خلفاء کی اشاعت کے۔ نیز اس کے برخلاف بعض خطوط میں لکھا گیا ہے کہ فکر اشاعت نہ کی جاوے یونہی معاملہ چھوڑ دیا جائے۔ ہم لوگ بہت ہی متردد ہیں اور باتفاق تمھارے اوپر یہ فیصلہ رکھا گیا ہے کہ اشاعت کیجائے یا نہیں۔ نیز یہ کہ ان خطوط کو دیکھ کر فیصلہ انتخاب خلفاء بھی تو ہی کر دے۔ ہم لوگ بوجوہ ان دونوں امور کے فیصلہ کی ہمت کرنے سے قاصر ہیں۔ یہ دونوں کام اسی سفر میں طے کر دیئے جائیں تو بہتر ہے۔ تیرا جو تعلق حضرت اقدس مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ اور ہم سب سے رہا اور ہے وہ سب پر عیاں ہے۔ احقر نے ان حضرات کی خواہش واصرار کو مصالح دینیہ کی وجہ سے ڈرتے ڈرتے قبول کرلیا۔ توکلاً علی اللہ تعالیٰ اولاً مشورہ میں اشاعت اسماء خلفاء کرام باتفاق طے ہوگئی۔ اس مشورہ کے طے ہونے کے بعد تمام خطوط کو بغور وتامل پڑھا گیا۔ جن حضرات کے حالات میں کچھ معلومات کی ضرورت محسوس ہوئی وہ حضرات

مذکورین سے حاصل کی گئیں ۔ خطوط مذکورہ اور حضرات مذکورین کے بیانات سے انتخاب خلفاء کرام و تعیین درجہ خلافت میں بڑی مدد ملی اور بفضلہ تعالیٰ یہ خدمت انجام کو پہونچ گئی ۔ مجازین بیعت اور مجازین صحبت کی فہرست بھی باتفاق آراء اسی مجلس میں مرتب ہوگئی ۔ اس تعیین کے بعد سب نے باتفاق آراء کہا کہ اشاعت بھی تمہاری ہی طرف سے ہونا مناسب ہے اور اس سلسلہ میں کچھ مضمون بھی لکھدیا جائے تو بہتر ہے ۔ احقر نے اس وقت مصروفیت کا عذر کر دیا اور ہر دوئی سے مضمون ارسال کرنے کو کہا مگر وہاں پہنچ کر موقع نہ مل سکا ۔ یہاں سے یاد دہانی بھی کی گئی اس وقت میرا سفر تھا اس لئے مضمون میں تاخیر ہوگئی ۔ آج بحمد اللہ تعالیٰ اس تحریر کے تکمیل کی توفیق ہوئی ۔

ابرار الحق عفا عنہ　　　یکم محرم الحرام ۱۳۸۹ھ

(۲۳ ۔ بخشی بازار ۔ الہ آباد ۔ ۳)

خلفاء مجازین بیعت

حضرت مصلح الامۃ عارف باللہ مولانا الشاہ وصی اللہ صاحب اعظم گڈھی ثم الہ آبادی نور اللہ مرقدہ

اسمائے گرامی	پتے
۱ ۔ جناب مولانا قاری محمد مبین صاحب	۲۳ ۔ بخشی بازار ۔ الہ آباد
۲ ۔ حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی	صدر المدرسین ۔ دار العلوم ۔ دیوبند
۳ ۔ جناب مولانا سید ظہور الحسن صاحب	مہتمم خانقاہ امدادیہ اشرفیہ ۔ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر
۴ ۔ جناب مولانا عبد الحلیم صاحب	صدر مدرس ۔ مدرسہ ضیاء العلوم ۔ مانی کلاں ۔ ضلع جونپور
۵ ۔ جناب مولانا مفتی محمود الحسن صاحب	دار العلوم بازار برنام بٹ ضلع نارتھ ارکاٹ (مدراس)
۶ ۔ جناب مولانا محمد حنیف صاحب جونپوری	۲۳ ۔ بخشی بازار ۔ الہ آباد
۷ ۔ جناب مولانا مفتی محمد نظام الدین صاحب	دار الافتاء ۔ دار العلوم دیوبند
۸ ۔ جناب حکیم مسعود صاحب اجمیری	کھڑک ۔ نشان پاڑہ روڈ ۔ بمبئی ۹

اسماء گرامی	پتے
۹۔ جناب شفاء الملک حکیم خواجہ شمس الدین احمد صاحب	خواجہ قطب الدین روڈ نخاس۔ لکھنؤ
۱۰۔ جناب ڈاکٹر صلاح الدین احمد صاحب صدیقی عہ	مچھلی کوٹھی۔ منصور پارک۔ الہ آباد
۱۱۔ جناب حافظ محمد صدیق صاحب میمن	متصل مستشفی جیاد۔ مکہ مکرمہ سعودی عرب
۱۲۔ جناب مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی	دار العلوم۔ ندوۃ العلماء لکھنؤ
۱۳۔ جناب عاشق حسین صاحب	۹۹۔ پرانا حیدر گنج۔ لکھنؤ
۱۴۔ جناب حکیم مولوی بشیر الدین صاحب	کوپا گنج۔ ضلع اعظم گڈھ
۱۵۔ جناب مولوی فضل رحیم صاحب	مدرس دار العلوم پرنام بٹ ضلع نارتھ ارکاٹ (مدراس)
۱۶۔ جناب حافظ منیر احمد صاحب	ابراہیم پور۔ محمد آباد گہنہ۔ ضلع اعظم گدھ

خلفاء مجازین صحبت

حضرت مصلح الامت عارف باللہ مولانا الشاہ وصی اللہ صاحب اعظمگڈھی ثم الہ آبادی نور اللہ مرقدہ

اسماء گرامی	پتے
۱۔ جناب مولانا قمر الزمان صاحب	۲۳۔ بخشی بازار۔ الہ آباد ۳
۲۔ جناب مولانا عبد الرحمٰن صاحب جامی	〃 〃 〃
۳۔ جناب مولانا عمار الحسن صاحب	〃 〃 〃
۴۔ جناب مولانا عبد العلیم صاحب عیسٰی	〃 〃 〃
۵۔ جناب مولانا محمد فاروق صاحب	مقام ڈاکخانہ اتراؤں۔ ضلع الہ آباد
۶۔ جناب مولانا قاری حبیب احمد صاحب	مسجد میناشاہ۔ محلہ کٹرہ شہر الہ آباد
۷۔ جناب مولانا محمد حنیف صاحب بستوی	کوپا گنج ضلع اعظم گڈھ
۸۔ جناب مولانا محمد سراج الحق صاحب مچھلی شہری	۶۳۵۔ حسن منزل الہ آباد ۲
۹۔ جناب مولانا انوار احمد صاحب	بازید پورہ کوپا گنج۔ ضلع اعظم گڈھ
۱۰۔ جناب مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب	
۱۱۔ جناب الحاج محمد امجد اللہ صاحب گورکھپوری	فندق بہاء الدین۔ باب المجیدی مدینہ منورہ سعودی عرب

عہ ان کی خلافت شرعاً معتبر نہیں کیونکہ اصول ہے "البینة علی المدعی" اور انہوں نے بینہ کے بجائے قسم کھائی

اسماء گرامی	پتے
۱۲۔جناب مولانا حکیم نثار احمد صاحب	پھلیل پورہ۔کوپاگنج۔ ضلع اعظم گڈھ
۱۳۔جناب مفتی فخرالاسلام صاحب	دائرہ شاہ اجمل۔ الہ آباد ۳
۱۴۔جناب مولانا افتخار الحق صاحب	جعفرا بازار۔ شہر گورکھپور
۱۵۔جناب مولانا محمد یوسف صاحب بستوی	خیر انٹر کالج۔ بستی
۱۶۔جناب حافظ محمد زکریا صاحب	فتح پور۔ تال نرجا۔ ضلع اعظم گڈھ
۱۷۔جناب حکیم علی ملپا صاحب	تکیہ محل بھٹکل
۱۸۔جناب مولانا ارشاد احمد صاحب	مبلغ دارالعلوم دیوبند ضلع سہارنپور
۱۹۔جناب سید حسین صاحب ڈپٹی کمشنر	ڈپٹی لینڈ ریفارم کمشنر لکھنؤ۔
۲۰۔جناب مولانا محمد ایوب صاحب اعظمی	شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل۔سورت
۲۱۔جناب مولوی ابرار احمد صاحب	مدرس جامعہ اسلامیہ ڈابھیل
۲۲۔جناب حاجی زکی اللہ خانصاحب	زکی دواخانہ۔ مدن پورہ۔ بمبئی ۸
۲۳۔جناب حاجی عبدالمجید صاحب	منیجر اسرار کریمی پریس الہ آباد
۲۴۔جناب داروغہ نجم الدین احمد صاحب	قصبہ بھتری۔ ضلع غازی پور
۲۵۔جناب مولوی حکیم حبیب اللہ صاحب	اترأوں۔ ضلع الہ آباد

اس سلسلہ میں بعض ضروری گذارشات کھی ہیں

(۱) ممکن ہے کہ بعض ایسے حضرات جنکو حضرت اقدس نوراللہ مرقدہٗ کی طرف سے اجازت بیعت یا صحبت ہو اور ان کا نام اس فہرست میں نہ ہو یا مجاز بیعت ہوں اور ان کا نام مجاز صحبت میں درج ہو تو اسکی نفی نہیں ہے۔ان کا معاملہ فی ما بینہٗ وبین اللہ تعالیٰ ہے۔ ان کے اس معاملہ کے ثبوت پر ان کا نام شائع کیا جا سکتا ہے۔ دوسروں کو بلا دلیل شرعی حق تکذیب و مخالفت نہیں ہے۔

(۲) اجازت بیعت وصحبت کا حاصل شہادت اہل کمال ہے۔کمال حاصل یا متوقع پر لہذا رجوع کرتے وقت اکابر کے مسلک ومشرب پر بقاء و ثبات کی دیکھ بھال طالبین کے ذمہ بہت ہی ضروری ہے۔طالبین ان کو اس معیار پر رکھیں جو اکابر نے انتخاب مصلح کے لئے بیان کئے ہیں۔اس سلسلہ میں حضرت اقدس حکیم الامت مجدد الملۃ مولانا تھانوی نوراللہ مرقدہٗ نے جو تنبیہ فرمائی ہے بعینہٖ اسکو نقل کرنا اہم معلوم ہوتا ہے جو بہت سے اہم معلومات

پر شامل ہے۔

"دھو ھذا" میں نے مختلف اوقات میں جن صاحبوں کو بیعت لینے اور تعلیم و تلقین کی اجازت دی ہے ان میں سے بعض حضرات (اگرچہ وہ قلیل ہی ہیں) مجھ سے خط و کتابت اس قدر کم رکھتے ہیں کہ ان کے حالات موجودہ کے اندازہ کرنے کیلئے کافی نہیں اور اجازت کی حالت کا ذکر اس کا حاصل حالاً درستی اور بنا بر مناسبت بلا توقع رسوخ ہے) متغیر ہو جانا کچھ مستبعد نہیں فان الحی لا تؤمن علیہ الفتنۃ بلکہ یہ احتمال بعد راسخ ہو جانے کے بھی محال نہیں اگرچہ نادر بحکم المعدوم ہے کیونکہ رسوخ واقعی کا جسمیں تغیر عادۃً محال ہے علم قطعی کس کو ہو سکتا ہے اور ظن کی خود حقیقت جانب مخالف کے محتمل ہونیکو بتلا رہی ہے اسلئے احتیاطاً سب مجازین کے متعلق بالخصوص مکاتبت نہ رکھنے والوں کے بارے میں یہ عرض عام ہے کہ ان سے رجوع کرنے میں محض میری اجازت پر اعتماد نہ رکھیں بلکہ جو علامات احقر نے تعلیم الدین میں صاحب کمال کی لکھی ہیں ان پر منطبق کر کے عمل کریں۔ میں اپنے بعد اس کا بار اپنے سر پر نہیں رکھنا چاہتا۔ (الامداد بابت ماہ رجب ۱۳۳۷ھ ص۱۹)

تتمیم فائدہ کیلئے تعلیم الدین کی عبارت بھی بعینہٖ نقل کیجاتی ہے۔

عادۃ اللہ یونہی جاری ہے کہ کوئی کمال مقصود بدون استاد کے حاصل نہیں ہوتا تو جب اس راہ میں (طریق باطن میں) آنے کی توفیق ہو استاد طریق کو ضرور تلاش کرنا چاہیئے جسکے فیض تعلیم و برکت صحبت سے مقصود حقیقی تک پہنچے ؎

گر ہوائے ایں سفر داری دلا — دامن رہبر بگیر و پس بر آ
در ارادت باش صادق اے مرید — تا بیابی گنج عرفاں را کلید
بے رفیقے ہر کہ شد در راہ عشق — عمر بگذشت و نشد آگاہ عشق

چونکہ بدون علامت تلاش ممکن نہیں اسلئے اس مقام پر شیخ کامل کے شرائط و علامات مرقوم ہوتے ہیں۔

اول۔ علم شریعت سے بقدر ضرورت واقف ہو خواہ تحصیل سے یا صحبت علماء سے تاکہ فساد عقائد و اعمال سے محفوظ رہے اور طالبین کو بھی محفوظ رکھ سکے ورنہ مصداق ع او خویشتن گم است کرا رہبری کند کا ہوگا۔ **دوم** متقی ہو یعنی ارتکاب کبائر و اصرار علی الصغائر سے بچتا ہو۔ **سوم**۔ تارک دنیا راغب آخرت ہو ظاہری و باطنی طاعات پر مداومت رکھتا ہو ورنہ طالب کے قلب پر برا اثر پڑے گا۔ **چہارم**۔ مریدوں کا خیال رکھے کہ کوئی امر ان سے خلاف شریعت و طریقت ہو جاوے تو ان کو متنبہ کرے۔ **پنجم**۔ یہ کہ بزرگوں کی صحبت اٹھائی ہو۔ ان سے فیوض و برکات حاصل کئے ہوں۔ اور یہ ضروری نہیں کہ اس سے کرامات و خوارق بھی ظاہر ہوتے ہوں نہ یہ ضروری ہے کہ تارک کسب ہو دنیا کا حریص و طامع نہ ہو اتنا کافی ہے۔ (تعلیم الدین ص۵۱)

ابرار الحق عفا عنہ
یکم محرم الحرام ۱۴۰۹ھ

باسمہٖ تعالیٰ

فہرست تالیفات مصلح الامتؒ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

یاایھا الذین آمنوا — اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو

اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین — اور سچے لوگوں کے ساتھ رہو۔

اور علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے الیواقیت والجواہر میں لکھا ہے کہ "مشائخ کی وفات کے بعد طالبین کی اصلاح کے سلسلہ میں ان حضرات کی تصانیف بھی انکی قائم مقام ہوا کرتی ہیں"۔

اس لئے آئندہ سطور میں حضرت مصلح الامتؒ کی تمام تالیفات کی فہرست مختصر تعارف کے ساتھ پیش کیجا رہی ہے تاکہ طالبین و سالکین ان سے مستفید ہوسکیں واللہ ولی النفع ۔

حضرت مصلح الامتؒ کی تمام تالیفات کا مجموعہ چار جلدوں میں شائع ہوچکا ہے ہم یہاں اسی ترتیب کے مطابق فہرست اور تعارف پیش کرتے ہیں، پہلی جلد بتیس کتابوں پر مشتمل ہے۔

① اصلاحی مضمون

یہ ایک مختصر سا دو ورقی رسالہ ہے جسمیں باوجود علماء وصلحاء کی کثرت اور مدارس و مکاتیب کی زیادتی کے عوام میں عمومی بگاڑ کے دو اھم سبب اور ان کا علاج بتایا گیا ہے نہایت مفید مضمون ہے۔

② فوائد الصحبت

پندرہ صفحات کے اس رسالہ میں اہل کمال کی صحبت کی اہمیت اور ضرورت نیز اسکے فوائد پر روشنی ڈالی گئی ہے، بہتوں کو یہ خلجان ہوتا ہے کہ جب قرآن وسنت میں تمام احکام کرنے اور بچنے کے موجود ہیں پھر کسی بزرگ کے پاس جانے، رہنے اور مشورہ لینے کی کیا ضرورت ہے؟ اس کتاب میں اسی سوال کا مکمل اور شافی جواب ہے۔

③ تلاش مرشد

یہ گیارہ صفحات کا مضمون ہے جو دراصل ان حیران و پریشان حضرات کیلئے لکھا گیا ہے جو اصلاح و بیعت کیلئے کسی شیخ یا پیر کا انتخاب نہ کر پا رہے ہوں نہایت مفید مضمون ہے۔

④ عاقبت الانکار

آجکل مشائخ کے یہاں لوگ جو آتے جاتے ہیں اور ان سے نفع بھی چاہتے ہیں اور جب نفع نہیں ہوتا تو انکی شکایت کرتے ہیں یعنی فائدہ نہ ہونے میں مشائخ کا نقص اور انکا قصور بیان کرتے ہیں، اس مفید رسالہ میں ایسے ہی خیالات و الزامات کا جائزہ لیکر کہ یہ لوگ کہاں تک حق بجانب ہیں ان اعتراضات و الزامات کے نتائج اور عواقب پر روشنی ڈالی گئی ہے تینتیس ۳۳ صفحات کا یہ رسالہ نہایت قابل فکر مضمون پر مشتمل ہے۔

⑤ اعتقاد و انکار

یہ پندرہ صفحات میں پھیلا ہوا حضرت والا کا ایک طویل ملفوظ ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ والوں کی تنقیص و توہین دین اور دنیا دونوں کیلئے نہایت خطرناک ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کے اولیاء کو ستانا گویا خدا تعالیٰ کو ستانا ہے لہذا انجام ظاہر ہے، موجودہ زمانہ کے لحاظ سے یہ رسالہ حرز جان بنانے کے لائق ہے۔

⑥ علم کی ضرورت

یہ ایک دینی و علمی مقالہ ہے جو قومی لائبریری الہ آباد کے افتتاحی جلسہ میں پڑھا گیا مقالہ دیندار حلقوں میں ہاتھوں ہاتھ لئے جانے کے قابل ہے۔ (صدق جدید) بیس صفحات پر مشتمل ہے۔

⑦ تحذیر العلماء

یہ تو کھلی بات ہے کہ عوام کا بگاڑ اور فساد خواص کے بگاڑ سے ناشی ہے اس لئے اس رسالہ میں خواص کی بعض اہم کوتاہیوں کی نشاندہی کرکے اصلاح کا طریق بتلایا گیا ہے خصوصاً عالمگیر مرض نفاق اور اسکی ضد اخلاص کی بحث پر تفصیل سے کلام کیا گیا ہے اصل رسالہ تو انیس صفحات کا ہے لیکن اپنے ضمیمہ "تحذیر العلماء عن خصال السفہاء" سے ملکر تینتیس صفحات پر پھیل گیا ہے قابل دید ہی نہیں بلکہ حرز جان بنانے کے لائق ہے۔

⑧ توقیر العلماء

علماء ربانی اور مشائخ حقانی کا ادب و احترام ظاہر ہے کہ دین اور شریعت کی روح ہے لیکن موجودہ دور میں یہ روح ختم ہوتی جا رہی ہے بلکہ قصداً ختم کیجا رہی ہے اسی کی اہمیت اور ضرورت کو تفصیل سے اس اٹھارہ صفحات کے رسالہ میں بیان کیا گیا ہے۔ دراصل یہ ملا علی قاری کی "شرح فقہ اکبر" کی فصل العلم والعلماء کا کچھ تشریح و توضیح کے ساتھ ترجمہ ہے موضوع کی اہمیت، مصنف کا فضل و کمال اور مترجم و شارح کا حسن بیان نورٌ علیٰ نور کا مصداق ہے۔

⑨ الامر الفارق بین المخلص والمنافق

دس صفحہ کا یہ رسالہ جیسا کہ نام ہی سے ظاہر ہے مخلص اور منافق کے درمیان تمیز، اپنے اور غیر کیلئے کسوٹی اور معیار ہے دینی کام کرنے والوں کیلئے مشعل راہ ہے۔

⑩ تواصی بالصبر

ایک خاص معاملہ میں مسلمانوں کے درمیان فتنہ و فساد ابھر آنے کا اندیشہ ہوگیا تھا لہٰذا اس موقعہ پر حضرت مصلح الامتؒ نے مسلمانوں کو صبر کی تلقین کیلئے آٹھ صفحات کا یہ مضمون مرتب فرماکر شائع فرمادیا قابل دید ہے۔

⑪ ادائے حقوق

بارہ[۱۲] صفحات کے اس رسالہ میں قرض سے نجات پانے کا مسنون علاج تحریر کیا گیا ہے اور ادائے قرض وحقوق کی ترغیب اور ترہیب بیان کی گئی ہے، مدلل گفتگو ہے۔

⑫ ارتفاع الضیق

یہ رسالہ چودہ صفحات پر مشتمل ہے اسمیں دوستی اور دشمنی کا شرعی اصول اور معیار بیان کیا گیا ہے اور عقلی ونقلی دلیلوں سے ثابت کیا گیا ہے کہ اسی معیار کے نہ اختیار کرنے کیوجہ سے آج مسلمان گوناگوں دینی اور دنیوی پریشانیوں میں مبتلا ہیں اور طرح طرح کے نقصانات کے شکار ہیں اپنے موضوع پر ایک اچھوتی بحث۔

⑬ مضمونِ نمیمہ

نمیمہ یعنی چغلخوری جو ظاہر ہے کہ تمام اداروں، مرکزوں اور خانقاہوں کے فساد کی جڑ اور اصل بنیاد ہے ایک مصلح امت کی نگاہ سے کیسے اوجھل رہ جاتی، حضرت والا نے اس رذیلہ کی خرابیوں اور اسکے نتائج کو اکابر کی عبارات سے مدلل کرکے نہایت تفصیلی گفتگو فرمائی ہے جو چھیالیس[۴۶] صفحات پر پھیلی ہوئی ہے خود بھی پڑھنے سننے اور دوسروں کو بھی سنانے کے قابل مضمون ہے۔

⑭ نعم الامیر علیٰ باب الفقیر

مال کے سلسلے میں ہمیشہ دو گروہ رہے ہیں ایک طبقہ اسکو مطلقاً مذموم کہتا ہے اور یہ غیر محقق صوفیا، کا مذہب ہے اور دوسرا مطلقاً محمود سمجھتا ہے اور یہ دنیاداروں کا مسلک ہے حالانکہ حضرات محققین کے نزدیک مال اپنی ذات میں نہ مذموم ہے نہ محمود۔ اسی حقیقت کو اس چودہ صفحات کے رسالہ میں آئینہ کیا گیا ہے۔

---

(۱۵) النعم علیٰ خیر الامم

بارہ صفحات پر مشتمل اس رسالہ میں ان انعامات خاصہ کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ علیٰ صاحبہا التحیۃ پر فرمائے ہیں بہت سے واقعات، حکایات اور کرامات پر مشتمل دلچسپ اور مفید مضمون ہے۔

(۱۶) طریقۂ اصلاح

یہ حضرت مصلح الامت کا ایک طویل ملفوظ ہے جو بیس صفحات پر پھیلا ہوا ہے جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے اسمیں حضرت مصلح الامت نے دین کے داعیوں اور مبلغوں کو بہت سے واقعات اور حکایات اور تجربات کی روشنی میں صحیح طریقۂ اصلاح بتلایا ہے۔

(۱۷) طریقۂ کار مع ضمیمہ

یہ رسالہ بھی درحقیقت حضرت والا کا ایک طویل ملفوظ ہے جسمیں اس موضوع پر کلام کیا گیا ہے بزرگوں کی تصانیف انکے بعد انکی نائب ہوتی ہیں لہذا جو علوم و افادات بزرگوں کی مجالس میں ملتے ہیں اگر وہ نہ ہوں تو انکی کتابوں میں تلاش کرنا چاہیئے، اسی عنوان پر انتیس ۲۹ صفحات میں پھیلا ہوا نہایت مدلل اور مکمل مضمون۔

(۱۸) (۱۹) تمسک بالسنۃ اور مژدۂ جانفزا

اٹھارہ صفحات پر پھیلا ہوا یہ مضمون دراصل حضرت والا کی ایک تقریر اور ایک رسالہ کا مجموعہ ہے جسمیں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ سنت پر عمل ہی مسلمانوں کیلئے واحد راہ عمل اور راہِ نجات ہے اور فساد امت کے وقت سنت کو زندہ کرنے پر جو فضیلت وارد ہوئی ہے اسکا بیان ہے نہایت مہتم بالشان مضمون ہے۔

(۲۰) افاضاتِ بمبئی (کامل)

یہ رسالہ چھبیس ۲۶ صفحات کا ہے اور یہ بھی قیام بمبئی کے دوران کا ایک طویل ملفوظ ہے بلکہ یوں کہئے کہ تقریر ہے جسمیں آیت کریمہ وعباد الرحمٰن الذین یمشون الخ کی تشریح کرتے ہوئے یہ بتلایا گیا ہے کہ عبادِ الرحمٰن (رحمٰن کے بندے) کون لوگ ہیں بہت سے نفائس پر مشتمل ایک عمدہ اور مفید بیان ۔

نوٹ :۔ یہ کل بیس رسالے ہوئے جو "مجموعہ تالیفات مصلح الامت" کی پہلی جلد میں طبع ہوئے ہیں ۔ اب آگے "جلد دوم" کی فہرست کتب پیشِ خدمت ہے اسمیں کل چودہ رسالے ہیں ۔

(۲۱) (۲۲) مفتاح الرحمۃ اور راہِ صفا

درحقیقت یہ دو۲ رسالے ہیں جو چونتیس ۳۴ صفحات پر مشتمل ہیں مضمون کی یکسانیت کی بنا پر ایک ساتھ طبع کئے گئے ، ان دونوں رسالوں میں حضور پاک صلے اللہ علیہ وسلم سے منقول جامع اور مؤثر دعاؤں کی دلنشین اور مؤثر پیرایہ میں تشریح کی گئی ہے اور یہ دکھلایا گیا ہے کہ ان دعاؤں میں دین اور دنیا کی تمام ضروریات کا مختصر سے مختصر الفاظ میں کس طرح احاطہ کرلیا گیا ہے ، خاص خاص دعاؤں کی تشریح اور ترغیب میں یہ دونوں رسالے بے نظیر ہیں ۔

(۲۳) خوفِ آخرت

بمبئی کے دوران قیام کا آٹھ صفحات پر پھیلا ہوا طویل ملفوظ جس میں انبیاء اور اکابر کے خوفِ آخرت کا نمونہ پیش کرکے آخرت کا خوف اور اسکی تیاری کی ترغیب دی گئی ہے

(۲۴) ایقاظ الافکار بذکر الجنۃ والنار

حضرت مصلح الامت کا خاص خیال یہ تھا کہ آج کل واعظین اور علماء نے جنت اور دوزخ کی بحث ختم کردی ہے اس لئے عوام میں شوق اور خوف روز بروز کم ہوتا جارہا ہے اسی خیال کے پیشِ نظر چونتیس ۳۴ صفحے کا یہ رسالہ تالیف فرمایا جس میں جنت کا شوق دلایا گیا ہے اور دوزخ

سے نوف، نہایت ضروری اور مفید مضمون ہے۔

(۲۵) اعترافِ ذنوب

بیاسی صفحات پر پھیلی یہ کتاب دراصل حضرت والا کی تین مجالس کے ملفوظات ہیں جس میں بہت سے واقعات اور نصوص سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اپنے عجز و قصور کا اعتراف اور گناہوں سے استغفار کرتے رہنا یہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک عظیم سنت ہے، سنت کے محبین اور راہِ خدا کے سالکین کیلئے بیش بہا قیمتی تحفہ ہے۔

(۲۶) الاصول النادرۃ لاصلاح الامۃ الحاضرۃ

یہ رسالہ چھبیس[۲۶] صفحات کا ہے اور غالباً حضرت مصلح الامت کی سب سے پہلی تالیف ہے اس میں دعوت و تبلیغ سے متعلق اکابر کی کتابوں سے اخذ کرکے چند نہایت نادر اصول جمع فرمائے ہیں جنکے پیش نظر رکھنے سے تبلیغ میں جان پیدا ہو جاتی ہے، مبلغین اور مصلحین کیلئے سرمۂ بصیرت۔

(۲۷) ایجادات کی حقیقت

سائنس کی ترقی اور روز بروز نئی نئی ایجادات نے ہر شخص کو متحیر کر رکھا ہے لیکن ان تمام آلات سے زیادہ حیرت کی چیزیں انسان کے سامنے پہلے سے ہیں مگر انکی حقیقت کی طرف ذہن نہیں منتقل ہوتا ہے اور جو تحیر قدم قدم پر ہونا چاہیئے تھا اس سے غفلت ہے اٹھائیس صفحات پر مشتمل یہ رسالہ اسی حقیقت کو آشکارا کرتا ہے۔

(۲۸) حج ربّ البیت

یہ بیس صفحات کا مضمون ہے جس میں حج سے متعلق بعض بزرگوں کے بظاہر موحش کلمات کی تاویل و توجیہہ کرتے ہوئے حج بیت اور حج ربّ البیت کا فرق واضح کیا گیا ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ حج کا اصل فائدہ اور لطف انہی کو حاصل ہو سکتا ہے جو دل کی اصلاح سے آراستہ ہو کر خدا تعالیٰ سے صحیح نسبت استوار کر چکے ہوں۔ نہایت بصیرت افروز ہے۔

(۲۹) مضمونِ طہارت

چھبیس ۲۶ صفحات کا مضمون ہے اور اسمیں پاکی و طہارت کی اہمیت ترغیب اور اسکی حکمتوں کو بیان کرتے ہوئے عجیب عجیب نکتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ایک انوکھی بحث ہے دیکھنے ہی سے تعلق رکھتی ہے۔

(۳۰) مضمونِ اُخُوّت

اس رسالہ میں اخوت اور صحبت کے آداب اور حقوق پر روشنی ڈالی گئی ہے اخوت جیسے ایک باپ کے دو بیٹوں میں ہوتی ہے ایسے ہی ایک استاذ کے دو شاگردوں میں، ایک پیر کے دو مریدوں میں بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ایک نبی کے دو امتیوں میں بھی ہوتی ہے اسی اعتبار سے ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ پیش نظر عنوان کے تحت اسی اخوتِ دینی کے حقوق و آداب کا بیان کیا گیا ہے تمام مسلمانوں کیلئے عموماً اور پیر بھائیوں کیلئے خصوصاً قابلِ مطالعہ مضمون ہے

(۳۱) تعلیم و تربیتِ اولاد

اولاد کی تعلیم و تربیت کی اہمیت سے کون ناواقف ہے اپنے ہوں یا پرائے سب متفق ہیں کہ یہ ضروری چیز ہے لیکن یہ بات ہر ایک نہیں جانتا کہ صحیح تربیت کیسے کیجاتی ہے اور کن خطوط پر کیجاتی ہے کہ انسان کے بچے انسان ہی بنیں جانور نہ بن جائیں، چھبیس ۲۶ صفحات کے اس رسالہ میں اسی عنوان پر مؤثر اور مفید گفتگو کی گئی ہے، ہر باپ اور مربی کو یہ رسالہ ضرور پڑھنا چاہئے۔

(۳۲) سعادتِ حقیقیہ اور وصیت نبویہ

نیک بختی اور سعادت ہر شخص کو مطلوب ہے لیکن اسکے حصول کا طریقہ اور اسبابِ حصول سے ناواقفیت کیوجہ سے اکثر لوگ اس سے محروم رہ جاتے ہیں اڑتیس ۳۸ صفحے کے اس مضمون میں حقیقی سعادت حاصل کرنے کا طریقہ اور اس کے اسباب پر روشنی ڈالی گئی ہے ہر طالبِ سعادت کیلئے مشعلِ راہ ہے۔

(۲۳) جنّت

جنّت بھی ہر صاحبِ ایمان کا مطلوب و مقصود ہے لیکن طلب کی اس راہ کو مشکلات اور موانع سے گھیر دیا گیا ہے تاکہ طلب کا امتحان ہو سکے انہی مشکلات و موانع کے حل پر مشتمل بیس صفحات کا یہ رسالہ قابلِ دید ہے۔

(۲۴) اتباعِ سُنّت

چوبیس صفحات کے اس رسالہ کا موضوع عنوان ہی سے ظاہر ہے اور اہمیت کے لئے حضرت والا کا ارشاد ملاحظہ ہو "جس شخص نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا راستہ نہیں اختیار کیا وہ کبھی بھی خدا کی بارگاہ تک نہیں پہونچا اور پہونچنا تو بجائے خود رہا اس درگاہ کی گردِ راہ کو بھی اس نے نہیں پایا اسی لئے آپ کے سامنے سنّت کا مضمون چھیڑا ہے تاکہ آپکو راستہ مل جائے"

تنبیہ :- یہاں پر مجموعہ "تالیفات مصلح الامتؒ" کی جلد دوم تمام ہوئی، آگے جلد سوم کی فہرست نقل کیجاتی ہے اور اس میں دس کتابیں شامل ہیں۔

(۲۵) مضمونِ ذکر

جیسا کہ نام ہی سے ظاہر ہے، چھیالیس صفحات کے اس رسالہ میں ذکر کی اہمیت اور حقیقت کے متعلق حضرت مصلح الامتؒ نے جو افادات فرمائے انکو کچھ اضافات کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

(۲۶) وصیۃُ الذِّکر

مضمونِ ذکر کی اشاعت کے بعد مزید افادہ کیلئے بیاسی صفحات پر مشتمل یہ طویل رسالہ مرتب کیا گیا جس میں ذکر کی حقیقت اہمیت اور آداب پر مزید حوالوں سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

(۳۷) ذکر اللہ تعالےٰ

چودہ صفحے کا یہ مضمون بھی پچھلے دونوں رسالوں کیطرح ذکر کے موضوع پر مشتمل ہے گویا ان دونوں کا تکملہ ہے اور اپنے اندر قند مکرر کا لطف رکھتا ہے۔

(۳۸) التذکیر بالقرآن

یہ رسالہ درحقیقت ایک مکتوب ہے جو مولانا علی میاں مدظلہم کے نام لکھا گیا تھا اور پھر عام افادہ کے لئے الفرقان میں طبع ہوا جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس میں اس امر کیطرف توجہ دلائی گئی ہے کہ آج بھی امت کی نصیحت اور اصلاح کیلئے قرآن پاک ہی سب سے مؤثر کتاب ہے، لہٰذا بزرگوں کے ملفوظات اور اشعار سے زیادہ توجہ قرآن و سنّت کے بیان پر ہونی چاہئے چالیس صفحات کا یہ مکتوب ایک سرمۂ بصیرت ہے مصلحین اور مبلغین کیلئے۔

(۳۹) تلاوت قرآن

پورا نوے صفحات پر پھیلی ہوئی یہ کتاب حضرت مصلح الامت کی معرکۃ الآرا تصنیف ہے جس میں حضرت والا نے نہایت تفصیل اور بسط سے تلاوتِ قرآن کی اہمیت فضیلت اور آداب وحقوق پر کلام فرمایا ہے، نہایت ضروری اور بروقت مؤثر پیرایۂ بیان کے ساتھ بے نظیر تصنیف عمل کرنے بلکہ حرز جان بنالینے کے قابل مضامین۔

(۴۰) وصیۃ التلاوۃ

قیام بمبئی کے دوران پانچ دن مسلسل تلاوت ہی کے عنوان پر حضرت مصلح الامت نے گفتگو فرمائی۔

یہ کتاب انہی پانچ مواعظ کا مجموعہ ہے جو چھیانوے صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں، تلاوت حضرت والا کا خاص موضوع تھا اسی سے کتاب کی اہمیت اور افادیت ظاہر ہے۔

(۴۱) ذکر اللہ عزّ و جلّ

اگرچہ ذکر اللہ پر تین رسالے اور بھی ہیں جن کا تعارف گذر چکا اور یہ بھی اسی عنوان پر ہے لیکن عنوان کے اتحاد سے مضمون میں یکسانیت کا شبہ نہ ہو ہر ایک رسالہ اپنے موضوع پر انفرادیت کا حامل ہے اور افادیت سے خالی نہیں ہے، پچاس صفحات کا یہ مضمون بھی بار بار پڑھنے اور عمل میں لانے کے قابل ہے۔

(۴۲) (۴۳) مضمونِ تہجد اور مسنون دعائیں

بیس صفحات پر مشتمل یہ رسالہ دو کتابوں کا مجموعہ ہے پہلی کتاب میں تہجد کے فضائل ترغیبات اور فوائد کے ساتھ تہجد کیلئے معین اسباب بھی ذکر کئے گئے ہیں اور دوسری کتاب میں مسنون دعاؤں کی اہمیت اجاگر کرنے کے بعد خاص خاص دعاؤں کو مع ترجمہ کے جمع کر دیا گیا ہے سالکین کے لئے خصوصاً نہایت کام کی کتاب ہے۔

(۴۴) وصیۃ السالکین

بارہ صفحات کا یہ رسالہ دراصل حضرت مصلح الامتؒ کے متعلقین و منتسبین کے لئے ایک دستور العمل اور پرچۂ معمولات تھا جو ہر مرید کو عطا فرمایا جاتا تھا۔ حضرت نے تحریر فرمایا ہے، "حضرات مشائخ کا دستور ہے کہ وہ اپنے مریدوں کو شجرہ مرحمت فرمایا کرتے ہیں پس جو لوگ کہ مجھ سے تعلق اور محبت رکھتے ہیں وہ میری اس وصیت کو بمنزلۂ شجرہ ہی کے تصور کریں اور اس کو کبھی کبھی پڑھ لیا کریں۔"

تنبیہ:- یہاں پر مجموعہ کی تیسری جلد مکمل ہو گئی ہے آگے جلد چہارم کی فہرست پیش کیجا رہی ہے اور اسمیں کل چار کتابیں ہیں۔

(۴۵) وصیۃ الاخلاص

چھیانوے صفحات کی یہ کتاب جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اخلاص کی فضیلت و ترغیب

نفاق کی مذمت و ترہیب اور اخلاص کے حصول کے طریقہ پر مشتمل ہے، ساتھ ہی تعلیم و تعلم کے فضیلت پر بھی ایک نئے انداز سے کلام کیا گیا ہے جو یقیناً اہل علم اور سالکین حضرات کے لئے دلچسپ اور دلپذیر چیز ہے، حضرت والا کے خاص رسائل میں سے ہے۔

(۴۶) تصوف اور نسبتِ صوفیہ (اوّل دوم)

اس دور انکار و عناد میں تصوف اور اسکے مسائل پر جس قدر شدید حملہ ہے کسی پر مخفی نہیں ہے جماعتوں کی جماعتیں، طبقات کے طبقات نہ صرف یہ کہ اسکی اہمیت و ضرورت سے غافل ہیں بلکہ منکر اور مخالف ہیں اور بعض طبقات کی مخالفت اختلاف سے بڑھ کر حد عناد تک پہونچ چکی ہے اس رسالہ میں تصوف کی حقیقت اور اہمیت پر محققانہ کلام فرما کر اس فتنہ کا سدِ باب کیا گیا ہے ہر خاص و عام اور مخالف و موافق سب کے دیکھنے اور غور کرنے کی چیز ہے، دو حصے ہیں اور یہ دونوں حصے اپنے ضمیموں سے ملکر کل دو سو چالیس صفحات پر مشتمل ہیں۔

(۴۷) وصیۃ السنۃ

افاضات بمبئی کا ایک اہم اور زریں حصہ نوے صفحات پر مشتمل ایک مہتم بالشان رسالہ۔ دراصل یہ ان مضامین کا مجموعہ ہے جو سنّت کی ترغیب و اہتمام کے موضوع پر حضرت والا نے بیان فرمائے، اہمیت اور افادیت کے پیش نظر مستقل رسالہ کی شکل میں طبع ہوا، نہایت مفید اور حرز جان بنانے کے قابل مضامین ہیں۔

(۴۸) بشریت کی راہ سے ترقی

بائیس صفحات پر مشتمل یہ رسالہ بھی ان دو مجالس کا مجموعہ ہے جو سنت کی ترغیب و اہتمام کے متعلق حضرت والا نے قائم فرمائیں اسطرح گویا یہ "وصیۃ السنۃ" کا ضمیمہ ہے۔

تنبیہ :- یہاں پہونچ کر "مجموعہ تالیفات مصلح الامت رح" کی وہ چار جلدیں مکمل ہو گئیں جو اس نام سے طبع ہوئی تھیں باقی پانچویں جلد ابھی تک مجموعہ کی شکل میں طبع نہیں ہو سکی ہے البتہ یہ تالیفات علیحدہ علیحدہ مستقلاً شائع ہو چکی ہیں اور اس جلد میں پانچ کتابیں شامل ہیں۔

(۴۹) وصیۃ الاحسان مکمل

یہ حضرت مصلح الامتؒ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جو کتابی شکل میں بھی شائع ہو چکے ہیں اور رسالہ "الاحسان" الہ آباد میں بھی شائع ہوتے رہے ہیں، زندگی کے تجربات، اکابر کے واقعات، دلچسپ اور مفید حکایات اور تصوف و سلوک سے متعلق قیمتی ارشادات پر مشتمل ایک بہترین مجموعہ اور قابلِ دید رسالہ ہے۔

(۵۰) وصیۃ الاخلاق مکمل

اٹھاسی صفحات پر مشتمل یہ کتاب اگرچہ بظاہر اخلاق کے موضوع پر معلوم ہوتی ہے لیکن درحقیقت یہ حضرت مصلح الامت کی تمام تعلیمات کا خلاصہ اور نچوڑ ہے، چنانچہ اخلاق کے ساتھ تلاوتِ قرآن، سنت کی پیروی، اعمال پر مداومت، اور دعاؤں کے اہتمام جیسے خاص خاص عنوانات پر بھی کلام کیا گیا ہے اور اخلاق تو اسکا خاص اور اصل موضوعِ بحث ہی ہے نہایت ضروری اور مفید مضامین پر مشتمل حرزِ جان بنانے کے قابل کتاب ہے۔

(۵۱) ضمیمہ تلاوتِ قرآن

"تلاوت القرآن" سے متعلق بعض مضامین کا اضافہ جو الگ سے بھی شائع ہوا۔

(۵۲) ضمیمہ اخوت

رسالہ "اخوت" جسکا تعارف پہلے گذر چکا ہے اسی سلسلے کا ایک مضمون جو ضمیمہ کے عنوان سے شائع ہوا۔

کتب تجویز فرمودہ برائے سالکین

یعنی حضرت والا سے اصلاحی تعلق قائم کرنے والوں کا نصاب[1] تعلیم جو ہر مرید و سالک

---

[1] اصلاحی نصاب کے نام سے یہ مجموعہ طبع ہو کر دستیاب ہے۔

کیلئے تجویز فرمایا جاتا ہے۔

(۱) بہشتی زیور (۲) حیوۃ المسلمین (۳) تعلیم الدین (۴) اصلاح الرسوم (۵) آداب المعاشرۃ (۶) قصد السبیل (۷) فروع الایمان (۸) جزاء الاعمال۔ اور ان کتابوں کے ساتھ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے مواعظ وملفوظات جو میسر آسکیں۔

وہ نایاب قدیم کتب حضرت والا کے حکم سے جنکے ترجمے کئے گئے

(۱) ترصیع الجواہر المکیہ فی تزکیۃ الاخلاق شیخ عبدالغنی رافعی طرابلسی رحمۃ اللہ علیہ کی بے نظیر تصنیف کا بامحاورہ اردو ترجمہ۔ ترجمان مصلح الامت حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب جامیؒ کے قلم سے طبع ہوکر خانقاہ مصلح الامت سے شائع ہوچکا ہے، حضرت مصلح الامت کی خاص پسندیدہ کتب میں سے ہے۔

(۲) اسوۃ الصالحین حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور اور مفید تالیف آداب الصالحین کا سلیس اردو ترجمہ، یہ کتاب معیشت اور معاشرت صحبت اور اخوت کے آداب وحقوق پر مشتمل ہے اسی لئے حضرت مصلح الامتؒ کی خواہش تھی کہ سلیس اردو میں ہوکر خاص وعام کے افادہ کا ذریعہ بنے، چنانچہ حضرت کے ترجمان ہی کے قلم سے حضرت والا کی یہ خواہش پوری ہوئی تین سو چودہ صفحات کی یہ کتاب خانقاہ مصلح الامت سے شائع ہوچکی ہے۔

(۳) ترغیب الفقراء والملوک حضرت مولانا ضیاء الدین بخشی کی تالیف "سلک السلوک" کا اردو ترجمہ، حضرت مولانا عبدالرحمن جامی صاحبؒ کے قلم فیض رقم سے۔ یہ ترجمہ بھی خانقاہ سے شائع ہوچکا ہے، تصوف کے نہایت اہم مباحث پر مشتمل ہے

(۴) تنویر السالکین فقیہ ابو اللیث سمرقندی کی تصنیف تنبیہ الغافلین کا ترجمہ، مترجم مولانا عبدالرحمن جامیؒ، یہ ترجمہ معرفت حق اور وصیۃ العرفان میں شائع ہوتا رہا ہے مستقل کتاب کی صورت میں ابھی تک طبع نہیں ہوسکا "کل امر مرھون باوقاتہ"۔

(۵) مکاتیب رشیدیہ قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

کے مکتوبات معرفت مزید افادات کے اضافہ کیساتھ، یہ بھی معرفت حق اور وصیۃ العرفان میں شائع ہوئے ہیں کتابی شکل میں ابتک طبع نہیں ہوسکے والمقدّر کائن۔

(۶) **ثمرات الاوراق** مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے منتخب کردہ وہ مضامین ہیں جو مطالعہ کے دوران آپ وقتاً فوقتاً جمع کرتے رہے نہایت مفید، عبرت انگیز اور دلچسپ مضامین کا مجموعہ ہے، ابھی تک ہندوستان میں طبع نہیں ہوا البتہ پاکستان سے "کشکول" کے نام سے طبع ہوگیا ہے۔

کتب متفرقہ

یعنی وہ کتابیں اور مضامین جنکا حضرت والا کی ذات سے کسی طرح کا تعلق ہو مثلاً حضرت والا کی سوانح، حضرت والا کی مدح میں قصائد، حضرت کے اسفار کی روداد یا حضرت والا کی تصنیفات سے انتخاب وغیرہ

(۱) حیات مصلح الامت رح	ایک مختصر جامع اور مرتب سوانح	تالیف مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی
(۲) تذکرہ مصلح الامت رح (دو حصہ)	سب سے پہلے شائع ہونیوالی سوانح	تالیف حضرت مولانا قمر الزماں صاحب مدظلہ
(۳) گلستان معرفت	مجالس علیگڈھ	جمع و ترتیب ڈاکٹر صلاح الدین صاحب مدظلہ
(۴) باغ رضوان	قصیدۂ مدحیہ	از مولانا محمد فاروق صاحب جذبی اتراؤں
(۵) خمخانۂ باطن	قصیدۂ مدحیہ	از مولانا ابوالحسنات صاحب فانی کوپاگنج
(۶) درد و درماں	منتخب مضمون	انتخاب مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی

(۷) وفات مصلح الامت رح ان چند خطوط کا مجموعہ جو حالات وفات پر مشتمل ہیں اور یہ رسالہ حالات مصلح الامت میں بھی شامل ہے

(۸) محبت الٰہی اور ہوی النفس	منتخب مضمون	انتخاب مولانا عرفان احمد صاحب مدظلہ
(۹) غصہ اور اسکا علاج	" "	
(۱۰) مضامین "الاحسان"	ماہنامہ "الاحسان" میں شائع ہونیوالے مضامین	ناشر اول تعلیمات مصلح الامت
(۱۱) ارشاد الطالبین	حضرت کا پسندیدہ رسالہ	تصنیف حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی
(۱۲) وصیۃ الرحمٰن لعداوۃ الشیطان	تنبیہ الغافلین کا ایک باب	انتخاب و ترجمہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب جامی
(۱۳) سفر نامہ علیگڈھ	حضرت والا کے سفر علیگڈھ کی روداد	ترتیب ڈاکٹر صلاح الدین صاحب مدظلہ
(۱۴) حالات مصلح الامت رح (۴ ضخیم حصے)	ہزاروں صفحات پر پھیلا ہوا نہایت مفصل اور مکمل دلچسپ تذکرہ	تالیف، ترجمان مصلح الامت حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب جامی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا مفتی عبدالقدوس رومی